وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

الأَنبِيَاءُ أَحيَاءٌ فِي قُبُورِهِم يُصَلُّونَ (الحديث)

مجموعہ کتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۱۳



مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ، ملتان فون : 061-4783486

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

مجموعۂ کتب

حیات الانبیاء علیہم السلام

۱۳

مکتبہ رحمانیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام (جلد سیزدہم)

مصنفین : حضرت مولانا محمد عبد الحمید تونسوی مدظلہ

حضرت مولانا عبد الغنی طارق لدھیانوی مدظلہ

حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی مدظلہ

حضرت مولانا رسال محمد حفظہ اللہ (صوابی)

حضرت مولانا غلام رسول دین پوری مدظلہ

صفحات : ۴۹۶

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : نومبر ۲۰۲۴ء

اسٹاکسٹ : ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

0322-6180738

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ ملتان

0301-7500173 0303-7396203

0301-7904257 0344-7121967

اجمالی فہرست

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

احقاق الحق

یعنی

عقیدۂ حیات الانبیاء علیہم السلام اور اس کے دلائل

مؤلف:

حضرت مولانا محمد عبد الحمید تونسوی مدظلہ

احقاق الحق



احقاق الحق یعنی عقیدہ حیات الانبیاء اور اس کے دلائل

مولانا محمد عبد الحمید تونسوی مدظلہ



ناشر: مرکز رحماء بینہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

مولانا محمد عبد الحمید تونسوی مدظلہم

امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے حضرت مولانا عبد الحمید تونسوی مدظلہم نامور مناظر، محقق اور دانشور اور شہرۂ آفاق خطیب ہیں۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ نے ''احقاق الحق یعنی عقیدہ حیات الانبیاء اور اس کے دلائل'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ قرآن وسنت، مذاہب اربعہ کی فقہی کتب، دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث کے اکابر علماء کرام کی تصریحات کی روشنی سینکڑوں حوالہ جات وواقعات پر مشتمل جامع دستاویز جمع کر دی ہے۔ یہ کتاب بھی اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن اوّلین

راقم الحروف بندہ ناچیز محمد عبد الحمید تونسوی عفا اللہ عنہ عرض رسا ہے کہ ۱۴۳۳ھ میں جب احقر کا حج کے ارادہ سے حجاز مقدس جانا ہوا اور مناسکِ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو ایک دن بندہ ناچیز مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ منورہ کے ایک عالم، شیخ احمد محمد الامین احمد بحرینی (فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی) سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔

تعارف کے بعد کئی مسائل پر گفتگو ہوئی اور بالآخر عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر بات چل نکلی، میں نے عرض کیا کہ یہ صرف ہمارا نہیں بلکہ تمام اسلاف کا عقیدہ یہی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ عقیدہ کہاں مذکور ہے؟ اس پر بندہ ناچیز نے ان سے کسی قدر تفصیل سے بات چیت کی ...... جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''ماہرین شریعت نے کتاب وسنت کی روشنی میں تمام عقائد اسلام کی مکمل تشریح و وضاحت فرمادی ہے۔ **مجملہ** ان عقائد اسلامیہ کے اہل سنت والجماعت کا ایک **مسلمہ** عقیدہ، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا بھی ہے، جس کا تمام سلف وخلف ہر دور میں اقرار کرتے چلے آئے ہیں اور اس عقیدے کی توضیح وتبلیغ اس لئے بھی ضروری ہے کہ کسی مسلمان اور مومن کے لئے اپنا جاننا اس قدر ضروری نہیں، جتنا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا جاننا ضروری ہے۔ جو شخص اپنے نبی مکرم ﷺ کو نہیں جانتا، وہ اپنے اسلام وایمان کو کیسے جان سکتا ہے؟ مومن اپنے وجود ایمانی میں سراسر وجود پیغمبر کا محتاج ہے۔ اگر حضرت رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے صَرف نظر کر لی جائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی کسی مسلمان کا وجود ایمانی باقی نہیں رہ سکتا۔

ایمان بالرّسول کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح ہر شخص حضرت رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں نبوت کو تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح آپ کی رحلت کے بعد بھی نبوت کا آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ یقین رکھے، ورنہ اشھد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ کی گواہی مکمل طور پر ثابت نہ ہو سکے گی۔ اس لئے کہ جب روح کا آپ کے جسم مبارک کے ساتھ تعلق نہ ہوگا تو نہ ہی ''عبد'' کا مفہوم پورا ہوگا اور نہ ہی وصف نبوت اس کے ساتھ ثابت ہو سکے گی۔ شان نبوت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جسد اطہر کے ساتھ روح انور کا پورا پورا تعلق ہو اور ذات محمد عربی ﷺ کی حیات اور کمالات حیات یعنی عقل وفہم اور شعور وعلم ثابت ہوں، اس کے بغیر عبدیت اور اس کے ساتھ وصف نبوت کا ثبوت ممکن نہیں۔

یاد رکھیں کہ حیات کے بغیر جسد اطہر کو وصف نبوت سے خالی سمجھنے کا نظریہ معتزلہ کا ہے، اہل سنت والجماعت کا نہیں۔

معتزلہ کا خیال یہ ہے کہ میت قبر میں بے جان ہوتی ہے، جسے قبر میں عذاب وثواب نہیں ہوتا...... اور کرامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ میت قبر میں ہوتی تو بے جان ہے، لیکن عذاب وثواب قبر میں ہوتا ہے......

جب کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں روح کا میت کے جسم سے تعلق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اسے ثواب وعذاب ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اکابر اہل سنت تو عام موتیٰ کی حیات وسماع فی الجملہ کے بھی قائل ہیں۔ (شرح عقیدۃ الطحاویہ لابن ابی العزحنفی ص ۴۰۰ قدیمی، ردالمحتار لابن عابدین ج ۳ ص ۴۴، تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی ج ۹ ص ۷۷، تفسیر روح البیان للشیخ اسماعیل حقی ج ۸ ص ۱۹۱)

جب عام موتی کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام تو سب سے بلند وبالا ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور یہی مذہب جمہور اہل سنت کا ہے اور یہی حق ومنصور ہے۔ وگرنہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ہماری ایمانی شہادت ناقص ٹھہرے گی۔ (العیاذ باللہ)

اسی لئے اہل سنت والجماعت حیات الانبیاء علیہم السلام کے عقیدہ کے قائل ہیں اور ائمہ مجتہدین اور محدثین ومتکلمین (عرب وعجم کے علماء، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) سبھی اسی عقیدہ پر متفق ہیں۔''

☆...... حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''جاننا چاہئے کہ سواد اعظم اہل سنت والجماعت کا سلف اور خلف سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیاوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو دنیا میں آپ کو حاصل تھی اور جس کو روضہ منورہ میں دفن کیا گیا تھا...... (حیات انبیاء کرام ۸۰)

''اہل سنت والجماعت کے برخلاف معتزلہ اور روافض، عذاب قبر کے قائل نہیں ہیں، ان کا نظریہ یہ ہے کہ قبر میں عذاب وثواب کچھ نہیں۔ ان کے نزدیک اجساد مدفونہ محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں اور عالم برزخ میں انتقال کرنے کے بعد روح وبدن میں کلی مفارقت رہتی ہے۔''

شرح عقائد نسفی میں ہے کہ: ''وانکر عذاب القبر بعض المعتزلۃ والروافض (اور بعض معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے) (ص ۷۲)

معتزلہ کی شاخ فرقہ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ ہیں تو جمادی حیثیت میں، لیکن عذاب وثواب قبر پھر بھی حق ہے۔ حالانکہ جب جماد میں حس ہی نہیں ہے تو اس کی تعذیب وتنعیم اور لذت والم کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔

میت کو جماد تسلیم کرتے ہوئے عذاب قبر کا اقرار کرنا محض سفسطہ اور مغالطہ دہی اور در پردہ انکار کی ہی اقرار نما صورت ہے۔ حق وہی ہے کہ جو اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور قرآن وسنت کے سرچشمہ اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔ (حیات انبیاء کرام ص ۸۱، ۸۲)

☆...... حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ انکار حیات کا تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''سلطان تغلق بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت ہی فتنہ پرداز شخص ہیکندی نام کا گزرا ہے۔ یہ شخص لطائف الحیل سے سلجوقی کی دربار حکومت میں منصب وزارت پر آ گیا تھا۔ اس کے عقائد رفض واعتزال کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اس نے وفات النبی ﷺ اور جسد اطہر کے روضہ منورہ میں نعوذ باللہ بے حس و بے شعور ہونے کے عقیدہ کو انعزال نبوت اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وفات قطعاً رسول نہ ہونے کے لئے بطور زینے کے استعمال کیا اور صرف یہی نہیں کیا بلکہ اپنے خود ساختہ اس نظریے کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے بطور افتراء کے امام اہلسنت حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔

روضہ منورہ میں حیات کے انکار سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جوار رسول میں ہونے اور روضہ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شان امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے کہ اس انکار حیات سے اس کے رفض کو تسکین پہنچتی ہو اور ظاہر ہے کہ وفات کے بعد روح بدن کی کلی مفارقت کے اس نظریے سے عذاب قبر کا انکار قریب الیقین ہو جاتا ہے، جس سے اس کے اعتزال کو قوت مل رہی تھی۔

اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۸ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے اس فرقہ کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کئے جارہے تھے وہ یہی تھی کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں محض بے جان ہیں۔ (معاذ للہ) ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن وسنت کا استدلال کیا ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ''حیات الانبیاء'' لکھا اور علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''شکایۃ اھل سنۃ فیما نالھم من المحنۃ'' میں ان افترات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس کی تفصیل حافظ ابن عساکر کی کتاب ''تبیین کذب المفتری'' اور ''طبقات شافعیہ'' زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعری ملاحظہ کیجئے۔'' (حیات انبیاء کرام ص ۱۳۸)

☆...... نیز یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ روافض ہی کے نظریات واعتراضات کے رد وجواب میں قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہدیۃ الشیعہ، اجوبہ اربعین اور آب حیات'' تصنیف فرمائیں، جس میں دیگر عقائد ومسائل کے ساتھ ساتھ عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ کو عقلی ونقلی دلائل وبراہین سے ثابت ومبرہن فرمایا ہے۔ ان کتب سے روافض، معتزلہ اور ان کی ہمنوائی میں اٹھنے والے تمام فرق (منکرین حیات) کے اشکالات ھباء منثورا ہو گئے......

ہمارے ملک پاکستان میں روافض اور معتزلہ کے مذکورہ نظریات کی حمایت وپرچار کے لئے چند افراد نے ''اشاعت التوحید'' کے پلیٹ فارم سے الگ ایک مکتب فکر کی شکل اختیار کر لی ہے اور توحید کے نام پر لوگوں کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے ہاں عرب ممالک میں توحید کی آڑ میں بعض سلفی حضرات بھی عقیدہ حیات کا انکار کرنے لگے ہیں، مگر اہل حق (اہل سنت والجماعت) کے علماء نے ان کے رویہ کو اس لئے رد کر دیا ہے کہ یہ نظریہ فکر اور زاویہ نگاہ، اہل سنت کا نہیں بلکہ اہل رفض واعتزال اور اہل بدعت کا ہے، جو گمراہی سے کم نہیں......''

بندہ ناچیز کی یہ ساری گفتگو سن کر مولانا شیخ بحرینی، حیران ومتاثر ہو کر فرمانے لگے کہ موجودہ دور میں تو عرب کے بیشتر لوگ اس عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔ اگر آپ اس موضوع پر ایک مدلل رسالہ تحریر کر دیں تو اہل عرب پر بڑا احسان ہوگا۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس کا اجر عظیم عطاء فرمائیں گے۔ میرا آپ سے یہ وعدہ رہا کہ ہم ان شاء اللہ اس کا نہ صرف عربی میں بلکہ کئی زبانوں میں ترجمہ کر کے اسے شائع کریں گے۔

شیخ بحرینی مدظلہ العالی کے توجہ دلانے پر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ عقیدہ حیات پر ایک ایسا جامع رسالہ لکھ دیا جائے جو عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر کتاب وسنت کے دلائل و براہین پر بھی مشتمل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ حضرات محدثین ومفسرین، ائمہ مجتہدین و متکلمین کی تشریحات اور اکابر علماء کی توضیحات بھی اس میں نقل کردی جائیں۔ اس بناء پر ہم نے اس اہم عقیدہ کی وضاحت کے لئے ایک رسالہ بنام ''احقاق الحق'' تالیف کیا ہے۔

قارئین کرام! یہاں لائق ذکر بات یہ ہے کہ ہم نے اس میں اس بات کا پورا التزام کیا ہے کہ اس موضوع پر تمام دلائل مع توضیحات وتصریحات اکابر، من وعن (اپنے کسی تبصرہ وتشریح کے بغیر) نقل کردی جائیں تاکہ اس عقیدہ کی اہمیت آشکارا ہو اور ارباب علم وبصیرت اس سے استفادہ کر کے حیات الانبیاء کے عقیدہ کی حقانیت اور غیر معمولی حیثیت کا از خود فیصلہ کرسکیں اور کوئی شخص بھی عدم علم یا غلط فہمی کی بناء پر اس کے انکار واعراض سے کسی بھی گمراہی میں مبتلاء نہ ہو۔ ''لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ''

اس امر کے پیش نظر رسالہ ہذا میں عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے دلائل کو جمع کر کے ہم نے اسے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

☆...... باب اوّل میں قرآنی آیات اور ان کی تفسیرات پیش کی گئی ہیں۔

☆...... باب دوم میں موضوع سے متعلق احادیث اور ان کی تشریحات نقل کی گئی ہیں۔

☆...... باب سوم میں ائمہ اربعہ کے ارشادات جمع کئے گئے ہیں۔

☆...... باب چہارم میں علماء اہل حدیث کی توضیحات لکھی گئی ہیں۔

☆...... جب کہ باب پنجم میں اکابرین دیوبند کی تصریحات رقم کی گئی ہیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اس مختصر سی کاوش کو قبول فرما کر تمام مسلمانوں کے لئے مفید ونافع بنائے اور لوگوں کو اسلاف کی پیروی نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم ﷺ!

محتاج دعا: محمد عبدالحمید تونسوی عفا اللہ عنہ

۲۲/ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/۱۷/۱۰/اکتوبر ۲۰۱۴ء

یوم الجمعۃ، بعد العشاء مرکز رحماء بینھم ملتان، پاکستان

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کا بیان

☆...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ: ''عندنا و عند مشائخنا حضرة الرسالة صلی اللہ علیہ وسلم فی قبره الشریف و حیاته صلی اللہ علیہ وسلم دنیویة من غیر تکلیف و هی مختصة به صلی اللہ علیہ وسلم و بجمیع الانبیاء صلوات الله علیهم و الشهداء لا برزخیة کما هی حاصلة لسائر المسلمین بل لجمیع الناس'' ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو۔ (المہند علی المفند یعنی عقائد علماء اہل سنت دیوبند ص ۳۸)

☆...... حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۴ھ) لکھتے ہیں کہ: ''تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز اور عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔ اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مؤمنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے......

اہل سنت والجماعت کے تمام سلف و خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مطہرہ تغیرات ارضی سے محفوظ ہیں اور مشغول عبادت ہیں۔ عرب اور عجم کے حضرات متکلمین اور محدثین اور مفسرین اور اولیاء و عارفین اس موضوع پر مستقل رسالے اور مقالے لکھتے چلے آئے ہیں[1]۔

(سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۴۹، ۲۶۳، مطبوعہ الطاف اینڈ سنز کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں زندہ ہیں بالخصوص نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں ایک بہت ہی اعلیٰ قسم کی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر درود پڑھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو ملائکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتے ہیں۔ اسی حیات کی وجہ سے نبی کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نبی کی وفات کے بعد نکاح بھی نہیں ہوتا۔ نیز امت کے اعمال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں۔ برے اعمال کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم استغفار کرتے ہیں اور اچھے اعمال کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوتے ہیں۔

اس عقیدہ حیات کے متعلق کتاب وسنت اور اجماع امت کے چند اہم دلائل، براہین، بینات اور بعض شواہد و قرائن پیش خدمت ہیں۔

[1] یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرات متقدمین نے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات پر تو کتب تحریر فرمائی ہیں مگر کسی نے عقیدہ حیات کے انکار پر کوئی رسالہ نہیں لکھا۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

باب اوّل: عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآنی آیات اور ان کی تفسیرات

دلیل نمبر ۱: شہداء زندہ ہیں

''وَلَاتَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (البقرة: ۱۵۴)'' اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ سبحانہ نے شہداء کے متعلق فرمایا کہ وہ زندہ ہیں اور احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہمارے نبی محترم ﷺ بھی (زہر کے اثر سے) شہید ہیں۔ فلہٰذا آپ ﷺ بھی شہداء میں شامل ہو کر زندہ ہیں۔ (دلائل آگے آ رہے ہیں)

☆...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔'' (معارف القرآن ج ۱ ص ۳۹۷)

☆...... حضرت مولانا مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''جب شہداء کے لئے وقوع قتل کے باوجود یہ حیات طیبہ ثابت ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے اس سے بھی ارفع و اعلیٰ حیات بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ یہ آیت دلالت النص کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الوفات پر ایک واضح دلیل ہے...... اور قرآن کریم میں جس حیات کا اعلان کیا ہے وہ حیات جسمانی ہے نہ کہ روحانی۔ کیونکہ جو چیز من یقتل ہے وہی احیاء ہے اور جسم ہی قتل کیا جاتا ہے نہ کہ روح۔ پس معلوم ہوا کہ وہ حیات جسمانی ہے۔

پھر اس پر مستزاد یہ کہ اس آیت شریفہ میں اسی وجود کو مردہ کہنے سے روکا گیا جس پر قتل وارد ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ قتل جسم پر ہی وارد ہوتا ہے۔ پس زندہ وہی ابدان مقتولہ ہوں گے اور قرآنی حکم کے مطابق ہم انہی کو زندہ ماننے کے مکلف ہیں۔'' (هداية الحيران في جواهر القرآن ص ۶۳، ۶۴)

دلیل نمبر ۲: شہداء کو رزق ملتا ہے

''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا آتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰)'' اے پیغمبر! جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، وہ اس میں مگن ہیں اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، ان کے بارے میں اس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے ملیں گے تو) نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ انبیاء کرام، شہیدوں سے بڑے درجے والے ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں ان کی زندگی اتنی مضبوط ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے۔ اسی وجہ سے نبی کی وفات کے بعد اس کی بیوی سے نکاح نہیں ہوتا اور نہ ہی نبی کی میراث تقسیم ہوتی ہے بلکہ قبر پر جا کر کوئی سلام کہے تو اس کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ (تفسیر کشف الرحمن ج ۱ ص ۵۹۲ طبع کراچی)

☆ مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس آیت شریفہ میں حیات شہداء کے لئے رزق کا بیان ہے۔ ظاہر ہے کہ رزق کی ضرورت حیات جسد ہی کو ہوتی ہے حیات برزخیہ روحیہ کو نہیں، جب حیات شہداء کے لئے یرزقون فرمایا تو حیات جسدی کی تعیین ہوگئی۔'' (ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن ص ۶۵)

شہداکرام کے لئے جام شہادت نوش کرنے کے بعد یستبشرون کی صفت بیان فرمائی اور استبشار اصلاً اس خوشی اور مسرت کو کہتے ہیں جس کا اثر انسانی چمڑے میں محسوس ہونے لگے۔ بشر لغۃً انسانی کھال ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ اور استبشار وہی خوشی ہے جو جسدی طور پر محسوس ہونے لگے۔ پس یستبشرون سے بھی شہداء کی حیات جسدی ہی ثابت ہوئی۔ (ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن ص ۶۵)

☆...... محدث شہیر امام احمد بن حسین ابوبکر البیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: ''أن اللہ جل ثناؤہ ردإلی الأنبیاء علیہم السلام أرواحھم فھم أحیاء عند ربھم کالشھداء'' بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

(حیات الانبیاء فی قبورھم للبیہقی ص ۱۱۰ طبع مدینہ منورہ)

☆...... علامہ عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: ''قال البیھقی فی کتاب الاعتقاد الأنبیاء بعدما قبضوا ردت إلیھم أرواحھم فھم أحیاء عند ربھم کالشھداء، وقال القرطبی فی التذکرۃ فی حدیث الصعقۃ نقلا عن شیخہ الموت لیس بعدم محض، وإنما ھو انتقال من حال إلی حال'' امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح قبض ہوجانے کے بعد ان کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں۔ پس وہ اپنے رب کے ہاں شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ علامہ قرطبی نے تذکرہ میں حدیث صعقہ کے ذیل میں اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موت کا معنی عدم محض نہیں، بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا نام موت ہے۔

☆...... امام قاضی محمد بن علی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں: ''وردالنص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاءیرزقون وان الاحیاء فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین'' قرآن مجید میں شہداء کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسم کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء مرسلین علیہم السلام کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ (نیل الاوطار، ابواب الجمعۃ باب انعقاد الجمعۃ ج ۳ ص ۲۹۵، مصری)

☆.. علامہ محمود بن عبد اللہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وھی فوق حیاۃ الشھداء بکثیر وحیاۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم أکمل وأتم من حیاۃ سائرھم علیہم السلام... ثم إن تلک الحیاۃ فی القبر وإن کانت یترتب علیھا بعض مایترتب علی الحیاۃ فی الدنیا المعروفۃ لنا من الصلاۃ والأذان والإقامۃ ورد السلام المسموع ونحو ذلک إلا أنھا لا یترتب علیھا کل ما یمکن أن یترتب علی تلک الحیاۃ المعروفۃ'' اور یہ حیات شہداء کی حیات سے بہت اونچی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام سے اکمل واتم ہے...... اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز، اذان اقامت اور آئے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اور اسی طرح کے کئی امور۔ مگر اس پر وہ سب امور مترتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔ (روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۱۶، سورۃ الاحزاب، تحت الایہ ۴۰ تا ۴۹)

☆...... عقیدۃ السفارینی میں ہے کہ: ''ان الموت لیس لعدم محض و انماھو انتقال من حال الی حال ویدل علی ذالک ان الشھداء بعد موتھم و قتلھم احیاء عند ربھم یرزقون فرحین و ھذا صفۃ الاحیاء فی الدنیا و اذا کان ھذا فی الشھداء کان الانبیاء علیھم السلام بذالک احق و اولی'' حقیقت یہ ہے کہ موت عدم محض نہیں بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہونے کا نام ہے اور اس پر شہیداء کا وجود دلالت کرتا ہے کہ شہدائے کرام اپنی موت وقتل کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے ہیں اور خوش ہیں اور یہ دنیوی زندگی کے اوصاف ہیں اور جب یہ اوصاف شہداء کرام میں پائے جاتے ہیں تو حضرات انبیاء علیہم السلام میں بدرجہ اولیٰ پائے جاتے ہیں۔ (عقیدہ سفارینی ج ۲ ص ۳۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں

''فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چندروز خیبر ہی میں قیام فرمایا، اسی اثناء میں ایک دن زینب بنت حارث، زوجہ سلام بن مشکم نے ایک بھنی ہوئی بکری بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کی اور اس میں زہر ملا دیا۔ آپ نے چکھتے ہی ہاتھ روک لیا۔ بشر بن براء بن معرور جو آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے، انہوں نے کچھ کھالیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاتھ روک اس بکری میں زہر ملا ہوا ہے۔ زینب کو بلا کر سبب دریافت کیا، اس نے اقرار کیا کہ بیشک اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع کردے گا اور اگر نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پائیں گے۔'' (سیرۃ المصطفیٰ ج ۲ ص ۴۲۵ طبع الطاف سنز کراچی)

☆...... ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی مرضہ الذی مات فیہ یاعائشۃ ماأزال أجد ألم الطعام الذی أکلت بخیبر، فھذا أوان وجدت انقطاع أبھری من ذلک السم'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اپنے مرض الموت میں کہ ہمیشہ میں محسوس کرتا رہا اس کھانے کی تکلیف کو جس کو میں نے خیبر میں کھایا اور یہ وقت میری پشت کی رگ کے کٹنے کا ہے اس زہر کی وجہ سے۔ (بخاری رقم الحدیث ۴۴۲۸)

☆...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''لأن أحلف باللہ تسعا إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتلا، أحب إلی من أن أحلف واحدۃ، وذلک بأن اللہ عزوجل اتخذہ نبیا وجعلہ شھیدا'' یہ کہ میں نو دفعہ قسم اٹھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے، مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک دفعہ یہ قسم اٹھاؤں کہ آپ قتل نہیں کئے گئے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔ (مسند احمد رقم الحدیث ۳۶۱۷، ۳۸۷۳، مستدرک حاکم ۴۳۹۴)

☆...... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ: ''وروی بن سعد عن شیخہ الواقدی بأسانید متعددۃ فی قصۃ الشاۃ التی سمت لہ بخیبر فقال فی آخر ذلک وعاش بعد ذلک ثلاث سنین حتی کان وجعہ الذی قبض فیہ وجعل یقول مازلت أجد ألم الأکلۃ التی أکلتھا بخیبر عدادا حتی کان ھذا أوان انقطاع أبھری عرق فی الظھر وتوفی شھیدا'' (فتح الباری لابن حجر عسقلانی باب الشاۃ التی سمت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بخیبر ج ۷ ص ۴۹۷)

☆...... علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''قَالَ الزُھرِیُ قَالَ جَابِرٌ وَاحْتَجَمَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَئِذٍ حجمۃ مَوْلٰی بَنِی بَیَاضَۃَ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَۃِ وَبَقِیَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم بَعدَہٗ ثَلَاثَ سِنِینَ حَتّٰی کَانَ وَجَعُہُ الَّذِی تُوُفِّیَ فِیہِ فَقَالَ مَا زِلْتُ أَجِدُ مِنَ الْأَکْلَۃِ الَّتِی أَکَلْتُ مِنَ الشَّاۃِ یَوْمَ خَیبَرَ عِدَادًا حَتّٰی کَانَ ھٰذَا أَوَانُ انْقِطَاعِ أبھری فتوفی رسول

اللہ ﷺ شہیدا '' زہری رحمۃ اللہ علیہ نے جابر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ اس دن رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی، بنی بیاضہ کے ایک غلام نے یہ عمل انجام دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے بعد تین سال تک زندہ رہے، یہاں تک کہ آپ نے مرض الموت میں فرمایا! خیبر میں جولقمہ میں نے زہر آلود بکری کا کھایا تھا، اس کی تکلیف برابر محسوس کرتا رہا ہوں، مگر اب تو میری رگ جان کٹی جارہی ہے۔ چنانچہ آپ نے شہادت کا درجہ پایا۔ (البدایہ والنہایہ سنہ سبع من الھجرۃ، غزوۃ خیبر فی اولہا، فصل ذکر قصۃ الشاۃ المسمومۃ، ج ۴ ص ۲۳۹، تاریخ ابن کثیر مترجم اردو ج ۴ ص ۶۱۳ طبع دارالاشاعت کراچی)

☆...... حافظ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء أفضل من الشهداء'' یعنی جب نقل کے اعتبار سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ شہداء زندہ ہیں تو عقل کے اعتبار سے بھی یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے ہر حال میں افضل ہیں۔ اس لئے اس آیت سے ان کی حیات بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔ (فتح الباری، کتاب الجہاد، باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم ج ۶ ص ۴۸۸)

☆...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: ''وما نبيٌ إلّا وقد جمع مع النبوّة وصف الشهادة فيدخلون في عموم لفظ الآية'' شاذ و نادر ہی کوئی نبی ایسا ہوگا جہاں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ کی گئی ہو۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام نبی ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں اور شہید ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں۔ کیونکہ و لا تحسبنّ الّذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم میں داخل ہیں۔ (الحاوی للفتاوی، انباء الاذکیا بحیاۃ الانبیاء ج ۲ ص ۱۸۰)

☆...... علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں: ''فان الشهادة حاصلة له ﷺ على اتم الوجوه لانه شهيد الشهداء'' سو یقیناً حضور ﷺ کو شہادت اتم درجے پر حاصل ہے اس لئے کہ آپ ﷺ شہیدوں کے بھی شہید ہیں۔ (القول البدیع ص ۱۷۳، بیروت)

☆...... علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: ''ولا شك في حياته ﷺ بعد وفاته، وكذا سائر الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم حياة أكمل من حياة الشهداء التي أخبر الله تعالى بها في كتابه العزيز ونبينا ﷺ سيد الشهداء'' وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی حیات، شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے، بڑھ کر ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ تو شہداء کے (بھی) سردار ہیں۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ۴ ص ۱۷۹، الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ، بیروت)

☆...... حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا بلند مقام بھی مرحمت فرمایا ہے اور قرآن کریم میں شہداء کی جو زندگی اور حیات منصوص ہے وہ آنحضرت ﷺ کے لئے بھی ہے نص قرآنی اور صحیح حدیث کو ملانے کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ یہ ایک الگ اور جدا دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں اور یہ محض قیاسی فقہی اور نظری دلیل ہی نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پہلے عرض کیا گیا ہے بلکہ اس روایت کی رو سے آپ کی شہادت بھی منصوص ہے اور نص قرآنی سے شہداء کی حیات بھی منصوص ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۵۵، طبع گوجرانوالہ)

☆...... حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''سب انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بالا در بالا ہے، جو حکم شہیدوں کے لئے باعث اعزاز و امتیاز بنا ہے ان کے لئے بدرجہ اولیٰ ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ و مقام تمام شہداء سے بہت بالا ہے اور آیت: ''فَأُولٰئِکَ مَعَ الَّذِینَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِینَ'' کی ترتیب ذکری نے جو حکمت بالغہ سے خالی نہیں ہوسکتی، بتادیا کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ سب سے اوّل ہے اور سب سے اعظم ہے، لہٰذا ان کو بھی مستقل مردہ کہنا حرام ہے اور مستقل زندہ کہنا واجب ہے۔'' (هداية الحيران في جواهر القرآن ص ۱۰۳)

شہداء احد کے اجسام کا صحیح سالم رہنا

☆...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس نقل فرماتے ہیں کہ: ''أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْجَمُوحِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيَّيْنِ ثُمَّ السَّلَمِيَّيْنِ كَانَا قَدْ حَفَرَ السَّيْلُ قَبْرَهُمَا، وَكَانَ قَبْرُهُمَا مِمَّا يَلِي السَّيْلَ، وَكَانَا فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ وَهُمَا مِمَّنِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ فَحُفِرَ عَنْهُمَا لِيُغَيَّرَا مِنْ مَكَانِهِمَا، فَوُجِدَا لَمْ يَتَغَيَّرَا، كَأَنَّهُمَا مَاتَا بِالْأَمْسِ، وَكَانَ أَحَدُهُمَا قَدْ جُرِحَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جُرْحِهِ، فَدُفِنَ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَأُمِيطَتْ يَدُهُ عَنْ جُرْحِهِ، ثُمَّ أُرْسِلَتْ فَرَجَعَتْ كَمَا كَانَتْ، وَكَانَ بَيْنَ أُحُدٍ وَبَيْنَ يَوْمَ حُفِرَ عَنْهُمَا سِتٌّ وَأَرْبَعُونَ سَنَةً'' حضرت عمرو بن جموح انصاری اور حضرت عبد اللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہم (یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حزام انصاری، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے) کی قبر کو پانی کے بہاؤ نے کھود دیا تھا، یہ دونوں غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے اور ایک ہی قبر میں دونوں کو دفن کر دیا تھا۔ جب پانی نے قبریں کھود ڈالیں تو دوسری جگہ دفن کرنے کے لئے ان کی قبر بھی کھودی گئی تو اس حالت میں پائے گئے کہ ان کے جسموں میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کل ہی وفات پائی ہے، ان میں سے ایک کو ایک جگہ زخم آگیا تھا، انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھ لیا تھا اور اسی حالت میں دفن کردیے گئے تھے۔ اب جب قبر کھودی گئی تو ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا پھر جب چھوڑ دیا گیا تو اپنی جگہ واپس چلا گیا، غزوہ احد اور اس واقعہ کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ (مؤطا امام مالک کتاب الجہاد باب الدفن فی قبر واحد، رقم الحدیث ۱۷۰۴)

☆...... علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''أن معاوية لما أراد أن يجري العين نادى مناديه من كان له قتيل بأحد فليشهد، قال جابر فحفرنا عنهم فوجدت أبي في قبره كأنما هو نائم على هيئته (وما تغير من حاله قليل ولا كثير) ووجدنا جاره في قبره عمرو بن الجموح ويده على جرحه فأزيلت عنه فانبعث جرحه دما'' حضرت معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے وادی احد میں چشمہ جاری کرنا چاہا تو ان کے منادی نے اعلان کیا کہ وادی احد میں جن کے شہداء مدفون ہیں وہ حاضر ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے والد کی قبر کو کھودا تو والد کو قبر میں ایسا پایا گویا وہ اپنی طبعی ہیئت وحالت میں سوئے ہوئے ہوں اور حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ مدفون تھے، ان کا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا۔ ہاتھ ہٹایا گیا تو زخم سے خون جاری ہوگیا۔ (رضی اللہ عنہم) (البدايه والنهايه، سنة ثلاث من الهجرة، غزوه احد من شوال سنة الثلاث، فصل فيما لقى النبى صلی اللہ علیہ وسلم يومئذ من المشركين ج ۴ ص ۴۹، تاریخ ابن کثیر مترجم اردو ج ۴ ص ۴۲۴ طبع دارالاشاعت کراچی)

یاد رہے کہ یہ دفن کے روز سے چھیالیس (۴۶) سال بعد کا واقعہ ہے۔

جب عام شہید کا یہ حال ہے تو نبی شہید کا مقام کیا ہوگا؟ اسی لئے آیات حیات شہداء کی تفسیر میں مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''فلیس الشهيد باولى من النبي وان نبي الله حي يرزق في قبره كما ورد في الحديث'' جب شہید زندہ ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے درجے والے ہیں، وہ اس سے بڑھ کر زندہ ہیں اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر مبارک میں رزق دیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ (احکام القرآن للتھانوی ج ۱ ص ۹۲ طبع کراچی)

دلیل نمبر ۳: شب معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الم سجدہ: ۲۳)''

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اس کے ملنے کے بارے میں کسی شک میں نہ رہو اور ہم نے اس کتاب کو بنو اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا تھا۔

☆...... علامہ محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: ''وأخرج الطبراني وابن مردويه والضياء في المختارة بسند صحيح عن إبن عباس أنه قال في الآية أي من لقاء موسى وأخرج إبن المنذر وغيره عن مجاهد نحوه وأخرج إبن أبي حاتم عن أبي العالية أنه قال كذلك فقيل له أولقي صلی اللہ علیہ وسلم موسى علیہ السلام قال نعم ألا ترى إلى قوله تعالى وأسأل من أرسلنا من قبلك من رسلنا وأراد بذلك لقاءه صلی اللہ علیہ وسلم إياه ليلة الإسراء كما ذكر في الصحيحين وغيرهما وروى نحو ذلك عن قتادة وجماعة من السلف... وكان المراد من قوله تعالى فلا تكن في مرية من لقائه على هذا وعده تعالى نبيه صلی اللہ علیہ وسلم بلقاء موسى وتكون الآية نازلة قبل الإسراء'' طبرانی اور ابن مردویہ نے سند صحیح سے ابن عباس سے روایت کی کہ لقاء سے مراد ہی ملاقات موسیٰ علیہ السلام ہے۔ ابو العالیہ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی؟ فرمایا ہاں ہوئی۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ واسئل من ارسلنا الخ سے مراد شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اسی طرح قتادہ اور ایک جماعت سلف صالحین سے بھی مروی ہے...... اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجئے'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۳۷، ۱۳۸ تحت الآیہ ولا تکن فی مریۃ من لقاءہ)

☆...... علامہ جمال الدین عبدالرحمن بن محمد الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ھ) صاحب زاد المسیر لکھتے ہیں: ''والثاني من لقاء موسى ليلة الإسراء قاله أبو العالية، ومجاهد، وقتادة، وابن السائب'' دوسری بات یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر سورۃ السجدۃ: ۲۳ ج ۳ ص ۴۴۳)

☆...... امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''معناه فلا تكن في شك من لقاء موسى فانك تراه وتلقاه'' مذکورہ آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کو دیکھیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے۔ (تفسیر کبیر ۵۶۵)

ملاقات کے مواقع

☆...... امام قاضی محمد بن علی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''قال المفسرون وعدرسول اللہ ﷺ أنه سيلقى موسى قبل أن يموت ثم لقيه في السماء أو في بيت المقدس حين أسرى به'' مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات کا وعدہ فرمایا اور وہ آسمان پر بھی ہوئی اور بیت المقدس میں بھی، جب آپ معراج پر تشریف لے گئے۔ (تفسیر فتح القدیر، سجدہ ۲۳ تا ۳۰، ج ۴ ص ۲۹۶)

(الف)...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مررت على موسى ليلة أسرى بي عند الكثيب الأحمر، وهو قائم يصلي في قبره'' شب معراج میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے ہوا میں نے دیکھا کہ آپ علیہ السلام اپنی قبر میں جو کہ لال رنگ کے ٹیلے کے پاس ہے، کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ (مسلم رقم الحدیث ۲۳۷۵)

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فلو كنت ثم لأريتكم قبره، إلى جانب الطريق، عند الكثيب الأحمر'' اگر میں وہاں ہوتا تو ضرور تمہیں دکھاتا کہ ان کی قبر سرخ ٹیلے کے پاس راستے کی ایک جانب۔ (بیت المقدس کے قریب ہے) (بخاری رقم الحدیث ۳۴۰۷)

ب...... آپ ﷺ نے چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور پچاس نمازوں کے حوالے سے ان کے ساتھ مکالمہ ہوا۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

ج...... آپ ﷺ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی جب امامت کرائی تو اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی موجود تھے۔

شب معراج آنحضرت ﷺ کی انبیاء سے ملاقات وگفتگو

☆...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''فذكر أنه وجد في السموات آدم، وإدريس، وموسى، وعيسى، وإبراهيم، ولم يثبت كيف منازلهم غير أنه ذكر أنه وجد آدم في السماء الدنيا وإبراهيم في السماء السادسة، قال أنس فلمامر جبريل بالنبي ﷺ بإدريس قال مرحبا بالنبي الصالح والأخ الصالح، فقلت من هذا؟ قال هذا إدريس، ثم مررت بموسى فقال مرحبا بالنبي الصالح والأخ الصالح، قلت من هذا؟ قال هذا موسى، ثم مررت بعيسى فقال مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح، قلت من هذا؟ قال هذا عيسى، ثم مررت بإبراهيم، فقال مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح، قلت من هذا؟ قال هذا إبراهيم ﷺ، قال ابن شهاب فأخبرني ابن حزم، أن ابن عباس، وأبا حبة الأنصاري، كانا يقولان قال النبي ﷺ ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى أسمع فيه صريف الأقلام[1]'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غرض یہ کہ اسی طرح آنحضرت ﷺ

---

[1] (بخاری رقم الحدیث ۳۴۹، ۳۳۴۲، ۳۳۴۲۔ تفسیر بغوی، سورۃ الاسراء ۱۔ تفسیر ابن کثیر، سورۃ الاسراء ۱۔ تفسیر مظہری، سورۃ النجم ۱۴ مسلم ۱۶۳۔ نسائی ۴۴۹۔ ابن ماجہ ۱۳۹۹۔ مسند احمد ۲۱۲۸۸۔ سنن الکبریٰ للنسائی ۳۱۰۔ صحیح ابن حبان کتاب الاسراء باب ذکر وصف الاسراء ۷۴۰۶۔ فتح الباری لابن رجب باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء ج ۲ ص ۳۰۹۔ عمدۃ القاری باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء ج ۴ ص ۱۴۱۔ مشکوۃ رقم الحدیث ۵۸۶۴۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ ۵۸۶۲۔ جامع المسانید حدیث انس بن مالک ج ۱ ص ۸۳)

تمام آسمانوں پر پہنچے اور وہاں حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر فرمایا لیکن ان کے منازل ومقامات کی کیفیت واحوال کو بیان نہیں کیا۔ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملنے کا ذکر فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جب جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو لے کر حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: "مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح" (آپ فرماتے ہیں) کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہ یہ ادریس علیہ السلام ہیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے مجھے دیکھ کر کہا: "مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح" میں نے (جبرئیل علیہ السلام سے) پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر میں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا: "مرحبا بالنبی الصالح والاخ الصالح" میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا: "مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح" میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ کو ابن حزم نے بتایا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پھر مجھ کو اوراوپر لے جایا گیا۔ یہاں تک کہ میں ایک ہموار اور بلند مقام پر پہنچا، جہاں قلموں کے لکھنے کی آواز آرہی تھی۔

حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ

ابن حزم کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ: "قال النبی ﷺ ففرض اللہ عز وجل علی أمتی خمسین صلاة، فرجعت بذلک، حتی مررت علی موسی، فقال مافرض اللہ لک علی أمتک؟ قلت فرض خمسین صلاة، قال فارجع إلی ربک، فإن أمتک لا تطیق ذلک، فراجعت، فوضع شطرها، فرجعت إلی موسی، قلت وضع شطرها، فقال راجع ربک، فإن أمتک لا تطیق، فراجعت فوضع شطرها، فرجعت إلیه، فقال ارجع إلی ربک، فإن أمتک لا تطیق ذلک، فراجعته، فقال هی خمس، وهی خمسون، لا یبدل القول لدی، فرجعت إلی موسی فقال راجع ربک فقلت استحییت من ربی[1]"

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ چنانچہ (پچاس فرض نمازوں کا حکم اور اس پر عمل آوری کا ارادہ لے کر) میں واپس ہوا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پوچھا کہ پروردگار نے آپ کے ذریعہ آپ کی امت پر کیا چیز فرض کی ہے؟ میں نے

---

[1] بخاری رقم الحدیث ۳۴۹ و ۳۳۴۲، تفسیر بغوی سورۃ الاسراء ا، تفسیر ابن کثیر سورۃ الاسراء ا۔ تفسیر مظہری سورۃ النجم ۱۴، مسلم ۱۶۳، نسائی ۴۴۹، ابن ماجہ ۱۳۹۹، مسند احمد ۲۱۲۸۸، سنن الکبریٰ للنسائی ۳۱۰، صحیح ابن حبان کتاب الاسراء، باب ذکر وصف الاسراء ۷۴۰۶، فتح الباری لابن رجب باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء ج ۲ ص ۳۰۹، عمدۃ القاری باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء ج ۴ ص ۱۴، مشکوۃ رقم الحدیث ۵۸۶۴، مرقاۃ شرح مشکوۃ ۵۸۶۲، جامع المسانید حدیث انس بن مالک ج ۱ ص ۸۳۔

انہیں بتایا کہ پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیں (اور ان نمازوں میں تخفیف کی درخواست کریں) کیونکہ آپ کی امت اتنی نمازیں ادا نہیں کر سکے گی۔اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں واپس کیا۔(یعنی ان کے کہنے پر میں نے پروردگار کی بارگاہ میں واپس جا کر درخواست پیش کی) اوران سے کچھ نمازیں کم کردی گئیں۔ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان (پچاس نمازوں) کا کچھ حصہ معاف کردیا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اپنے پروردگار کے پاس پھر جایئے (اور عرض معروض کر کے مزید تخفیف کی درخواست کیجئے) کیونکہ آپ کی امت اتنی نمازیں ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھے گی۔ میں پھر واپس گیا (اور مزید تخفیف کے لئے عرض معروض کی) چنانچہ ان میں سے کچھ اور نمازیں کم کردی گئیں،اس کے بعد پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ پھر اپنے پروردگار کے پاس جائیں اور مزید تخفیف کی درخواست کریں (کیونکہ اتنی نمازیں ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھے گی) آخری مرتبہ بارگاہ رب العزت میں لوٹ کر گیا اور میری درخواست پر ان میں تخفیف کر کے پانچ نمازوں کا حکم دے دیا تو پروردگار نے فرمایا فرض تو یہ پانچ نمازیں ہیں لیکن (اجر وثواب کے اعتبار سے) پچاس نمازوں کے برابر ہے،میرا قول تبدیل نہیں ہوتا۔ میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں بتایا کہ اب پانچ نمازیں فرض رہ گئی ہیں تو انہوں نے پھر مجھ کو رب العزت کی بارگاہ میں واپس جانے (اور پانچ نمازوں میں بھی تخفیف کی درخواست کرنے) کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا کہ اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے۔

شب معراج انبیاء کرام علیہم السلام کا باہمی مذاکرہ

☆...... حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لقيت ليلة أسرى بى إبراهيم، وموسى، وعيسى قال فتذاكروا أمر الساعة، فردوا أمرهم إلى إبراهيم، فقال لاعلم لى بهافردوا الأمر إلى موسى فقال لاعلم لى بهافردوا الأمر إلى عيسى، فقال أماوجبتهافلا يعلمها أحد إلا الله''معراج کی رات میں نے حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔آپ نے فرمایا کہ (وہاں) ان حضرات نے قیامت کے بارے میں مذاکرہ کیا (کہ وہ کب آئے گی؟) تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹایا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔پھر یہی بات موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹائی تو انہوں نے بھی اس کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا۔پھر یہی بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھی تو انہوں نے فرمایا کہ میں قیامت کے (آنے کو) ضروری سمجھتا ہوں مگر اس کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

(مسند احمد رقم الحدیث ۳۵۵۶،الحاوی للفتاوی باب انباء الاذکیاء ج ۲ ص ۱۴۵،۱۴۶)

☆...... علامہ اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ:''عن قتادة، عن أبى العالية قال حدثنا ابن عم نبيكم صلی اللہ علیہ وسلم ابن عباس قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رأيت ليلة أسرى بى موسى بن عمران، رجلا طوالا'' حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔وہ گندم گوں اور لمبے قد کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۵ ص ۲۸)

☆...... ابو حیان محمد بن یوسف اثیر الدین الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۵ھ) فرماتے ہیں: ''أی من لقائک موسی أی فی لیلۃ الإسراء أی شاھدتہ حقیقۃ، وھو النبی الذی أوتی التوراۃ، وقد وصفہ الرسول فقال آدم طوال جعد کأنہ من رجال شنوءۃ حین رآہ لیلۃ الإسراء'' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کیجئے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعتاً ان کو دیکھا ہے اور وہ وہی نبی تھے جن کو تورات دی گئی تھی اور تحقیق آپ نے ان کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا وہ گندم گوں لمبے قد کے گھنگھریالے بالوں والے تھے، جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معراج کی شب دیکھا۔ (البحر المحیط سجدہ ۲۰ ج ۸ ص ۴۴۰)

انبیاء کرام علیہم السلام کا حلیہ مبارک

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیلۃ أسری بہ لقیت موسی، قال فنعتہ، فإذا رجل حسبتہ قال مضطرب رجل الرأس، کأنہ من رجال شنوءۃ قال ولقیت عیسی فنعتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ربعۃ أحمر، کأنما خرج من دیماس یعنی الحمام ورأیت إبراھیم وأنا أشبہ ولدہ بہ......'' شب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان فرمایا اور فرمایا: پس وہ جوان تھے میرا خیال ہے آپ نے فرمایا لمبے اور کھلے بالوں والے تھے۔ ایسے جیسا کہ قبیلہ شنوءہ کے مرد ہوتے ہیں۔ فرمایا: اور میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حلیہ بیان فرمایا اور فرمایا وہ چوڑے جسم کے سرخ رنگ کے تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی غسل خانے سے نکل کر آئے ہیں اور میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔ (بخاری رقم الحدیث ۳۴۳۷)

☆...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رأیت عیسی وموسی وإبراھیم، فأما عیسی فأحمر جعد عریض الصدر، وأما موسی، فآدم جسیم سبط کأنہ من رجال الزطِ'' معراج کی رات میں نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سرخ رنگ پر گوشت جسم اور چوڑے سینے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور موزوں ساخت والے تھے، وہ ایسے تھے جیسے (سوڈان) کے طویل القامہ زط ہوتے ہیں۔ (بخاری رقم الحدیث ۳۴۳۸)

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وقد رأیتنی فی جماعۃ من الأنبیاء فإذا موسی قائم یصلی، فإذا رجل ضرب، جعد کأنہ من رجال شنوءۃ، وإذا عیسی ابن مریم علیہ السلام قائم یصلی، أقرب الناس بہ شبھا عروۃ بن مسعود الثقفی وإذا إبراھیم قائم یصلی أشبہ الناس بہ صاحبکم یعنی نفسہ فحانت الصلاۃ فأممتھم فلما فرغت من الصلاۃ قال قائل یا محمد، ھذا مالک صاحب النار فسلم علیہ'' میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا۔ پس اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، گھنگھریالے بالوں والے تھے، جیسے قبیلہ شنوءہ کے آدمی ہوتے ہیں اور پھر اچانک دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں وہ عروہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قریب تھے مشابہت میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں تمہارے صاحب کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ مشابہ تھے۔ پس

اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ پس جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا کہ اے محمد ﷺ! یہ جہنم کے داروغے مالک ہیں، ان سے سلام کیجئے۔

(مسلم رقم الحدیث ۴۲۷، مشکوۃ کتاب الفضائل والشمائل باب فی المعراج، الفصل الاوّل رقم الحدیث ۵۸۶۶)

عجیب نکتہ

☆...... علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ''الاصابہ'' میں اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ''تجرید'' میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ منفرد شان ہے کہ وہ ایک جلیل القدر پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت ختمی مرتبت ﷺ کے صحابی بھی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قبل از وفات شب معراج آنحضرت ﷺ سے ملاقات وزیارت کا شرف پایا ہے اور یوں وہ آنحضرت ﷺ کے ایسے عظیم المرتبت صحابی ٹھہرے، جن کا مقام ومرتبہ حضرات شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) سے بھی زیادہ ہے اور قرب قیامت میں سب سے آخر میں انتقال کرنے والے صحابی وہی ہوں گے۔''

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ج ۳ ص ۵۱ طبع بیروت)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی توضیح

☆...... امام احمد بن حسین ابوبکر البیہقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: ''في قصة المعراج أنه لقيهم في جماعة من الأنبياء في السموات وكلمهم وكلموه وكل ذلک صحيح لا يخالف بعضه فقد يرى موسى علیہ السلام قائما يصلي في قبره ثم يسرى بموسى وغيره إلى بيت المقدس كما أسرى بنبينا فيراهم فيه ثم يعرج بهم إلى السموات كما عرج بنبينا فيراهم فيها كما أخبر وحلولهم في أوقات بمواضع مختلفات جائز في العقل كما ورد به خبر الصادق وفي كل ذلک دلالة على حياتهم'' واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں۔ یہ سب مضامین صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپ ﷺ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کو سفر اسراء پیش آیا۔ پس آپ ﷺ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا گیا، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کو معراج کرایا گیا۔ سو آپ ﷺ نے وہاں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو دیکھا۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس پر عقلاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نقلاً اس پر قول صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلالت ہوتی ہے۔ (حیات الانبیاء بعد وفاتہم للبیہقی ص ۸۲، طبع مکتبہ العلوم والحکم، مدینہ منورہ)

دلیل نمبر ۴: رسول اکرم ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھانا

''وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُوْنَ (الزخرف: ۴۵)''

اور تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے ہیں، ان سے پوچھ لو کہ کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا اور معبود بھی مقرر کئے تھے، جن کی عبادت کی جائے؟

☆...... اس آیت کی تفسیر میں امام جمال الدین عبد الرحمن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں لکھتے ہیں کہ: ''أنه لما أسری به جمع له الأنبياء فصلی بهم، ثم قال له جبريل سل من أرسلنا قبلک الآية فقال لاأسأل قد اكتفيت رواه عطاء عن ابن عباس، وهذا قول سعيد بن جبير والزهری وابن زيد، قالوا جمع له الرسل ليلة أسری به'' کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر پہنچایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی، پھر جبرئیل امین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھئے جن کو آپ سے پہلے بھیجا گیا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سوال کی ضرورت نہیں میں نے اس پر اکتفاء کیا (جو مجھے بتلایا گیا) حضرت سعید بن جبیر، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۹۷، الزخرف: ۴۵ تا ۵۶)

☆...... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے انبیاء علیہم السلام کی سات صفیں تھیں جن میں تین صفیں رسولوں کی اور چار صفیں انبیاء علیہم السلام کی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے ٹھیک پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے تھے اور ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام تھے پھر باقی انبیاء و مرسلین علیہم السلام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے مجھے وحی کی ہے کہ میں آپ حضرات سے توحید کے متعلق سوال کروں...... (تفسیر جمل)

☆...... حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انه لما اسری بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث الله له آدم وولده من المرسلين فاذن جبرئيل ثم اقام وقال يامحمد تقدم فصل بهم فلما فرغ من الصلاة قال جبرئيل سل يا محمد من أرسلنا قبلک من رسلنا الاية فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا اسئل قد اكتفيت'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج سے مشرف فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے جمیع حضرات انبیاء علیہم السلام کو اٹھایا۔ حتیٰ کہ جبریل امین نے اذان واقامت کہی اور عرض کیا۔ اے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھیے اور ان کو نماز پڑھایئے تو جب نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل امین نے عرض کیا اے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے سوال فرمایئے جو آپ سے پہلے ہم نے پیغمبر بھیجے ہیں...... پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں سوال نہیں کرتا، بس اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۵۳، زخرف: ۴۳)

☆...... حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''والحق عندی عدم اختصاصها بهم بل حيوة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهوراً اثارها فی الخارج حتى لايجوز النكاح بأزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد'' اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ اس میں حیات شہداء کا کوئی اختصاص نہیں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ان سے زیادہ قوی اور خارج میں ان کے آثار کا ظہور بھی شہداء سے کہیں زیادہ ہے، یہاں تک کہ پیغمبر کی رحلت کے بعد ان کی ازواج کا نکاح بھی کہیں جائز نہیں، بخلاف شہداء کے (یعنی ان کی عورتیں نکاح کرسکتی ہیں) (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۲، البقرۃ: ۴۵)

☆...... علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ: ''وفی الصحیح ان رسول اللہ ﷺ صلی بالمرسلین لیلۃ اسری به رکعتین وانه سلم علیٰ هارون فدعاله بالرحمة ولامته وانه سلم علیٰ ادریس فدعاله بالرحمة والامته'' صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے شب اسراء (بیت المقدس میں) سب انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی اور حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کو سلام دیا انہوں نے آپ کے لئے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے رحمت کی دعا کی۔ (الدرۃ الفاخرہ از امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶)

☆...... حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: ''یستدل به علیٰ حیات الانبیاء'' اس آیت: ''وَاسئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُسُلِنَا'' سے انبیاء علیہم السلام کی حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ (مشکلات القرآن ص ۲۳۴، درمنثور ص ۶ ص ۱۶، روح المعانی ج ۲ ص ۲۵، جمل ج ۴ ص ۸۸، شیخ زادہ ج ۳ ص ۲۹۸ خفاجی ج ۴ ص ۴۴۴)

کیونکہ جو لوگ انتقال کر گئے ہیں ان سے کسی بات کا پوچھنا یا پوچھنے کا حکم دینا، یہ درست نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: مذکورہ آیت کے تحت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۹۴ میں اور علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۱۲۹ میں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۲ میں، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ ج ۱۱ ص ۱۵۷ میں، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر ج ۴ ص ۵۵۷ میں، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں یہی لکھا ہے کہ اس کا مقام شب معراج بیت المقدس ہے جس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو آنحضور ﷺ کے لئے جمع کیا گیا اور آپ نے انہیں نماز پڑھائی اور انہوں نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ آیت اور اس سے متعلقہ روایات کا ظاہری معنی و مطلب یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ حاضری و ملاقات ثابت ہے جو کہ روح مع الجسد تھی اور یہ ان کی حیات پر واضح دلیل ہے۔

شب معراج کی اذان واقامت

ہم اپنے قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے شب معراج، اذان واقامت کی وہ روایت بھی نقل کئے دیتے ہیں جو ابو جعفر محمد ابن حسن الطوسی (م ۴۶۰ھ) نامور شیعہ مجتہد نے نقل کی ہے، جس سے اہل سنت کی اذان واقامت کے صحیح واصلی ہونے کی خوب تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ اس اذان میں ''اشهد ان علیاً ولی الله'' کے الفاظ منقول وثابت نہیں۔

''عن ابی جعفر قال لما اسری بی رسول الله ﷺ فبلغ البیت المعمور حضرة الصلاة فاذن جبرئیل علیہ السلام واقام فتقدم رسول الله ﷺ وصف الملائکة والنبیون خلف رسول الله ﷺ قال فقلنا له کیف اذن فقال اللهُ أَکْبَرُ اللهُ أَکْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ، حَیَّ عَلَی الصَّلَاةِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حی علی خیر العمل حی علیٰ خیر العمل اللهُ أَکْبَرُ اللهُ أَکْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ والاقامة مثلها الا ان فیها قد قامت الصلاة قد قامت الصلاة بین حی علی خیر العمل حی علیٰ خیر العمل وبین اللهُ أَکْبَرُ اللهُ أَکْبَرُ فامر بها رسول الله ﷺ بلالاً فلم یزل یؤذن بها حتی قبض رسول الله ﷺ'' امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ

بیت المعمور (یا بیت المقدس باختلاف روایات) پہنچے تو نماز کا وقت ہو گیا تو جبرئیل نے اذان و اقامت کہی۔ پس آنحضرت ﷺ امامت کے لئے آگے بڑھے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں۔ فضل ابن یسار کہتے ہیں کہ ہم نے پوچھا کہ جبرئیل نے کیسے اذان دی؟ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یوں اذان دی اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حی علی خیر العمل حی علی خیر العمل اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور اقامت بھی اذان ہی کی طرح ہے مگر یہ کہ اس میں حیعلتین اور اللہ اکبر کے درمیان قد قامت الصلاۃ کا جملہ دو مرتبہ موجود ہے حضرت رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو اسی طرح اذان دینے کا حکم فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کی وفات تک ہمیشہ اسی طرح اذان دیا کرتے تھے۔

(الاستبصار، باب عدد الفصول فی الاذان والاقامۃ ج ۱ ص ۱۲۷، طبع ایران)

دلیل نمبر ۵: حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال

"فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سبا: ۱۴)" پھر جب ہم نے سلیمان کی موت کا فیصلہ کیا تو ان جنات کو ان کی موت کا پتہ کسی اور نے نہیں بلکہ زمین کے کیڑے نے دیا جو ان کے عصا کو کھا رہا تھا۔ چنانچہ جب وہ گر پڑے تو جنات کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غائب کا علم جانتے ہوتے تو اس ذلت والی تکلیف میں مبتلا نہ رہتے۔

تحقیق انیق

☆...... حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ صاحب لکھتے ہیں کہ: "غور کی بات یہ ہے کہ گھن کے کیڑے اور دوسرے کیڑوں کے سامنے دو چیزیں تھیں ایک تو گوشت پوست کا بدن اور ایک خشک لکڑی کی لاٹھی۔ ظاہر ہے کہ گوشت کو جلدی کیڑا لگ جاتا ہے، چیونٹی چمٹ جاتی ہے، بدن کی رنگت بدل جاتی ہے مگر خشک لکڑی کو تو کیڑے نے کھا لیا لیکن نبی ﷺ کے مبارک بدن کو ہاتھ نہ لگا سکا، یہی دلیل حیات الانبیاء علیہم السلام کی ہے۔"

(رحمت کائنات ص ۲۱۱، از مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ)

☆...... اسی طرح اسی آیت میں ذکر شدہ الفاظ "خرّ وإلہ" سے بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات مبارکہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسد اطہر کے زمین پر آجانے کو "خرّ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا، مگر اس کو "سقط" سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ "خرّ" کا لفظ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں (اکثر و بیشتر) جہاں کہیں بھی مذکور ہے وہ زندہ انسان کے جھک جانے یا گر جانے کے لئے وارد ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا: "وخروا له سجداً... (یوسف: ۱۰۰)" اور اس کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔

"فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (الاعراف: ۱۴۳)" پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی، تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ''وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ'' کہ داؤد علیہ السلام سجدے میں جھک گئے۔ (ص:۲۴) ''اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (الاسراء:۱۰۷)''، ''خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (السجدہ:۱۵)''، ''لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (الفرقان:۷۳)''......وغیر ذالک!

اور اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث نعلین کے ذکر میں فرمایا: ''خَرَرْتُ لِاسْتِي'' میں اپنی سرینوں کے بل گر پڑا۔ (مسلم رقم الحدیث ۳۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شفاعت میں سجدہ عبودیت و نیاز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا'' (بخاری رقم الحدیث ۷۵۱۰، مسلم ۱۹۳) پھر میں سجدہ کرنے کے لئے گر پڑوں گا۔ (رحمت کائنات ص ۲۱۱، مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر ۶: عقیدہ حیاۃ واستشفاع کا ثبوت

''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء:۶۴)'' اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آکر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔

(الف)...... محمد بن عبید اللہ العتبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو قبر اطہر پر زیارت کے لئے حاضر ہوا اور حاضری کے بعد وہیں ایک جانب کو بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شخص اونٹ پر سوار بدوانہ صورت حاضر ہوئے اور آکر عرض کیا کہ یا خیر الرسل (اے رسولوں کی بہترین ذات) اللہ جل شانہ نے آپ پر قرآن شریف نازل فرمایا: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء:۶۴)'' اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کرلیا تھا آپ کے پاس آجاتے اور آکر اللہ جل شانہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور پیغمبر بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔

اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور اللہ جل شانہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور اس میں آپ کی شفاعت کا طالب ہوں۔ اس کے بعد وہ بدو رونے لگے اور یہ شعر پڑھے

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

اے بہترین ذات ان سب لوگوں میں جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں کہ ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں عمدگی پھیل گئی۔

نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ مقیم ہیں کہ اس میں عفت ہے کہ اس میں جود ہے کہ اس میں کرم ہے۔

اس کے بعد انہوں نے استغفار کیا اور چلے گئے۔ عتبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میری ذرا آنکھ لگ گئی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اس بدو سے کہہ دو کہ میری سفارش سے اللہ جل شانہ نے اس کی مغفرت فرما دی۔

اکثر حضرات نے یہی دو شعر نقل کئے ہیں مگر امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی مناسک میں اس کے بعد دو شعر اور نقل کئے ہیں۔

اَنْتَ الشَّفِیْعُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتَہٗ عَلَی الصِّرَاطِ اِذَا مَازَلَّتِ الْقَدَمُ

آپ ایسے سفارشی ہیں جن کی سفارش کے ہم امیدوار ہیں، جس وقت کہ پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔

وَصَاحِبَاکَ لَا اَنْسَاھُمَا اَبَداً مِنِّی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ مَاجَرٰی الْقَلَمُ

اور آپ کے دو ساتھیوں کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا، میری طرف سے تم سب پر سلام ہوتا رہے جب تک کہ دنیا میں لکھنے کے لئے قلم چلتا رہے یعنی قیامت تک۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، الباب الثامن، الفصل الثانی، ج ۴ ص ۱۸۵ بیروت فضائل حج ص ۱۳۱ از مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ)

ب...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”عن علی رضی اللہ عنہ قال قدم علینا أعرابی بعد ما دفنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بثلاثة أیام، فرمی بنفسه علی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحثا علی رأسه من ترابه، فقال قلت یا رسول اللہ فسمعنا قولک، ووعیت عن اللہ فوعینا عنک، وکان فیما أنزل اللہ علیک (وَلَوْ أَنَّھُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَھُمْ) الآیة، وقد ظلمت نفسی وجئتک فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ تستغفر لی فنودی من القبر إنه قد غفر لک[1]“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو کر اس اوپر والی مذکورہ آیت کریمہ کے حوالے سے مغفرت طلب کی، روایت ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی ”انه قد غفر لک“ اس ارشاد کے مطابق رحمۃ للعالمین کی ذات گرامی نے عالم دنیا کی حیات ظاہری ختم ہو جانے کے بعد بھی حاضری دینے والے امتی کو سلام کے جواب سے نوازا ہے اور آپ اس ثواب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچانے اور ان کے لئے مغفرت کرنے پر خداوند قدوس کی طرف سے مامور ہیں، یہ بھی آپ کی حیات جاودانی اور اس مدینہ والی قبر میں حیات پر قرآنی دلیل اور واضح ثبوت ہے۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ج ۲ ص ۴۶۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۲۰۷، طبع جدید)

ج...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ”وَلَوْ أَنَّھُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَھُمْ جَاءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَحِیْمًا (النساء: ۶۴)“ اس آیت میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کروانا اور کرنا جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں اور اگر اہل عصر ہی کے ساتھ یہ فضیلت مخصوص تھی تو آیت: ”النَّبِیُّ أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ أَنْفُسِھِمْ وَأَزْوَاجُهٗ

[1] تفسیر قرطبی النساء ۶۴ ج ۵ ص ۲۶۵، تفسیر البحر المحیط النساء ۶۴ ج ۳ ص ۶۹۴، تفسیر ابن کثیر سورۃ النساء آیت ۶۴، ج ۲ ص ۳۰۶، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ الباب الثامن، الفصل الثانی، ج ۴ ص ۱۸۵ بیروت۔ المجموع للنووی ج ۸ ص ۲۱۷، المغنی لابن قدامہ ج ۳ ص ۵۸۸، الشرح الکبیر ج ۳ ص ۴۹۴، المغنی المحتاج للخطیب الشربینی ج ۱ ص ۵۱۲ تحریرات حدیث ص ۵۲۸۔

أُمَّهَاتُهُمْ'' کے دونوں جملے جدا جدا آپ کی حیات پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ قرآن کے ماننے والوں کو تو گنجائش انکار رہتی نہیں، جو شخص قرآن کے انکار سے موافق حدیث ثقلین لا ریب داخل زمرہ گمراہاں ہو چکا، اسے راہ پر لانے کی کوئی تدبیر نہیں۔ (آب حیات ۲۶)

د...... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وثبت به ان حكم قوله تعالى وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا باقٍ بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلم لم ينقطع بها'' اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت شریفہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے، وفات سے یہ حکم منقطع نہیں ہوا۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۹)

ھ...... حضرت علامہ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وتخصيص قوله تعالى وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رحيما بما قبل الموت تخصيص بدون حجة عن هوى وترك المطلق على اطلاقه مما اتفق عليه اهل الحق والتقييد لايكون الا بحجة ولا حجة هنا تقيد الآية بل فقهاء المذاهب حتى الحنابلة على شمول الآية مابعد الموت والانبياء احياء في قبورهم'' یعنی آیت مبارکہ: ''وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ'' کو وفات سے پہلے کے وقت کے ساتھ خاص کرنا بغیر دلیل اپنی خواہش سے خاص کرنا ہے جب کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھنے پر سب اہل حق متفق ہیں اور مقید کرنا دلیل کے بغیر نہیں ہوسکتا اور یہاں اس کی کوئی دلیل نہیں بلکہ تمام مذاہب کے فقہاء حتیٰ کہ حنبلی حضرات بھی اسی موقف پر ہیں کہ آیت کا حکم وفات کے بعد بھی ہے اور (کیوں نہ ہو جب کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (مقالات الکوثری ص ۲۹۲)

دلیل نمبر ۷: پیغام رحمت ومغفرت

''وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: ۵۴)'' اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: ''سلامتی ہو تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کرلیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہ نبوت پر حاضر ہو، اس کے لئے خداوند قدوس کا اپنے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ اس کو السلام علیکم کی دعا کے ساتھ رب کی رحمت ومغفرت کا پیغام پہنچایئے، تو حق تعالیٰ کا یہ حکم دونوں حالتوں (ماقبل الموت ومابعد الموت) کے لئے عام ہے، یعنی رہتی دنیا تک کے لئے یہ حکم باقی ہے، جس طرح قرآن کریم کی دیگر آیات کے بارے میں یہ اصول مسلم ہے کہ اگرچہ ان کے نزول کا واقعہ خاص ہے لیکن ان کا حکم قیامت تک کے لئے جاری وباقی ہے، اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔''

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۲۶۹ طبع جدید)

دلیل نمبر ۸: مہاجر فی سبیل اللہ سے عمدہ رزق کا وعدہ

''وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ

(الحج:۵۸) ''اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر قتل کئے گئے یا ان کا انتقال ہو گیا تو اللہ انہیں ضرور اچھا رزق دے گا اور یقین رکھو کہ اللہ ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔

حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ:''ان القرآن یفسر بعضه بعضا'' کہ قرآن کا بعض حصہ، دوسرے بعض کی خود تفسیر کرتا ہے، اس اصول کی روشنی میں مذکورہ بالا آیت، آیت حیات شہداء میں ''عند ربهم یرزقون'' کے جملہ کی مزید تائید وتفسیر معلوم ہوتی ہے۔

نیز اس آیت سے انبیاء وشہداء کی حیات کے ساتھ ساتھ صلحاء ومہاجرین کی حیات بھی ثابت ہوئی۔

دلیل نمبر ۹: عند القبر آواز بلند کرنے کی ممانعت

''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (الحجرات:۲) ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

☆...... امام اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:''وقال العلماء یکره رفع الصوت عند قبره ﷺ کما کان یکره فی حیاته علیہ السلام لأنه محترم حیا وفی قبره علیہ السلام دائما'' علماء کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کے پاس بھی بلند آواز سے بولنا مکروہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی حیات میں آپ ﷺ کے سامنے مکروہ تھا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ جس طرح اپنی زندگی میں قابل احترام تھے، اسی طرح اب اور ہمیشہ تک آپ اپنی قبر مبارک میں بھی باعزت وقابل احترام ہی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، الحجرات ۱، ج ۷ ص ۳۶۸)

☆...... علامہ سید محمود آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''استدل العلماء بالآية على المنع من رفع الصوت عند قبره الشريف ﷺ وعند قراة حديثه علیہ السلام لان حرمته ميتا كحرمته حياً'' آیت بالا سے علماء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس اونچی آواز سے نہیں بولنا چاہئے اور جس وقت آپ ﷺ کی حدیث کی قرأت ہو رہی ہو اس لئے کہ وفات کے بعد بھی آپ کا احترام ایسے ہی ہے جیسے وفات سے پہلے تھا۔ (روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۳۷، فتح الملہم شرح مسلم ج ۲ ص ۱۸۲)

☆...... علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ:''اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہو وہاں بھی ان اداب کو ملحوظ رکھے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۶۸۴ سعودی عرب)

☆...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ حیات میں تھا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند سے سلام وکلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔'' (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۰۱)

☆...... حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:''ثم توجه مع رعاية غاية الادب فقام تجاه الوجه الشريف متواضعاً خاضعاً خاشعاً مع الذلة والانكسار والخشية والوقار والهيبة والافتقار غاض الطرف مكفوف الجوارح فارغ القلب واضعاً يمينه على شماله مستقبلا الوجه الكريم مستدبراً للقبلة محترزاً عن اشغال

النظر بماھناک من الزینة متمثلا صورته الکریمه فی خیالک مستشعر ابانه علیه الصلوة والسلام عالم بحضورک وقیامک وسلامک مستحضر اعظمته وجلاله وشرفه وقدره ﷺ ثم قال مسلماً مقتصداً من غیر رفع صوت لقوله تعالیٰ لَاتَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ .... إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ...... ولا اخفاء بحضورٍ وحیاء'' پھر انتہائی ادب کے ساتھ چہرہ اقدس کی طرف متوجہ ہو، تواضع، رسوائی، ذلت، انکساری، خوف اور سکون کے ساتھ اور ہیبت، محتاجی، نگاہوں کو پست کئے ہوئے، اعضاء وجوارح کو حرکتوں سے بند رکھتے ہوئے، دل کو ہر بات سے اس مقصود کے لئے فارغ کئے ہوئے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے قبلہ شریف کی طرف پشت کئے ہوئے اور وہاں کی آرائش وتزیین سے نگاہوں کو بچاتے ہوئے اور آپ کی صورت مبارکہ کا تصور لئے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ ﷺ تیری موجودگی و تیرے قیام اور تیرے سلام سے باخبر ہیں اور آپ ﷺ کی عظمت وجلالت بلندی قدر کو ملحوظ رکھتے ہوئے پھر سلام پیش کرے میانہ روی سے اور آواز کو آپ کی آواز سے پست رکھتے ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ''اپنی آواز کو آپ کی آواز سے پست رکھو......اور بے شک جو لوگ بارگاہ نبوت میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں......اور نہ زیادہ اخفاء کے ساتھ اور حضور قلب اور حیاء کے ساتھ سلام عرض کرے۔ (ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری، باب زیارۃ سید المرسلین ﷺ ص ۳۳۸ طبع مصر)

☆...... علامہ نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''وقال فی الاحیاء واعلم انه ﷺ عالم بحضورک وقیامک وزیارتک وانه یبلغه سلامک وصلوتک فمثل صورته الکریمة فی خیالک واختر عظیم رتبته فی قلبک...انتھی، ثم یسلم الزائر، ولا یرفع صوته ولا یخفیه، بل یقتصد...'' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم (ج ۱ ص ۱۵۳، طبع نولکشور) میں فرماتے ہیں کہ (اے زائر!) آنحضور ﷺ تیرے حاضر ہونے، قیام اور زیارت کو جان رہے ہیں اور تیرا درود وسلام ان تک پہنچایا جاتا ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو آپ ﷺ کی صورت کریمہ کا خیال باندھ کہ آپ ﷺ قبر اطہر میں تیرے سامنے تشریف رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کا عظیم رتبہ اپنے دل میں لا، پھر (زائر) درمیانہ آواز سے سلام عرض کرے، نہ بلند آواز سے ہو اور نہ بالکل آہستہ آواز سے۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ۴ ص ۲۱۱ طبع بیروت)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تنبیہ

☆...... حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل، فنظرت فإذا عمر بن الخطاب، فقال اذهب فأتنی بهذین، فجئته بهما، قال من أنتما أو من أین أنتما؟ قالا من أهل الطائف، قال لو کنتما من أهل البلد لأوجعتکما، ترفعان أصواتکما فی مسجد رسول الله ﷺ کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھے کنکری ماری، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: ''جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ، میں انہیں آپ کے پاس لے آیا، آپ نے ان سے پوچھا تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اہل طائف میں سے ہیں۔'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، اس لئے کہ تم مسجد رسول اللہ ﷺ میں (جس کے متصل آپ کا روضہ منورہ ہے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو؟۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

کیل ٹھوکنے سے رسول اللہ ﷺ کو ایذا نہ دو

☆...... امام احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وروی عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها كانت تسمع صوت الوتد يوتد والمسمار يضرب في بعض الدور المطيفة بمسجد النبي ﷺ فترسل إليهم لا تؤذوا رسول الله ﷺ ''مسجد نبوی کے اردگرد کے مکانوں میں جب کہ کوئی کیل ٹھونکتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو پیغام بھجواتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کو تکلیف مت دو۔ (المواهب اللدنیه بالمنح المحمدیه، المقصد العاشر الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف والمسجد المنیف ج ۳ ص ۵۹۴)

☆...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اور بہت پکار کر نہ بولے بلکہ آہستہ (پست آواز سے) خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے ''السلام علیک یارسول اللہ ﷺ من فلاں بن فلاں یستشفع بک الی ربک'' (زبدۃ المناسک ص ۲۷۹، طبع ایچ ایم سعید کراچی)

☆...... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''آنحضرت ﷺ حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا، بے ادبی اور آپ کی ایذا کا سبب ہے۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں''
(تذکرۃ الخلیل ص ۳۷۰ مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی۔ طبع مکتبۃ الشیخ کراچی)

☆...... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث (اور آیت) سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا کہ جیسے آنحضرت ﷺ کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا، اسی طرح کا احترام وتوقیر اب بھی لازم ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں حی (زندہ) ہیں اور جس طرح کہ آپ کی دنیوی حیات مبارکہ میں لاتجھروا له بالقول کی حرمت وممانعت تھی، اسی طرح اب بھی۔ اس لئے کہ قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا اور سخت لب ولہجہ اختیار کرنا ممنوع ہے۔ وقار وسکون اور تعظیم وتکریم ملحوظ رکھے ہوئے بات کرے''

(معارف القرآن للکاندھلوی الحجرات ج ۷ ص ۴۸۷)

☆...... حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ: ''اکابر اہلسنت اور جمہور مفسرین کا اجماع ہے کہ ورود وفات کے بعد یہی حکم قرآنی روضہ اطہر کے پاس کامل ادب واحترام ملحوظ رکھنے کا متقاضی ہے۔ مسجد نبوی کی حدود میں شرعی ضروریات کے علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔ (مقام حیات ص ۱۷۷، مکتبہ پیام اسلام، لاہور)

☆...... حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ: ''شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کے کو ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے: ''لقد اذیت رسول الله ﷺ فی قبرہ'' تحقیق تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ ﷺ کو قبر میں ایذا پہنچائی۔

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے نزدیک آنحضرت ﷺ قبر مبارک میں اسی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور جس طرح بحکم خداوندی ''لَاتَرْفَعُوْا أَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ'' اس حیات دنیویہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا، اسی طرح اب اس حیات برزخیہ میں آپ کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۵۳ طبع کراچی)

دلیل نمبر ۱۰: قیامت تک رسالت محمدی ﷺ کا قیام

''وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِیْهِمْ (الانفال: ۳۳)'' اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو۔

☆...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اور آنحضرت ﷺ کا دنیا میں ہونا قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ آپ کی رسالت قیامت تک کے لئے ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ اس وقت بھی زندہ ہیں گو اس زندگی کی صورت سابق زندگی سے مختلف ہے اور یہ بحث لغو اور فضول ہے کہ ان دونوں زندگیوں میں فرق کیا ہے کیونکہ نہ اس پر امت کا کوئی دینی یا دنیوی کام موقوف ہے، نہ خود رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسی فضول اور بے ضرورت بحثوں کو پسند فرمایا، بلکہ منع فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنے روضہ میں زندہ ہونا اور آپ کی رسالت کا قیامت تک قائم رہنا، اس کی دلیل ہے کہ آپ قیامت تک دنیا میں ہیں اس لئے یہ امت قیامت تک عذاب عام سے مامون رہے گی۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۲۲۵)

دلیل نمبر ۱۱: ازواج پیغمبر ﷺ سے نکاح کی ممانعت

''وَمَا کَانَ لَکُمْ أَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا أَنْ تَنْکِحُوْا أَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ أَبَدًا (الاحزاب: ۵۳)'' اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔

☆...... حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''قلت وجاز ان یکون ذالک لاجل ان النبی ﷺ حی فی قبرھی ولذالک لم یورث ولم یتئم ازواجہ'' میں کہتا ہوں کہ تحریم ازواج کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، اس لئے آپ کے مال کا کوئی وارث نہیں قرار پایا اور نہ آپ کی بیویاں بیوہ ہوئیں۔ (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۴۰۸)

☆...... حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلے کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب آب حیات میں ہے۔ (تفسیر عثمانی ص ۵۶۷)

☆...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہے۔ (اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں) وہ بنص قرآن مومنوں کی مائیں ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں تو آپ ﷺ کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی زندہ شوہر گھر سے غائب ہو۔ اسی لئے آپ ﷺ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی۔ اسی بناء پر آپ ﷺ کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام

شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے[1]" (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۰۳)

دلیل نمبر ۱۲: حضرت رسول اللہ ﷺ کی گواہی

"وَجِئْنَا بِکَ شَهِيداً عَلَى هَـٰؤُلَاءِ (النحل: ۸۹)" اور (اے پیغمبر ﷺ) ہم تمہیں ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے لائیں گے۔

☆...... حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں آپ ﷺ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی ۳۶۶)

☆...... نیز درج ذیل آیت میں بھی مسئلہ حیات کا مکمل اشارہ موجود ہے، گویا یہ آیت مبارکہ پچھلی آیت کی مزید تشریح کر رہی ہے۔ "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً (الاحزاب: ۴۵)" اے نبی ﷺ! بے شک ہم نے آپ ﷺ کو ایسا بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ گواہی دینے والے خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے ہیں۔

☆...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "تمام انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔" (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۷)

نوٹ: عرض اعمال کے متعلق مزید روایات ہم آگے چل کر حدیثی دلائل میں بیان کریں گے۔

(ان شاء اللہ الرحمن)

دلیل نمبر ۱۳: برسوں تک اصحاب کہف کا محفوظ رہنا

"فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَداً (الکہف: ۱۱)" چنانچہ ہم نے ان کے کانوں کو تھپکی دے کر کئی سال تک ان کو غار میں سلائے رکھا۔

وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت کا ظہور

امم سابقہ میں اصحاب کہف کی یہ کرامت تھی کہ تین سو نو سال (۳۰۹) سونے کے بعد بھی صحیح سالم رہے اور

---

[1] وفی تلخیص الحبیر وقال البیہقی فی دلائل النبوۃ: الانبیاء احیاء عند ربھم کالشھداء۔ وفی البدر المنیر وقال البیہقی فی کتاب الاعتقاد: والانبیاء بعد ما قبضوا ردت علیھم ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء......

وفی حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: بلغۃ السالک لاقرب المسالک ج ۱ ص ۵۷۶۔ الانبیاء احیاء...

وفی منح الجلیل شرح مختصر الخلیل ج ۳ ص ۲۴۸۔ وفی بقاء نکاحھن بعد موتہ وانقطاعہ خلاف وفی وجوب عدتھن خلاف۔ وجہ الثبوت انھن متوفی عنھن وھی عبادۃ ووجہ النفی انھن لاینتظرن اباحۃ فکانہ ﷺ لم یمت وقد ورد الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون۔ وکذا فی شرح الزرقانی علی مختصر خلیل ص ۲۸۲ ج ۳ باب ذکر فیہ الخصائص۔

وفی نھایۃ المطلب فی درایۃ المذھب ج ۱۲ ص ۲۱۔ ومنھا انہ لایورث قال ﷺ نحن معاشر الانبیاء لانورث فکان ما خلفہ علی ما کان علیہ فی حیاتہ وکان الصدیق رضی اللہ عنہ ینفق منہ علی اھلہ وخدمہ ویراہ باقیا علی ملک رسول اللہ ﷺ لان الانبیاء احیاء وھذا ھو الصحیح الموافق لسیرۃ الصدیق رضی اللہ عنہ"

امت محمدیہ میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جن سے اسی طرح کے واقعات ظاہر ہوئے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں اسی بات کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''أَمَّا أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ فَمِنْ كَرَامَاتِهِ أَنَّهُ لَمَّا حُمِلَتْ جِنَازَتُهُ إِلَى بَابِ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنُودِيَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا أَبُو بَكْرٍ بِالْبَابِ فَإِذَا الْبَابُ قَدِ انْفَتَحَ وَإِذَا بِهَاتِفٍ يَهْتِفُ مِنَ الْقَبْرِ أَدْخِلُوا الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کرامات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب ان کا جنازہ (حسب وصیت) اٹھایا گیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے حجرہ کے دروازہ پر رکھ کر سلام عرض کرنے کے بعد آواز دی گئی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دروازے پر حاضر ہیں تو دروازہ خود بخود کھل گیا اور آواز آئی کہ دوست کو دوست تک پہنچا دو۔ (تفسیر کبیر رازی، الکہف: ۲۱ ص ۴۳۳)

☆...... نیز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی بیان ہے کہ: ''لما حضرت أبا بكر الوفاة أقعدني عند رأسه وقال لي يا علي إذا أنا مت فغسلني بالكف الذي غسلت به رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وحنطوني واذهبوا بي إلى البيت الذي فيه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاستأذنوا فإن رأيتم الباب قد فتح فادخلوا بي وإلا فردوني إلى مقابر المسلمين حتى يحكم الله بين عباده قال فغسل وكفن وكنت أول من بادر إلى الباب فقلت يا رسول الله هذا أبو بكر يستأذن فرأيت الباب قد فتح فسمعت قائلا يقول ادخلوا الحبيب إلى حبيبه فإن الحبيب إلى الحبيب مشتاق'' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت میں ان کے سرہانے موجود تھا اور انہوں نے مجھ سے فرمایا اے علی! جس وقت میں موت کی نیند سو جاؤں تو مجھے اپنے انہیں ہاتھوں سے غسل دینا جن سے تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا تھا اور مجھے خوشبو لگانا اور مجھے اس گھر (حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کی طرف لیجانا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور پھر اجازت طلب کرنا۔ اگر تم دیکھو کہ حجرہ مبارک کا دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں داخل (دفن) کر دینا وگرنہ مسلمانوں کے قبرستان (جنت البقیع) میں تدفین کرنا۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے۔ (الخصائص الکبریٰ للسیوطی ج ۲ ص ۲۸۱ تفسیر کبیر الکہف: ۹ تا ۱۲)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا (جنازہ پڑھنے کے بعد حجرہ کی طرف لے جایا گیا) اور سب سے پہلے حجرہ انور کے دروازے کی طرف میں ہی بڑھنے والا تھا اور میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو آپ کے ہاں آنے کی اجازت چاہتے ہیں؟ سو میں نے دیکھا کہ حجرہ انور کا دروازہ (خود بخود) کھل گیا اور میں نے قائل کی یہ آواز سنی کہ: ''(پیغمبر کے) محبوب کو (خدا کے) محبوب کے حجرے میں داخل کر دو، اس لئے کہ محبوب اپنے محبوب کے اشتیاق میں (منتظر) ہے۔''

پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

<u>فائدہ</u>: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى (طٰہٰ: ۵۵)'' تفسیر مظہری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کی ناف میں ایک جزء مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اسی زمین میں دفن ہوتا ہے، جہاں کی مٹی اس کے خمیر میں شامل کی گئی تھی اور فرمایا کہ میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔ یہ روایت خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کر کے فرمایا ہے کہ حدیث غریب ہے اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ مگر شیخ محدث میرزا محمد حارثی بدخشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد

حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔ جن سے اس روایت کو قوت پہنچتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن (لغیرہ) سے کم نہیں۔ (معارف القرآن ج ۶ ص ۱۱۸، بحوالہ مظہری)

☆...... حضرت یزید الجریری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد بن سیرین تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جگہ کی مٹی سے آنحضور ﷺ کو تخلیق فرمایا اسی جگہ سے حضرات شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کو بھی تخلیق فرمایا۔ یعنی آنحضور ﷺ اور شیخین کی طینت ایک ہے۔ (اس کی دلیل یہ ہے کہ) پھر انتقال کے بعد ان سب کو اسی مبارک زمین میں لوٹا دیا۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ۱ ص ۳۴)

☆...... حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ینزل عیسی ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولدله، ویمکث خمساً واربعین سنة ثم یموت فیدفن معي في قبري فأقوم أنا وعیسی ابن مریم من قبر واحد بین ابی بکر وعمر'' حضرت عیسیٰ ابن مریم (آسمان سے) زمین پر اتریں گے تو وہ نکاح کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔ دنیا میں ان کی مدت قیام (تقریباً) پینتالیس سال ہوگی۔ پھر ان کی وفات ہو جائے گی اور وہ میرے مقبرے میں میرے پاس دفن کئے جائیں گے۔ (چنانچہ قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک مقبرہ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان اٹھیں گے۔

(مشکوۃ رقم الحدیث ۵۵۰۸، الوفاء باحوال المصطفیٰ لابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۳۲۵ بحوالہ کنز العمال للھندی)

دلیل نمبر ۱۴: انعامات خداوندی اور مقام نبوی ﷺ

''وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (الضحیٰ: ۴)'' اور یقیناً آگے آنے والے حالات، تمہارے لئے پہلے حالات سے بہتر ہیں۔

☆...... حضرت مولانا عبد المجید صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس آیت میں آنحضور ﷺ کو تسلی دینے کے لئے ایک پیش گوئی کی گئی ہے۔ (آخرت اور اولیٰ) یہ دو لفظ یہاں آئے ہیں، ان کے دو مفہوم ہیں۔ اولیٰ سے اگر دنیا مراد لی جائے اور آخرت سے وہی آخرت مراد ہو، جو مرنے کے بعد آئے گی تو اس میں یہ بتایا گیا کہ آخرت آپ کے لئے دنیا کے مقابلہ میں بہتر ہے، یہ سختیاں، یہ دشواریاں، یہ مشقتیں یہ جو کچھ بھی ہیں، دنیا میں ہیں اور آخرت میں جس وقت آپ جائیں گے، مرنے کے بعد جو ابدی زندگی شروع ہوگی وہ آپ کے لئے بہت بہتر ہوگی، اس میں تسلی کا پہلو آ گیا اور اگر آخرت کو لفظی مفہوم میں لے لیا جائے تو ترجمہ بہترین ہو جاتا ہے اور عین موقع محل کے مطابق ہو جائے گا، اولیٰ سے مراد پہلی حالت جو اس وقت موجود ہے یا گزر گئی، آخرت سے مراد پچھلی حالت جو آنے والی ہے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے روبہ ترقی کی طرف اشارہ ہے، ہر پیچھے آنے والی حالت آپ کی پہلی حالت سے بہتر ہوگی۔ (قطرات ایم فی تفسیر پارہ عم ص ۱۷۱)

حضرات علماء کرام نے مذکورہ آیت سے بھی حیات انبیاء کرام پر استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ یہاں کفار کے طعنہ کے جواب میں حضرت رسول اللہ ﷺ پر انعامات الٰہیہ (جن میں علوم ومعارف، درجات قرب الٰہی اور کمالات حیات سبھی کچھ داخل ہے) کے دنیا وآخرت میں فائز ہونے کا اجمالاً ذکر ہے۔ پھر خداوند عالم نے آنحضور ﷺ سے دنیا وآخرت میں اس قدر دولتیں نعمتیں اور عظمتیں عطاء فرمانے کا وعدہ کیا ہے کہ وہ مطمئن وراضی ہو جائیں گے۔ یوں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آنے والی ہر گھڑی پہلے سے کہیں بہتر ہوگی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ

دنیا میں تو آپ کو حیات حاصل ہو اور عالم برزخ یعنی قبر میں آپ فائز الحیات نہ ہوں، تو آنے والی (قبر کی) حالت کا (دنیوی حالت سے) مزید بہتر و برتر ہونا کیسے ثابت ہوگا؟

قدم قدم پہ برکتیں نفس نفس پہ رحمتیں جہاں جہاں سے وہ شفیع عاصیاں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

باب دوم: عقیدہ حیات الانبیاء کے متعلق احادیث مبارکہ اور ان کی تشریحات

دلیل نمبر ۱: اجساد انبیاء کرام علیہم السلام کا قبروں میں محفوظ رہنا

☆...... حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه قبض وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا على من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة علي قال قالوا يا رسول الله، وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت يقولون بليت؟ فقال إن الله عز وجل حرم على الأرض ان تاكل أجساد الأنبياء[1]'' بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے اسی

[1] ابوداؤد ۱۰۴۷، مسند احمد ۱۶۱۶۲، ابن ماجہ ۱۰۸۵، ۱۶۳۶، سنن الکبریٰ للبیہقی ۶۲۰۶، المعجم الاوسط ۴۷۸۰، المعجم الکبیر ۵۸۹، سنن دارمی ۱۶۱۳، سنن نسائی ۱۳۷۴، مسند بزار ۳۴۸۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۸۶۹۷، شعب الایمان للبیہقی ۲۷۶۸، تحریرات حدیث ۳۸۸۔

☆...... رواہ ابوداؤد وصححہ الالبانی۔ وفي المرقاة: ج ۳ ص ۱۰۱۷ (رواه ابوداؤد، والنسائي، وابن ماجه، والدارمي) قال ميرك: ورواه ابن حبان في صحيحه والحاكم وصححه، وزاد ابن حجر بقوله وقال صحيح على شرط البخاري، ورواه ابن خزيمه في صحيحه (والبيهقي في الدعوات الكبير) قال النووي اسناده صحيح، وقال المنذري له علة دقيقة اشار اليها البخاري نقله ميرك، قال ابن دحيه انه صحيح بنقل العدل عن العدل، ومن قال انه منكر او غريب لعلة خفية به، فقد استروح، لان الدار القطني ردها) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۲۶ ص ۵۸)

☆...... حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ومن تأمل هذا الإسناد لم يشك في صحته لثقة رواته وشهرتهم وقبول الأئمة أحاديثهم'' جو شخص بھی اس کی اسناد میں تامل کرے گا تو اس کو اس کی صحت میں کوئی شک نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ کرام نے ان کی حدیثیں قبول کی ہیں۔ (جلاء الافہام ۱۸)

☆...... اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''قد صح عن النبي أن الأرض لا تاكل أجساد الأنبياء'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔ (کتاب الروح ۳۶)

☆...... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وهو حي في قبره الشريف ولحوم الانبياء علیہم السلام حرام على الارض كما ورد به الاثر'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے جسم زمین پر حرام ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۸)

☆...... حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''فانه صح عنه صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان الله عز وجل حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء رواه ابو داؤد'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔

میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سوئم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیا کرام علیہم السلام کے اجساد، حرام کر دیئے ہیں۔

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال اور آنحضور ﷺ کے جواب سے واضح ہوا کہ جس طرح دنیا میں درود شریف آپ کے روح وجسم کے مجموعہ پر پیش ہوتا تھا، اسی طرح بعد از وفات قبر انور کے اندر بھی روح اور جسم کے مجموعہ پر بھی پیش ہوگا۔

اس حدیث سے جسم اطہر کے ساتھ روح مبارک کا تعلق اور حیات ثابت ہوئی۔ کیونکہ یہ روایت ''جسد عنصری'' اور ''حیات فی القبر'' کی صریح دلیل ہے۔ اسی لئے حافظ سخاوی نے اسے ایمان وعقیدہ کا جز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر انوار میں زندہ ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسم اطہر کو زمین نہیں کھاتی۔ اسی بات پر امت کا اجماع ہے۔''

(القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع ص ۱۷۲)

دلیل نمبر ۲: انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں انہیں رزق ملتا ہے

☆...... حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''أكثروا الصلاة علي يوم الجمعة فإنه مشهود تشهده الملائكة وإن أحدالن يصلي علي إلا عرضت علي صلاته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت؟ قال وبعد الموت إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حي يرزق[1]'' جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو، کیونکہ وہ دن حاضری کا ہے، اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، مجھ پر کوئی شخص درود

---

[1] حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواه ابن ماجة باسناد جيد'' ابن ماجہ کی اسناد جید اور کھری ہے۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث ۲۵۸۲)

☆...... علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں: ''قال الدميري رجاله ثقات'' کہ دمیری فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (فیض القدیر رقم الحدیث ۱۴۰۳ ج ۲ ص ۸۷)

☆...... ابن ملقن فرماتے ہیں: ''اسنادہ حسن'' (البدر المنیر ج ۵ ص ۲۸۸ کتاب الجنائز)

☆...... اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواه ابن ماجه برجال ثقات'' ابن ماجہ کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۶)

مرقاۃ شرح مشکوۃ فصل ثالث باب الجمعۃ ج ۳ ص ۲۰۲ ''ونبی اللہ حی یرزق'' وفی حاشیۃ السندی ج ۱ ص ۳۳۷ باب فضل الجمعة ''ان الله حرم . . . الخ'' كناية عن كون الانبياء احياء في قبورهم اوبيان لماهو خرق العادة المستمرة بطريق التمثيل اى ليجعلوه مقيسا عليه للعرض بعد الموت الذى هو خلاف العادة المستمرة ويحتمل ان المانع من العرض عندهم فناء البدن لا مجرد الموت ومفارقة الروح البدن لجواز عود الروح الى البدن مادام سالما عن التغير الكثير فاشار ﷺ الى بقاء بدن الانبياء علیہم السلام وكذافي مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح ج ۴ ص ۴۳۳۔ (ذخیرۃ العقبی فی شرح المجتبی ج ۱ ص ۹۶)

نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس سے فارغ ہو۔ میں نے کہا کہ وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا؟ فرمایا کہ ہاں! وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو کھائے، سو اللہ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

(ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۶۳۷، مشکوۃ ۱۳۶۶ جامع الاحادیث ۴۳۲۰)

فائدہ:

☆...... علامہ محمد نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر حضرت ابو درداء یہ سمجھے کہ شاید یہ حکم ظاہری حالت یعنی آپ کی دنیاوی زندگی ہی سے متعلق ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے اس بارے میں جب سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ زمین پر انبیاء کے اجسام کھانا حرام ہے یعنی جس طرح دوسرے مردوں کے جسم قبر میں فنا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح انبیاء کے جسم قبر میں فنا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود رہتے ہیں، اس لئے انبیاء کے لئے دونوں حالت یعنی دنیا کی ظاہری زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح وہ یہاں ہیں اسی طرح وہاں ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ ''اولیاء اللہ لایموتون ولکن ینتقلون من دار الی دار'' اللہ کے دوست اور حقیقی بندے مرتے نہیں وہ تو صرف ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا جس طرح یہاں دنیا کی زندگی میں میرے سامنے درود پیش کئے جاتے ہیں، اسی طرح میری قبر میں بھی میرے سامنے درود پیش کئے جاتے رہیں گے۔

حدیث کے آخری الفاظ (حی یرزق) کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کو اپنی اپنی قبروں میں حق تعالیٰ کی طرف سے معنوی رزق دیا جاتا ہے اور اگر رزق سے رزق حسی مراد لیا جائے تو یہ حقیقت کے منافی نہیں ہوگا بلکہ صحیح ہوگا، کیونکہ جب شہداء کی ارواح کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جنت کے میوے کھاتی ہیں، تو انبیاء شہداء سے بھی اشرف واعلیٰ ہیں، اس لئے ان کے لئے بھی یہ بات بطریق اولیٰ ثابت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی قبروں میں رزق حسی دیئے جاتے ہیں۔'' (مظاہر حق ج۱ ص ۹۴۰، ۹۴۱، المصباح)

دس آدمیوں کو زمین نہیں کھاتی

''قَالَ ابنُ عَبدِ البَرِّ هٰذَا عُمُومٌ یُرَادُ بِهِ الْخُصُوصُ لِمَا رُوِیَ فِی أَجْسَادِالْأَنْبِیَاءِ وَالشُّهَدَاءِ أَنَّ الْأَرْضَ لاتَأْکُلُهُمْ، وَحَسْبُکَ مَا جَاءَ فِی شُهَدَاءِ أُحُدٍ إِذْأُخْرِجُوا بَعْدَسِتٍّ وَأَرْبَعِینَ سَنَةً لَیِّنَةً أَجْسَادُهُمْ، یَعْنِی أَطْرَافُهُمْ فَکَأَنَّهُ قَالَهُ مَنْ تَأْکُلُهُ الْأَرْضُ فَلاتَأْکُلُ مِنْهُ عَجْبَ الذَّنَبِ، وَإِذَاجَازَأَنْ لا تَأْکُلَهُ جَازَ أَنْ لَا تَأْکُلَ الشُّهَدَاءَ وَإِنَّمَافِی هٰذَاالتَّسْلِیمُ لِمَنْ یَجِبُ لَهُ التَّسْلِیمُ ﷺ انْتَهٰی وَزَادَ غَیْرُهُ الصِّدِّیقِینَ وَالْعُلَمَاءَ الْعَامِلِینَ، وَالْمُؤَذِّنَ الْمُحْتَسِبَ، وَحَامِلَ الْقُرآنِ الْعَامِلَ بِهِ، وَالْمُرَابِطَ، وَالْمَیِّتَ بِالطَّاعُونِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، وَالْمُکْثِرَ مِنْ ذِکْرِ اللهِ، وَالْمُحِبِّینَ لِلّٰهِ، فَتِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ'' امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی اور تمہیں وہ دلیل کافی ہے جو احد کے شہیدوں کے بارے میں آیا ہے کہ جب ان کو چھیالیس (۴۶) سال کے بعد نکالا گیا تو ان کے اجسام

تر وتازہ تھے گویا کہ حضور ﷺ نے یوں فرمایا جن کے جسموں کو مٹی کھاتی ہے ان کے سارے جسم کو کھاتی ہے سوائے عجب الذنب کے اور جب یہ ثابت ہوگئی کہ اسے مٹی نہیں کھاتی تو یہ بات بھی تسلیم کرنا چاہئے شہیدوں کے جسم کو بھی نہیں کھاتی اور یہ بات ان کے حق میں تسلیم ہے جو حضور ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کو عملاً تسلیم کرتے ہیں۔

اور بعض علماء نے اس پر مزید فرمایا کہ (۱) انبیاء کرام علیہم السلام، (۲) صدیقین، (۳) شہداء، (۴) علماء ربانیین، (۵) موذنین۔ ثواب کی غرض سے اذان دینے والے، (۶) حافظ قرآن، (۷) مجاہد فی سبیل اللہ، (۸) طاعون سے مرنے والے، جنہوں نے اس پر صبر کیا تا کہ ثواب ہو، (۹) ذاکرین۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے، (۱۰) اور آپس میں محض اللہ کے لئے محبت کرنے والے، پس یہ دس لوگ ہیں، جن کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔ (شرح الزرقانی علی المؤطا باب جامع الجنائز ج ۲ ص ۱۲۳)

فائدہ: مگر یہ بات واضح رہے کہ مذکورہ دس آدمیوں کا جسم محفوظ رہتا ہے، لیکن حیات میں انبیاء کرام علیہم السلام ان سب سے ممتاز ہیں۔

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا

☆...... حضرت مولانا سعید احمد صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ: ''عالم برزخ کی زندگی ہر شخص کے ادراک میں نہیں آسکتی، لیکن یہ یقین ہے کہ مرنے کے بعد زندگی ضرور ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس عالم کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں، ایک انبیاء کی زندگی ہے، ایک وہ زندگی ہے جو شہدا کو حاصل ہے، ایک وہ زندگی ہے جو علماء کو حاصل ہے، ایک وہ زندگی ہے جو حافظ قرآن کو حاصل ہے، اسی طرح درجہ بدرجہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی اتنی قوی ہے کہ اس کا اثر اس عالم میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً ان کی بیویوں سے نکاح نہ کرنا، ان کے ورثہ کا تقسیم نہ ہونا، ان کے جسم کا قبر میں محفوظ رہنا (ان کی ارواح کا جسم کے ساتھ قائم رہنا) قبر پر جا کر سلام کرنے والے کے سلام کو سننا اور اس کا جواب دینا، شہدا کی زندگی ان سے کم درجہ ہے۔'' (کشف الرحمن ص ۱۱۴، ضمیمہ طبع کراچی)

دلیل نمبر ۳: انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبور مبارکہ میں نمازیں ادا کرنا

☆...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلون[۱]'' انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔

---

۱ (مسند ابی یعلیٰ رقم الحدیث ۳۴۲۵، مسند البزار ۶۳۱۹، ۶۸۸۸، فیض القدیر للمناوی ۵۵۶۴، حیات الانبیاء للبیہقی رقم الحدیث ۱ ص ۷۲، فتح الباری کتاب الجہاد باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم ج ۶ ص ۴۸۷، مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب الایمان باب الایمان بالقدر رقم الحدیث ۱۸، وصححہ البانی ۲۷۹۰ فی صحیح الجامع، شرح الزرقانی علی المؤطا ج ۴ ص ۴۴۷، الروض البسام بترتیب وتخریج فوائد تمام ج ۴ ص ۲۴۶ حدیث نمبر ۱۴۳۲، قال الہیثمی رجال ابی یعلیٰ ثقات مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، کشف الاستار ج ۳ ص ۱۰۰ حدیث نمبر ۲۳۳۹، اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ۷ ص ۱۴۵، المطالب العالیہ ج ۱۴ ص ۲۲۶، الفتح الکبیر رقم الحدیث ۵۰۷۵، ابن عساکر ج ۱۳ ص ۳۲۶، دیلمی ج ۱ ص ۱۱۹، اطراف الغرائب والافراد رقم الحدیث ۶۹۰، الفردوس ۴۰۳، اخبار اصبہان رقم الحدیث ۳۶۵ ۴۰ ماوردنی حیاۃ الانبیاء بعد وفاتہم للبیہقی ص ۱)

☆... حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) شارح مشکوۃ فرماتے ہیں کہ: ''وصح خبر الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلون'' کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم کی حدیث صحیح ہے۔ (مرقاۃ باب الجمعہ ج ۵ ص ۳۹) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فائدہ: راقم الحروف عرض رسا ہے کہ یہی وہ روایت انس رضی اللہ عنہ ہے جو کہ بندہ ناچیز نے مدینہ منورہ میں شیخ بحرینی مدظلہ فاضل مدینہ یونیورسٹی کے سامنے پیش کی تھی، کیونکہ یہ حدیث ''جسد عنصری'' اور ''حیات فی القبر'' دونوں کی صریح دلیل ہے۔ پھر جب انہوں نے اس کی صحت کا انکار کیا تو ان کی تسلی کے لئے میں نے مسجد نبوی کی معروف لائبریری میں انہیں لے جا کر ''مسند ابی یعلیٰ'' سے اصل حوالہ دکھایا اور ساتھ ہی محدثین سے اس روایت کی صحت وتوثیق بھی پیش کی تو شیخ بحرینی کی حیرت واستعجاب کی انتہاء نہ رہی اور وہ بے حد متاثر ہو کر علماء ہند اور اکابرین دیوبند کی بہت تعریف کرنے لگے اور مجھ سے فرمایا کہ واقعتاً اہل عرب اس عقیدہ کی حقیقت سے بے خبر ہیں......اور پھر خوب دعائیں دینے لگے۔

حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی

☆...... امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ، مروان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: ''لما کان ایام الحرۃ لم یؤذن فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثا ولم یقم ولم یبرح سعید بن المسیب من المسجد وکان لایعرف وقت الصلوۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' واقعہ حرہ کے دنوں میں تین دنوں تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی نہ اقامت اور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

☆...... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''وھو من رجال الصحیح'' (فتح الباری کتاب الجہاد باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

☆...... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''رجالہ ثقات'' (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

☆...... حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ (فیض الباری ج ۵ ص ۱۱۲)

☆...... حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''قال لان الانبیاء احیاء عند اللہ وان کانوا فی صورۃ الاموات بالنسبۃ الی اھل الدنیا'' (فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۴ علی حدیث رقم ۳۴۰۸)

☆...... امام عبدالوہاب بن احمد الشعرانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ'' بلا شبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (منح المنہ ص ۹۲، طبع مصر)

☆...... مراقی الفلاح میں ہے کہ: ''الانبیاء فی قبورھم یصلون ظاھرہ حیاۃ حقیقۃ للاجسام ولا مانع عنھا والقبر منزل من المنازل یوسعہ اللہ کیف یشاء والارواح بیدہ یردھا لمن یشاء ان ثبت ذلک، قولہ یصلون صریح فی الحیاۃ الحقیقیۃ''

(التنویر شرح الجامع الصغیر ج ۴ ص ۵۰۷ رقم الحدیث ۳۰۷۴)

وفی التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ج ۱ ص ۴۲۶ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون لانھم کالشھداء بل افضل والشھداء احیاء عند ربھم۔ وفائدۃ التقیید بالعندیۃ الاشارۃ الی ان حیاتھم لیست بظاھرۃ عندنا بل ھی کحیاۃ الملائکۃ وکذا الانبیاء ولھذا کانت الانبیاء لوتورث۔ قال الشبلی وھذا یقتضی الحاق الحیوۃ فی احکام الدنیا وذالک زائد علی حیاۃ الشھداء والقرآن ناطق بموت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تعالیٰ انک میت وانھم میتون، وقال المصطفی انی امرؤ مقبوض وقال الصدیق رضی اللہ عنہ ان محمدا قد مات واجمع المسلمون علی اطلاق ذالک فالوجہ ان یقال انہ أحیی بعد الموت وقیل المراد بالصلوۃ التسبیح والذکر، کذافی فیض القدیر، ج ۳ ص ۱۸۴۔

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ وہاں سے نہ نکلے، انہیں نماز کا وقت ایک دھیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا، جو وہ آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کے اندر سے سنتے تھے۔ (اور وہ آواز اذان واقامت کی ہوتی تھی) (سنن دارمی ج۱ ص۵۶)

☆...... حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ خود بیان فرماتے ہیں کہ: ''قَالَ لقد رَأيتني ليَالي الحرَّةِ وَمَا في مسجد رسول الله ﷺ غيرِي ومَا يَأْتِي وَقتُ الصَّلَاةِ إِلَّا سمِعتُ الآذانَ من القَبرِ '' جنگ حرہ کے زمانہ میں آنحضرت ﷺ کی مسجد شریف میں میرے سواء اور کوئی نہ تھا۔ جب نماز کا وقت آتا تو میں ہر نماز کے لئے قبر مبارک سے اذان کی آواز سنا کرتا۔ (الخصائص الکبری ذکر ما وقع عند وفاته ﷺ من المعجزات والخصائص ج۲ ص۴۹۰)

☆...... حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا بیان ہے: ''قال لم ازل اسمع الاذان والاقامة في قبر رسول الله ﷺ ايام الحرة حتى عادالناس '' کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں اذان اور اقامت ہمیشہ میں آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک سے سنا کرتا تھا، یہاں تک کہ لوگ پھر جماعت میں آنے لگے تھے۔ (ایضاً)

☆...... علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وقصة سعيد بن المسيب في سماعه الأذان والإقامة من القبر الشريف أيام الحرة مشهورة'' ایام حرہ میں نبی کریم ﷺ کی قبر شریف سے حضرت سعید بن المسیب تابعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۳ھ) کے اذان واقامت سننے کا قصہ بہت مشہور ہے۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ الباب الثامن فی زیارۃ النبی، الفصل الثانی ج۴ ص۱۸۲)

دلیل نمبر ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

☆...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اتيت وفي رواية هداب مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ[1]'' سید دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ اپنی قبر میں جو کہ لال رنگ کے ٹیلے کے پاس ہے، کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

☆...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ مَرَّ عَلَى مُوسَى علیہ السلام وَهُوَ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ'' جناب نبی کریم ﷺ کا شب معراج موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر گزر ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (نسائی رقم الحدیث ۱۶۳۵)

---

[1] (مسلم رقم الحدیث ۲۳۷۵، مسند احمد رقم الحدیث ۱۲۵۰۴، ۱۳۵۹۳، سنن نسائی ۱۶۳۱، صحیح ابن حبان ۴۹)

☆...... ''وروى مسلم عن ابى هريرة في قصة الاسراء وقد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذاموسى قائم يصلى... واذاعيسى ابن مريم قائم يصلى... واذا ابراهيم قائم يصلى '' (مسلم رقم الحدیث ۱۷۲)

☆...... ''رأيت موسى يصلي في قبره'' (مسند بزار ج۱۳ ص۶۲ رقم الحدیث ۶۳۹۱)

☆...... ''مررت على موسى علیہ السلام وهو يصلي في قبره'' (فوائد ابن مندہ ج۱ ص۴۷ رقم الحدیث ۴۹)

☆...... ''واخرج ابو نعيم في الحليه عن ابن عباس ان النبي ﷺ مر بقبر موسى صلوات الله عليه وهو قائم يصلى'' (شرح الصدور ص۱۸۷)

فائدہ:

☆...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''فی المؤلف له فی حیاۃ الانبیاء هذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسی فی قبرہ فانه وصفه بالصلوۃ وانه قائم ومثل ذالک لایوصف به الروح وانما یوصف به الجسد وفی تخصیصه بالقبر وقال الشیخ تقی الدین تستدعی جسداً حیاً ولا یلزم من کونها حیاۃً حقیقۃ ان تکون الابدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب وغیر ذالک من صفات الاجسام التی نشاهد ها بل یکون لها حکم آخر'' شیخ بدر الدین ابن الصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف حیات الانبیاء علیہم السلام میں کہا ہے یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کے ثابت کرنے میں صریح دلیل ہے اس لئے ان کو نماز کے ساتھ موصوف کیا ہے اور یہ کہ وہ کھڑے ہیں اور اس طرح صرف روح کو موصوف نہیں کیا جاتا، اس کے ساتھ جسد ہی کو موصوف کیا جاتا ہے اور قبر کے ساتھ خاص کرنے میں اس پر دلیل ہے اس لئے کہ اگر یہ اوصاف روح میں سے ہوتا تو اس کو قبر کے ساتھ خاص کرنے کی حاجت نہ ہوتی اور شیخ تقی الدین سبکی نے اس حدیث میں فرمایا کہ نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے۔ حیات کے حقیقی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدنوں کو کھانے پینے کی ایسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں ہوتی تھی جیسا کہ ہم صفات اجسام کو ہر روز دیکھتے ہیں بلکہ اس کے لئے دوسرا حکم ہے۔

(زہر الربی حاشیہ سنن نسائی باب ذکر صلاۃ نبی اللہ موسیٰ کلیم اللہ ج ۱ ص ۲۴۳، الحاوی للفتاوی انباء الاذکیاء ج ۲ ص ۱۸۴)

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا

☆...... حضرت ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳ھ) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَتَيتُ عَلَى مُوسَى لَيلَةَ أُسرِيَ بِي عِندَ الكَثِيبِ الأَحمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبرِهِ'' سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے ہوا میں نے دیکھا کہ آپ اپنی قبر میں جو کہ لال رنگ کے ٹیلے کے پاس ہے، کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۳۶۵۷۵)

☆...... حضرت ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۳۰ھ) حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''أَنَا وَاللهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ أَدْخَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ لَحْدَهُ وَمَعِيَ حُمَيْدُ الطَّوِيلُ أَوْ رَجُلٌ غَيْرُهُ شَكَّ مُحَمَّدٌ قَالَ فَلَمَّا سَوَّيْنَا عَلَيْهِ اللَّبِنَ سَقَطَتْ لَبِنَةٌ فَإِذَا أَنَا بِهِ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ فَقُلْتُ لِلَّذِي مَعَهُ أَلَا تَرَى؟ قَالَ اسْكُتْ فَلَمَّا سَوَّيْنَا عَلَيْهِ وَفَرَغْنَا أَتَيْنَا ابْنَتَهُ فَقُلْنَا لَهَا مَا كَانَ عَمَلُ أَبِيكِ ثَابِتٍ؟ فَقَالَتْ وَمَا رَأَيْتُمْ؟ فَأَخْبَرْنَاهَا فَقَالَتْ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ خَمْسِينَ سَنَةً فَإِذَا كَانَ السَّحَرُ قَالَ فِي دُعَائِهِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ أَعْطَيْتَ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ الصَّلَاةَ فِي قَبْرِهِ فَأَعْطِنِيهَا فَمَا كَانَ اللهُ لِيَرُدَّ ذَلِكَ الدُّعَاءَ''

(حلیۃ الاولیاء فن الطبقۃ الاولی من التابعین ج ۲ ص ۳۱۹ طبع بیروت، شرح الصدور للسیوطی فصل فی فوائد ص ۱۸۸ صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۳۳)

☆...... اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر موسى صلوات الله عليه وهو قائم يصلي فيه... اللهم إن كنت أعطيت أحدا الصلاة في قبره فأعطني الصلاة في قبري... والله الذي لا إله إلا هو أدخلت ثابتا البناني لحده ومعي حميد الطويل فلما سوينا عليه اللبن سقطت لبنة فإذا أنا به يصلي في قبره وكان يقول في دعائه اللهم...'' حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنے والی حدیث انس علیہ السلام کے ایک راوی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو کہ کبار تابعین رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خصوصی شاگرد ہیں۔ (شرح الصدور للسیوطی فصل فی فوائد ص ۱۸۷، ۱۸۸)

چنانچہ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سعد کی روایت ہے کہ جبیر نے کہا کہ میں حمید الطویل کے ساتھ تھا اور ہم نے ثابت بنانی کو (ان کی وفات کے بعد) لحد میں اتارا۔ جب انہیں برابر کر رہے تھے، اچانک ایک اینٹ گر گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے ساتھی سے کہا کہ تم نے بھی دیکھا؟ اس نے کہا کہ خاموش ہوجا۔ پھر جب ہم نے ان کی قبر کو برابر کرلیا تو فارغ ہونے پر ان کی بیٹی کے ہاں آئے اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کے والد کیا عمل کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ تم نے کیا دیکھا؟ تو ہم نے انہیں قبر میں ان کے نماز پڑھنے کا حال سنایا۔ تب ان کی بیٹی نے بتلایا کہ پچاس سال سے وہ رات کو عبادت میں قیام کرتے تھے۔ پھر سحور کے وقت وہ ہمیشہ اس کی دعا کیا کرتے تھے (جب انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مذکورہ حدیث سنی تو اسی روز سے یہ دعا کرنے لگے) ''اللّٰھُمّ إن کنت أعطَیت أحدا الصّلاۃ فِی قبرہ فأعطِنِی الصّلاۃ فی قبری'' اے اللہ! اگر کسی کو تو نے اس کی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی، تو مجھے بھی اپنی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرما۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۳۳، شرح الصدور للسیوطی فصل فی فوائد ص ۱۸۷)

خدا نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

☆...... علاوہ ازیں! ابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور ابونعیم نے ابراہیم بن علقمہ المہلبی سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس سے گزرنے والوں نے کہا کہ ہم نے ان کی قبر سے قرآن مجید کی تلاوت کی آواز سنی ہے۔ (شرح الصدور فصل فیہ فوائد ص ۱۸۸، طبع مصر)

دلیل نمبر ۵: انتقال کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کا حج کرنا

☆...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ''أن رسول اللہ ﷺ مر بوادی الأزرق فقال أی واد ھذا؟ فقالوا ھذا وادی الأزرق قال کأنی أنظر إلی موسی علیہ السلام ھابطامن الثنیۃ ولہ جوار إلی اللہ بالتلبیۃ ثم أتی علی ثنیۃ ھرشی، فقال أی ثنیۃ ھذہ؟ قالوا ثنیۃ ھرشی، قال کأنی أنظر إلی یونس بن متی علیہ السلام علی ناقۃ حمراء جعدۃ علیہ جبۃ من صوف خطام ناقتہ خلبۃ وھو یلبی'' نبی کریم ﷺ وادی ازرق سے گزرے تو فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ وادی ازرق ہے۔ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو تو میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھاٹی سے اتر رہے ہیں اور ان کو اللہ کا قرب حاصل ہے تلبیہ کے ساتھ۔ پھر آپ ثنیہ ہرشی پر پہنچے تو فرمایا کہ یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ ثنیہ ہرشی ہے۔ فرمایا گویا میں یونس بن متی کو اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں جو مضبوط جسم والے اور درمیانے بالوں والے ہیں، نہ زیادہ گنجان نہ بالکل لمبے اور ان پر صوف (اون) کا جبہ ہے، ان کی اونٹنی کی نکیل ہلکی رسی کی ہے اور تلبیہ پڑھ رہے ہیں) (مسلم رقم الحدیث ۱۶۶، مسند احمد ۱۸۵۳، مسند ابی یعلی ۲۵۴۲، صحیح ابن حبان ۳۸۰۱)

☆...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کأنی أنظر إلی موسی علیہ السلام یھبط من ثنیۃ ھرشی ماشیا علیہ ثوب أسود'' گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ثنیہ ہرشی سے اتر رہے ہیں پیدل اور ان کے اوپر سیاہ کپڑا ہے۔ (مؤطا امام محمد باب النوادر رقم الحدیث ۹۸۱)

☆...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: ''قَالَ لَمَّا مَرَّ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم بِوَادِی عُسْفَانَ حِینَ حَجَّ، قَالَ یَا أَبَا بَکْرٍ أَیُّ وَادٍ ھٰذَا؟ قَالَ وَادِی عُسْفَانَ، قَالَ لَقَدْ مَرَّ بِہٖ ھُودٌ وَصَالِحٌ عَلٰی بَکَرَاتٍ حُمْرٍ خُطُمُھَا اللِّیفُ أُزُرُھُمُ الْعَبَاءُ وَأَرْدِیَتُھُمُ النِّمَارُ یُلَبُّونَ یَحُجُّونَ الْبَیْتَ الْعَتِیقَ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا: ابوبکر! اس وادی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کی اس کا نام وادی عسفان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وادی سے حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت ابراہیم گزرے، جو سرخ اونٹوں پر سوار تھے ان کی مہاریں کھجور کی چھال کی، ان کی لنگیاں، عباء اور ان کی چادریں اون کی تھیں، وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے خدا تعالیٰ کے قدیم بیت کا طواف کرنے جارہے تھے۔ (مسند احمد رقم الحدیث ۲۰۶۷، البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۵۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیح

امام ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''فإن قیل کیف یحجون ویلبون وھم أموات وھم فی الدار الآخرۃ ولیست دار عمل فاعلم أن للمشایخ وفیما ظھر لنا عن ھذا أجوبۃ أحدھا أنھم کالشھداء بل ھم أفضل منھم والشھداء أحیاء عند ربھم فلا یبعد أن یحجوا ویصلوا کما ورد فی الحدیث'' پس اگر کہا جائے کیسے حج کرتے ہیں اور تلبیہ کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ مردہ ہیں اور وہ دار الآخرۃ میں ہیں اور وہ عمل کی جگہ نہیں ہے تو جان لے بے شک مشائخ کے لئے اور ہمارے لئے اس کے کئی جواب ظاہر ہوئے ہیں انہیں میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ شہداء کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ پس نہیں بعید کہ وہ حج کریں یا نمازیں پڑھیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ (شرح النووی علی مسلم باب الاسریٰ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ ص ۲۲۸)

دلیل نمبر ۶: عرض اعمال، حق ہے

۱...... حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حَیَاتِی خَیْرٌ لَکُمْ تُحَدِّثُونَ وَنُحَدِّثُ لَکُمْ، وَوَفَاتِی خَیْرٌ لَکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ أَعْمَالُکُمْ فَمَا رَأَیْتُ مِنْ خَیْرٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ عَلَیْہِ، وَمَا رَأَیْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللّٰہَ لَکُمْ'' میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے کہ (تم مشکل مسئلے) بیان کرتے ہو اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان کردی جاتی ہے اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے، سو جو اچھے ہوں گے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو برے ہوں گے میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگوں گا۔

(مسند البزار رقم الحدیث ۱۹۲۵، باسناد جید، مجمع الزوائد ص ۱۴۲۵۰، فیض القدیر ۳۷۷۱، فتح الملہم شرح مسلم ج ۱ ص ۴۱۳)

۲...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد وعرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنباً اعظم من سورۃ من القرآن او اٰیۃ اوتیھا رجل ثم نسیھا'' میری امت کے ثواب میرے سامنے پیش کئے گئے یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی (پیش کیا گیا) جسے کسی آدمی نے مسجد سے (جھاڑ دے کر) نکالا ہو۔ نیز میرے سامنے میری امت کے گناہ

بھی پیش کیے گئے۔ ان گناہوں میں مجھ کو اس سے بڑا کوئی گناہ نظر نہیں آیا کہ کسی کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد ہو، پھر اس نے اسے بھلا دیا ہو۔ (ترمذی رقم الحدیث ۲۹۱۶، ابوداؤد رقم الحدیث ۴۶۱، مشکوٰۃ ۷۲۰، تحریرات حدیث ۳۸۸)

☆...... علامہ سید نورالدین احمد سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''أنا لانسلم أنه لا یستغفر بعد الموت، لماسبق من حیاته و من استغفاره لأمته بعد الموت عند عرض أعمالهم علیه'' بے شک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ زندہ ہیں اور جب امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں تو آپ ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ الباب الثانی، الفصل الثانی ج ۴ ص ۱۸۵ طبع بیروت)

☆...... علامہ قاضی محمد بن عبداللہ الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں کہ: ''وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُحَقِّقِینَ إِلَی أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ بَعْدَ وَفَاتِه، وَأَنَّهُ یَسُرُّ بِطَاعَاتِ أُمَّتِه'' محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ کیے گئے ہیں اور آپ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

(نیل الاوطار ابواب الجمعہ باب انعقاد الجمعۃ باربعین واقامتها فی القریٰ ج ۳ ص ۲۹۵)

☆...... حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کے روبرو تو پیر اور جمعرات کے روز بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام پر اور باپوں اور ماؤں کے روبرو جمعہ کے روز پیش کیے جاتے ہیں۔ یعنی ملائکہ پیش کرتے ہیں اور ہر نبی پر ان کی امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور باپوں اور ماؤں سے مراد اصول ہیں۔ پس دادا، پردادا اور اسی طرح دادی، پردادی، نانی، پرنانی سب اسمیں داخل ہو گئے۔

پس وہ (یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اور آباء وامہات) ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور خوشی سے ان کے چہروں کی چمک دمک بڑھ جاتی ہے، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور گناہ کے کام مت کرو اور مردوں کو ایذا مت دو۔ یعنی جس طرح وہ حسنات سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح سیئات سے آزردہ ہوتے ہیں، تو ان کو آزار اپنی بد اعمالیوں سے نہ پہنچاؤ۔'' (مآثر حکیم الامت ص ۲۲۴ از ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ، طبع ادارہ اسلامیات کراچی)

دلیل نمبر ۷: مواجہہ شریف پر سلام پیش کرنے کا طریقہ

''قَالَ بَعْضُهُم رَأَیتُ أَنَس بن مَالِک أَتی قَبرَ النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم فَوَقَفَ فَرَفَعَ یَدَیه حَتَّی ظَنَنتُ أَنَّه افْتَتَحَ الصَّلَاةَ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ انصَرَفَ وَقَالَ مَالِکٌ فِی رِوَایَةِ ابنِ وَهبٍ إِذَا سَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَدَعَا یَقِفُ وَوَجهُه إِلَی القَبرِ لَا إِلَی القِبلَةِ وَیَدنُو وَیُسَلِّمُ وَلَا یَمَسُّ القَبرَ بِیَدِه'' بعض حضرات کا بیان ہے کہ میں نے انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔ حتیٰ کہ میں یہ سمجھا کہ وہ نماز شروع کرنے لگے ہیں پھر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا اور واپس ہو گئے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن وہب کی روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرتے تھے تو کھڑے ہو کر دعا بھی کرتے تھے اور اپنا چہرہ قبلہ کی طرف نہیں بلکہ آپ کی قبر انور کی طرف کرتے تھے اور قریب ہو کر سلام عرض کرتے اور اپنے ہاتھ سے قبر مبارک کو چھوتے نہیں تھے۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ الباب الرابع فی حکم الصلاۃ علیہ والتسلیم فصل فی حکم الزیارۃ قبرہ ج ۲ ص ۵۵ طبع بیروت)

دلیل نمبر ۸: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول

☆...... حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''کَانَ ابنُ عُمَرَ إذَاقَدِمَ مِنْ سَفرٍ أَتَی قَبرَ النَّبِیِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ، السَّلَامُ عَلَیکَ یَاأَبَابَکرٍ، السَّلَامُ عَلَیکَ یَاأَبَتَاہُ'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوتے اور آپ پر سلام پڑھتے اور پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر بھی یوں سلام پڑھتے۔ ''السَّلَامُ عَلَیکَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ، السَّلَامُ عَلَیکَ یَا أَبَا بَکرٍ، السَّلَامُ عَلَیکَ یَا أَبَتَاہ'' (مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ۶۷۲۴)

☆...... حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ: ''أَنَّ ابنَ عُمَرَ کَانَ إذَا أَرَادَ سَفرًا، أَوْ قَدِمَ مِنْ سَفرٍ جَاءَ قَبرَ النَّبِیِ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَلّٰی عَلَیہِ، وَدَعَا ثُمَّ انصَرَفَ قَالَ مُحَمَّدٌ ھٰکَذَا یَنبَغِی أَنْ یَفْعَلَہُ إذَا قَدِمَ المَدِینَۃَ یَأْتِی قَبرَ النَّبِیِ صلی اللہ علیہ وسلم'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر کا ارادہ فرماتے یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے اور دعا کرتے اور اس کے بعد وہاں سے جاتے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی طرح عمل کرنا مناسب ہے، جب کوئی مدینہ میں آئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو۔
(الموطا للامام محمد، ابواب السیر رقم الحدیث ۹۴۷)

☆...... حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہی سے روایت ہے کہ: ''رأیت عبداللّٰہ بن عمر یقف علی قبر النبی ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر کھڑے ہوئے دیکھا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ رہے تھے۔ (فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاسماعیل بن اسحاق رقم الحدیث ۹۸)

ان دونوں روایتوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر درود شریف پڑھنا ثابت ہوا۔

☆...... حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ: ''عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ کان اذا اراد ان یخرج دخل المسجد فصلی، ثم اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال السلام علیک یارسول اللّٰہ، السلام علیک یا بابکر، السلام علیک یابتاہ، ثم یکون وجھہ وکان اذاقدم من سفر اتی المسجد ففعل ذالک قبل ان یدخل منزلہ'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی جگہ جانے کا ارادہ فرماتے، تو مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور (سفر وحاجت کی) نماز پڑھتے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوتے اور یوں کہتے کہ: ''السَّلَامُ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ، السَّلَامُ عَلَیکَ یَا أَبَابَکرٍ، السَّلَامُ عَلَیکَ یَاأَبَتَاہ'' اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلام ہو۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ پر سلام ہو۔ اے والد ماجد (عمر فاروق رضی اللہ عنہ) آپ پر سلام ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۱۱۹۱۵، کتاب الجنائز)

پھر اپنے سفر کا رخ کرتے اور جب سفر سے واپس آتے تو مسجد میں آتے، پھر وہی عمل کرتے (جو جاتے وقت کیا تھا) پھر اپنے گھر میں داخل ہوتے۔ (ابن ابی شیبہ)

☆...... حضرت اسماعیل بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن دینار کی سند سے اس طرح روایت کیا ہے کہ: ''رأیت ابن عمر اذاقدم من سفر دخل المسجد، فقال السَّلَامُ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ، السَّلَامُ عَلٰی أَبِی بَکرٍ، السَّلَامُ عَلٰی ابی ویصلی رکعتین'' میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، جب وہ سفر سے تشریف لاتے تو مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور یہ کہتے کہ: ''السَّلَامُ عَلَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہِ، السَّلَامُ عَلٰی أَبِی بَکرٍ، السَّلَامُ عَلٰی

ابی "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ پر سلام ہو، ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سلام ہو، میرے والد ماجد پر سلام ہو پھر دو رکعت پڑھتے۔ (فضل الصلوۃ علی النبی لاسماعیل بن اسحاق رقم الحدیث ۹۹)

☆...... امام ابو بکر محمد بن حسین بن عبد اللہ آجری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عوف سے روایت کرتے ہیں کہ: "سأل رجل نافعاً هل كان ابن عمر يسلم على القبر؟ قال نعم، لقد رأيته مائة مرة او اكثر من مائة مرة كان يمر فيقوم عنده فيقول السَّلَامُ عَلَى النبي ﷺ، السَّلَامُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ، السَّلَامُ عَلَى ابي" ایک آدمی نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (نبی کریم ﷺ کی) قبر پر سلام کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں! میں نے سو مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، آپ گزرتے ہوئے قبر کے قریب ٹھہر جاتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ: "السَّلَامُ عَلَى النبي ﷺ، السَّلَامُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ، السَّلَامُ عَلى ابي" "نبی ﷺ پر سلام ہو، ابو بکر پر سلام ہو، میرے والد پر سلام ہو۔ (الشریعۃ للآجری رقم الحدیث ۱۸۵۳)

☆...... حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ: "قال من السنة ان تأتي قبر النبي ﷺ من قبل القبلة وجعل ظهرك الى القبلة وتستقبل القبر بوجهك ثم تقول السلام عليك ايها النبي ﷺ ورحمة الله وبركاته" فرمایا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تم آپ ﷺ کی قبر پر حاضری کے لئے قبلہ کی جانب سے آؤ اور اپنی پیٹھ قبلہ کی جانب کر کے اپنا چہرہ قبر انور کی طرف کر لو۔ پھر یوں کہو: "السلام عليك ايها النبي ﷺ ورحمة الله وبركاته"

(جامع المسانید الامام لاعظم للخوارزمی ج ۱ ص ۱۷۶، وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۸۳، ۱۸۴)

☆...... علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت ابن عمر، حضرت انس و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایسا ہی معمول نقل فرماتے ہیں کہ: "وقد كان الصحابة كابن عمر وأنس وغيرهما يسلمون عليه ﷺ وعلى صاحبيه كما في الموطأ أن ابن عمر كان إذا دخل المسجد يقول السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا أبا بكر السلام عليك يا أبت" (مجموع الفتاویٰ باب قبر النبی ﷺ لیست واجبۃ ص ۲۶،۲۷)

☆...... قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، سلیمان بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ جو لوگ آپ کی قبر انور پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ ﷺ ان کے سلام کو سنتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اور میں ان کا جواب بھی دیتا ہوں۔ (الشفاء)

فائدہ: مذکورہ روایات حیاۃ النبی ﷺ اور سماع کی واضح دلیل ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روضہ مبارک پر حاضر ہو کر خطاب کے انداز سے سلام عرض کیا کرتے تھے۔

☆...... فقہ حنفی کے معتبر فتاوی عالمگیریہ میں ہے کہ: "ويقف كما يقف في الصلوة ويمثل صورته الكريمة البهية كانه نائم في لحده عالم به يسمع كلامه كذافي الاختيار شرح المختار" روضہ مبارکہ پر اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور آپ ﷺ کی نورانی صورت مبارکہ کا اس طرح خیال لائے گویا کہ آپ ﷺ قبر مبارک میں آرام فرما ہیں اور مجھے جان رہے ہیں، میری گفتگو سن رہے ہیں، جیسا کہ کتاب اختیار شرح مختار میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیریہ ج ۱ ص ۲۷۲)

☆...... امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "واعلم انه عالم بحضورك وقيامك وزيارتك وانه يبلغه سلامك وصلاتك" یقین کر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیری حاضری اور کھڑے ہونے اور زیارت کرنے کو جان رہے ہیں اور (دور رہتے وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک تیرا صلاۃ وسلام پہنچتا رہا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۵۳ طبع نولکشور)

☆...... اسی بناء پر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مفتی مظاہر العلوم سہارنپور) روضہ مقدسہ پر سلام پیش کرنے کا طریقہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "نماز تحیۃ المسجد سے فارغ ہو کر نہایت ادب کے ساتھ مرقد اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر آؤ اور دل کو تمام دنیاوی خیالات سے فارغ کر دو اور سرہانے کی دیوار کے کونے میں جو ستون ہے اس سے چار ہاتھ فاصلہ پر کھڑے ہو جاؤ اور قبلہ کی طرف پشت کر کے ذرا بائیں طرف مائل ہو جاؤ تاکہ روئے انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہو جائے۔ ادھر ادھر مت دیکھو۔ نظر نیچے رکھو اور کوئی حرکت خلاف ادب نہ کرو۔ زیادہ قریب بھی کھڑے نہ ہو اور جالی کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ، نہ بوسہ دو، نہ سجدہ کرو کہ اس قسم کی باتیں خلاف ادب واحترام اور ناجائز ہیں اور سجدہ کرنا شرک ہے اور یہ خیال کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحد شریف میں قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے آرام فرما ہیں اور سلام کو سنتے ہیں اور عظمت وجلال کا لحاظ کرتے ہوئے متوسط آواز سے سلام پڑھو، زیادہ زور سے مت چیخو اور بالکل آہستہ بھی مت پڑھو۔ سلام اس طرح پڑھو۔ "السلام عليك يارسول الله السلام عليك يا حبيب الله السلام عليك يا خير خلق الله السلام عليك يا خيرة الله..." (معلم الحجاج ص ۲۶۶ طبع کراچی)

دلیل نمبر ۹: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سب سے اعلیٰ جنت ہے

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مابين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة ومنبري على حوضي[1]" میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان، جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض (یعنی حوض کوثر) کے اوپر ہے۔

فائدہ (۱):

☆...... علامہ محمد نواب قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: "اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میرے مکان اور (مسجد نبوی میں) میرے منبر کے درمیان واقع جگہ پر عبادت کرے گا تو اسے اس عظیم سعادت کے صلہ میں جنت کا ایک باغ ملے گا اور جو شخص میرے منبر کے نزدیک عبادت میں مشغول رہے گا تو قیامت کے دن وہ حوض کوثر سے سیراب ہوگا۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے کیونکہ روضہ کے معنی ٹکڑے کے ہیں۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان ومنبر کے درمیان کی جگہ وہ ٹکڑا ہے جو جنت سے زمین پر اس جگہ منتقل کیا گیا ہے اور یہ ٹکڑا زمین کے دوسرے حصوں کی طرح قیامت کے روز فنا نہیں ہوگا بلکہ جوں کا توں جنت میں واپس چلا جائے گا۔

---

[1] (بخاری رقم الحدیث ۱۱۹۶، مسلم ۱۳۹۱، ترمذی ۳۹۱۵، ۳۹۱۶، موطا امام مالک ۶۷۱، مصنف عبد الرزاق ۵۲۴۰، مسند احمد ۷۲۲۳، ۱۶۴۳۳، سنن الکبریٰ للنسائی ۵۷۷، صحیح ابن حبان ۳۷۵۰، المعجم الاوسط ۶۴۴۴، مشکوٰۃ رقم الحدیث ۶۹۴)

☆...... البانی فرماتے ہیں: "حسن صحیح" (ترمذی تحت الحدیث ۳۹۱۵)

☆...... "اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین" (مسند احمد تحت ۱۶۴۳۳)

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے منبر اور حجرہ رسول کے درمیان کی جگہ کو روضہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنے والے وہاں کے حاضر باش ملائکہ اور جن وانس ہمیشہ عبادت اور ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔ ایک جماعت جاتی ہے تو دوسری جماعت آجاتی ہے۔ اس طرح لگاتار وہاں عبادت کرنے والوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لہٰذا اس مناسبت سے اس جگہ کو روضہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، جیسا کہ ذکر کے حلقوں کو ریاض جنت فرمایا گیا ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۵۲۰)

فائدہ (۲): روضہ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان اور منبر کے درمیان کی جگہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ''بیتی'' اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ''قبری'' اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''حجرتی'' کے الفاظ وارد ہیں۔ سب کا مطلب اور مراد ایک ہی ہے، یعنی میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اب اسی جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی، جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیش گوئی خبر دی ہے۔ (اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش مبارک بھی یہی تھی کہ میری قبر مدینہ منورہ کی سرزمین میں ہی ہو۔ (مؤطا امام مالک ج ۲ ص ۵۵۰)

پھر تاریخی لحاظ سے یہ بھی مسلّم ہے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی وہ بیت (حجرہ) عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہے۔ محدثین کی صراحت کے مطابق آپ کی قبر انوار اور منبر شریف کے درمیان ترپّن (۵۳) ذراع کا فاصلہ ہے اور یہ سب بقعہ مبارکہ جنت کا باغ ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہیں۔[1]

---

[1] ''مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ومنبری علی حوضی''

۱......''فکانت الروضۃ ھی قبرہ علیہ الصلوۃ والسلام فھو قد اخبر وحد المکان الذی سیدفن فیہ وانہ بین منبرہ وبیتہ''
(تفسیر المنتصر للکتانی جزء ۱۸۶ ص ۴)

۲......مابین... الحدیث۔ فکان تصحیحھما یجب بہ ان یکون بیتہ ھو قبرہ، ویکون ذالک علامۃ من علامات النبوۃ جلیلۃ المقدار لان اللہ عزوجل قد اخفی علی کل نفس سواہ صلی اللہ علیہ وسلم الارض التی یموت فیھا''
(شرح مشکل الآثار ج ۷ ص ۲۲۳ رقم الحدیث ۲۸۸۴)

۳......مابین بیتی... الحدیث۔ قال محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ تدل ھذہ السنن علی انہ قد علم صلی اللہ علیہ وسلم انہ یدفن فی بیت عائشہ رضی اللہ عنہا وان قبرہ بازاء منبرہ وبینھما روضۃ من ریاض الجنۃ'' (الشریعۃ للآجری رقم الحدیث ۱۸۴۷)

۴......مابین بیتی... الحدیث۔ قال القاضی (عیاض رحمۃ اللہ علیہ) قال الطبری فی قولہ بیتی معنیان: احدھما ان المراد بالبیت ھنا القبر وھو قول زید بن اسلم فی ھذا الحدیث کما روی مفسراً ''بین قبری ومنبری'' والثانی ان البیت بیت سکناہ علی ظاھرہ، وقد روی مابینہ بین حجرتی ومنبری۔ قال الطبری: واذا کان قبرہ فی بیتہ اتفقت الروایات لان قبرہ فی حجرتہ وھو بیتہ'' (اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۴ ص ۵۰۹ للقاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ)

۵......مابین بیتی ومنبری... الحدیث۔ قیل المراد بہ القبر کما قال فی الحدیث الآخر مابین قبری ومنبری والبیت یاتی بمعنی القبر وکذالک قولہ فی الاذخر فانہ لبیوتنا قیل معناہ لقبورنا کما جاء فی حدیث آخر مفسراً (کما فی البخاری ۲۰۹۰ ولسقف بیوتنا) وقد جاء مایدل علی انہ بیت السکنی فقد روی بانہ ''لظھر البیت والقبر وفی اخری فانہ لبیوتنا وقبورنا وقد یکون البیت فی الحدیث الاول بیت السکنی فانہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیت سکناہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فائدہ (۳):

علماء امت کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ زمین کے جس مبارک خطہ میں آپ ﷺ کی تدفین ہوئی اور اس بابرکت زمین کا وہ حصہ جو آپ کے جسد اطہر کو مس کئے ہوئے ہے، وہ ارض وسماء میں تمام خطوں سے اعلیٰ وافضل ہے۔ چنانچہ

☆...... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''إنه ليس في الأرض بقعة أكرم على الله من بقعة قبض فيها نفس نبيه ﷺ'' اللہ تعالیٰ کے نزدیک زمین میں کوئی حصہ اس خطے سے زیادہ معزز نہیں ہے جس میں اپنے نبی ﷺ کی روح قبض فرمائی۔ (خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ا ص ۷۰)

☆...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''أجمعوا على أن موضع قبره ﷺ أفضل بقاع الأرض'' سب علماء کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کی قبر کی جگہ، زمین کے سب خطوں سے افضل ہے۔

(نووی شرح مسلم باب فضل الصلاۃ بمسجد مکۃ والمدینہ ج ۹ ص ۱۶۳، عمدۃ القاری شرح بخاری باب مسجد قباء ج ۷ ص ۲۵۷)

☆...... امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ولا خلاف أن موضع قبره أفضل بقاع الأرض'' اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی قبر کی زمین، زمین کے سب حصوں سے افضل ہے۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، الفصل العاشر، آداب دخول المسجد النبوی ص ۲۱۳)

☆...... علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''فإنها أفضل البقاع الأرضية والسماوية حتى قيل وبه أقول إنها أفضل من العرش'' قبر اطہر ارضی اور سماوی سب خطوں سے افضل ہے یہاں تک کہ کہا گیا ہے اور میں بھی یہی کہتا ہوں کہ قبر اطہر والی جگہ، عرش سے بھی افضل ہے۔ (روح المعانی، سورۃ الدخان تحت الآیہ ۱ تا ۱۴)

☆...... علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''عن مالك وأكثر أصحابه تفضيل المدينة واستدلوا بقوله ﷺ ما بين قبري ومنبري روضة من رياض الجنة مع قوله موضع سوط في الجنة خير من الدنيا وما فيها'' (فتح الباری لابن حجر باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکہ، ج ۳ ص ۶۷)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) وحيث مات منه كان قبره فاجتمع المعنيان في البيت'' (مطالع الانوار على صحاح الآثار في فتح ما استغلق من كتاب المؤطأ والبخاري ومسلم وايضاح مبهم لغاتها وبيان المختلف من اسماء رواتها وتمييز مشكلها وتقييد مهملها تاليف المحدث الفقيه امام ابو اسحاق ابراهيم بن يوسف بن ابراهيم الخمري الوهراني ابن قرقول المتوفى ۵۶۹ھ ج ۱ ص ۵۵۷)

۶......ما بين بيتي... الحديث۔ اراد ببيته قبره لانه قبر في بيته اي كروضة من رياضها والظاهر انها تنتقل تلك البقعة وتكون من رياض الجنة وقدروا ما بين قبره ومنبره نحو ثلاثة وخمسين ذراعاً۔

(التنوير شرح الجامع الصغير للمناوی رحمۃ اللہ علیہ ج ۹ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۷۸۴۱)

۷......ما بين بيتي... الحديث۔ وان المراد ببيته بيت عائشة الذي في قبره او معنى بيته قبره''

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۱۹، للعلامۃ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ)

۸......ما بين بيتي... الحديث۔ قيل انه ترجم بالقبر مع انه في الحديث لفظ البيت قلت واخرج الحافظ رحمه الله فيه لفظ القبر ايضاً على ان بيته كان هو قبره في عالم التقدير فصح كونه بيتا وقبرا وحينئذ فيه اخبار بالغيب۔ واصح الشروح عندي ان تلك القطعة من الجنة ثم ترفع الى الجنة كذالك فهي روضة من رياض الجنة حقيقة بلا تاويل''

(فیض الباری شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۹۰ رقم الحدیث ۱۱۹۳)

☆...... علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''قوله (روضة) أى كروضة من رياض الجنة فى نزول الرحمة وحصول السعادات'' (عمدۃ القاری، کتاب الفضائل المدینہ باب کراہیۃ النبی ﷺ ان تعریٰ المدینہ ج ۱۰ ص ۲۴۹)

☆...... علامہ محمد امین ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''فَمَا ضَمَّ أَعْضَاءَهُ الشَّرِيفَةَ فَهُوَ أَفْضَلُ بِقَاعِ الْأَرْضِ بِالْإِجْمَاعِ قَالَ شَارِحُهُ وَكَذَا أَيْ الْخِلَافُ فِي غَيْرِ الْبَيْتِ فَإِنَّ الْكَعْبَةَ أَفْضَلُ مِنَ الْمَدِينَةِ مَا عَدَا الضَّرِيحَ الْأَقْدَسَ وَكَذَا الضَّرِيحُ أَفْضَلُ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَقَدْ نَقَلَ الْقَاضِي عِيَاضٌ وَغَيْرُهُ الْإِجْمَاعَ عَلَى تَفْضِيلِهِ حَتَّى عَلَى الْكَعْبَةِ، وَأَنَّ الْخِلَافَ فِيمَا عَدَاهُ وَنُقِلَ عَنِ ابْنِ عَقِيلٍ الْحَنْبَلِيِّ أَنَّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ أَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ'' جو جگہ رسول اللہ ﷺ کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے وہ زمین کے تمام مقامات سے بالاجماع افضل ہے، آپ کی مقدس آرام گاہ کعبۃ اللہ سے بھی اور مسجد حرام سے بھی افضل ہے اور امام ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ مقام عرش الٰہی سے بھی افضل ہے۔ (ردالمحتار کتاب الحج، باب الہدی ج ۲ ص ۶۲۶)

☆...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''فان البقعة الشريفة والرحبة المنيفة التى ضم اعضائه ﷺ افضل مطلقاً حتى من الكعبة ومن العرش والكرسى'' اس لئے کہ وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے یہاں تک کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ (المہند علی المفند ص ۳۵)

☆...... حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور خود یعنی جسد مع ملابس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں، کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں، صحابہ کا بھی یہی اعتقاد ہے حدیث میں بھی نص ہے۔ (اشرف الجواب ص ۲۳۸ طبع تالیفات اشرفیہ ملتان)

جب یہ بات مسلّم ہے کہ آپ ﷺ کی قبر انور، ارضی و سماوی تمام خطوں سے افضل ہے اور جنت بلکہ سب سے اعلیٰ جنت ہے اور احادیث کی رو سے آپ ﷺ کے جسم اقدس کا صحیح سالم و محفوظ ہونا بھی ثابت ہے تو اس کے ساتھ حیات کا انکار کیوں؟ جب کہ جنت تو زندوں کا مسکن ہے، مردوں کا نہیں۔ پس عقیدہ حیاۃ النبی کا انکار تعجب خیز ہی نہیں بلکہ بغض پیغمبر ﷺ کا شاخسانہ بھی ہے۔

فائدہ (۴):

بعض لوگ آنحضور ﷺ کے مزار پر انوار کے ''افضل البقاع'' ہونے کے عقیدہ کو علماء دیوبند کی مبالغہ آرائی اور غلو پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ اس مسئلہ پر اہل سنت کے تمام طبقات کا اتفاق ہے۔ حضرات مجتہدین، محدثین اور مفسرین کی مذکورہ عبارات سے جہاں معاندین کے بے بنیاد الزامات کی قلعی کھلی اور معترضین کے کئی اشکالات ہوا ہوئے، وہاں علماء دیوبند کے مؤقف کی حقانیت بھی آشکارا ہوگئی۔ (والحمد علی ذالک)

ہم حقیقت ہیں تو تسلیم نہ کرنے کا سبب ہاں اگر حرف غلط ہیں تو مٹادو ہم کو

یہاں تک کہ عرب کے علماء و مشائخ بھی اس مسئلہ میں ہمارے اکابر کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء عرب کی چند ایسی عبارات یہاں پیش کر دی جائیں، جو حضرت رسول اکرم ﷺ کی قبر انور کے افضل البقاع ہونے کی صراحت کی غماز ہیں، تاکہ معترضین حضرات کو ایک بار پھر اپنے نظریہ پر نظر ثانی

کا موقع مل سکے۔ ''یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَیُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَیَهْدِیْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (المائدۃ:۱۶)''

علماءِ عرب کی توضیحات

☆...... علماءِ عرب نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اما المدینة المنورة فهی مهاجر الرسول علیه افضل الصلوة............ومن الآثار منها قبره ﷺ وقبر صاحبیه، فان حجرته ﷺ ضمت جسداً ما کان فی الارض ولا فی السماء ولا العرش ولا حملته افضل منه ماعدی الجبار جل وعلا فانه اعظم من کل عظیم''

(تذکرۃ اولی النہی والعرفان بایام اللہ الواحد الدیان وذکر حوادث الزمان ص ۹۸۔ طبع مکتبۃ الرشد ۱۴۲۸ھ ریاض)

☆...... کویت کے علماءِ عرب نے بھی امام مالک کے حوالے سے یہی توضیح کی ہے: ''وهذا الخلاف یجری فیما عدا ما ضم الأعضاء الشریفة علی صاحبها أفضل الصلاة وأتم التسلیم من أرض المدینة. أما الموضع الذی ضم أعضاءه الشریفة من قبره الکریم ﷺ فقد قال العلماء إنه أفضل بقاع الأرض حتی المسجد الحرام'' (الموسوعۃ الفقھیہ الکویتیہ ج ۳۲ ص ۱۵۵)

''واستدلوا بأن الله تعالی اختارها لنبیه ﷺ وخلفائه الراشدین وفضلاء الصحابة، ولا یختار لهم إلا أفضل البقاع وقد صرحوا بأن الخلاف لیس فی الکعبة المعظمة، فإنها أفضل من المدینة کلها، إلا البقعة التی ضمت أعضاء الجسد الشریف للنبی ﷺ. وذکر الشربینی الخطیب أن القاضی عیاض نقل الإجماع علی أن موضع قبره ﷺ أفضل الأرض، والخلاف فیما سواه''

(الموسوعۃ الفقھیہ الکویتیہ ج ۳۶ ص ۳۱۱، وزارت الاوقاف والشئون الاسلامیہ الکویت طبع ۱۴۰۴ھ...۱۴۲۷ھ)

☆...... حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب مدظلہ، شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۵ھ) اور ان کے متبعین کا عقیدہ ان کی اپنی تصریحات کے مطابق نقل کرتے ہیں کہ: ''ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رتبہ اور مقام ساری مخلوق سے اعلیٰ اور افضل ہے، آپ اپنی قبر مبارک میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جو شہداء کی زندگی سے بلند تر ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ بلاشک وشبہ شہدا سے افضل ہیں۔ آپ ﷺ سلام پیش کرنے والے کا سلام سنتے ہیں، آپ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت مسنون ہے۔ لیکن شدرحال کی مشہور حدیث کے پیش نظر صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسجد نبوی کی حاضری اور اس میں نماز پڑھنے کی نیت سے سفر کیا جائے اور اگر اس کے ساتھ زیارت قبر اطہر کا قصد بھی شامل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جو شخص اپنا قیمتی وقت آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کرے، تو حدیث شریف کی رو سے اسے دنیا اور آخرت کی سعادت اور کامرانی نصیب ہوگی اور درود شریف کی برکت سے رنج والم اور پریشانیوں سے نجات مل جائے گی۔

ہم اولیاء اللہ کی کرامات کو تسلیم کرتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے جو خاص مرتبہ اور مقام عنایت فرمایا ہے، ہم اس کے قائل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ زندگی میں اور نہ ہی مرنے کے بعد کسی قسم کی عبادت کے مستحق ہیں اور نہ وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ البتہ زندگی میں اولیا سے بلکہ ہر مسلمان سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ قیامت کے دن شفیع المذنبین ﷺ تمام انبیاء، اولیاء، ملائکہ اور معصوم بچے بھی شفاعت کریں گے۔ جس کی تصریح احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس شفاعت کے طلب گار ہیں۔ انتہائی عاجزی اور انکساری سے بارگاہ خداوندی میں التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت نصیب فرمائے اور اسے ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ ہم اسی طرح اولیاء کرام اور فرشتوں کی شفاعت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ (سیرت محمد بن عبدالوہاب ص ۵۸، ۵۹)

ہمارا مسلک حنبلی ہے، لیکن ہم چاروں فقہی مسالک کو حق پر سمجھتے ہیں اور ہم کسی بھی مسلمان کی تکفیر نہیں کرتے۔ ہماری نسبت جتنی باتیں منسوب کی گئی ہیں، وہ سب جھوٹ کا پلندہ ہیں۔'' (سیرت محمد بن عبدالوہاب ص ۳۸، ۳۹)

(تاریخ مکۃ المکرمۃ ج ا ص ۲۴۹، ۲۵۰ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

دلیل نمبر ۱۰: عند القبر آنحضرت ﷺ کا سلام سننا

☆...... حافظ ابو الشیخ اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم سے عبدالرحمن بن الاعرج رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن الصباح رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ ابو الصالح رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی من بعید أعلمتہ و ھذا الحدیث غریب جدا[1]'' جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھے گا تو میں اسے خود سنوں

---

[1] فتح الباری لابن حجر: کتاب الجہاد: باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم ج ۶ ص ۴۸۸، جلاء الافہام، الفصل الاول ص ۵۴۔ عون المعبود: باب زیارۃ القبور ج ۶ ص ۲۲، کنز العمال ۲۱۹۸، جامع الاحادیث ۲۲۷۷۰، روضۃ المحدثین ۱۱۹۳، تحریرات حدیث ۳۸۸۔

☆...... اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ اور معروف ہیں اور محدثین کی خاصی جماعت اس حدیث کو صحیح مانتی اور کہتی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابو الشیخ کی مذکورہ سند کے بارے میں فرماتے ہیں: ''بسند جید'' (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸)

☆...... علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وَسَنَدُہٗ جَیِّدٌ'' (القول البدیع ص ۱۱۶)

☆...... حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو بسند جید فرماتے ہیں: ''اسنادہ جید'' (دلیل الطالب ص ۸۴۴)

☆...... شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث کی جو سند سُدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث ہذا کی دوسری سند (ابو الشیخ کی) بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔ چنانچہ ملا علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں: ''قال میرک رحمۃ اللہ علیہ نقلاً عن الشیخ و رواہ ابو الشیخ و ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید'' (ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۴۸، اکتوبر ۱۹۶۷ء)

نوٹ: ابو الشیخ کا پورا نام ''امام حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد جعفر بن حیان المعروف بابی الشیخ الاصبہانی'' (م ۳۹۶ھ) ہے۔ (دیکھئے کتاب العظمۃ ص ۷ لابی الشیخ)

انتباہ: غیر مقلدین اور عرب کے سلفی حضرات کی طرح منکرین حیات النبی ﷺ کا بھی یہ وطیرہ ہے کہ وہ اس مسئلہ میں پیش کی گئی ہر حدیث کو ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ حاشا وکلا......

حالانکہ ان کی یہ روش، خلاف حق ہونے کی وجہ سے نامقبول ہے اس لئے کہ حضرات محدثین کی تصریحات کے مطابق ضعیف حدیث بھی بالکلیہ بے حیثیت نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے دیکھئے ہمارا رسالہ ''ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت''..... مؤلف: ۱۲

گا اور جس نے مجھ پر دور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) بتلایا جائے گا۔

فائدہ: یہ حدیث جو کہ بہت مشہور و معروف ہے، اس کی ابو الشیخ والی سند بالکل صحیح اور اس کا معنی و مفہوم بالکل درست ہے کہ جو امتی بھی قبر شریف کے پاس سلام عرض کرے، آپ سنتے بھی ہیں اور اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

رہی یہ بات کہ یہی حدیث جو کہ ابو عبدالرحمن محمد بن مروان سدی صغیر کی سند سے مروی ہے تو اس کے بارے میں بھی علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ وضاحت فرماتے ہیں کہ اس کا معنی و مفہوم بھی بالکل درست ہے......

''وان کان معناہ صحیحاً فاسنادہ لایحتج بہ وانمایثبت معناہ باحادیث اخر فانہ لایعرف الامن حدیث محمد بن مروان السدی الصغیر...'' اس حدیث کے معنی اگرچہ صحیح ہیں، لیکن اس کی سند قابل حجت نہیں اور اس کے معنی دوسری احادیث سے ثابت ہیں۔ (الرد علی الاخنائی قاضی المالکیہ ص ۱۴۵ تا ۱۴۷)

دلیل نمبر ۱۱: سلام سن کر آنحضرت ﷺ کا جواب دینا

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مامن أحد یسلم علی إلا رد اللہ علی روحی حتی أرد علیہ السلام[1]'' جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس کر دے گا، تا کہ میں اس کے سلام کا جواب دے دوں۔

فائدہ:

☆...... علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۶۹ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ''وفیہ دلیل علی انہ ﷺ حی حیاتمستمرۃ لان الکون لایخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظۃ وقد ثبت بالاحادیث الصحیحۃ انہ ﷺ وسائر الانبیاء احیاء حیاۃ حقیقیۃ کالشھداء وان کان حال البرزخ لا یقاس علی حال الدنیا'' اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ دوامی طور پر زندہ ہیں، کیونکہ کوئی علاقہ آنحضرت ﷺ پر ہر لحظہ سلام کہنے والوں سے خالی نہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور اسی طرح باقی انبیاء کرام علیہم السلام شہداء کی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں اگرچہ برزخ کی حالت کو دنیا کی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۹۹، طبع مصر)

☆...... علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''واتفق الأئمۃ علی أنہ یسلم علیہ عند زیارتہ وعلی صاحبیہ، لما فی السنن عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ أنہ قال مامن رجل یسلم علی إلا رد اللہ علی بھا روحی حتی أرد علیہ السلام وھو حدیث جید'' (فتاوی ابن تیمیہ، کتاب الذکر والدعا، ج ۲ ص ۴۲۷)

---

[1] ابوداؤد ۲۰۴۱، مسند احمد ۱۰۸۱۵، سنن الکبریٰ البیہقی ۱۰۵۶۹، شعب الایمان ۴۱۶۹، المعجم الکبیر للطبرانی ۶۰۸، معجم ابن عساکر ۱۱۲۳۔ مشکوۃ رقم الحدیث ۹۲۴۔

☆...... علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''رواتہ ثقات'' (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۹)

☆...... امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۰۵)

☆...... علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''باسناد صحیح'' (زرقانی شرح المواہب ج ۸ ص ۳۰۸)

☆...... اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں: ''قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات'' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں اس کی اسناد صحیح اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (دلیل الطالب ۸۴۳)

☆...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: ''اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ ﷺ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت ومحبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے، اپنے ہوش عطا فرما دیتا ہے۔

یعنی مبداء انکشاف نبوی ﷺ کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا، مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات اور صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے۔ سو چونکہ سلام امتیاں بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں، اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔ (آب حیات ص ۲۶۰ طبع ملتان)

حضرت والا مزید آگے لکھتے ہیں کہ: ''وجہ اس کی یہ ہے کہ روح پر فتوح نبوی ﷺ جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مومنین امت ٹھہری تو جونسا امتی آپ ﷺ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا۔ ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا آخر شعب غیر متناہیہ اور ہیں۔ (آب حیات ص ۲۶۱ طبع ملتان)

☆...... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ روایت تو دوام حیات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ ﷺ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو اس لئے دوام حیات لازم آئے گا۔

نیز فرماتے ہیں کہ: ''اگر لفظ ''الا رد اللہ علی روحی'' کی بجائے الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو شبہ وارد ہو سکتا تھا۔ الی اور علی میں فرق ہے علی استعلاء کے لئے ہے اور الی نہایت غایت کے لئے ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا۔ نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہو گیا تھا۔ پھر اس کو جسم مقدس کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ مدارج قرب ومعرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں۔ اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کسی درجہ ہلکا کر دیتا ہے۔ چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں۔ مگر جب حضور اکرم ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے۔ اس لئے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا کی گئی ہے کہ نور سرور کائنات کو استغراق سے ذرا بھر کم کر کے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کر دیا ہے اور آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کے لئے دعا فرماتے ہیں۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۵۲ طبع کراچی)

☆...... علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''حدیث کے الفاظ (روح لوٹانے) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روح مبارک آپ کے مقدس بدن میں ہمہ وقت موجود نہیں رہتی، صرف سلام بھیجنے کے وقت اسے کچھ وقت کے لئے بدن میں واپس کر دیا جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک چونکہ ہمہ وقت مشاہدۂ رب العزت میں مستغرق رہتی ہے، اس لئے اس کو حالت استغراق ومشاہدہ سے ہٹا کر اس عالم کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے تاکہ آپ اپنے امتیوں کے درود وسلام سنیں اور اس کا جواب دیں۔ چنانچہ روح مبارک کے اسی

متوجہ کرنے اور آگاہ کرنے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے ورنہ تو تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں[1]۔

اب سوال یہ رہ گیا کہ حدیث میں مذکورہ فضیلت خاص طور پر ان لوگوں سے متعلق ہے جو روضۂ اقدس پر حاضری دیتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے ہیں یا عمومی طور پر سب لوگوں کے لئے ہے؟

تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فضیلت کا تعلق عمومی طور پر ہے یعنی خواہ کوئی شخص آپ ﷺ کے مزار اقدس پر حاضر ہو کر سلام پیش کرے یا کسی دور دراز علاقہ سے سلام بھیجے، البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ جو شخص روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر سلام پیش کرتا ہے، آنحضرت ﷺ اسے فرشتوں کے واسطے کے بغیر خود سنتے ہیں اور جنہیں روضۂ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل نہیں ہو سکتا، ان کا سلام فرشتوں کے واسطے سے سنتے ہیں۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۶۴۸۔ المصباح)

دلیل نمبر ۱۲: درود شریف کا خاص امتیاز

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا: ''لَا تَجْعَلُوا بُیُوتَکُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِی عِیدًا، وَصَلُّوا عَلَیَّ، فَإِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِی حَیْثُ کُنْتُمْ[2]'' تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو اور میری قبر کو میلہ نہ بنالینا، ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجنا تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔

فائدہ:

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ درود شریف کی خاص شان یہ ہے کہ جہاں سے بھی پڑھا جائے وہ فرشتوں کے ذریعہ سے نبی کریم ﷺ تک پہنچ جاتا ہے، یہ بات آپ ﷺ کی حیات مبارک کی دلیل ہے۔

---

[1] ''قوله رد علی روحی... قال المناوی رحمہ اللہ یعنی رد علی نطقی لانه ﷺ حی علی الدوام وروحه لاتفارقه ابدا لماصح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم ... هذاظاهر فی استمرار حیاته لاستحاله ان یخلو الوجود کله من احد یسلم علیه عادة، ومن خص الرد بوقت الزیارة فعلیه البیان، فالمراد کما قال ابن الملقن وغیره بالروح النطق مجازا وعلاقة المجاز ان النطق من لازمه وجود الروح کما ان الروح من لازمه وجود النطق بالفعل او القوة وهو فی البرزخ مشغول باحوال الملکوت مستغرق فی مشاهدته'' (حاشیہ سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۳۸۴ تحقیق شعیب الارناؤط، وفیض القدیر ج ۵ ص ۴۶۷)

☆...... وفی الزواجر من اقتراف الکبائر لابن حجر المکی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۹۳ مامن احد یسلم علی الارد اللہ الی روحی ای نطقی اذ الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔

☆...... وفی تحفة الذاکرین شرح الحصن الحصین (ج ۱ ص ۵۱، ۴۶) الارد اللہ الی روحی ... قیل والمراد برد الروح النطق لانه ﷺ حی فی قبره وروحه لاتفارقه لماصح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم کذا قال ابن الملقن وغیره وقال ابن حجر الاحسن ان یؤول رد الروح بحصول الفکر''

[2] (ابوداؤد رقم الحدیث ۲۰۴۲، مسند احمد ۸۸۰۴، مسند ابی یعلی ۶۴۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ ۷۵۴۲، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱۵۹، شعب الایمان ۸۶۵۳، المعجم الاوسط ۸۰۳۰، مصنف عبدالرزاق ۶۷۲۶)

☆...... قال شعیب الارنؤط ''اسنادہ حسن'' (حاشیہ مسند احمد)

☆...... وقال ایضاً ''صحیح لغیرہ، وهذا اسناد حسن'' (حاشیہ ابی داؤد)

☆...... مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللہ جن کو قبر کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہوکر صلاۃ وسلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں'' (معارف الحدیث حصہ ۵ ص ۲۳۹ طبع دارالاشاعت کراچی)

دوسرے (قبر کو عید نہ بنانے) کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کوئی خاص دن مقرر کر کے میلہ نہ لگایا جائے، جیسا کہ آج کل بعض لوگ بزرگوں کے مزاروں پر عرس کے نام سے میلہ قائم کرتے ہیں۔ (فیض الباری شرح البخاری ج ۲ ص ۶۴)

اور تیسرے حدیث میں یہ جو فرمایا گیا کہ (اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ) اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھروں میں نفل وغیرہ نماز پڑھنا نہ چھوڑ دو، جس طرح سے قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔

بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنے گھروں میں مردوں کو دفن نہ کرو۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۲۰۱، ۲۰۲)

دلیل نمبر ۱۳: امتیوں کا سلام آنحضرت ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے

☆...... حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: ''إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَاحِينَ فِي الْأَرْضِ، يُبَلِّغُونِي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ''[1] اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو دنیا میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرے امتیوں کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

☆...... حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''إِذَا سَلَّمُوا عَلَيَّ قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا، وَهٰذَا مَخْصُوصٌ بِمَنْ بَعُدَ عَنْ حَضْرَةِ مَرْقَدِهِ الْمُنَوَّرِ وَمَضْجَعِهِ الْمُطَهَّرِ، وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى حَيَاتِهِ الدَّائِمَةِ وَفَرْحِهِ بِبُلُوغِ سَلَامِ أُمَّتِهِ الْكَامِلَةِ، وَإِيمَاءٌ إِلَى قَبُولِ السَّلَامِ حَيْثُ قَبِلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَحَمَلَتْهُ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَسَيَأْتِي أَنَّهُ يَرُدُّ السَّلَامَ عَلَى مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ'' یعنی مجھ پر میری امت کا سلام پہنچایا جاتا ہے، جب وہ مجھ پر سلام کہتے ہیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اور یہ سلام (سلام کا پہنچانا) اس شخص کے لئے مخصوص ہے جو آنحضرت ﷺ کی قبر منور اور مضجع مطہر سے دور ہو (کیونکہ قبر اقدس پر حاضر ہونے والوں کا سلام آپ بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ کثیرہ میں وارد ہوا ہے) اور اس میں آپ ﷺ کی حیات دائمی اور بلوغ سلام پر فرحت اور اس سلام کے مرحمت فرمانے پر اشارہ ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی وفضلہا ج ۲ ص ۷۴۳)

---

[1] (نسائی، رقم الحدیث ۱۲۸۲، مسند احمد ۴۲۱۰، ۳۶۶۶، مصنف ابن ابی شیبہ ۸۷۰۵، سنن دارمی رقم الحدیث ۲۷۷۴، سنن الکبریٰ للنسائی ۱۲۰۶، مستدرک حاکم ۳۵۷۶، صحیح ابن حبان ۹۱۴، موارد الظمآن ۲۳۹۲، مسند ابی یعلی ۵۲۱۳، سنن دارمی ۲۸۱۶، مسند بزار ۱۹۲۵، شعب الایمان ۱۴۸۰۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰۵۲۸، مصنف عبدالرزاق ۳۱۱۶،)

☆...... مسند ابی یعلیٰ میں ہے: ''قال حسين سليم أسد إسناده صحيح'' اس کی اسناد صحیح ہیں۔ (تحت رقم الحدیث ۵۲۱۳)

☆...... امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواه احمد والنسائي والدارمي وابو نعيم والبيهقي والخلعي وابن حبان والحاكم في صحيحهما وقال صحيح الاسناد'' امام احمد، نسائی، دارمی، ابونعیم، بیہقی، خلعی، ابن حبان اور حاکم نے نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے (القول البدیع ۱۱۵)

فائدہ: مذکورہ روایات سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ قریب سے درود و سلام خود سنتے ہیں۔ چنانچہ علمائے امت نے بھی اسی کی وضاحت فرمائی ہے کہ:

۱...... ''فانہ یسمعہا'' (مراقی الفلاح ص ۱۹۲، نور الایضاح ص ۱۸۸)

۲...... ''فانہ یسمعہا ای اذا کانت بالقرب منہ'' آپ ﷺ درود شریف سنتے ہیں جب قریب سے ہو۔ (حاشیہ الطحطاوی ۶ ۴۷)

۳...... ''یسمع کلامہ'' آپ ﷺ زیارت کرنے والے کا کلام سنتے ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۲)

۴...... علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''لو سلم علیہ احد رد علیہ السلام لوجود الحیاۃ'' جو آپ ﷺ پر سلام عرض کرے آپ سلام کا جواب دیتے ہیں کیونکہ حیات موجود ہے۔ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۵)

۵...... علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یصلی فی قبرہ و یرد سلام من سلّم'' آنحضور ﷺ قبر میں نماز بھی پڑھتے ہیں اور سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ (کتاب الروح ص ۶۴)

۶...... امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''محققاانہ یسمع کلامہ'' زیارت کرنے ولا یہ یقین رکھے کہ آنحضرت ﷺ اس کی بات سن رہے ہیں۔ (القول البدیع ص ۲۱۳)

۷...... حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میت کا اس سلام کو جو قبر کے نزدیک ہو سننا اور اس کا جواب دینا ادلہ واضحہ سے ثابت ہے۔ پس آنحضرت ﷺ کا اس سلام کو جو آپ کی قبر کے پاس ہو سننا اور اس کا جواب دینا بطریق اولیٰ ثابت ہے۔'' (السعی المشکور ص ۶۷ ۳ طبع لکھنو)

۸...... حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''سماع انبیاء علیہم السلام بعد وفات زیادہ قرین قیاس ہے۔'' (جمال قاسمی ص ۱۶)

۹...... حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مگر ابنیاء کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۰)

۱۰...... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حدیثوں میں صلوۃ و سلام کا سماع وارد ہوا ہے۔'' (مواعظ میلاد النبی ۴۷)

☆...... نیز فرمایا: ''سلام سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ اور جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہے۔'' (نشر الطیب ۲۱۲)

دلیل نمبر ۱۴: سلام پہنچانے پر فرشتہ کا تقرر

☆...... حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إن اللہ و کل بقبری ملکا أعطاہ أسماع الخلائق، فلا یصلی علی أحد إلی یوم القیامۃ إلا أبلغنی باسمہ و اسم أبیہ، ھذا فلان ابن فلان قد صلی علیک'' بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطاء فرما رکھی ہے۔ پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا۔ وہ فرشتہ مجھے اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث ۱۴۲۵)

دلیل نمبر ۱۵: حیات عیسیٰ علیہ السلام اور حیات محمد رسول اللہ ﷺ کا ثبوت

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''لَیَھْبِطَنَّ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا، وَ إِمَامًا مُقْسِطًا وَ لَیَسْلُکَنَّ فَجًّا حَاجًّا، أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ بِنِیَّتِھِمَا وَ لَیَأْتِیَنَّ قَبْرِی حَتّٰی یُسَلِّمَ وَ لَأَرُدَّنَّ

عَلَیہ[۱] "البتہ ضرور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ منصف اور امام عادل ہوکر اور البتہ وہ ضرور فج (جگہ کا نام ہے) کے راستے پر حج یا عمرہ کے لئے جائیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے۔ حتیٰ کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلاشک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

"یقول أبو هريرة أی بنی أخی إن رأیتموه فقولوا أبو هريرة يقرئک السلام[۲]" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا اے میرے بھتیجو! اگر تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو تو کہنا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔

فائدہ: مذکورہ معتبر، صحیح اور صریح احادیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء اکرام علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں سب انسانوں سے زیادہ افضل وارفع اور اعلیٰ واقویٰ حیات رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے قبور میں ان کے اجسام صحیح سلامت رہتے ہیں اور ان پر درود وسلام پیش ہوتا ہے اور وہ امتیوں کے سلام کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔

(القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع ص ۱۷۱)

اگر کسی کو شبہ ہو کہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے سلام کے جواب دینے کا ذکر ہے، مگر درود کے جواب دینے کا ذکر نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ سلام تو ایسا عمل ہے کہ جس کے جواب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ضرورت ہے (جیسا کہ سلام تحیہ میں جواب کی ضرورت ہوتی ہے) لیکن درود ایسا عمل نہیں کہ جس کے جواب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ضرورت ہو، بلکہ درود شریف کے عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور اور خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ اللہ ایک مرتبہ درود پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور درجات بلند فرماتا ہے، گناہ معاف فرماتا ہے، نیکیاں عطا فرماتا ہے اور فرشتے اس کے حق میں برکت، رحمت ومغفرت کی دعاء کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۶: قبر انور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حاضری

☆...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول والذی نفس أبی القاسم بيده لينزلن عيسى بن مريم إماما مقسطا وحكما عدلا فليكسرن الصليب وليقتلن الخنزير وليصلحن ذات البين وليذهبن الشحناء وليعرضن عليه المال فلا يقبله ثم لئن قام على قبری فقال يا محمد لأجيبنه[۳]" میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے

---

۱ مستدرک علی الصحیحین حاکم کتاب التواریخ، رقم الحدیث ۴۱۶۲، الجامع الصغیر من حدیث البشیر والنذیر رقم الحدیث ۷۷۴۲، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۷۷۴۲-۱۰۔

"قال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة وقال الذهبی فی التلخيص: صحيح"

۲ بندہ ناچیز محمد عبدالحمید تونسوی عفا اللہ عنہ (مؤلف کتاب ہذا) عرض رسا ہے کہ ہماری بھی اپنے احباب وتلامذہ کو یہی وصیت اور درخواست ہے۔

۳ (مسند ابی یعلیٰ رقم الحدیث ۶۵۸۴، اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۶۵۲۹، جامع الاحادیث للسیوطی ۲۳۶۳۶، مجمع الزوائد ۱۳۸۱۳)

☆...... قال حسين سليم أسد إسناده صحيح

البتہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے امام منصف اور حاکم عادل ہوکر، سو البتہ ضرور صلیب توڑیں گے اور البتہ خنزیر کو قتل کریں گے اور البتہ ضرور لوگوں کے آپس کے معاملات درست کردیں گے اور البتہ ضرور مال پیش کریں گے تو اس کو نہ لے گا، پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوکر کہیں گے اے محمد! (ﷺ) تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا۔

☆...... علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''إنه عليه السّلام يأخذ الأحكام من نبينا ﷺ شفاها بعد نزوله وهو في قبره الشريف عليه الصلاة والسّلام، وأيد بحديث أبي يعلى والذي نفسي بيده لينزلن عيسى ابن مريم ثم لئن قام على قبري وقال يا محمد لأجيبنه'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد ہمارے نبی ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوکر آپ سے براہ راست احکام حاصل کریں گے، جب کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں استراحت فرما ہوں گے اور اس کی تائید ابو یعلیٰ کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر آکر یا محمد کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔ (روح المعانی سورت الاحزاب، آیت ۴۰ ج ۱۱ ص ۲۱۴)

فائدہ: مذکورہ دونوں صحیح حدیثوں میں دو پیغمبروں کا عمل پیش کیا جارہا ہے کہ (ایک سلام عرض کریں گے اور دوسرے اس کا جواب ارشاد فرمائیں گے) اس سے صراحتاً معلوم ہوا کہ دو پیغمبروں کا یہ عمل اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی قبر انور میں حیات حاصل ہے اور وہ اپنی قبر پر حاضر ہونے والے امتی کا سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ یہی احادیث جہاں آنحضرت ﷺ کی حیات فی القبر کا واضح ثبوت ہیں وہاں حیات عیسیٰ علیہ السلام کی بھی بہت عمدہ دلیل ہیں۔

دلیل نمبر ۱۷: نفخہ ثانیہ کے وقت انبیاء علیہم السلام کو افاقہ ہونا

☆...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي، أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ'' مجھے موسیٰ علیہ السلام پر تخییر نہ دو کیوں کہ (جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو) سارے لوگ بیہوش ہوجائیں گے۔ پس میں پہلا ہوں گا کہ جسے بیہوشی سے افاقہ ہوگا، سو موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب سے متعلق ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں سے تھے اور انہیں مجھ سے پہلے افاقہ ہوا یا اللہ نے انہیں بیہوش ہونے سے مستثنیٰ فرمایا۔ (بخاری رقم الحدیث ۳۴۰۸، مسلم ۲۳۷۳، ابوداؤد ۴۶۷۱)

نفیس استدلال

☆...... علامہ بدر الدین عینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ: ''فَإِذا نفخ فِي الصُّور نفخة الصَّعق صعق كل من فِي السَّمَوَات وَالْأَرْض إِلَّا من شَاءَ الله فَأَما صعق غير الْأَنْبِيَاء فموت وَأما صعق الْأَنْبِيَاء فَالْأَظْهر أَنه غشي فَإِذا نفخ فِي الصُّور نفخة الْبَعْث فَمن مَاتَ حَيّ وَمن غشي عَلَيْهِ أَفَاق فَإِذا تحقق هَذَا علم أَن نبينا ﷺ أول من يفِيق وَأول من يخرج من قَبره قبل النَّاس كلهم الْأَنْبِيَاء''

(عمدۃ القاری کتاب المساقاۃ باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیہود ج ۱۲ ص ۲۵۱، بیروت)

☆...... امام ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر القرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''فإذا نفخ في الصور نفخة الصعق صعق كل من في السموات ومن في الأرض إلا من شاء الله فأما صعق غير الأنبياء فموت وأما صعق الأنبياء فالأظهر أنه غشية فإذا نفخ في الصور نفخة البعث، فمن مات حيي ومن غشي عليه أفاق وكذلك قال ﷺ في صحيح مسلم والبخاري فاكون أول من يفيق وهي رواية صحيحة وحسنة، فنبينا ﷺ أول من يخرج من قبره قبل الناس كلهم قبل الأنبياء وغيرهم إلا موسى، فإنه حصل له فيه تردد هل بعث قبله من غشيته'' (التذکرہ باحوال الموتی وامور الآخرہ للقرطبی باب قول اللہ تعالیٰ ج ۱ ص ۴۵۴)

☆...... حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''صعقہ اولیٰ کے وقت جمیع زندگان ارض وسماء (جن پر ابھی موت نہ آئی ہوگی) موت کی نیند سو جائیں گے (باستثنا من شاء اللہ) اور صعقہ ثانیہ سے مردگان بھی اور پہلے کے وفات یافتہ لوگ بھی سب کے سب زندہ ہو جائیں گے۔ اس وقت اس حدیث کے اقتضاء کے مطابق انبیاء علیہم السلام کو صرف افاقہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ وہ صعقہ ثانیہ سے پہلے بھی زندہ ہوں گے، صعقہ اولیٰ سے صرف ان پر معمولی غشی کی سی حالت طاری ہوگی اور یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں۔

علاوہ ازیں! یہ بھی ملحوظ رہے کہ غشی کا محل ورود وہی ابدان ہو سکتے ہیں جو پہلے سے زندہ ہوں صرف روح پر غشی کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی مردہ اجساد غشی کا محل ورود ہو سکتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی اپنی قبور شریفہ میں جو زندگی حاصل ہے وہ صعقہ اولیٰ کے وقت بھی ختم نہ ہوگی کیونکہ وہ اس سے پہلے عالم دنیا سے انتقال کرتے وقت ورود موت کے بنیادی قانون سے عہدہ برا ہو چکے ہوں گے اور پھر قبر میں پہلے سے فائز الحیات ہونے کے باعث صعقہ ثانیہ کے وقت ان کے نئے سرے سے زندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کے پورے دفتر میں صعقہ ثانیہ کے وقت ان کے زندہ ہونے کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا، بلکہ احادیث صحیحہ صریحہ کی رو سے انہیں محض افاقہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ افاقہ کا محل ان کے اجساد عنصریہ ہی ہوں گے جیسا کہ حدیث کے سیاق وسباق سے واضح ہے۔ پس اگر وہ نفوس قدسیہ پہلے سے اپنے اپنے روضات عالیہ میں ابدان عنصریہ سے فائز الحیات نہیں تو قیامت کے دن صعقہ ثانیہ سے جب تمام مردے زندہ ہو رہے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے زندہ ہونے کی بجائے افاقہ پانے کا آخر کیا مطلب ہوگا؟'' (ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن ص ۷۰)

فائدہ: مذکورہ بالا حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ دراصل قرآنی آیت: ''وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ (الزمر: ۶۸)'' کی تفسیر وتشریح ہے۔

اس سے خوب واضح ہوا کہ حیات الانبیاء علیہم السلام کا جہاں یہ حدیثی ثبوت ہے وہاں قرآنی دلیل بھی۔

دلیل نمبر ۱۸: آنحضرت ﷺ کی طرف سلام بھجوانا بھی جائز ہے

☆...... حضرت یزید ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''عن يزيد بن أبي سعيد المهري، قال قدمت على عمر بن عبد العزيز إذ كان خليفة بالشام فلما ودعته، قال إن لي إليك حاجة، إذا أتيت المدينة سترى قبر النبي ﷺ فأقرئه مني السلام قال محمد بن إسماعيل بن أبي فديك فحدثت به عبد الله بن جعفر، فقال أخبرني فلان أن

عمر كان يبرد إليه البريد من الشام[1]'' میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آیا، جس وقت وہ شام میں خلیفہ تھے پھر جب میں نے ان سے رخصت ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے آپ سے ایک حاجت ہے (وہ یہ ہے کہ) جب تو مدینہ منورہ پہنچے اور نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہو تو آپ کی خدمت اقدس میں میرے سلام عرض کرنا۔ محمد ابن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات عبداللہ ابن جعفر کو بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے فلاں آدمی نے خبر دی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ رسالت میں سلام پیش کرنے کے لئے شام سے قاصد بھیجا کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۱۹: روضہ اطہر پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حاضری

☆...... حضرت داؤد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ: ''أقبل مروان يوما فوجد رجلا واضعا وجهه على القبر، فأخذ برقبته وقال أتدري ما تصنع؟ قال نعم، فأقبل عليه فإذا هو أبو أيوب الأنصاري رضي الله عنه، فقال جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول الله ﷺ، يقول لا تبكوا على الدين إذا وليه أهله، ولكن ابكوا عليه إذا وليه غير أهله[2]'' ایک دن مروان مسجد نبوی میں آیا تو اس نے ایک شخص کو روضہ اطہر پر منہ رکھے ہوئے دیکھا، اس نے ان کو گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں جانتا ہوں۔ جب مروان نے دیکھا تو وہ حضرت (خالد) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین پر نہ رونا، جب اس کے والی اس کے اہل ہوں بلکہ اس وقت رونا جب کہ دین کی ولایت غیر اہل کے ہاتھوں میں آجائے۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، آنحضور ﷺ کو وصال کے بعد اینٹ یا پتھر جیسا بے جان نہیں سمجھتے تھے، بلکہ آپ کی اعلیٰ حیات کے قائل تھے۔

دلیل نمبر ۲۰: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قبر انور پر جا کر بارش کے لئے دعا کی درخواست کرنا

حضرت مالک اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''اصاب الناس قحط في زمن عمر فجاء رجل الى قبر رسول الله ﷺ فقال يارسول الله ﷺ! استسق لامتک فانهم قد هلكوا، قال فاتاه رسول الله ﷺ في المنام وقال ائت عمر فمره يستتسقي للناس فانهم سيسقون وقل له عليک الكيس الكيس الحديث'' خلافت فاروقی میں لوگوں پر قحط پڑا تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) آنحضور ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کے لئے خدا سے بارش مانگیں کہ وہ تو ہلاک ہو رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں حکم دو کہ لوگوں کے لئے بارش مانگیں اور بارش ہوگی اور اسے کہو کہ ہوشیاری سے کام لیں۔

(الریاض النضرۃ ج۱، ۲ ص ۳۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۸۲، تحریرات حدیث ۵۲۸)

---

[1] (شعب الایمان للبیہقی رقم الحدیث ۳۸۷۰، القول البدیع الباب الخامس فی الصلاۃ، آداب الزیارۃ قبرہ الشریف ۱۲۳، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ الباب الرابع فی حکم الصلاۃ علیہ والتسلیم فصل فی حکم الزیارۃ قبرہ ج ۲ ص ۵۵، بیروت)

[2] (مستدرک حاکم تحت رقم الحدیث ۸۵۷۱) ''هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه'' علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صحیح'' (مستدرک حاکم رقم الحدیث ۸۵۷۱)

☆...... اس حدیث کو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۳، مقالات الکوثری ص ۲۸۸)

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اس خواب کی نکیر نہیں فرمائی بلکہ اسے سچا جانا اور رونے لگے۔ معلوم ہوا کہ حضرت بلال اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب حضرات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں زندہ سمجھتے تھے اور وہاں جا کر اپنی حاجات کے لئے دعا کی درخواست بھی کیا کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۲۱: قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مترادف ہے

☆...... حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی'' کہ جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔
(شعب الایمان رقم الحدیث ۳۸۵۸، المعجم الاوسط ۳۳۷۶، سنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰۲۷۴)

☆...... حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبر میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے، اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ ان کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں بعد وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔'' (معارف الحدیث: حصہ چہارم ص ۴۵۸، طبع دارالاشاعت)

☆...... یہاں تک کہ محمد بن حسن الطوسی (شیعہ مجتہد) نے بھی نقل کیا ہے: ''عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زار قبری بعد موتی کان کمن ھاجر الیَّ فی حیاتی فان لم یستطیعوا فابعثوا الیَّ بالسلام فانہ یبلغنی'' کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) اسی شخص کی طرح ہے، جس نے میری حیات میں میری طرف ہجرت کی، اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو میری طرف سلام بھیجے، یقیناً اس کا سلام مجھے پہنچ جائیگا۔
(تہذیب الاحکام کتاب المزار باب فضل زیارتہ ص ۷۶۵)

☆...... نیز صفوان بن سلیمان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ''عن صفوان بن سلیمان عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من زارنی فی حیاتی و بعد موتی کان فی جواری یوم القیامۃ'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری وفات کے بعد میری (قبر کی) زیارت کی، وہ قیامت کے دن میرے جوار رحمت میں ہوگا۔ (تہذیب الاحکام کتاب المزار باب فضل زیارتہ ص ۷۶۵)

دلیل نمبر ۲۲: ستر ہزار ملائکہ کا قبر انور کے پاس ہر وقت درود پڑھنا

☆...... ''أن کعبا دخل علی عائشۃ رضی اللہ عنہا فذکروا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کعب ما من فجر یطلع إلا نزل سبعون

آلفامن الملائكة حتى يحفوابالقبر يضربون بأجنحتهم ويصلون على النبى ﷺ، سبعون ألفا بالليل، وسبعون ألفا بالنهار[1] ’’حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کا ذکر خیر آیا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح وشام آپ کی مزار پرانوار پر حاضر ہوتے ہیں اور قبر شریف کو ہر طرف سے گھیر اڈال کر صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں۔

فائدہ: ملائکہ کی وہ جماعت جو ایک مرتبہ مزار پرانوار پر حاضر ہو جائے اسے قیامت تک دوبارہ حاضری کا موقع نہیں ملتا۔ مگر یہ نصیب ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام اس پابندی سے مستثنیٰ ہے، اس پر جتنا بھی بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

دلیل نمبر ۲۳: خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت حق ہے

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ’’من رأنى فى المنام فقد رأنى فان الشيطان لا يتمثل فى صورتى ‘‘ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ (بخاری رقم الحدیث ۱۱۰، ۶۱۹۷)

☆...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ’’من رأنى فى المنام فسيرانى فى اليقضة ولا يتمثل الشيطان بى ‘‘ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ بیداری میں مجھے دیکھ لے گا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ (بخاری رقم الحدیث ۶۹۹۳)

خواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پیغمبر کا حکم

☆...... حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’أن بلالا رأى النبى ﷺ وهو يقول له ما هذه الجفوة يا بلال أما آن لک أن تزورنى فانتبه حزينا خائفا فركب راحلته وقصد المدينة فأتى قبر رسول الله ﷺ فجعل يبكى عنده ويمرغ وجهه عليه فأقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما... ‘‘ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا بلال تو سخت ہوگیا ہے؟ میری زیارت کو نہیں آیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ غمگین اور خوفناک ہو کر جاگے، اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے اور حضور ﷺ کی قبر پر آئے، وہاں روتے بھی تھے اور مزار انور کو رخسار بھی لگاتے تھے، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں تشریف لائے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کو بوسے بھی دیتے اور سینے سے بھی لگا دیتے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۷ ص ۱۳۷، بیروت، خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: الباب الثانی فی فضل الزیارۃ والمسجد النبوی، الاول فی فضل الزیارۃ ج ۱ ص ۳۵۵)

فائدہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ عمل عقیدہ حیات النبی ﷺ کے اثبات اور قبر انور کی زیارت کے لئے سفر کے مستحب ہونے پر واضح دلیل ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر یہ سفر واجب تھا اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے خود آپ کو اس

[1] (تفسیر ابن کثیر، سورت الاحزاب ج ۶ ص ۴۷۹، سنن دارمی رقم الحدیث ۹۵، شعب الایمان ۳۸۷۳، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، سمہودی رحمہ اللہ الفصل الحادی والعشرون لا یخفی رفع الصوت ج ۲ ص ۱۲۲)

سفر کا حکم فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ عہد صحابہ میں ہوا ہے، جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا سکوت ان کے اجماع کی نمایاں دلیل ہے، اسی لئے دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک حجاج کرام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر، آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے کرتے چلے آئے ہیں، بقول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زیارت روضہ مطہرہ سرور کائنات ﷺ کی افضل المستحبات ہے، بعض نے قریب واجب کے لکھا ہے۔ (زبدۃ المناسک ص ۲۷۰)
امت کا یہ تعامل اس سفر کے مستحب ہونے کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

دلیل نمبر ۲۴: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قبر عمر رضی اللہ عنہ سے حجاب کرنا

☆...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: ''کُنتُ أَدخُلُ بَیتِی الَّذِی دُفِنَ فِیهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبِی فَأَضَعُ ثَوبِی، وَأَقُولُ إِنَّمَا هُوَ زَوجِی وَأَبِی، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُم فَوَاللهِ مَادَخَلتُهُ إِلَّاوَأَنَا مَشدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِی، حَيَاءً مِنْ عُمَرَ'' (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۱۷۷۱)

''أثر إسناده صحيح على شرط الشيخين'' میں اپنے اس کمرے میں جس میں حضور اکرم ﷺ مدفون ہیں، بلا حجاب داخل ہو جاتی تھی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں دوسرے میرے والد ماجد۔ پس جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تو اللہ کی قسم! میں اس حجرے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی نہ جاتی تھی۔ (مسند احمد تحت رقم الحدیث ۲۵۶۶۰)

☆...... اس حدیث کی وضاحت میں مشکوٰۃ کے حاشیہ میں ہے: ''حياء من عمر اوضح دليل على حيات الميت'' ''حیاء من عمر کے الفاظ میت کی زندگی پر واضح دلیل ہیں۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۵۴، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)

☆...... علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ شارح مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ: ''قال الطيبي فيه ويحترمه كما كان يحترمه في الحيات'' علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس (حدیث) میں اس امر کی دلیل ہے کہ میت کا احترام بھی اسی طرح کیا جائے جس طرح کہ زندگی میں کیا جاتا ہے۔

(شرح طیبی ج ۳ ص ۴۱۶، ادارۃ القرآن کراچی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: باب زیارۃ القبور ج ۴ ص ۱۲۶۰)

دلیل نمبر ۲۵: عقیدہ حیات اور توسل کا ثبوت

☆...... مشہور تابعی ابوالجوزا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''قال قحط اهل المدينة قحطا شديدا فشكوا الى عائشة قالت انظروا قبر النبي ﷺ فاجعلوا منه كوى الى السماء حتى لايكون بينه وبين السماء سقف ففعلوا فمطروا مطرا حتى نبت العشب وسمنت الابل حتى تفتقت من الشحم فسمي عام الفتق'' رواه الدارمي۔
(ایک مرتبہ خشک سالی کی وجہ سے) مدینہ والے سخت قحط میں مبتلاء ہو گئے تو انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذکر کیا (تا کہ وہ بارش کی دعا کریں اور کوئی تدبیر بتائیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا! ایسا کرو تم نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک پر رجوع کرو اور حجرہ کی چھت میں سے کچھ سوراخ آسمان کی طرف اس طرح کھول دو کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور پھر جو بارش ہوئی ہے تو ہرا چارہ بھی اتنا نکلا کہ (خوب کھا کھا کر) اونٹ فربہ ہو گئے یہاں تک کہ چربی کی زیادتی سے ان کی کوکھیں پھول گئیں اور اس سال کا نام ''فتق'' پڑ گیا۔ (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۵۹۵۰، تحریرات حدیث ۵۲۸)

فائدہ:

☆...... علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۸۹ھ) اس روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: ''بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ پر حجرۂ شریف کی چھت میں سوراخ کا کھولا جانا دراصل قبر مبارک سے وسیلہ وسفارش حاصل کرنا تھا۔ مطلب یہ کہ حیات مبارکہ میں تو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے ذریعہ بارش کے طلب گار ہوتے تھے اور جب ذات مبارک نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا اور استسقاء (طلب بارش) کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حکم دیا کہ قبر مبارک کے اوپر سے چھت کھول دی جائے تا کہ رحمت حق جوش میں آئے اور پانی برسنے لگے، گویا انہوں نے ظاہر میں تو قبر کو بارش کی طلب گاری کا ذریعہ بنایا لیکن حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہی اس طلب گاری کا ذریعہ اور وسیلہ تھی اور قبر مبارک کی چھت کا کھولا جانا اس طلب گاری کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے اور پریشان حال لوگوں کی اضطراری کیفیت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا......

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بارش کی طلب گاری میں قبر شریف کے ذریعہ ذات مبارک سے سفارش ووسیلہ حاصل کرنا اور اس کے اثرات کا ظاہر ہونا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کرامت تو ہے ہی لیکن حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور ویسے بھی امت کے اولیاء کی کرامتیں، پیغمبر امت کے معجزوں میں شمار ہوتی ہیں۔'' (مظاہر حق مع تخریج ج ۵ ص ۶۷۴)

دلیل نمبر ۲۶: قبر پر جاکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے بھائی سے خطاب

☆...... حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ''توفي عبد الرحمن بن أبي بكر بحبشي قال فحمل إلى مكة، فدفن فيها، فلما قدمت عائشة أتت قبر عبد الرحمن بن أبي بكر، فقالت!

وكنا كندماني جذيمة حقبة من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كأني ومالكا لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

ثم قالت: والله لو حضرتك ما دفنت إلا حيث مت، ولو شهدتك ما زرتك۔

جب حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا حبشی جو مقام ہے، انتقال ہوا تو ان کی نعش کو مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں انہیں دفن کیا گیا، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (حج کے لئے مکہ) تشریف لائیں تو اپنے بھائی حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی گئیں اور وہاں یہ اشعار پڑھے۔ یعنی ہم دونوں جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ایک مدت دراز تک زمانہ سے جدا نہیں ہوئے یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ دونوں تو کبھی جدا نہیں ہوں گے لیکن جب ہم دونوں یعنی میں اور مالک ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو طویل زمانے تک ساتھ رہنے کے باوجود گویا ایک رات کے لئے بھی یکجاء نہ ہوئے، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اپنے بھائی سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ خدا قسم! اگر تمہاری موت کے وقت میں موجود ہوتی تو تم وہیں دفن کئے جاتے جہاں تمہاری وفات ہوئی تھی (کیونکہ اس جگہ سے کہ جہاں اس کی وفات ہوئی ہو دوسری جگہ منتقل نہ کرنا سنت اور افضل ہے) نیز یہ کہ اگر میں انتقال کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو اس وقت تمہاری قبر پر نہ آتی۔ (ترمذی باب ما جاء فی الرخصۃ فی زیارۃ القبور رقم الحدیث ۱۰۵۵)

☆...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ظاہر بات ہے کہ اگر یہ محض تحسر اور افسوس کے طور پر خیالی رنگ میں حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے خطاب ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی، وہ مدینہ طیبہ میں یا دور ہی سے ایسا کہہ دیتیں، یہ خطاب ان سے (عدم سماع موتی کے موقف سے) رجوع کا واضح قرینہ ہے۔ (سماع موتی ص ۲۹۵)

دلیل نمبر ۲۷: عام موتی کے سماع فی الجملہ کا ثبوت

☆...... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ: ''مامن رجل یمر بقبر أخیہ المؤمن کان یعرفہ فیسلم علیہ إلا عرفہ ورد علیہ السلام[1]'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اس کی قبر پر سلام کہتا ہے، صاحب قبر اس کو (اس کی آواز سے) پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۹۵)

☆...... علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وقد روی حدیث صححہ ابن عبد البر أنہ قال مامن رجل یمر بقبر رجل'' بلاشبہ ایک حدیث روایت کی گئی ہے جس کی امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے تصحیح کی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے......الخ! (اقتضاء الصراط المستقیم اطلاق العید علی المکان الذی یقصد الاجتماع فیہ ص ۱۷۸)

☆...... حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمعیل ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: ''من أشھر ذلک ماروا ہ ابن عبد البر مصححا لہ عن ابن عباس مرفوعا مامن أحد یمر بقبر أخیہ المسلم'' سماع موتی کے مشہور دلائل میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جس کو امام عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تصحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جو شخص بھی اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے..........الخ! (تفسیر ابن کثیر سورۃ الروم تحت رقم الآیہ ۵۴)

☆...... حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مقام علیین سات آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش کے نیچے، نیک بندوں کی ارواح وہاں جاتی ہیں حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ وہاں رہتے ہیں۔

---

[1] (تفسیر ابن کثیر سورۃ الروم تحت الآیہ ۲۵، کتاب الروح المسئلۃ الاولی وہی تعرف الاموات زیادۃ الاحیاء ج ۱۲، الجامع الصغیر رقم الحدیث ۱۱۹۸۹۔ الاستذکار ج ۱ ص ۱۸۵، قال ابن تیمیہ صححہ ابن عبد البر وقال الحافظ عبد الحق اسنادہ صحیح، الصارم المنکی ص ۲۱۴، علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ الخبر الصحیح ۔نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۰۰)

☆...... قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ: ''وَقَدْ ذَھَبَ جَمَاعَۃٌ مِنَ الْمُحَقِّقِینَ إِلَی أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ بَعْدَ وَفَاتِہِ، وَأَنَّہُ یُسَرُّ بِطَاعَاتِ أُمَّتِہِ، وَأَنَّ الْأَنْبِیَاءَ لَا یَبْلَوْنَ، مَعَ أَنَّ مُطْلَقَ الْإِدْرَاکِ کَالْعِلْمِ وَالسَّمَاعِ ثَابِتٌ لِسَائِرِ الْمَوْتَی. وَقَدْ صَحَّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا مَامِنْ أَحَدٍ یَمُرُّ عَلَی قَبْرِ أَخِیہِ الْمُؤْمِنِ وَفِی رِوَایَۃٍ: بِقَبْرِ الرَّجُلِ کَانَ یَعْرِفُہُ فِی الدُّنْیَا فَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ إِلَّا عَرَفَہُ وَرَدَّ عَلَیْہِ وَلِابْنِ أَبِی الدُّنْیَا إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ یَعْرِفُہُ فَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ رَدَّ - عَلَیْہِ السَّلَامَ - وَعَرَفَہُ، وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا یَعْرِفُہُ رَدَّ - عَلَیْہِ السَّلَامَ - وَصَحَّ أَنَّہُ کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ إِلَی الْبَقِیعِ لِزِیَارَۃِ الْمَوْتَی وَیُسَلِّمُ عَلَیْھِمْ وَوَرَدَ النَّصُّ فِی کِتَابِ اللّٰہِ فِی حَقِّ الشُّھَدَاءِ أَنَّھُمْ أَحْیَاءٌ یُرْزَقُونَ وَأَنَّ الْحَیَاۃَ فِیھِمْ مُتَعَلِّقَۃٌ بِالْجَسَدِ فَکَیْفَ بِالْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِینَ. وَقَدْ ثَبَتَ فِی الْحَدِیثِ أَنَّ الْأَنْبِیَاءَ أَحْیَاءٌ فِی قُبُورِھِمْ رَوَاہُ الْمُنْذِرِیُّ وَصَحَّحَہُ الْبَیْھَقِیُّ'' (نیل الاوطار ابواب الجمعہ باب انعقاد الجمعۃ بار بعین اقامتہا فی القری ج ۳ ص ۲۹۵)

''وتعلقے بقبر نیز ایں ارواح رامے باشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب ودیگراں بر قبر مطلع ومستانس می گردد'' اوران روحوں کا قبر سے بھی تعلق ہوتا ہے کہ زیارت کرنے والوں اور رشتہ داروں اور دوسروں کے قبر پر حاضر ہونے سے مردے مطلع ہوتے اور مانوس ہوتے ہیں۔ (تفسیر فتح العزیز ص ۱۲۳۔ پ عم)

☆...... حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:''ان مقر ارواح المؤمنين في عليين اوفی السماء السابعة ونحو ذالک کمامر ومقر ارواح الکفار فی سجين ومع ذالک لکل روح منها اتصال بجسده فی قبره لايدرک کنهه الا الله تعالی وبذالک الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ويحس اللذة او الالم يسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير ونحو ذالک مما ثبت بالکتاب والسنة... قال الشعبی فی بحر الکلام هی متصلة باجسادها فتعذب الارواح ويتألم الاجساد منها کالشمس فی السماء ونورها فی الارض'' بے شک مؤمنین کی روحیں علیین یا ساتویں آسمان وغیرہ پر اور کفار کی سجین میں رہتی ہیں، مگر اس کے ساتھ ہر روح کا قبر میں اس کے جسم کے ساتھ ایسا تعلق ہوتا ہے جس کی حقیقت صرف اللہ جانتا ہے اسی تعلق کی وجہ سے جنت یا دوزخ کا ٹھکانہ، روح وجسم کے مجموعہ انسان پر پیش ہوسکتا ہے اور لذت یا تکلیف محسوس کرتا ہے، زیارت کرنے والے کا سلام سنتا ہے، منکر نکیر کو جواب دیتا ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ کتاب وسنت سے ثابت ہے...... امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ بحر الکلام میں فرماتے ہیں کہ روحیں اپنے جسموں سے تعلق رکھتی ہیں تو روحوں کو عذاب ہوتا ہے جس سے جسم بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں جیسے سورج آسمان میں ہے اور اس کی روشنی زمین میں ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۵)

قارئین کرام! اس موضوع کی روایات بے شمار ہیں، جو کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ مقام غور ہے کہ جب عام مومن کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ومرتبہ کیا ہوگا؟

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

دلیل نمبر ۲۸: میت کا جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ سننا

☆...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''العبد إذا وضع في قبره، وتولى وذهب أصحابه حتى إنه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان......''[1] بندہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے چلے جاتے ہیں، ابھی وہ ان جانے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ ہی سن رہا ہوتا ہے، کہ اچانک اس کے پاس وہ فرشتے آجاتے ہیں۔

☆...... یہاں پر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنا موقف بیان فرماتے ہوئے یوں عنوان الباب قائم فرماتے ہیں: ''باب الميت يسمع قرع نعالهم'' یہ باب اس (عقیدہ کے) بیان میں ہے کہ میت، زائرین کے جوتوں کی آواز تک کو سنتا ہے اور پھر مذکورہ حدیث نقل کی ہے۔

[1] (بخاری رقم الحدیث ۱۳۳۸، مسلم ۲۸۷۰، ابوداؤد ۳۲۳۱، سنن نسائی ۲۰۴۹۔ مسند احمد ۱۲۲۷۱، صحیح ابن حبان ۳۱۲۰، سنن الکبریٰ للنسائی ۲۱۸۷)

☆...... شارح بخاری حضرت علامہ بدرالدین محمود العینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ) حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس عنوان کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''ای هذا باب یذکر فیه المیت یسمع خفق نعال الاحیاء و خفق النعال صوتها و دوسها علی الارض '' یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ میت زندوں کی جوتیوں کی کھٹ کھٹاہٹ سنتا ہے اور خفق النعال کا معنی جوتیوں کی آواز اور جوتیوں سے زمین روندنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۵۷ طبع مصر)

یہاں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عنوان الباب اور ایک نامور حنفی شارح حدیث کی تشریح سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عام موتی کے سماع کے قائل تھے۔

مذکورہ احادیث سے جب عام مومن موتی کو معرفت اور سماع ثابت ہوا، تو انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام کیا ہوگا؟

☆...... یہاں تک کہ مولانا محمد حسین نیلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی (حیات النبی وسماع موتی کے انکار کا عقیدہ رکھنے کے باوجود) لکھتے ہیں کہ: ''قبر کا عذاب یا ثواب محسوس کرنے کے لئے حق تعالیٰ صرف اسی قدر حس اور ادراک میت میں پیدا کرتا ہے کہ جس قدر سے وہ عذاب کے الم اور ثواب کی لذت کو، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے پہنچتی ہے، محسوس اور دریافت کرسکتا ہے۔'' (ندائے حق ص ۳۶ مکتبہ اشاعت اسلام دہلی)

☆...... امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ آیت: ''وَلاَ تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ'' کے تحت، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ''القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران'' قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوتا ہے۔ درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''والاخبار فی ثواب القبر و عذابه کالمتواترة'' کہ عذاب وثواب قبر کے باب میں حدیثیں گویا حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ (تفسیر کبیر)

دلیل نمبر ۲۹: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتولین کفار سے خطاب

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہمارے سامنے یہ بیان کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن (مکہ کے) کفار قریش کے چوبیس (مقتولین) سرداروں کے بارے میں حکم دیا (کہ ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے) چنانچہ ان کی نعشوں کو بدر کے ایک ایسے کنویں میں ڈال دیا گیا جو ناپاک تھا اور ناپاک کرنے والا تھا......

''حتی قام علی شفة الرکی فجعل ینادیهم باسمائهم و اسماء ابائهم یافلان ابن فلان ویافلان بن فلان ایسرکم انکم اطعتم اللہ ورسوله فانا قد وجدنا ماوعدنا ربنا حقاً فهل وجدتم ماوعد ربکم حقاً فقال عمر یارسول اللہ ماتکلم من اجساد لاارواح لها قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم، وفی روایة ما انتم باسمع منهم ولکن لایجیبون متفق علیه'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہوگئے اور سرداروں کو ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنا شروع کیا کہ فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں (اور پھر گویا ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) کیا (اب) تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے، بلاشبہ ہمیں تو وہ چیز حاصل ہوگئی جس کا ہم سے ہمارے رب نے قطعی وعدہ کیا تھا (یعنی تمہارے مقابلے پر ہماری فتح اور باطل طاقتوں پر ہمارے غلبہ کا) اور کیا تم نے بھی وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے پروردگار نے قطعی وعدہ کیا تھا یعنی تمہارے عذاب کا؟ (مطلب یہ کہ ہم کو تو خدا کے وعدہ کے مطابق فتح وکامیابی حاصل ہوگئی کیا تم کو بھی عذاب ملا جس سے تمہارے

پروردگار نے تمہیں ڈرایا تھا؟ گویا آنحضرت ﷺ کا یہ سوال بطور توبیخ تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! آپ ایسے جسموں کو مخاطب کررہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے ان (جسموں) سے میں جو کچھ کہہ رہاں ہوں تم اس کو زیادہ سننے والے نہیں ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن (فرق صرف اتنا ہے کہ تم جواب دینے پر قادر ہو) اور یہ جواب نہیں دے سکتے۔

(مشکوٰۃ المصابیح رقم الحدیث ۳۹۶۷، بخاری ج ۲ ص ۳۰۰ کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل، مسلم ج ۴ ص ۲۰۴ باب الجنۃ)

فائدہ: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس حدیث کے ذریعے سماع موتٰی کے مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔

☆...... حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ: ''بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب قبر فقط روح کو ہوتا ہے اور روح کا تعلق قبر سے رہتا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ عذاب روح و جسد دونوں پر ہوتا ہے، کیونکہ مردہ کا قبر میں جا کر زندہ ہونا قرآن سے ثابت ہے۔'' قال اللہ تعالیٰ حکایۃ عن قولھم ''رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ'' فان اللہ تعالیٰ ذکر الموتۃ مرتین وھما لاتحققان الاان یکون فی القبر حیاۃ وموت حتیٰ تکون احدی الموتتین مایتحصل عقیب الحیاۃ فی الدنیا والاخری مایتحصل عقیب الحیاۃ التی فی القبر'' (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۶۱)

باقی رہا یہ سوال کہ جسم پر وقوع عذاب ہمیں معلوم نہیں ہوتا یا جسم کے اجزاء متفرق ہوجاتے ہیں اور انہیں مٹی کھا جاتی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ جسم مادی ہی میں روح کا اعادہ ہوتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کرسکتے، جیسا کہ خواب میں کسی کو تکلیف ہو رہی ہو۔ بلکہ یقظان کو تخیل وتفکر کی وجہ سے سرور یا غم لاحق ہو ہمیں اس کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

جسم اگرچہ مٹی ہوجائے تب بھی احادیث سے ثابت ہے کہ ریڑھ کی ہڈی مٹی نہیں ہوتی، تو اسی کا احیاء ہوسکتا ہے۔ بالفرض سارا جسم ہی مٹی ہوجائے تب بھی جسم کی ہیئت وصورت بدل گئی، اس کا اصل مادہ تو باقی ہے۔ پس مٹی ہوجانے کے بعد بھی ان اجزاء میں ایسے طریق سے اعادۂ روح کہ ہم اسے معلوم نہ کرسکیں، قدرت باری تعالیٰ سے خارج نہیں۔

''قال السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فی شرح الصدور عذاب القبر ھو عذاب البرزخ (الی قولہ) ومحلہ الروح والبدن باتفاق اھل السنۃ، وفی فیض الباری قیل العذاب علی الروح فقط۔ وقیل علی الروح والجسد معاً ومال الی الاول الحافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ والا قرب عندی ھو الثانی وذھب الصوفیۃ الی انہ علی الجسد المثالی الخ'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲)

''وایضاً فیہ بعد بحث بدیع ثم لاحاجۃ الی اثبات عذاب القبر الی ماقالہ الصوفیۃ ان العذاب علی البدن المثالی دون المادی وحینئذ لابعد ان لم نشاھد احداً یعذب فی قبرہ'' (فیض الباری ج ۲ ص ۴۷۶)

''وفی عمدۃ القاری ان المصلوب لابعد فی الاحیاء والمسألۃ منہ مع عدم المشاھدۃ کمافی صاحب السکر فانہ حی مع انا لانشاھد حیاتہ کما فی رؤیۃ النبی ﷺ جبریل علیہ السلام وھو بین اظھر اصحابہ مع سترہ عنھم ولابعد فی ردالحیاۃ الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء والمسألۃ والعذاب وان لم یکن ذلک مشاھدالنا'' (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۱۶۳)

''وکذاحقق جبل الحدیث الحافظ ابن الحجر رحمۃ اللہ علیہ ایضاً فی الفتح فراجعہ'' (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ صفر ۱۳۷۵ھ'' (احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۰۴، ۲۰۵)

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات کی طرف سے یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیات قرآنیہ ''انک لا تسمع الموتی'' اور ''وماانت بمسمع من فی القبور'' کی تفسیر عدم سماع موتی سے کی ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو سماع کی روایات پیش کی ہیں اس پر بھی اپنی رائے (عدم سماع) کا اظہار کیا ہے، مگر اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت اختیار فرمایا اور سیدہ کے موقف کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وغیرہ وغیرہ!

جواباً عرض ہے کہ اولاً: پیش کردہ آیات میں اسماع (سنانے) کی نفی ہے، سماع (سننے) کی نہیں۔

ثانیاً: مذکورہ آیات سے اگر سماع موتی کی نفی ہوتی ہے تو اس سے مراد سماع نافع ہے۔

ثالثاً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات (جن سے سماع موتی صراحتاً ثابت ہے) پر جو تبصرہ فرمایا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی تو وہ ان کی بات پر یقین کرتے ہوئے نہیں بلکہ اس موقع پر انہوں نے سیدہ رضی اللہ عنہا کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا اور مزید بحث وتمحیص کو مناسب نہ سمجھا اور مجادلہ چھوڑ دیا۔ جیسا کہ ارباب معرفت کی شان ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۹۲، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۱۷، مرقاۃ ج ۴ ص ۱۹۹)

مسئلہ سماع کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی اس طرح کی کئی اور مثالیں احادیث میں موجود ہیں، جنہیں ہم نے اس موضوع سے متعلق نہ ہونے کے سبب اور طوالت کے خوف سے قلم انداز کیا ہے۔ من شاء فلیراجع الیہ'

رابعاً: پھر لائق توجہ بات یہ ہے کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قول سے رجوع کرتے ہوئے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے (سماع موتی کے) موقف کو تسلیم کرلیا[1]۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''ومن الغریب ان فی المغازی لابن اسحاق روایۃ یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشۃ مثل حدیث ابی طلحۃ وفیہ ماانتم باسمع لمااقول منھم واخرجہ احمد باسناد حسن فان کان محفوظاً فکانھا رجعت عن الانکار لماثبت عندھا من روایات ھولاء الصحابۃ لکونھا لم تشھد القصۃ'' اور عجیب بات یہ ہے کہ ابن اسحاق کے مغازی میں یونس بن بکیر کی سند سے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت ہے جیسے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں ''ماانتم باسمع لمااقول منھم'' کے الفاظ ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حسن سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے تو اگر یہ الفاظ محفوظ ہوں (اور سند سے یہی ظاہر ہے) تو یہ دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات ثابت ہونے پر سماع موتی کے انکار سے رجوع کرلیا کیونکہ واقعہ کے وقت وہ خود موجود نہیں تھیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۷ باب قتل ابی جہل)

جسد مثالی کی بحث

بعض حضرات ایسی احادیث جس میں حضرات انبیاء کی باہمی ملاقات کا تذکرہ ہو یا سوال نکیرین اور راحت

---

[1] جیسا کہ ان کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر سے پردہ کرنا اور اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر جاکر ان سے گفتگو کرنے کی روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کمامر!

وعذاب قبر کے سلسلہ میں روح کے ساتھ جسم عنصری کی مشارکت کی صراحت ہو، ان سب کا انکار کرتے ہوئے ایسی صورتوں کو ''جسد مثالی'' پر محمول کرتے ہیں۔ مگر ان کا یہ خیال، جمہور اہل سنت کے مؤقف کے بالکل خلاف ہے۔

چنانچہ ہمارے شیخ و مخدوم، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''اہل حق اور اہل السنت والجماعت کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ عذاب ونعیم قبر کے سلسلہ میں روح کا جسم کے ریزہ ریزہ سے تعلق ہوتا ہے اب، جسد عنصری کی نکیر کرنے والے حضرات ہی از روئے انصاف یہ بتائیں کہ نفس ناطقہ، نسمہ اور جسد مثالی ریزہ ریزہ ہوتا ہے یا جسد عنصری؟ اور کیا جب مطلق جسد کا لفظ بولا جاتا ہے تو انسانوں کے لئے جسد عنصری مراد نہیں ہوتی؟ اور پھر اہل السنت کے منصور نظریہ سے کٹ اور ہٹ کر خوارج وروافض وغیرہم باطل فرقوں کے ہمنوا ہو کر اپنے آپ کو اہل حق اور اہل السنت کس منہ سے کہتے ہیں؟ اور کیا حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ، فقہاء عظام اور متکلمین رحمہم اللہ آپ کے نزدیک اہل حق اور اہل السنت نہیں ہیں؟ کیا ان کی یہ کتابیں اہل السنت اور اہل حق کی کتابیں نہیں ہیں؟ اور کیا جسد خاکی اور عنصری کے ریزہ ریزہ سے تعلق تسلیم کرنا سرفراز رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے ہمنواؤں کی خانہ زاد ایجاد ہے یا سرفراز رحمۃ اللہ علیہ ان تمام اکابر اور جمہور کی پیروی میں یہ کہتا ہے؟

اور کیا آپ حضرات محدثین عظام رحمہم اللہ، فقہاء کرام اور متکلمین رحمہم اللہ کی عبارات میں مثالی کا لفظ بتا سکتے ہیں؟ آپ کو قیامت تک کی مہلت ہے، ہمت کر دیکھیں۔ دیدہ باید!

بعض حضرات صوفیاء کرام کی عبارات میں جسم مثالی کا تذکرہ ضرور موجود ہے اور وہ بھی انہوں نے منکرین عذاب قبر کو جواب دینے کے لئے ایک مخلص ڈھونڈ نکالا ہے کہ جس کو جلا کر راکھ کر دیا ہو تو اس کے عذاب وراحت کا تعلق جسم مثالی سے ہے۔ جس کا جسم خاکی موجود ہو، اس کے لئے جسم مثالی کے وہ بھی قائل نہیں ہیں اور پھر میدان فتویٰ میں اعتبار صرف حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ، فقہا عظام اور متکلمین کا ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۶۶)

☆...... حضرت مولانا سرفراز خانصاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوفیا کرام کے اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ثم لا حاجة فی اثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفية ان العذاب علی البدن المثالی دزن المادی وحینئذ لابعد ان لم نشاهد احدأیعذب فی قبره فان الاسهل ان یقال انه من عالم الغیب واقامة الدلائل العقلیة علیه جهل ومن یطیق ذالک؟'' پھر اثبات عذاب قبر کے لئے اس بات کی کوئی حاجت نہیں جس کو صوفیاء کرام بیان کرتے ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے نہ کہ بدن مادی کو، لہذا اگر قبر میں ہم کسی کے عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو کیا حرج ہے؟ (کیونکہ ہم تو بدن مادی کو دیکھتے ہیں اور عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے) عذاب قبر کے بارے میں آسان بات یہ ہے کہ عذاب اس عالم میں دیا جاتا ہے جو ہماری نگاہوں سے غائب ہے اور اس پر دلائل عقلیہ کا قائم کرنا نرا جہل ہے اور پھر یہ کس کے بس کا روگ ہے؟ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۷۶)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو صوفیا کرام کے اس بے دلیل قول کو صرف رد ہی کیا ہے، لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی (۱۰۳۴ھ) بعض صوفیا کرام رحمہم اللہ کے عذاب وثواب قبر کے بارے میں اس بدن مثالی کے رد میں فاروقی جوش بھی دکھاتے ہیں۔ چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''نزد فقیر قول بنقل روح از قول بتناسخ ساقط تر است زیرا کہ تناسخ را از برائے تکمیل نفوس اعتبار کردہ اند اگر چہ ایں اعتبار باطل است ونقل روح را بعد از حصول کمال گمان بردہ اند اگر چہ ہیچ کمال نیست ہر گاہ تبدل

ابدان از برائے تحصیل کمالات قرار دادہ باشند بعد از حصول کمال نقل ببدن ثانی برائے چہ بود؟ اھل کمال تماشائی نیستند ھمت ایشان بعد از حصول کمال تجرد از ابدان است نہ تعلق باابدان زیرا کہ آنچہ مقصود از تعلق بودہ است بحصول پوستہ وایضاً در نقل روح اماتت بدن اول است واحیا بدن ثانی است پس بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود واز عذاب وثواب قبر گذرنہ وبدن ثانی را چوں حیات ثانی اثبات می نمایند حشر در حق او در دنیا ثابت گشت (واں خلاف مقررات عقائد اھلسنت است) نگارم کہ معتقدان نقل روح معلوم نیست کہ بعذاب وثواب قبر قائل باشند وبحشر ونشر معتقد بوند فسوس ھزار افسوس ایں قسم بطالان خود رابمسند شیخی گرفتہ اندو مقتدائے اھل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا'' فقیر کے نزدیک روح کے (دوسرے بدن ثانی حصول کمال کے لئے) انتقال کا قول تناسخ کے قول سے بھی ساقط تر ہے کیونکہ انہوں نے تناسخ کو نفوس کی تکمیل کے لئے اعتبار کیا ہے۔ اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور روح کے انتقال کا گمان حصول کمال کے بعد کیا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی کمال نہیں ہے جب انہوں نے ابدان کا حصول کمالات کی تحصیل کے لئے قرار دیا ہے تو کمال کے حصول کے بعد دوسرے بدن کی طرف نقل کس لئے؟ اہل کمال کوئی تماشا تو نہیں (کہ بدن پر بدن کا سین بدلتے رہیں) ان کی ہمت تو حصول کمال کے بعد ابدان سے تجرد ہے نہ کہ ابدان سے تعلق کیونکہ تعلق سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا ہے اور نیز روح کے انتقال سے پہلے بدن (یعنی مادی عنصری) کی اماتت اور دوسرے کی احیاء ہوتی ہے سو پہلے بدن (عنصری) کو احکام برزخ کے حصول سے تو کوئی چارہ نہیں اور عذاب وثواب سے کوئی مخلص نہیں اور دوسرے بدن کے لئے جب وہ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اس کے حق میں دنیا ہی میں حشر ثابت ہو گیا (اور یہ اہل السنت کے ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے) بہر حال معلوم نہیں کہ نقل روح کے معتقد کیا قبر کے عذاب وثواب کے قائل ہیں؟ اور حشر ونشر کے معتقد ہیں؟ افسوس ہزار افسوس کہ اس قسم کے مسخرے اپنے آپ کو بزرگی کے سند پر براجمان سمجھتے ہیں اور اہل اسلام کے مقتداء بنے ہوئے ہیں سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ (مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۸ ص ۲۶، طبع امرتسر)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر میں جو عذاب وثواب ہوتا ہے اس میں بدن اوّل یعنی عنصری کی پوری مشارکت ہوتی ہے اور اس بدن کو اس سے کوئی چارہ نہیں اور یہ بدن اوّل روح کا آلہ بن کر قبر کے عذاب وثواب میں برابر کا شریک ہے اور احکام برزخ وقبر میں اس بدن اول کا برابر دخل ہے اور اس سے اس کے لئے کوئی مخلص نہیں ہے اور اہل کمال کو جب بدن اول کی وجہ سے کمال حاصل ہو گیا تو ان کو کسی اور بدن کی ضرورت نہیں۔

(تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور ص ۲۰۱ تا ۲۰۳، طبع گوجرانوالہ)

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

☆...... حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی) رقمطراز ہیں کہ: ''حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد طیبہ کا یہ تحفظ عصمت انبیاء علیہم السلام کے قانون کے ماتحت اعزازی خاصہ ہے، قانونی احترام ہے اور کسی کے لئے یہ ضابطہ نہیں۔ ہاں! جس کو اللہ تعالیٰ نے اجساد کی سلامتی قبر میں نصیب کر دی تو وہ عطائے خداوندی ہے، قانون سے بالاتر ہے، کسی کے متعلق یقین چھوڑ کر ظن بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بعض مدعیان علم کے قلم اور زبان سے یہ دیکھا سنا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی سلامتی نہ مانی جائے تو کیا حرج ہے؟ برزخ

میں جسد مثالی اس سے زیادہ عمدہ اور اعلیٰ شان والامل گیا۔ اس خاکی بدن سے بدرجہا افضل اور اشرف حاصل ہو گیا، حیات ابدان ماننے کی کیا ضرورت رہتی ہے؟ مگر یہ محض ایک مغالطہ ہے فریب ہے کہ لوگ سمجھیں کہ ہم حیات کا انکار کر کے توہین نہیں کرتے۔ زبان کی چالاکی سے بات منواتے ہیں پاس دلیل کچھ نہیں، ورنہ پیش کرتے۔ بالمقابل صریح اور صحیح احادیث سے جسم عنصری کے ساتھ حیات انبیاء کرام علیہم السلام فی قبورہم ثابت ہے......

ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ برزخ میں جسم مثالی اس خاکی جسم سے اشرف واعلیٰ مل گیا۔ دیکھیے بدن مثالی اصل کے نمونہ کو کہتے ہیں، نمونہ اصل کے برابر کبھی نہیں ہوتا۔ جو فضائل اصل میں ہوتے ہیں، وہ نمونہ میں نہیں پائے جاتے، فوٹو کی اور شان ہوتی ہے اور اصل کی اور۔ شاید انہوں نے جنت کے میوہ جات کے دنیا کے میوہ جات سے افضل ہونے کو بدن مثالی میں جاری کر دیا ہے، مگر یہ محض مغالطہ ہے۔ علماء محققین کا قول تو یہ ہے کہ جسد مبارک ﷺ سے مٹی اور خاک کا جو حصہ ملا ہوا وہ عرش خداوندی سے بھی افضل ہے، (خاک کو یہ فضیلت جسد اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی۔ اس لئے جسد کریم ﷺ کے اجزاء طیبہ کا مماثل اور کون اور کیا ہو سکتا ہے) بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر سنا ہی ہوگا۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۸ اور بدائع الفوائد ج ۱ ص ۱۳۵) وغیرہ میں اس کی مفصل بحث موجود ہے کہ قبر مبارک کا جو حصہ آپ ﷺ کے جسد سے ملا ہوا ہے وہ کعبہ، عرش اور کرسی وغیرہ سے افضل ہے۔ خاک کو یہ فضیلت جسد اطہر کی رفاقت سے حاصل ہوئی اس لئے جسد کریم ﷺ کے اجزاء طیبہ کا کون مماثل ہو سکتا ہے، جسد مثالی تو ایک الگ چیز ہے، جیسے خواب میں کسی کو اپنے شیخ اور استاد وغیرہ کی ہیکل نظر آ جائے۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی صورت مثالیہ خواب میں دیکھنے سے کوئی شخص صحابی نہیں بنتا، کیونکہ اس نے مثال کو دیکھا ہے، جسد عنصری کو نہیں دیکھا۔ بہرحال عالم برزخ میں اس سے بہتر جسم کا ملنا خواب اور خیال ہی ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

عام مشہور تو یہ ہے کہ جنت کی حوریں جو مومنوں کو ملیں گی ہر مومن کو (بخاری ج ۱ ص ۴۶۱) "ولکل امری زوجتان من الحور العین" اور زیادہ حسب درجات ملیں گی۔ حدیث شریف سے صراحتاً ثابت ہے ان حوروں کا حسن و جمال جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے، سب حق اور صحیح ثابت ہے، لیکن بعض احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کی دنیوی منکوحہ بیویاں بشرط ایمان وہ بھی اس مرد کو ملیں گی اور ان کا حسن و جمال حوروں سے زائد اور اعلیٰ درجہ کا ہوگا، حوریں ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر رشک کریں گی۔ غور فرمائیں کہ یہ فضیلت دنیوی ازواج کو کہاں سے ملی؟ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گزاری کے صلہ میں میسر آئی۔ حدیث میں ہے کہ: "بصلاتھن و صیامھن" کے الفاظ موجود ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۹، ج ۱۰ ص ۴۱۷) جب کہ حوریں اس باب میں حصہ دار نہیں ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱۹، ج ۱۰ ص ۴۱۷) "الا ان فی السند سلیمان بن ابی کریمہ ضعفہ ابو حاتم و ابن عدی و فی المیزان ص و اللسان" (ج ۳ ص ۱۰۲) ولم ار للمتقدمین فیہ کلاماً۔

اس کو دیکھتے ہوئے آپ اندازہ لگائیں کہ جن اجزائے بدنیہ اور اعضاء جسمانیہ (نبی کریم ﷺ) نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری، بھوک پیاس اور باقی جسمانی تکالیف میں جناب سرور کائنات ﷺ کی رفاقت اور معیت میں زندگی کے دن رات گزارے، کیا وہ اس لائق ہیں کہ وہ قبر میں جا کر مٹی میں گل سڑ رل مل جائیں؟ اور حسن جزاء کے انجام سے محروم چھوڑ دیئے جائیں؟ اور نیا بدن مثالی آپ کو مل جائے، آپ اس سے وابستہ ہو جائیں، پھر کیا وہ اجزائے طیبہ بارگاہ خداوندی میں یہ عرض نہ کریں گے کہ ہم نے روح کریمہ کے ساتھ ساتھ

ساری زندگی گزاری، اے پروردگار پھر روح کو نعمتوں سے نوازا جائے اور ہمیں مٹی میں آلودہ چھوڑا جائے، ایسا کیوں ہو؟ حالانکہ روح کریمہ کی کمائی بدن عنصری کی بدولت ہی ہوئی اس لئے مناسب ہوا کہ روح طیبہ ﷺ کے حیات کریمہ کے ساتھ آپ ﷺ کے جملہ اعضاء جسدانیہ کے بھی صحیح سلامت ہونے قول کا کیا جائے، اسی کو مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔ یہ حیات فی الجملہ کے درجہ کی ہے اس میں دنیوی حیات کے ظاہری آثار نمودار نہیں ہوتے، یہی حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فرمان تھا جو فیصلہ میں نقل کیا گیا ہے اور یہی حق ہے ہم اس مقدار حیات کو بدن میں باقی ماندہ برحال سابق کہا مقبوض بالائی درجہ ہے جو آثار خاصہ خارجیہ کا منشا بنتا تھا، اسی کو آپ کی موت کہا گیا، ''کل نفس ذائقة الموت'' بھی صادق آگیا اور ''نبی اللہ حی'' بھی اس دنیوی حیات سے بھی پایا گیا، برزخی بھی ہے کہ یہ مقدار حیات عالم برزخ کے زمانہ میں پائی گئی، یہ ہمارا خیال ہے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ **تعلق** حیات دنیوی زندگی فرمارہے ہیں وہ شاید مجموعہ کے لحاظ سے کہ مکمل بدن نہیں ہاں اس کا بدن سے تعلق باقی ہے مجموعہ کو آپ کے قلب مبارک میں سمٹا ہوا ہونا فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم!

اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شہداء کے ارواح کو بعد از وفات اجساد عنصریہ کے عوض میں اس سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطاء ہوں گے۔ جیسے مصنف ''نداء الحق'' نے کہا (تسکین الصدور ص ۱۲۸) مزید یہ بھی کہا گیا ہے کہ ارواح کو مثالی جسد عطاء ہوتا ہے، جس میں قیامت تک رہ کر روح ثواب وعذاب پاتی رہتی ہے۔ وجہ غلطی کی یہ ہے کہ قابل عزت واکرام وہی اجزاء ہیں جو شہداء کے ابدان میں تھے۔ خداوند تعالیٰ کے راستہ میں ٹکڑے ٹکڑے ہوئے۔ عبادت الٰہی میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں۔ ارواح کی کمائی انہی کے تعاون سے ہوئی، اس کے برعکس کفار اور مجرمین عصاۃ کے اجزاء بدنیہ ارواح کے ساتھ شریک جرم رہے۔ یہ بھی سب جانتے ہیں کہ: ''القبر روضة من رياض الجنة'' او حفرة من حفر النيران'' ثابت ہو چکا ہے یہ سزاء جزاء کا زمانہ ہے۔ اس کو ''اول منزل من منازل الاخرة'' کہا گیا ہے۔ یہ بھی واضح ہے کہ جیسے جسد عنصری مرکب ذی اجزاء ہے اسی طرح جسد مثالی بھی۔

جسد مثالی کے اجزاء نے نہ کسب خیر کیا نہ کسب شر میں حصہ لیا، بلا جرم ان کو عذاب دینا جیسے کہا گیا، کیا یہ انصاف ہے یا ظلم؟ اور ''ولا يظلم ربك احدا'' آہی چکا ہے جو اجزائے بدنیہ جرم میں شریک کار تھے ساری زندگی وہ روح کی معیت میں معاصی کا ارتکاب کرتے رہے برزخی زمانہ میں تا قیامت آپ نے ان کو معاف کر دیا اور جسد مثالی کے اجزاء جنہوں نے جرم میں حصہ نہیں لیا ان کو پکڑ کر آپ نے سزاوار بنادیا۔

''لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت'' کا تقاضا یہ ہے کہ قبر کے زمانہ میں بھی سعید کو جزاء خیر اور اور شقی کو سزا ملے، آپ نے اصل اجزاء بدنیہ کو چھوڑ کر روح کے جسد مثالی کو عذاب دینا کہا، مجرم کو چھوڑ کر غیر مجرم کو سزا دی یہ لاتزر وازرة وزر اخریٰ کے خلاف ہے، جن لوگوں نے جسد مثالی کی تجویز کی وہ جزاء وسزاء کے باب میں نہیں کی تو وہ اور مقاصد کے لئے کی گئی ہے اور اگر اس طرح کسی نے کچھ بھی دیا ہو تو اہل تحقیق اس کے خلاف ہیں۔ واللہ اعلم''

(ارشاد العلماء الی تحقیق مسئلہ سماع الموتی وحیات الانبیاء ص ۶۰ تا ۶۵ طبع گوجرانوالہ)

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار ۔۔۔ یہ حقائق ہیں، تماشائے لب بام نہیں

☆ حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ علماء اعلام، تابعین عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

ارشادات بلکہ خود نبی کریم ﷺ کی تقریر وتصدیق سے ثابت ہے کہ حضرات غیر انبیاء بھی قبر میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب غیر انبیاء علیہم السلام کا یہ حال ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کے قبور مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ قبر میں نماز پڑھنا، یا قرآن کی تلاوت کرنا وغیرہ، قبر میں مدفون جسد عنصری کا کام ہے یا بدن مثالی کا؟

''اقامۃ البرہان'' کے فاضل مصنف حضرت سجاد بخاری صاحب فرماتے ہیں: ''قبروں میں نماز پڑھنا یا تلاوت قرآن کرنا قبر میں مدفون بدن کا کام نہیں بلکہ ان کاموں کو بدن مثالی ہی انجام دیتا ہے۔'' (ص ۱۶۷)

اور فاضل مصنف اس دعویٰ کی بنیاد شیخ اکبرابن عربی کے اس کلام پر رکھتے ہیں۔

''ان من اھل البرزخ......'' اہل برزخ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی ہمت سے اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا فرما دیتا ہے جو قبر میں وہی عمل کرتی رہتی ہے جو وہ دنیا میں کیا کرتا تھا۔ جیسا کہ ثابت بنانی جلیل القدر تابعی کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ لوگوں نے ان کی قبر کھولی تو ان کو کھڑے ہوکر نماز پڑھنے میں مصروف پایا اور بہت سے لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۴۱)

حیرت وتعجب کا مقام ہے کہ قبر میں نماز پڑھنے وغیرہ امور کے لئے اللہ تعالیٰ ایک دوسری مخلوق کو تو پیدا فرما دیتے ہیں، لیکن اسی مدفون جسد عنصری میں ایسی نوع حیات (معاذ اللہ) پیدا نہیں فرما سکتے جس سے وہ نماز یا قرآن پڑھ سکے۔ آخر اس میں کیا استبعاد ہے کہ اللہ رب العزت اسی مدفون جسد عنصری میں فی الجملہ حیات پیدا فرما دیں اور یہی جسد عنصری ہی نماز یا قرآن پڑھے؟ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ دعا تو کریں۔ ''فاعطنی الصلاۃ فی قبری'' اے اللہ مجھے قبر میں نماز (پڑھنے کا شرف) عطاء فرما۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۳۳، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۲ ص ۲۱۹)

مگر ان کی بجائے یہ شرف عطاء فرمایا جائے۔ ایک اور مثالی بدن کو اسے پیدا کیا جائے اور اس سے نماز پڑھائی جائے۔

آخر اس میں کون سا محال عقلی لازم آتا ہے یا شریعت کے کس اصول سے تصادم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اسی بدن عنصری میں ایک قسم کی زندگی پیدا فرما دیں جس سے یہ اعمال صادر ہوں؟

آخر لوگوں کو اس وجود سے کیا بیر ہے کہ ایک اور مثالی بدن کی تخلیق تو تسلیم کرتے ہیں مگر اسی وجود میں فی الجملہ تخلیق حیات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر اس جسد عنصری سے کچھ ایسا ہی بیر ہے تو پھر پوری کرنی چاہئے تھی، جہاں یہ کہا تھا کہ: ''جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر لوگوں نے کھولی تو ان کو کھڑے ہوکر نماز پڑھنے میں مصروف پایا...... وہاں ایک اور سطر بڑھا دینی چاہئے تھی کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے قبر میں دیکھ کہ ان کا جسد عنصری نیچے پڑا ہوا ہے اور انہی کے سینے پر کھڑے ہوکر انہیں کا بدن مثالی نماز پڑھنے میں مصروف ہے۔ ہمیں تو کہا جاتا ہے کہ: ''قبر میں اتنی گنجائش ہی کہاں ہے کہ انسان کھڑا ہوکر نماز پڑھ سکے۔''

مگر اب اسی قبر میں وہ مدفون جسد بھی موجود ہے پھر بدن مثالی کے کھڑے ہونے اور نماز میں مصروف ہونے کی گنجائش، اللہ جانے کہاں سے نکل آئی؟

بدن مثالی کا قول تو ایک ضرورت سے تھا، علمائے اعلام نے بدن مثالی کا قول بعض مواقع پر ضرور کیا ہے، مگر وہاں جہاں جسد عنصری کا موجود ہونا محال تھا...... چونکہ ان حضرات کے اجسام وابدان مبارکہ قبور مطہرہ میں موجود ومحفوظ ہیں۔ لہٰذا دوسرے مقامات پر ان کے عنصری اجساد نہیں تھے بلکہ مثالی ابدان تھے اور ہمارے یہ مہربان الثانیہ فرماتے ہیں کہ قبر کے اندر مثالی بدن ہے اور قبروں میں نماز پڑھنا یا قرآن پڑھنا یہ سب مثالی بدن کا کام ہے۔ مثالی بدن کا قول تو اس ضرورت سے کیا گیا تھا کہ ان مواقع پر عنصری بدن کا موجود ہونا متعذر تھا اور قبر میں جہاں خود بدن عنصری موجود ہے، بدن مثالی لے آنے کی کیا ضرورت؟ (حیات الاموات: خصوصاً حیات النبی ﷺ سید الکائنات ص ۶۵، ۶۶ طبع ملتان)

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی نا خوش میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

دلیل نمبر ۳۰: حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کی اپنے بیٹے کو وصیت

☆...... حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص سے روایت ہے کہ: ’’قال لابنه وهو فی سیاق الموت اذاانامت فلا تصحبنی نائحة ولا نار فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا احول قبری قدر ماینحر جزور ویقسم لحما حتی استأنس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی ‘‘ انہوں نے اپنے بیٹے (عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے حالت نزع میں فرمایا کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو میرے (جنازہ) کے ساتھ نہ تو کوئی نوحہ کرنے والی ہو اور نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کرنے لگو تو میرے اوپر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا، پھر (دفن کے بعد) میری قبر کے پاس (دعائے استقامت ومغفرت کے لئے) اتنی دیر تک کھڑے رہنا، جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہوں اور جان لوں کہ میں اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں؟ (مسلم رقم الحدیث ۱۲۱، مشکوۃ ج ۱ ص ۱۶۴، کتاب الجنائز، رقم الحدیث ۱۷۱۶)

دلیل نمبر ۳۱: ایک شخص کا قبر میں قرآن پڑھنا

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بعض اصحاب النبی ﷺ نے لاعلمی میں ایک قبر پر خیمہ گاڑا۔ ’’واذا فیه انسان یقراء سورة الملک حتی ختمها ‘‘ اس قبر میں ایک انسان سورۂ ملک پڑھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے سورۃ ختم کی۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی خبر دی گئی تو فرمایا: ’’هی المنجیة هی المانعه تنجیه من عذاب القبر ‘‘ یہ سورۃ نجات دینے والی ہے، روکنے والی ہے۔ اسے عذاب قبر سے نجات دے گی۔ (ترمذی رقم الحدیث ۲۸۹۰، مشکوۃ ۲۱۵۴)

دلیل نمبر ۳۲: سلام سن کر شہداء کا جواب دینا

☆...... حضرت ابوہریرۃ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کی قبروں کی زیارت کی اور فرمایا: ’’اللهم انی عبدک ونبیک یشهد ان هؤلاء شهداء وانه من زارهم وسلم علیهم الی یوم القیامة ردوا علیه ‘‘ (وقال اسناد صحیح) اے اللہ تیرا بندہ اور نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کرے گا اور انہیں سلام عرض کرے گا تو یہ (سن کر) اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

(مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۵۱، رقم الحدیث ۴۳۷۳)

☆...... حضرت عامر اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''أنه كان يرجع من ضيعته فيمر بقبور الشهداء فيقول السلام عليكم وإنابكم للاحقون ثم يقول لأصحابه ألا تسلمون على الشهداء فيردون عليكم'' (ورواتہ ثقات) وہ جب اپنی زمین اور کھیتی سے واپس آتے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گزرتے تو فرماتے السلام علیکم اور بے شک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ تم شہداء کو سلام کیوں نہیں کہتے، تا کہ وہ تمہیں تمہارے سلام کا جواب دیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث ۱۱۷۸۸)

واقعات ومشاہدات

۱...... حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کی شہادت کے بعد وصیت: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ایک خوش نصیب صحابی ہیں، جنہوں نے شہادت کے بعد وصیت کی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے نافذ کرایا۔

''حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں، جو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں، اپنے زمانہ کے مشہور خطیب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابت وحی کے فرائض بھی انجام دیئے۔

جامع ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''نعم الرجل ثابت بن قیس بن شماس'' ثابت بن قیس بن شماس اچھے آدمی ہیں۔

حضرت عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ: ''میں مدینہ طیبہ آیا تو مجھے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے حالات سنا سکے۔ لوگوں نے مجھے ان کی صاحبزادی کا پتہ بتایا، میں نے جا کر ان سے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے حالات معلوم کئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد سے یہ واقعہ سنا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی کہ: ''إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (لقمان:۱۸)'' بلاشبہ اللہ کسی ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا جو اترانے والا اور بہت فخر کرنے والا ہو۔

تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی وہ گھر میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے اور ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر ان سے وجہ دریافت کی۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حسن و جمال سے بھی محبت ہے اور میں اپنی قوم کا سردار ہوں (اس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں مذکورہ آیت کے حکم میں شامل نہ ہو جاؤں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''انک لست منهم بل تعيش بخير وتموت بخير ويد خلک الله الجنة'' بلاشبہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو بلکہ تم زندہ بھی خیر کے ساتھ رہو گے، تمہارا انتقال بھی خیر کے ساتھ ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

بعینہ یہ واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جب یہ آیت نازل ہوئی کہ: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ (الحجرات:۱)'' اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے سامنے بلند نہ کیا کرو اور ان سے بلند آواز کے ساتھ گفتگو نہ کیا کرو۔

اس موقعہ پر بھی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو بڑی تشویش ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میری آواز بلند ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کی آواز کے سبب میرے اعمال اکارت نہ ہو جائیں، اس پر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انک لست منهم بل تعيش حميداً وتقتل شهيداً ويد خلک الله الجنة''

بلاشبہ تم ان میں سے نہیں ہو بلکہ قابل تعریف انداز میں زندہ رہو گے، تمہیں موت کے وقت شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل فرمائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسیلمہ کذاب کا فتنہ اٹھا اور مسلمانوں کا ایک لشکر یمامہ کے مقام پر ان سے جنگ کے لئے روانہ ہوا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بھی اسمیں شامل تھے۔ جنگ کی ابتداء میں دشمن کے حملے میں اس قدر شدید تھے کہ مسلمانوں کو تین مرتبہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے جب جنگ کا یہ نقشہ دیکھا تو کہا کہ: ''ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تو اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔''

یہ کہنے کے بعد انہوں نے زمین میں دو گڑھے کھودے اور ان میں ڈٹ کر کھڑے ہو گئے۔ تاکہ وہاں سے پیچھے ہٹنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ جب تک دم میں دم باقی رہا یہ دونوں حضرات انہیں گھڑوں میں ڈٹے لڑتے رہے، یہاں تک انہیں گھڑوں میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک شخص نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہے ہیں کہ جب کل مجھے قتل کردیا گیا تو ایک شخص میری نعش کے قریب سے گزرا۔ میرے سینہ پر ایک نفیس زرہ تھی وہ اس نے اتار لی ہے، اس شخص کا مکان لشکر کے بالکل آخری سرے فلاں جگہ واقع ہے اور اس کے سامنے ایک لمبا تڑنگا گھوڑا بندھا ہوا ہے، اس شخص نے میری زرہ پر ایک ہانڈی اوندھی کردی ہے اور اس ہانڈی پر اونٹ کا کجاوہ ڈال دیا ہے۔ تم خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں۔ پھر جب تم رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے پاس پہنچو تو ان سے کہہ دینا کہ: ''میرے ذمہ اتنا اتنا قرض ہے اور میں نے اتنا اتنا مال اپنے پیچھے چھوڑا ہے اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں۔'' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب ہی میں اس شخص سے یہ بھی فرمایا کہ: ''تم میری ان باتوں کو خواب کی بات سمجھ کر نہ ٹال دینا، بلکہ ان پر عمل کرنا۔''

وہ شخص حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انہیں خواب سنایا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر زرہ کے واقعہ کی تحقیق فرمائی تو زرہ اسی پتے کے مطابق مل گئی۔ اس کے بعد وہ شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور انہیں بھی یہ پورا قصہ سنایا تو آپ نے ان کی وصیت پر عمل کا اہتمام فرمایا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی شخص ہمیں ایسا معلوم نہیں ہے جس نے موت کے بعد وصیت کی ہو اور اس پر اس طرح عمل کیا گیا ہو۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے اور بھی متعدد شواہد موجود ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۵، الاستیعاب ج ۱ ص ۱۰۰، روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۳، تراشے: ۱۲۷ تا ۱۳۰ مفتی تقی عثمانی)

۲ ...... **شہادت کے بعد حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا اظہار تکلیف کرنا:** مروان بن حکم کے دور میں عشرہ مبشرہ میں سے شہید ہونے والے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی قبر نمی کے قریب تھی۔ بالآخر جب پانی ان کے جسم تک پہنچ گیا تو انہوں نے خواب میں اپنے گھر والوں میں سے کسی کو یا اپنے غلام کو اپنی تکلیف کی خبر دی۔ ''الا تریحونی من ھذا الماء ... کانه یشکوا الیه البرد ... حولونی عن قبری فقد آذانی الماء'' فرمایا مجھے اس پانی سے راحت کیوں نہیں پہنچاتے ہو؟...... گویا وہ پانی سے ٹھنڈک پہنچنے کی شکایت کر رہے تھے۔ (فرمایا) مجھے یہاں سے منتقل کردو کہ مجھے پانی تکلیف دے رہا ہے۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۱۰۴)

چنانچہ ان کی قبر کھودی گئی، تو زمین سے ملا ہوا جسم کا حصہ سبز ہو رہا تھا آنکھوں کے درمیان لگائی ہوئی کافور تک تبدیل نہ ہوئی تھی۔

مقام غور ہے کہ پانی کی ٹھنڈک سے ان کے جسم کو تکلیف ہو رہی تھی، تو اگر جسم میں کچھ حس و ادراک نہیں تھا تو تکلیف اور ٹھنڈک محسوس کرنے کا کیا مطلب ہوگا؟

۳...... حضرت عبداللہ بن تامر شہید کے جسم کی تر و تازگی: حضرت عبداللہ بن تامر جس کا واقعہ سورہ بروج میں اصحاب اخدود کے تحت بیان ہوا ہے ان کے متعلق حضرت عبداللہ بن ابوبکر ابن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلافت فاروقی میں اہل نجران میں سے ایک شخص نے نجران کی زمین کی کوئی جگہ کھودی تو وہاں حضرت عبداللہ بن تامر شہید رضی اللہ عنہ دفن تھے، بیٹھے ہوئے حال میں تھے، اپنا ہاتھ سر میں لگی ہوئی چوٹ پر رکھا ہوا تھا، ہاتھ کے ذریعہ خون بہنے کو روکے ہوئے تھے، جب ان کا ہاتھ ہٹایا جاتا تو خون شروع ہو جاتا اور جب ہاتھ چھوڑا جاتا تو ہاتھ اسی جگہ جا لگتا اور اس کا خون روک دیتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کی گئی تو حکم فرمایا! کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۹۵۔ روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۰۱)

۴...... حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے نور کے شعلے: امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں مسلمانوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ (خالد) کو رات کو دفن کر دیا پھر آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک سے ایک شعلہ نور اٹھا اور وہ اوپر بلند ہوا، جو لوگ بھی اس مقام کے قریب موجود تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔ (مقام حیات ص ۶۱۵)

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایک رومی عیسائی نے مسلمانوں سے اس صبح کو جس رات کو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا دریافت کیا کہ گزشتہ رات تم کیا کرتے رہے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ یہ شخص جسے ہم نے دفن کیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار سے ہے اور قدیم الاسلام ہے۔ اگر ان کی نعش کو زمین سے نکالا گیا تو جب تک ہماری حکومت ہوگی عرب میں ناقوس نہ بج سکے گا اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب وہاں قحط پڑتا تو ان کی قبر سے کچھ مٹی ہٹاتے اور خدا سے دعا کرتے تو بارش ہو جاتی۔ (اسد الغابہ)

ان واقعات اور مشاہدات سے بھی حیات جسمانی کا واضح ثبوت ہوا۔ جب عام مؤمنین کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام و مرتبہ کتنا بلند ہوگا؟

تیرہ صدیوں بعد حیات صحابہ کا منہ بولتا ثبوت

۵...... حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا عجیب واقعہ: (ان دو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارات اول مدائن میں تھے اس کے بعد ایک خاص واقعہ ظہور پذیر ہوا جس کی وجہ سے ان دونوں حضرات کو موجودہ جگہ سلمان پارک کے قریب منتقل کر دیا گیا)

☆...... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان (م ۳۶ھ) جن کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف صحابہ میں سے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص راز دار اور ذاتی دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر حذیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ اور اس کے والدین کو بخش دے۔ غزوہ احد و خندق میں شریک ہوئے بلکہ غزوہ احد میں عورتوں کی حفاظت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی۔ جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دریائے دجلہ کے اردگرد کے علاقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ بعد میں آپ نے آذربائیجان کا علاقہ فتح کیا اور مدائن

کے گورنر مقرر رہے۔ یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی تھے، جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن جمع کرنے کا مشورہ دیا۔

☆...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (م ۷۴ھ) جید صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے وقت آپ سے قرض لیا کرتے تھے۔ خندق سمیت بہت سے غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، بیعت رضوان اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ بھی موجود تھے۔

یہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم سلمان پارک سے دو فرلانگ کے فاصلے پر دریائے دجلہ کے کنارے مدفون تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں عراق کے شاہ فیصل اوّل سے فرمایا: ''میری قبر میں پانی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قبر میں نمی آنی شروع ہوگئی ہے۔ اس لئے آپ ہم دونوں کو یہاں سے منتقل کردیں اور دریا سے کچھ فاصلہ پر دفن کردیں، صبح ہوئی تو بادشاہ اپنے روزمرہ اپنے معمولات میں مصروف رہا اور اسے یہ خواب بھول گیا۔ دوسری رات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھر یہی بات دہرائی اور شاہ فیصل پھر بھول گیا۔ تیسری رات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ عراق کے مفتی اعظم کے خواب میں آئے اور کہا ہم دو راتوں سے بادشاہ سے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں یہاں سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرو، مگر وہ ہر روز بھول جاتا ہے۔ آپ بادشاہ کو متوجہ کریں اور ہمیں یہاں سے منتقل کریں۔ مفتی اعظم بیدار ہوئے اور فوری طور پر وزیر اعظم کو ساتھ لے کر شاہ فیصل کے پاس آئے۔ شاہ نے مفتی اعظم کی بات سن کر تصدیق کی کہ وہ تین راتوں سے ایسا خواب دیکھ رہے ہیں۔ مفتی اعظم نے شاہ پر زور دیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات کی جگہ تبدیل کریں۔ شاہ نے تجویز دی کہ پہلے اس بات کی تصدیق کرلینی چاہئے کہ آیا دریا کا پانی ان کے مزارات کی طرف آ بھی رہا ہے کہ نہیں؟

چنانچہ محکمہ تعمیرات نے دریا سے بیس فٹ پر بورنگ کی اور لیبارٹری ٹیسٹ کے لئے اس موقع پر مفتی اعظم ساتھ رہے، لیکن جو رپورٹیں مرتب ہوئیں، اس میں پانی کا مزارات کی طرف آنا تو درکنار، نمی تک ثابت نہ ہوسکی۔ لیکن اس رات پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خواب میں شاہ سے اپنا مطالبہ دہرایا لیکن چونکہ ماہرین تعمیرات کی رپورٹیں شاہ کو مل چکی تھیں۔ اس لئے اس نے اسے محض خواب سمجھ کر نظر انداز کردیا۔ اگلی رات حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مفتی اعظم کے خواب میں آئے اور انہیں سختی سے کہا کہ پانی ہمارے مزارات میں گھسا چلا آرہا ہے آپ پرواہ نہیں کر رہے، فوراً منتقل کریں۔ مفتی اعظم اسی وقت گھبرائے ہوئے شاہ فیصل کے پاس پہنچے اور اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ شاہ نے اس موقع پر جھنجھلاہٹ کا اظہار کیا اور کہا کہ مفتی صاحب آپ ماہرین کی رپورٹ ملاحظہ کرنے کے باوجود مجھے پریشان کررہے ہیں۔ مفتی اعظم نے کہا کہ لیکن رپورٹوں کے باوجود مجھے اور آپ کو برابر حکم دیا جارہا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ براہ کرم مزارات کھلوا دیجئے۔ شاہ نے اس پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بہتر ہے آپ فتویٰ دے دیں۔ فتویٰ دینے کے ساتھ ہی سرکاری طور پر اعلان کردیا گیا۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر ظہر کی نماز کے بعد حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے مزارات کھولے جائیں گے اور انہیں دوسری جگہ دفن کیا جائے گا۔ یہ اشتہارات اخبارات میں شائع کرادیئے گئے۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی دنیا اسلام میں کھلبلی مچ گئی۔ دنیا بھر کے نشریاتی اداروں اور اخبارات کے نمائندے عراق پہنچنا شروع ہوگئے۔ چونکہ حج قریب تھا اس لئے حکومت عراق نے مسلمانان عالم کی اپیل پر حج کے بعد مزارات کے کھولنے کی اپیل منظور کرلی۔ اب صورتحال یہ بنی کہ پوری دنیا سے عراق کے شاہ کو تار اور ٹیلی فون موصول ہونے شروع ہوگئے کہ مزارات کی تاریخ بڑھائی جائے تاکہ وہ اصحاب کے جنازوں میں شریک ہوسکیں۔ لیکن ادھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا تقاضا بڑھ رہا تھا جلدی کرو ہمیں منتقل کرو۔

بہر حال عید کے دس دن بعد مزارات کھولنے کا فیصلہ ہوا۔ اس دوران تقریباً پانچ لاکھ افراد سلمان پارک میں جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی اس عجیب وغریب صورتحال کو بہ نظر خود دیکھنے کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ حکومت عراق نے کسٹم ویزا اور کرنسی وغیرہ کی پابندیاں ختم کر دیں۔ دنیا اسلام کے سرکاری وفود کے علاوہ مصر کے شاہ فاروق بھی جنازے میں شرکت کے لئے آئے، شاہ عراق اور عمائدین حکومت کے علاوہ پانچ لاکھ افراد کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو واقعتاً حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک میں پانی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک میں نمی آ چکی تھی۔ حالانکہ رپورٹیں اس کے برعکس تھیں اور دریا بھی دو فرلانگ کے فاصلے پر بہہ رہا تھا۔ اب ہر دو صحابہ کو قبور سے باہر لانے کا مسئلہ تھا۔ اب جدید کرین کے ذریعے اس میں سٹریچر کس دیا تھا۔ دونوں حضرات کو پورے احترام سے اس طرح اٹھایا گیا کہ ان کے جسم مبارک سٹریچر پر آ گئے۔ شاہ عراق، شاہ مصر اور مصطفیٰ کمال پاشا کے نمائندے وزیر مختار نے سٹریچر کو کندھا دیا اور بڑے ادب واحترام سے دونوں صحابیوں کو شیشے کے بکس میں رکھ دیا گیا۔

حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے چہروں سے کفن ہٹائے گئے اور لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ دونوں صحابہ کے جسم مبارک بالکل صحیح وسالم تھے، آنکھیں کھلی ہوئی تھی جیسے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوں، سر اور داڑھی کے بال بالکل محفوظ تھے۔ حتیٰ کہ کفن تک صحیح حالت میں تھا۔ کوئی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال پہلے کے انسانوں کے وجود ہیں، ان کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی کہ کوئی شخص لحہ بھر کو انہیں نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس موقع پر جرمنی کا مشہور ماہر چشم بھی موجود تھا، اس نے پرانی عادت اور پیشے کے مطابق صحابیوں کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا مگر اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور بعد میں اس نے مفتی اعظم عراق کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا، اس موقع پر عراق کی فوج نے سلامی دی۔ چونکہ لاکھوں افراد جنازے میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرنے آئے تھے اور مزار کھولنے کا منظر دیکھنے سے قاصر تھے، ہڑبونگ کا بھی ڈر تھا، اس لئے سکرینوں پر بذریعہ ٹی وی تمام کارروائی دکھائی جارہی تھی، زیارت عام کے بعد جنازوں کو سلمان پارک کی طرف لایا گیا، لاکھوں کا مجمع ساتھ تھا، ہر کوئی کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا، ہوائی جہاز فضا میں پھول برسا رہے تھے، نئے مزارات کے قریب جنازے لائے گئے۔ گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔ اللہ اکبر کے نعروں میں دونوں یاران نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نئے مزارات میں منتقل کر دیا گیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین!

دور جدید میں یہ اسلام کی حقانیت کا اتنا بڑا اور واضح ثبوت تھا کہ لاتعداد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ عرصے تک عراق کے سینماؤں میں اس فلم کی نمائش کی گئی۔ (رحمت کائنات ص ۷۳، ۷۴ بحوالہ صدق، لکھنو تمبر ۱۹۴۴ء۔ موت اور عذاب قبر کے عبرتناک واقعات ص ۱۴۱ تا ۱۴۶، از ڈاکٹر نور احمد نور صاحب)

۶...... **حضرت زید رضی اللہ عنہ کا انتقال کے بعد کلام کرنا:** حضرت زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، جنہوں نے عہد عثمانی میں وفات پائی۔ کتب تاریخ میں ان کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ انہوں نے وفات کے بعد گفتگو فرمائی اور عجیب انداز سے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے مناقب بیان فرمائے۔

چنانچہ اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ جب حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو انہیں ایک چادر اوڑھادی گئی۔ پھر لوگوں نے ان کے سینے سے گھنٹی کی مثل کچھ آوازیں سنیں۔ اس کے بعد اچانک وہ یوں گویا ہوئے۔ ''فقال احمد احمد فی الکتاب الاوّل صدق صدق ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ الضعیف فی نفسہ القوی فی امر اللہ فی

الكتاب الاوّل، صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الكتاب الاوّل، صدق صدق عثمان بن عفان علی منهاجهم'' اور کہا احمد احمد پہلی کتابوں میں (ایسے ہی مذکور ہے) سچ کہا سچ کہا ابوبکر صدیق اپنی ذات میں تو ضعیف ہیں مگر دین کے کام میں قوی ہیں۔ اگلی کتاب میں ایسے مذکور ہے، سچ کہا سچ کہا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جو قوی اور امانت دار ہیں، اگلی کتابوں میں اسی وصف سے مذکور ہے سچ کہا سچ کہا عثمان بن عفان، جو انہی کے طریقے پر ہیں۔

(الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ترجمہ زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ ج۱، ذکر زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ۔ ازالۃ الخفاء: مترجم ج۱ ص ۴۷۳ مقصد اوّل فصل چہارم، احادیث خلافت۔ مدارج النبوۃ مترجم اردو ج۱ ص ۳۴۵)

فائدہ: امام بخاری، حافظ ذہبی، ابن حجر عسقلانی، امام ابن سعد، ابن عبدالبر اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ جیسے محدثین و محققین نے اس واقعہ کی تصریح و توثیق کی ہے کہ زید بن خارجہ وہی ہیں جنہوں نے موت کے بعد کلام کیا......

اس واقعہ سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عظمت و کرامت تو عیاں ہے ہی، مگر اس سے کہیں زیادہ ان کی موت کے بعد حیات اور اس کے قوی آثار ثابت ہوئے اور پھر حضرات خلفاء ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی منقبت و جلالت شان اور خلافت راشدہ کی حقانیت بھی خوب نکھر کر سامنے آ گئی۔ ''اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ (ق:۳۷)''

قارئین کرام! حضرت مولانا مفتی محمد رضوان صاحب مدظلہ...... (مذکورہ حدیثی دلائل، براہین و بینات اور واقعات و مشاہدات کی روشنی میں ساری بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ)

''جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ہر انسان کی وفات کے بعد عالم برزخ میں اس کی روح کو اس کے جسم کے کل یا بعض حصہ کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، اس لئے ہر انسان ہی عالم برزخ میں زندہ ہوتا ہے۔

اور اسی وجہ سے قبر و برزخ میں راحت و تکلیف (جو بھی اللہ کو منظور ہو) روح اور جسم دونوں کو محسوس ہوتی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ عالم برزخ میں غلبہ روح کو حاصل ہوتا ہے اور جسم دراصل روح کے مقابلہ میں مغلوب ہوتا ہے۔ لیکن کیونکہ عالم برزخ میں یہ سب کچھ دنیاوی زندگی والوں سے آڑ میں ہوتا ہے اور اسی وجہ سے مرنے کے بعد کے عالم کو عالم برزخ کہا جاتا ہے (اور برزخ کے معنی آڑ کے آتے ہیں) اس لئے دنیا میں زندہ انسانوں کو وہاں کے حالات نظر نہیں آتے۔ الا ان یشاء اللہ!

جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عالم برزخ والی زندگی سب سے اعلیٰ اور افضل ہوتی ہے، اس لئے روح لوٹا دیئے جانے کا یہ مطلب مراد لینا تو درست نہیں بنتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف سلام کے جواب کے وقت حیات حاصل ہوتی ہے۔ بالخصوص جب کہ کائنات بھر میں فرشتوں اور انسانوں کی طرف سے ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا جا رہا ہے اور کوئی وقت بھی سلام سے خالی نہیں اور دوسری صحیح احادیث بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے قبور میں حیات ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اور اسی وجہ سے محدثین نے گزشتہ حدیث میں مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیتے وقت روح لوٹا دیئے جانے کے کئی مطلب بیان کئے ہیں، جو علمی نوعیت کے ہیں اور اس سلسلہ میں عوام کے لئے سلامتی و عافیت کا راستہ یہ ہے کہ وہ اس میں کھود کرید سے پرہیز کریں اور یہ سمجھیں کہ اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور ہمیں تو اس حدیث کی روشنی میں یہ سمجھنا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امتیوں کے آپ پر پیش کئے جانے والے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔'' واللہ اعلم! (درود و سلام کے فضائل و احکام ص ۱۱۲ طبع ادارہ غفران۔ راولپنڈی)

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گل چیں بہار تو ز تنگی داماں گلہ دارد

دلائل از کتب امامیہ

۱...... شیخ ابو جعفر محمد بن حسن الطوسی (م ۴۶۰ھ) شیعہ مجتہد نے نقل کیا ہے: ''عن وھب قال قال ابو عبداللہ (ع) صلوا الی جنب قبر النبی ﷺ وان کانت صلاۃ المؤمنین تبلغه اینما کانو'' امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کی قبر کے پہلو میں کھڑے ہو کر درود پڑھو۔ اگرچہ مومنین کا درود آپ کو پہنچتا ہے، جہاں کہیں سے بھی ہو۔ (تہذیب الاحکام باب زیارۃ قبر النبی ﷺ ص ۶۷)

۲...... معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''قال ابو عبد اللہ (ع) اذا فرغت من الدعاء عند القبر فات المنبر فامسحه بیدیک وخذ بر مانتیه وھما السفلاوان فامسح عینیک ووجھک فانه یقال انه شفاء للعین وقم عنده فاحمداللہ واثن علیه وسل حاجتک فان رسول اللہ ﷺ قال مابین منبری وبیتی روضة من ریاض الجنة ومنبری علیٰ ترعة من ترع الجنة والترعة ھی الباب الصغیر ثم تأتی مقام النبی ﷺ فتصلی فیه مابدالک فاذا دخلت المسجد فصل علی النبی ﷺ واذا خرجت فاصنع مثل ذالک واکثر من الصلاۃ فی مسجد رسول اللہ ﷺ'' (ایضاً: باب زیارۃ النبی ﷺ ص ۶۷)

۳...... جمیل بن دراج فرماتے ہیں کہ: ''قال سمعت اباعبد اللہ (ع) یقول قال رسول اللہ ﷺ ما بین منبری وبیتی روضةمن ریاض الجنة ومنبری علیٰ ترعة من ترع الجنه وصلاۃ فی مسجدی تعدل الف صلاۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام ......'' (ایضاً: باب زیارۃ النبی ﷺ ص ۶۷)

☆...... شیخ الطائفہ ابی جعفر بن محمد بن حسن الطوسی نقل کرتے ہیں کہ: ''(وبالاسناد) قال! اخبرنا ابو علی الحسن بن محمد بن الحسن بن علی الطوسی قال: اخبرنا الشیخ الوالد ابو جعفر محمد ابن محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ قال! اخبرنا محمد بن محمد قال! اخبرنی ابو جعفر محمد بن الحسین البزوفری رحمۃ اللہ علیہ عن ابیه الحسین بن علی ابن سفیان قال! حدثنا عبداللہ بن مزید ان البجلی قال! حدثنا الحسن بن ابی عاصم قال! حدثنا عیسیٰ بن عبداللہ عن ابیه عن جده عن امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ! من سلم علی فی شئی من الارض ابلغته، ومن سلم علی عند القبر سمعته'' امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول خدا سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! جو کوئی زمین کے کسی کونے سے بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، وہ مجھ تک پہنچ جاتا ہے اور جو میری قبر کے نزدیک آ کر مجھ پر سلام کرتا ہے، وہ میں سنتا ہوں۔ (امالی الشیخ الطوسی ج ۲ ص ۶۱، ۶۲ طبع لاہور)

۴...... ''والمروی عن جعفر بن محمدانه کان یتولا ھما ویاتی القبر فیسلم علیھما مع تسلیمه علی رسول اللہ ﷺ'' مطلب یہ ہے کہ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دوستی اور مودت رکھتے تھے۔ جس وقت وہ نبی کریم ﷺ (کی قبر شریف پر) صلوۃ وسلام کرنے کے لئے حاضر ہوتے تو ابوبکر الصدیق اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کی قبور پر بھی سلام کہتے تھے۔ (کتاب الشافی ص ۲۳۸ از سید مرتضی علم الہدیٰ، شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ۴-۱۴۰)

مذکورہ دلائل میں ائمہ کے فرمان سے عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ حیات شیخین رضی اللہ عنہما کا بھی اثبات ہوا۔ اس کے باوجود منکرین کا قبر کے ثواب وراحت کا انکار کرنا، حیرت انگیز ہی نہیں، پیغمبر ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بغض کا غماز بھی ہے۔ والفضل ماشھدت به الاعداء

باب سوم: عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے متعلق مذاہب اربعہ کی عبارات

(۱) حضرات احناف رحمۃ اللہ علیہم

۱...... حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں: ''واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق'' قبر میں روح کا بندے کے حق میں لوٹایا جانا حق ہے۔ (الفقہ الاکبر ص ۱۰۰ طبع ملتان)

☆...... حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ''واعادۃ الروح ای ردھا او تعلقھا الی العبد ای جسدہ بجمیع اجزائھا او ببعضھا مجتمعۃ او متفرقۃ فی قبرہ حق'' اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا مکمل طور پر رد کرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف تمام اجزاء بدن میں یا بعض میں عام اس سے کہ اس کے اجزاء مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۰۰ طبع ملتان)

۲...... امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ اشاعرہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وعندھم محمد صلوات اللہ علیہ حی فی قبرہ'' اشاعرہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ (الرسائل القشیریہ ص ۱۰)

۳...... امام عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلی مجد الدین ابو الفضل الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۸۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''یَدْنو مِنہُ قَدرَ ثَلاثَۃِ أذْرُعٍ أوْ أرْبَعَۃٍ، وَلَا یَدنو مِنہُ أکْثَرَ مِنْ ذَلِکَ، وَلَا یَضَعُ یَدَہُ عَلَی جِدَارِ التُّرْبَۃِ فَھُوَ أھْیَبُ وَأعْظَمُ لِلْحُرْمَۃِ، وَیَقِفُ کَمَا یَقِفُ فِی الصَّلَاۃِ، وَیُمَثِّلُ صُورَتَہُ الْکَرِیمَۃَ الْبَھِیَّۃَ صلی اللہ علیہ وسلم کَأنَّہُ نَائِمٌ فِی لَحْدِہِ، عَالِمٌ بِہِ یَسْمَعُ کَلَامَہُ، قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ صَلَّی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُہُ'' روضہ مبارک کی زیارت کرنے والے کو چاہئے کہ تین چار گز کے فاصلہ پر کھڑا ہو اور اس سے زیادہ قریب نہ ہو، حد ادب ملحوظ رکھے اور دیوار پر ہاتھ مت رکھے، کیونکہ ایسا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وحرمت کے خلاف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا تصور یوں کرے کہ حضور لحد میں آرام فرما ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری قبر کے نزدیک سلام پڑھتا ہے، میں خود سنتا ہوں۔ (الاختیار لتعلیل المختار کتاب الحج، باب الھدی ج ۱ ص ۱۷۶، فتاویٰ عالمگیریہ کتاب المناسک الباب التاسع، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۶۵)

۴...... امام محمد بن احمد بن الضیاء المعروف بابن الضیاء الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۴ھ) فرماتے ہیں: ''أنَّ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم أَحْیَاہُ اللہُ بعدمَوتہ حَیَاۃً تَامَّۃً واستمرت تِلْکَ الْحَیَاۃُ إلَی الْآنَ، وَھِیَ مستمرۃ إلَی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ إنْ شَاءَ اللہُ تَعَالَی، ویشارکہ فِی ذَلِکَ جَمِیعُ الْأَنْبِیَاءِ علیہم السلام'' ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے موت کے بعد ہمیشہ کے لئے زندہ قرار دیا ہے اور یہ حیات اس وقت سے لے کر آج تک اور آج سے لیکر قیامت تک ہمیشہ رہے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور اس شان میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی آپ کے شریک ہیں۔ (تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام: باب ذکر حکم زیارۃ النبی وفضلہا ج ۱ ص ۳۳۶، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد محمد بن یوسف الصالحی ج ۱۲ ص ۳۶۰)

۵...... علامہ بدر الدین عینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وَأرَادَ بالموتتین الْمَوْتَ فِی الدُّنْیَا وَالْمَوْتَ فِی الْقَبْرِ، وھما الموتتان المعروفتان المشھورتان، فَلِذَلِکَ ذکرھُمَا بالتعریف، وھما الموتتان الواقعتان لکل أحد غیر الْأَنْبِیَاءِ علیہم السلام فَإنَّھم لَایموتون فِی قُبُورِھم، بل ھم أَحیَاءٌ وَأما سَائِرُ الْخَلْقِ فَإنَّھم یموتون فِی الْقُبورِ ثُمَّ یحیون یَوْمَ الْقِیَامَۃ'' دو موتوں سے ایک وہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے اور دوسری وہ

ہے جو قبر میں آتی ہے۔ یہی دو معروف و مشہور موتیں ہیں، اس لئے ان کو (الف ولام حرف تعریف سے ذکر کیا ہے) ہاں! حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے، بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب، وکتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔

(عمدۃ القاری باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا ج ۱۶ ص ۱۸۵)

۶...... علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں: ''وَتَستَقبِلَ الْقَبرَ بِوَجهِکَ ثُمَّ تَقُولَ السَّلَامُ عَلَیکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهُ، ... وَذٰلِکَ أَنَّهُ عَلَیهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِی الْقَبرِ الشَّرِیفِ الْمُکَرَّمِ عَلَی شِقِّهِ الأَیمَنِ مُستَقبِلَ الْقِبلَةِ... ثُمَّ یَسأَلُ النَّبِیَّ ﷺ الشَّفَاعَةَ فَیَقُولُ یَا رَسُولَ اللهِ أَسأَلُکَ الشَّفَاعَةَ، یَا رَسُولَ اللهِ أَسأَلُکَ الشَّفَاعَةَ... وَلْیُکثِرْ دُعَاءَهُ بِذٰلِکَ فِی الرَّوضَةِ الشَّرِیفَةِ عَقِیبَ الصَّلَوَاتِ وَعِندَ الْقَبرِ، وَیَجتَهِدَ فِی خُرُوجِ الدَّمعِ فَإِنَّهُ مِن أَمَارَاتِ الْقَبُولِ، وَیَنبَغِی أَن یَتَصَدَّقَ بِشَیْءٍ عَلَی جِیرَانِ النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ یَنصَرِفَ مُتَبَاکِیًا مُتَحَسِّرًا عَلَی فِرَاقِ الْحَضرَةِ الشَّرِیفَةِ النَّبَوِیَّةِ وَالْقُربِ مِنهَا'' تم حضور انور ﷺ کی قبر شریف کے سامنے ہوکر السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته عرض کرو......اور یہ اس لئے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں...... پھر حضور انور سے شفاعت کرنے کی التجاء بھی کرے اور کہے کہ یا رسول اللہ! میں شفاعت کے لئے سوال عرض کرتا ہوں، روضہ شریف میں درود شریف کے بعد......اور قبر کے پاس پھر کثرت سے دعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے۔ کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اور چاہئے کہ روضہ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے، پھر روتا ہوا آپ ﷺ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ کتاب الحج، مسائل منثورہ ج ۳ ص ۱۸۰ تا ۱۸۳)

۷...... شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ) فیصلہ کن بات فرماتے ہیں: ''من أنکر الْحَیَاةَ فِی الْقَبرِ، وهم الْمُعتَزِلَةُ'' جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی حیات کا انکار کیا، وہ معتزلہ ہیں۔

(عمدۃ القاری کتاب بدء الخلق، باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا ج ۱۶ ص ۱۸۵)

۸...... علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''فَإِنَّهُم لَا یموتون فِی قُبُورِهم، بل هم أَحیَاءٌ وَأما سائر الْخلق فَإِنَّهُم یموتون فِی الْقُبُورِ ثُمَّ یحیون یَومَ الْقِیَامَةِ وَمذهب أهل السنة وَالْجَمَاعَةِ أَن فِی الْقَبرِ حَیَاةً وموتاً فَلَا بُدَّ من ذوق الموتتین لکل أحد غیر الأَنبِیَاءِ'' یقیناً انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔ انبیاء کے علاوہ ہر ایک کے لئے دو موتوں کا چکھنا اور پھر قیامت کے دن زندہ ہونا ضروری ہے، اہل سنت والجماعت کا مذہب یہی ہے۔ (عمدۃ القاری کتاب بدء الخلق باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا ج ۱۶ ص ۱۸۵)

۹...... علامہ شہاب الدین فضل اللہ حسین تور بشتی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۶۰ھ) فرماتے ہیں: ''وازاں جملہ آنست کہ بدانند کہ کالبدے رازمین نہ خورد بوسیدہ نشود چوں زمین ازوے شگافتہ شود کالبدے بحال خود باشد و حشر وے و جملہ انبیاء چنیں باشد و حدیثے درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء...... هم احیاء فی قبورهم یصلون و اول همه پیغمبر ما بر خیزد از گور'' ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہئے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا

حشر ہوگا اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک حرام کردیئے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر سے ہمارے پیغمبر ﷺ اٹھیں گے۔
(کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲، فصل ۲ للتورپشتی)

۱۰...... حضرت ملاعلی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں کہ: ''المعتقد المعتمد أنه ﷺ حي في قبره كسائر الأنبياء في قبورهم وهم أحياء عند ربهم وأن لأرواحهم تعلقا بالعالم العلوي والسلفي كما كانوا في الحال الدنيوي فهم بحسب القلب عرشيون وباعتبار القالب فرشيون والله سبحانه وتعالى أعلم'' قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں، جس طرح دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے عالم ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا، سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔ (شرح شفاء لملاعلی القاری، الباب الرابع فی حکم الصلاۃ، فصل فی تخصیصہ ج ۲ ص ۱۴۳)

☆...... حضرت ملاعلی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) مزید فرماتے ہیں کہ: ''أن الأنبياء أحياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلاة من صلى عليهم'' بے شک انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں اس شخص کے درود وسلام کو جو ان پر پڑھے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ باب الجمعہ ج ۵ ص ۳۲)

۱۱...... حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں: ''برزخ صغری چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است، گنجائش ترقی دارد، واحوال ایں موطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشد'' برزخ صغریٰ چونکہ ایک جہت سے دنیاوی وطنوں میں سے ہے، اس لئے ترقی کی گنجائش رکھتا ہے۔ اس مقام کے احوال مختلف اشخاص کے حالات پر نظر کرنے کے باعث باہم بہت فرق رکھتے ہیں۔ ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (انبیاء علیہم السلام قبر میں نماز پڑھتے ہیں) آپ نے سنا ہوگا کہ ہمارے حضرت علیہ السلام معراج کی رات جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی قبر پر گزرے تو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جب اسی وقت آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو وہاں پایا۔
(مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر دوم مکتوب نمبر ۱۶، ج ۲ ص ۶۵ طبع اسلامی کتب خانہ لاہور)

۱۲...... حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ: ''حیات انبیا متفق علیہ است هیچ کس را درو بے خلافے نیست'' حضور انور ﷺ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳، طبع لکھنؤ)

۱۳...... علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں کہ: ''ومما هو مقرر عند المحققين أنه ﷺ حي يرزق متمتع بجميع الأعمال والعبادات غير أنه حجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات . . ينبغي لمن قصد زيارة النبي ﷺ أن يكثر من الصلاة عليه فإنه يسمعها أو تبلغ إليه'' محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انور ﷺ زندہ ہیں، آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں، جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں...... جو شخص حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرنے کے لئے آئے، اسے چاہئے کہ کثرت سے درود عرض کرے کیونکہ آپ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ (مراقی الفلاح کتاب الحج باب زیارۃ النبی ﷺ ص ۲۸۳)

۱۴...... حضرت عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ: ''اس سے میں یہ سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی روح جسمانی شکل میں صورت پذیر ہوسکتی ہے۔ چنانچہ یہی وہ حقیقت ہے کہ جس کی طرف آپ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے، بیشک انبیاء کو اوروں کی طرح موت نہیں آتی، وہ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے اور حج کرتے ہیں اور انہیں وہاں زندگی نصیب ہوتی ہے......''

(فیوض الحرمین: مترجم اردو، نواں مشاہدہ ص ۱۱۸)

۱۵......علامہ احمد بن محمد الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۳۱ھ) فرماتے ہیں: ''فإنه يسمعها أى إذا كانت بالقرب منه صلى الله عليه وسلم قوله وتبلغ إليه أى يبلغها الملك إليه إذا كان المصلى بعيدا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں، جب قریب سے عرض کیا جارہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں، جب یہ دور سے پڑھا جارہا ہو۔

(حاشیہ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح کتاب الحج فصل زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۷۴۶)

۱۶...... حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''بالجمله انكار شعور وادراك اموات اگر كفر نه باشد در الحاد بودن او شبه نيست'' حاصل یہ ہے کہ مردوں کے شعور وادراک انکار کرنا اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں شک نہیں ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۸)

۱۷...... علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الدمشقی الحنفی المعروف شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ: ''فَقَدْ أَفَادَ فِي الدُّرِّ الْمُنْتَقَى أَنَّهُ خِلَافُ الْإِجْمَاعِ قُلْت وَأَمَّا مَا نُسِبَ إلَى الْإِمَامِ الْأَشْعَرِيِّ إمَامِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مِنْ إنْكَارِ ثُبُوتِهَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَهُوَ افْتِرَاءٌ وَبُهْتَانٌ وَالْمُصَرَّحُ بِهِ فِي كُتُبِهِ وَكُتُبِ أَصْحَابِهِ خِلَافُ مَا نُسِبَ إلَيْهِ بَعْضُ أَعْدَائِهِ لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمْ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ'' در منتقی میں ہے کہ یہ بات خلاف اجماع ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ امام اہل سنت امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی حقیقتاً رسالت کی بقاء کے منکر تھے، یہ ان پر افتراء اور بہتان ہے کیونکہ ان کی اور ان کے تلامذہ کی کتابوں میں صراحتاً اس کے برعکس مذکور ہے، دراصل یہ بات ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دی ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (رد المحتار، کتاب الجہاد باب المغنم والقسمۃ، فصل فی کیفیۃ القسمۃ ج ۴ ص ۱۵۱)

۱۸...... علامہ ابن عابدین الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابن عبدالرزاق حنفی کی علم الفرائض کے متعلق نظم ''قلائد المنظوم'' کی شرح لکھی ہے، جس کا نام ہے ''الرحیق المختوم'' قلائد المنظوم میں موانع ارث (مجازیہ) میں سے نبوت کو بھی شمار کیا ہے کہ انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے: ''عدم موت المورث بناء على ان الانبياء احياء فى قبورهم كما ورد فى الحديث'' (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۲ طبع سہیل اکیڈمی لاہور)

☆...... بعض لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس بات کی غلط نسبت کر دی تھی کہ وہ (نعوذ باللہ) اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی صفت نبوت ختم ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس غلط نسبت کی تردید کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین الدمشقی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمْ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ'' کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔ (فتاویٰ شامی کتاب الجہاد، باب المغنم، فصل فی کیفیۃ القسمۃ ج ۴ ص ۱۵۱)

۱۹...... علامہ محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: ''والحياة فى القبر لا تستلزم الخروج وأنا أقول بها فى حق الأنبياء عليهم السّلام'' قبر میں زندگی اس بات کو مستلزم نہیں کہ صاحب قبر باہر بھی نکلے۔ ہاں! میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا قائل ہوں۔ (روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۱۶، سورۃ الاحزاب: ۴۰ تا ۴۹)

۲۰ ..... علامہ محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''فحصل من مجموع هذا الكلام المنقول والأحاديث أن النبي ﷺ حي بجسده وروحه وأنه يتصرف ويسير حيث شاء في أقطار الأرض وفي الملكوت وهو بهيئته التي كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شيء'' (روح المعانی الاحزاب: ۴۰ تا ۴۹ ج ۱۱ ص ۲۱۵)

۲۱ ..... مولانا احمد علی سہارنپوری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں: ''والاحسن ان يقال ان حياته ﷺ لا يتعقبها موت بل يستمر حيا والانبياء احياء في قبورهم'' بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی، بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (حاشیہ بخاری: باب قول النبی ﷺ لوکنت متخذا خلیلا، ج ۱ ص ۵۱۷، قدیمی کراچی)

۲۲ ..... حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۹ء) لکھتے ہیں کہ: ''وهو حي في قبره الشريف ولحوم الانبياء حرام على الارض كما ورد به الاثر'' آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم زمین پر حرام ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ (فتح الملہم شرح مسلم ج ۲ ص ۴۹۸)

۲۳ ..... حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ: ''الانبياء احياء في قبورهم يرزقون فلامانع ان يحجون قال القرطبي حببت اليهم العبادة فهم يتعبدون بمايجدون من دواعي انفسهم'' انبیاء علیہم السلام اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے تو یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے دلوں میں عبادت کی محبت ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ (فتح الملہم شرح مسلم کتاب الرؤیا، باب الاسراء برسول اللہ ج ۱ ص ۳۳۰)

(۲) حضرات مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم

۱ ..... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بن انس (م ۱۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وأكره مايقول الناس زرت قبر النبي ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الكراهة لغلبة الزيارة في الموتى وهو ﷺ احياء الله تعالى بعد موته حياة تامة واستمرت تلك الحيوٰة وهي مستمرة في المستقبل وليس هذا خاصة به ﷺ بل يشاركه الانبياء عليهم السلام فهو حي بالحياة الكاملة مع الاستغناء عن الغذاء الحسي الدنيوي'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ: میں نے حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین میں سے ابن رشد اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور حضور ﷺ وفات شریفہ کے بعد اب حیات تامہ سے زندہ ہیں اور حیات آئندہ بھی اسی طرح رہے گی۔ یہ صرف آپ ﷺ کا خاصہ ہی نہیں، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اس وصف میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ پس آپ غذائے حسی دنیوی سے استغناء کے باوجود حیات کاملہ سے زندہ ہیں۔

(نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمن ص ۱۴، مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۲۸۴، طبع جدید)

۲ ..... امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر القرطبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''باب لا تأكل الأرض أجساد الأنبياء ولا الشهداء وأنهم أحياء'' یہ باب ہے اس بارے میں کہ انبیاء اور شہداء زندہ ہوتے ہیں، جن کے اجسام کو زمین کی مٹی نہیں کھاتی۔ (التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ ص ۲۴۷)

۳...... امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ: ''فیجب الأدب معه كما في حياته إذ هو حي في قبره يصلي فيه بأذان وإقامة... ويكثر من الصلاة والسلام على النبي ﷺ بحضرته الشريفة حيث يسمعه ويرد عليه وقد روى أبو داود من حديث أبي هريرة أنه ﷺ قال ما من مسلم يسلم علىّ إلا رد الله علىّ روحي حتى أرد عليه السلام'' نبی کریم ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کرنے والے کو واجب ہے کہ ایسا ادب کرے جیسے حضور ﷺ کی حیات میں ادب لازم ہے...... اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ اب بھی اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھ رہے ہیں اور بوقت حاضری درود کی کثرت ہو، جسے نبی کریم ﷺ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور اتنا قریب ہو کر سلام پڑھے۔ جیسا کہ زندہ آدمی عادۃً سنتا ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو بھی مجھ پر سلام پڑھے تو میرے روح کا اعادہ ہوتا ہے، تاکہ میں اس کا جواب دوں۔ (الزرقانی علی المواہب المقصد العاشر، الفصل الثانی فی زیارۃ قبر الشریف ج ۳ ص ۵۹۸)

۴...... امام محمد بن احمد بن ابی بکر الاندلسی القرطبی المالکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''وروى الدارقطني ان رسول الله ﷺ قال من زار قبري او قال من زارني كنت له شهيداًاو شفيعاً... وفي رواية من زارني بعد مماتي فكانما زارني في حياتي اى لانه ﷺ حي في قبره'' حافظ دارقطنی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی، میں اس کا گواہ بنوں گا اور شفیع ہوں گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری (قبر کی) زیارت کی تو گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ (مختصر التذکرۃ القرطبیہ ص ۲۵)

(۳) حضرات شوافع رحمۃ اللہ علیہ

۱...... علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۱ھ) حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۳۰ھ) کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَمن عقائدنا أن الأنبياء علیہم السلام أحياء في قبورهم فأين الموت؟'' ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، تو پھر موت کہاں؟ (طبقات شافعیہ الکبریٰ: الطبقۃ الثالثہ ج ۳ ص ۳۸۴)

۲...... امام تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''عندنا رسول الله (ﷺ) حي يحس ويعلم وتعرض عليه أعمال الأمة ويبلغ الصلاة والسلام'' ہم شافعیہ کے نزدیک حضور اکرم ﷺ زندہ ہیں اور آپ میں احساس وشعور موجود ہے۔ آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور صلاۃ وسلام بھی آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔ (طبقات شافعیہ الکبریٰ: الطبقۃ الثالثہ ج ۳ ص ۴۱۲)

۳...... علامہ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں: ''فان الشهادة حاصلة له ﷺ على اتم الوجوه لانه شهيد الشهداء'' پس بے شک حضور ﷺ کو شہادت اتم درجے پر حاصل ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ شہیدوں کے بھی شہید ہیں۔ (القول البدیع ص ۱۷۳، بیروت)

۴...... علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''حياة النبي ﷺ في قبره هو وسائر الانبياء علیہم السلام معلومة عندنا علماً قطعياً لما قام عندنا من الادلة في ذالك وتواترت به الاخبار الدالة على ذالك'' آنحضرت ﷺ کی حیات اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات،

ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ (حاوی للفتاویٰ: باب انباء الاذکیاج ۲ ص ۱۳۹، بیروت)

۵...... علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ حیات النبی ﷺ کے تواتر کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان من جملۃ ماتواتر عن النبی ﷺ حیاۃ الانبیاء فی قبورھم'' یعنی جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوستوی ص ۴، طبع مصر)

۶...... حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''إنَّ حَیَاتَہ ﷺ فِی الْقَبر لا یعقبھا مَوْتٌ بَلْ یَسْتَمِرُّ حَیًّا وَالأَنْبِیَاءُ أَحْیَاءٌ فِی قُبُورِھِمْ'' آنحضرت ﷺ کی قبر میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(فتح الباری: باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا ج ۷ ص ۲۹)

۷...... علامہ نورالدین علی بن احمد السمہودی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: ''ولا شک فی حیاتہ ﷺ بعد وفاتہ، وکذا سائر الأنبیاء علیہم السلام أحیاء فی قبورھم حیاۃ أکمل من حیاۃ الشھداء التی أخبر اللہ تعالی بھا فی کتابہ العزیز ونبینا ﷺ سید الشھداء'' وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی حیات، شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں کیا ہے، بڑھ کر ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ تو شہداء کے (بھی) سردار ہیں۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ۴ ص ۱۷۹، الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ، بیروت)

۸...... امام احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وروی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أنھا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطیفۃ بمسجد النبی ﷺ فترسل إلیھم لا تؤذوا رسول اللہ ﷺ'' مسجد نبوی کے اردگرد کے مکانوں میں جب کہ کوئی کیل ٹھونکتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو پیغام بھجواتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ کو تکلیف مت دو۔

(المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ: المقصد العاشر الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف والمسجد المنیف ج ۳ ص ۵۹۴)

(۴) حضرات حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم

۱...... علامہ علی ابن عقیل بن محمد عقیل البغدادی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۱۳ھ) فرماتے ہیں: ''قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی'' حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ (الروضۃ البہیۃ ص ۱۴)

۲...... علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم المعروف ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ حنبلی (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

''ان اللہ تعالی حرم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء علیہم السلام فاخبر انہ یسمع الصلوۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذالک من البعید'' بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا گوشت کھائے، پس آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ قریب سے صلوۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے آپ ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔

(مجموع الفتاوی: باب الاحرام: العلۃ فی ادخال الحجرۃ فی المسجد ج ۲۶ ص ۱۴۷)

۳...... علامہ محمد بن ابوبکر بن ایوب بن سعد المعروف ابن قیم حنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''قد صح عن النبی أن الأرض لا تأکل أجساد الأنبیاء.........إلی غیر ذلک مما یحصل من جملته القطع بأن أموت لأنبیاء إنما هو راجع إلی أن غیبوا عنا بحیث لا ندر کهم وإن کانوا موجودین جاء وذالک کالحال فی الملائکة فإنهم أحیاء'' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین، انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی، ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے، ورنہ وہ ملائکہ ہیں جو موجود اور زندہ ہیں۔

(کتاب الروح: المسئلة الرابعة وهی ان الروح هل تموت ام الموت للبدن وحده اختلف ج ۱ ص ۳۶)

۴...... حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ: ''وبعد وفاته استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء ومع هذا فلها اشراف علی البدن وتعلق به بحیث یرد السلام علی من سلم علیه وبهذا التعلق رأی موسی قائما یصلی فی قبره'' (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹ طبع مصر)

باب چہارم: عقیدہ حیات الانبیاء کے متعلق علماء اہل حدیث کی توضیحات

۱...... قاضی محمد بن علی الیمنی الشوکانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''أَنَّهُ صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ فِی قَبْرِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ کَمَا فِی حَدِیثِ الْأَنْبِیَاءُ أَحْیَاءٌ فِی قُبُورِهِمْ وَقَدْ صَحَّحَهُ الْبَیْهَقِیُّ وَأَلَّفَ فِی ذَلِکَ جُزْءًا قَالَ الْأُسْتَاذُ أَبُو مَنْصُورٍ الْبَغْدَادِیُّ قَالَ الْمُتَکَلِّمُونَ الْمُحَقِّقُونَ مِنْ أَصْحَابِنَا إنَّ نَبِیَّنَا صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ بَعْدَ وَفَاتِهِ انْتَهَی وَیُؤَیِّدُ ذَلِکَ مَا ثَبَتَ أَنَّ الشُّهَدَاءَ أَحْیَاءٌ یُرْزَقُونَ فِی قُبُورِهِمْ وَالنَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْهُمْ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلہ میں انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ استاد ابو المنصور البغدادی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں محققین متکلمین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد زندہ ہیں۔ (ان کا بیان ختم ہوا) اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں۔

(نیل الاوطار: ابواب دخول مکہ وما یتعلق بہ، باب تحلل المحصر عن العمرة بالعزم الحلق ج ۵ ص ۱۱۳)

۲...... شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''والذی نعتقد ان رتبة نبینا علی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانه حی فی قبره حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذهو افضل منهم بلا ریب وانه صلی اللہ علیہ وسلم یسمع من یسلم علیه'' جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی سے متصف ہیں جو کہ شہداء کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے، آپ سنتے ہیں۔ (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ طبع کانپور)

ل ''اما المفترون علی ابن تیمیة رحمۃ اللہ علیہ بانه لا یری حیاة الانبیاء فهذا باطل، بل هو صرح بحیاتهم فی قبورهم''

(دعاوی المناوئین: لشیخ الاسلام ابن تیمیہ عرض ونقد ص ۴۰۰)

۳...... حضرت مولانا میاں نذیر احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (غیر مقلد) فرماتے ہیں: ''اور انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے۔ میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔'' (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۵۵ ضمیمہ)

۴...... حضرت نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وَالْمرَاد برد الرّوح النّطق لِأَنَّه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حَیّ فِی قَبره وروحه لَا تُفَارِقه لما صَحَّ أَن الْأَنْبِيَاء أَحيَاء فِی قُبُورهم'' ردروح سے مراد نطق ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح مبارک آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (دلیل الطالب لنواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۴۳)

۵...... مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں کہ: ''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم''
(عون المعبود: باب فضل یوم الجمعۃ ج ۳ ص ۲۶۱)

۶...... مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں کہ: ''قَالَ الْخَفَاجِیُّ أَقُولُ الَّذِی یَظْهَرُ فِی تَفْسِیرِ الْحَدِیثِ مِنْ غَیْرِ تَکَلُّفٍ أَنَّ الْأَنْبِیَاءَ وَالشُّهَدَاءَ أَحْیَاءٌ وَحَیَاۃُ الْأَنْبِیَاءِ أَقْوَی وَإِذَا لَمْ یُسَلَّطْ عَلَیْهِمُ الْأَرْضُ ......'' (عون المعبود: باب زیارت القبور ج ۶ ص ۲۱)

۷...... علامہ وحید الزمان خان صاحب (م ۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں کہ: ''اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں، وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے...... وہ مرنے کے بعد بھی جب حکم الٰہی ہوتا ہے اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اور ان کی روح سے زائر کو بہت سے فیض پہنچتے ہیں۔ اگر مردوں میں عموماً اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں مشروع ہوتا۔ کیا لکڑی پتھر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کرنے کا حکم دیا؟ اس کا وہی قائل نہ ہوگا جو نادان ہے۔'' (تیسیر الباری: کتاب الدعوات ج ۶ ص ۹۸)

☆...... علامہ وحید الزمان صاحب دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''حق یہ ہے کہ اگر کوئی قبر شریف کے پاس یوں کہے: السلام علیک یارسول اللہ تب تو جائز ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور زائر کا سلام سنتے ہیں۔ مگر دوسرے مقاموں میں اس طرح کہنا مفید نہیں، اس لئے کہ آپ کا سننا دوسرے مقاموں میں کہیں ثابت نہیں ہوا۔'' (تیسیر الباری ص ۶۹۸، حاشیہ نمبر ۳)

☆...... اسی طرح علامہ وحید الزمان صاحب اپنی ایک دوسری تالیف میں فرماتے ہیں کہ: ''پیغمبروں کے بدن گلتے نہیں، گو کتنی مدت گزر جاوے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں اور بدن مبارک آپ کا بالکل صحیح سالم ہے، مگر یہ زندگی دنیا کی زندگی سے بہت فرق رکھتی ہے، جس کو ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔''
(سنن ابوداؤد مترجم اردو، کتاب الصلاۃ باب فی الاستغفار ج ۱ ص ۶۱۵)

☆...... علامہ وحید الزمان اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ...... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو کوئی دور سے پڑھتا ہے تو فرشتے مجھ کو لا کر پہنچاتے ہیں۔'' (لغات الحدیث ج ۱ ص ۱۷، طبع نعمانی کتب خانہ لاہور)

دوست و دشمن سب تیرے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زبان سے کوئی قائل دل سے ہے

باب پنجم: عقیدہ حیات الانبیاء کے متعلق اکابرین دیوبند کی تصریحات

۱...... حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۹۷ء) فرماتے ہیں کہ: ''انبیاء کرام علیہم السلام کو انہی اجساد دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۳)

☆...... حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز قبر میں زندہ ہیں، مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزین ہیں۔'' (آب حیات ص ۱۰،۱۱)

☆...... حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ: ''لاجرم وقت ترک جو وقت موت ہے انبیاء علیہم السلام زندہ ہوں گے اور ان کی موت ان کی حیات کی ساتر ہوگی یعنی یہ موت رافع ودافع نہ ہوگی۔''

(آب حیات ص ۵۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

۲...... حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''ولان النبیین صلوات اللہ علیھم اجمعین لما کانوا احیاء فلامعنی لتوریث الاحیاء منھم'' جب کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب کے سب زندہ ہیں، تو ان کی وراثت زندوں کو ملنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ (الکوکب الدری ج ۱ ص ۴۲۳)

☆...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی وراثت تقسیم کیوں نہ ہوئی؟ بایں وجہ کہ آپ قبر شریف میں زندہ ہیں ''نبی اللہ حی یرزق'' (ہدایۃ الشیعہ ملحق تالیفات رشیدیہ ص ۵۶۱)

☆...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مواجہہ شریف پر حاضری کا طریقہ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''یارسول اللہ اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلماً علیٰ ملتک وسنتک'' اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں بحالت اسلام آپ کی ملت اور سنت پر مروں۔ (زبدۃ المناسک ص ۲۷۴، طبع ایچ ایم سعید کراچی)

☆...... حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مزید ایک جگہ فرماتے ہیں کہ: ''تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مجوز سماع موتی اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں۔ سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے۔ مگر انبیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے، پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹، ۱۰۰)

۳...... شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۳۹ھ) تائید فرماتے ہیں کہ: ''وھو معتقدنا ومعتقد مشائخنا جمیعاً لاریب فیہ'' کہ یہی ہمارا اور ہمارے جملہ مشائخ کا عقیدہ ہے اس میں کچھ شک نہیں۔

(المہند علی المفند ص ۸۸، ۸۹ طبع لاہور)

۴...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ: ''ان نبی اللہ حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم'' کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، جس طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (بذل المجہود شرح ابوداؤد: باب التشہد ج ۵ ص ۲۸۳، بیروت)

☆...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور صلاۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں۔ (براہین قاطعہ ص ۲۰۰)

☆...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام کیا جائے، اس کو حضرت خود سنتے ہیں'' (تذکرۃ الخلیل ص ۳۶)

☆...... مولانا عاشق الٰہی صاحب نقل کرتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء کا سبب ہے۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۳۷۰)

۵...... حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''حضرات انبیاء کرام علیہم السلام (موت کے بعد کی زندگی میں) شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر ظاہری اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ پس اس حیات میں قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔ البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء وصالحین بھی اس فضیلت میں شہداء کے شریک ہیں۔'' (بیان القرآن ج ۲ ص ۸۷-۹۷ طبع مجتبائی دہلی)

☆...... حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''بہرحال یہ بات اتفاق امت سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ ہیں۔'' (اشرف الجواب حصہ دوم ص ۲۵۶)

☆...... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ رہنا ثابت ہوا۔ یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔ اگرچہ شہدا کے لئے بھی رزق کا دیا جانا روایت میں آیا ہے مگر انبیاء علیہم السلام شہداء سے زیادہ کامل اور قوی ہیں۔'' (نشر الطیب ص ۲۳۰ طبع المیزان لاہور)

☆...... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے متعدد فتاوی میں لکھتے ہیں کہ: ''جو درود وسلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے پاس پڑھا جاتا ہے وہ آپ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھا جاتا ہے وہ فرشتوں کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر پیش کیا جاتا ہے۔'' (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۰۱، ۱۰۶، ۳۱۷، ۳۷۳)

☆...... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''تمام روایات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زندہ ہونے اور فرشتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام کرنے کے علاوہ چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱...... امت کے اعمال کا دیکھنا۔ ۲...... نماز پڑھنا۔

۳...... سلام کا قریب سے خود سننا اور دور سے فرشتوں کے ذریعے سے سننا اور جواب دینا۔

۴...... عالم برزخ کے مناسب غذا نوش فرمانا۔'' (نشر الطیب ص ۲۴۱ طبع المیزان لاہور)

☆...... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ایک شخص نے حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے کہا جو لوگ مقتول فی سبیل اللہ ہیں، ان کے حق میں ارشاد ہے: ''بل احیاء عند ربھم'' اور جو لوگ فی سبیل اللہ سے بڑھ کر مقتول فی اللہ ہیں، وہ کیونکر زندہ نہ ہوں گے؟ اور اس نکتہ پر مدار مسئلہ کا نہیں، اس میں حدیث صریح موجود ہے اور یہ تائید کے درجہ میں ہے۔'' (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۳۱۱، اشرف التفاسیر ج ۱ ص ۳۲۱)

۶...... حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲) فرماتے ہیں کہ: ''ولعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ابقوا علی ھذہ الحالۃ ولم تسلب عنھم'' انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازوں میں مشغول ہیں، شاید اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اس حالت (اشتغال باعمال طیبہ) پر باقی رکھے گئے ہیں، یہ کیفیت ان سے سلب نہیں کی گئی۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

☆...... حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''یرید بقولہ تعالی الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لاالارواح فقط'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں، سے مراد مجموعہ اشخاص ہیں نہ کہ فقط ارواح یعنی وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں۔ (تحیۃ الاسلام برحاشیہ عقیدۃ الاسلام ص ۱۱۹)

۷...... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۷ھ) اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''وہ عقائد واقوال جو طائفہ وہابیہ کے مشہور اور مابہ الامتیاز بین اہل السنۃ وبینھم ہیں، ان کے خلاف ان حضرات کی تصانیف بھری ہوئی ہیں اور یہ حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور شور سے اس پر دلائل قائم کرتے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں، رسالہ ''آب حیات'' نہایت مبسوط رسالہ خاص اسی مسئلہ کے لئے لکھا گیا ہے۔'' (نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۳)

☆...... حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مزید ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی، بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔'' (مکتوبات شیخ الاسلام، مکتوب نمبر ۴۴، ج ۱ ص ۱۵۳، طبع کراچی)

۸...... حضرت مولانا حسین علی صاحب الوانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۳ھ) ساکن واں بھچراں فرماتے ہیں کہ: ''وروی البیھقی وابن شیبہ ان بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ جاء الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال یارسول اللہ استسق لامتک فانھم ھلکو فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام واخبرہ انھم مسقون'' امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آئے اور عرض کیا یارسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خواب میں ملے اور ان کو خبر دی کہ بارش ہوگی۔ (تحریرات حدیث ص ۵۲۸، طبع پشاور)

۹...... حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں کہ: ''انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، مگر ان کی زندگی نہیں ہے، بلکہ برزخی اور تمام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے۔ اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے نیچے درجے کی ہے، دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں، انک میت وانھم میتون اس کی صریح دلیل ہے۔'' (کفایت المفتی کتاب العقائد ج ۱ ص ۸۰)

☆...... حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المہند علی المفند پر تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''رأیت الاجوبۃ کلھا فوجدتھا حقۃ صریحۃ لایحول حول سرادقاتھا شک ولاریب، وھو معتقدی ومعتقد مشائخی رحمہم اللہ وانا العبد الضعیف الراجی رحمۃ مولاہ المدعو بکفایت اللہ الشاہ جھانفوری الحنفی المدرس فی المدرسۃ الامینیۃ الدھلویۃ'' میں نے تمام جوابات دیکھے پس سب کو ایسا حق صریح پایا کہ اس کے اردگرد بھی شک یا ریب نہیں گھوم سکتا اور یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے مشائخ رحمہم اللہ کا عقیدہ ہے۔ میں ہوں بندہ ضعیف، امیدوار رحمت خداوندی، محمد کفایت اللہ شاہ جہانپوری حنفی مدرس امینیہ دہلی۔ (المہند علی المفند ص ۸۸)

☆...... حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت کی روح مبارک کے مجلس مولود میں آنے والے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''اوّل یہ کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل السنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کا روح مبارک کا مجالس میلاد میں آنا جسد سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے۔ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۰)

۱۰...... حضرت مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق صاحب نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''انهم اتفقوا علیٰ حیاته صلی اللہ علیہ وسلم بل حياة الانبياء عليهم السلام متفق عليها لا خلاف لاحد فيه'' محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(انوار المحمود شرح ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱۰)

۱۱...... حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ: ''من ینکر حیاته صلی اللہ علیہ وسلم فی قبره کان فؤاده فارغاًمن حبه و عقله خالیاًمن لبه'' جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے، اس کا دل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۹)

☆...... حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''واذا كان من جاء قبره كمن جاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فای مومن یرضیٰ نفسه بان لایجئی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو يقدر علیٰ ذالک ولو ببذل النفس والروح ومن الذی یمنع من شدالرحال لاجل ذالک وهو یعلم ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبره هو ماجاء قبره فقدجاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وانماينكر ذالک من ینکر حیاته صلی اللہ علیہ وسلم فی قبره'' جب یہ بات ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر آیا، وہ ایسا ہے جیسا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو کون مومن ایسا ہے کہ اس کا دل یہ پسند کرے کہ باوجود قدرت کے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے۔ اگر چہ اس کے لئے روح اور جسم کی قربانی دینی پڑے اور وہ کون ہے جو اس کام کے لئے شدرحال سے منع کرے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر آیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ یقیناً اس کا انکار وہی کرتا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا منکر ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۱۶)

۱۲...... حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ: ''ان نبیا صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر وانه يصلی فی قبره باذان واقامة'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ ثابت ہے اور اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم شرح مسلم باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ ج ۳ ص ۴۱۹، طبع انڈیا)

☆...... حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ان الانبياء افضل من الشهداء والشهداء احياء عند ربهم فكذالک الانبياء'' حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، تو اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۳۸۷)

☆...... حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''ودلت النصوص الصحيحة علیٰ حیات الانبياء عليهم الصلاة والسلام'' نصوص صحیحہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۳۷۳)

۱۳...... حضرت مولانا علامہ عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۱ھ) لکھتے ہیں کہ: ''ہمارے رسول اکرم ﷺ بھی زندہ ہیں اور اپنی قبر اقدس واطہر میں موجود ہیں اور ان کے احکام بھی امت کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان کی دی ہوئی کتاب اللہ ہمارے سینوں اور سفینوں میں ہے۔'' (تحفہ خلافت ص ۷۷ مجموعہ تفسیر آیات قرآنی طبع جہلم)

☆...... حضرت مولانا علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ: ''ہمارے نبی کریم ﷺ بھی اپنی قبر اقدس پر انوار میں موجود ہیں اور ایسی زندگی کے ساتھ کہ اس عالم کی کروڑوں زندگیاں اس پر قربان ہیں۔''

(ایضاً ص ۳۹۸، ۳۹۹)

☆...... حضرت مولانا علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام کے لئے حیات ابدی کا ثبوت تمام اہل اسلام کو مسلم ہے اور قرآن وحدیث سے واضح طور پر ظاہر ہے۔''

(حیات وخدمات علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۷، طبع ادرہ تحقیقات اہل سنت، لاہور)

۱۴...... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۴ھ) رقمطراز ہیں کہ: ''غرض یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے، محض روحانی نہیں ..... اور حدیث سے مقصود انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت اور ان کا امتیاز بیان کرنا ہے۔'' (سیرت مصطفیٰ ج ۳ ص ۲۵۱، ۲۵۲ طبع الطاف سنز کراچی)

۱۵...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۶ھ) فرماتے ہیں کہ: ''جمہور امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی حیات برزخی روحانی نہیں بلکہ جسمانی حیات ہے، جو حیات دنیوی کے بالکل مماثل ہے۔ بجز اس کے کہ وہ احکام کے مکلف نہیں ہیں..... صرف حیات روحانی کا قول جمہور علمائے امت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیت کوئی مستقل مذہب نہیں۔ جمہور اہلسنت والجماعت کے مکمل اتباع ہی کا نام ''دیوبندیت'' ہے جو عقیدہ جمہور اہل سنت کے خلاف ہے وہ دیوبندیت کے بھی خلاف ہے۔'' (الصدیق ملتان جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ، بحوالہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام ص ۱۴۷)

☆...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''تمام انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً رسول کریم ﷺ اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کی یہ حیات برزخی عام لوگوں کی حیات برزخی سے بدرجہا فائق وممتاز ہوتی ہے، جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ بہرحال اس حیات سے قیامت تک مومنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے استفاضہ نور کرتے رہیں گے اور جتنی محبت وتعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔'' (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷۷)

☆...... حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسا کوئی گھر سے غائب ہو، اسی لئے آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، اسی بناء پر آپ کی ازواج کا وہ حال نہیں، جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔'' (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۰۳)

۱۶...... حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ: ''الغرض انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے حیاۃ بقاء اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔ یہ حیات دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے۔ دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی اور برزخ میں ہوتی ہے۔ اب اگر اس کو حیات دنیوی سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے۔ بہرحال وہ حیات دنیوی بھی

ہے، برزخی بھی۔صرف حیات برزخی نہیں، جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں بلکہ اقویٰ واکمل ہے، اس لئے حیات دنیوی کے مماثل ہے، بلکہ اس سے بھی اقویٰ ہے۔'' (فتاویٰ بینات، کتاب العقائد ج ۱ ص ۵۸۳)

۱۷...... حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ: ''قلت ولانهم احياء فى قبورهم فالاموال باق على ملكهم'' (اوجز المسالک ج ۶ ص ۴۸۲)

☆...... حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک دونوں پر پیش ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اللہ کا نبی زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے، سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے ہر نبی مراد ہے۔''

(فضائل درود شریف ص ۳۹ طبع دہلی)

۱۸...... حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ: ''میرا عقیدہ وہی ہے جو حضرات اکابر دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، جو اس دنیا میں تھا۔ انبیاء علیہم السلام کا ابدان دنیاوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت والجماعت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ ہے۔'' (ہفت روزہ خدام الدین لاہور: دسمبر ۱۹۶۰ء، ۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ)

۱۹...... حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''عالم برزخ جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقیہ دنیویہ بجسدہم العنصری کا مسئلہ اہل سنت والجماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے۔''

(معارف بہلوی ج ۱ ص ۳۶۱۔تصدیق ''القول النقی فی حیاۃ النبی'' ص ۴۹)

۲۰...... حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۸ھ) فرماتے ہیں کہ: ''اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء علیہم السلام کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے...... جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور فرشتے کے ذریعہ یا براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو اللہ کے اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں، اس روحانی توجہ اور التفات کو ردّ روح سے تعبیر فرمایا گیا۔'' (معارف الحدیث حصہ پنجم ص ۲۳۸، طبع دارالاشاعت کراچی)

۲۱...... حضرت مولانا عبدالحق خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۸ء) بانی دارالعلوم حقانیہ (اکوڑہ خٹک) فرماتے ہیں کہ: ''وفات موعود کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہٖ محفوظ و مامون ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے، جو حیات دنیوی کے مماثل ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں، لیکن فطری تقاضے کی بناء پر مشغول بالعبادت ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے قریب جو درود وسلام پڑھا جائے اس کو آپ بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی تمام محدثین و متکلمین اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے۔'' (فتاویٰ حقانیہ ج ۱ ص ۱۵۸)

۲۲...... حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔'' (مقام حیات ج ۲۶۷ از علامہ خالد محمود صاحب)

۲۳...... حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام بجسد عنصری زندہ ہیں جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔'' (مقام حیات ص ۲۵۵ از علامہ خالد محمود صاحب)

۲۴...... حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۷ء) لکھتے ہیں کہ: ''شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچتا ہے کہ اس کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح وسالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث ومشاہدات شاہد ہیں اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء، شہیدوں سے بھی زیادہ قوت وامتیاز رکھتے ہیں...... ایک گروہ نے کہا ہے یہ حیات روحانی ہوتی ہے، لیکن ترجیح اسی قول کو ہے کہ جسمانی وروحانی دونوں ہوتی ہیں۔'' (تفسیر ماجدی ج ۱ ص ۲۸۶ طبع کراچی)

۲۵...... حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور میں سب احیاء ہیں...... لیکن یہ حیات حیات عنصری سے کچھ مختلف ہے۔'' (فتاویٰ مفتی محمود کتاب العقائد ج ۱ ص ۳۵۴)

☆...... حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''یہ امر مسلّم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہوئی، لیکن ساتھ ساتھ یہ امر بھی علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلّم اور مجمع علیہ ہے کہ بحالتِ موجود یعنی عالم برزخ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی حیات سے زندہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری کے ساتھ ایسا قائم کر دیا گیا ہے کہ اس دنیاوی جسد اطہر کے ساتھ (جسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے) تمام افعال وحرکات مثل سمع، بصر وبطش ومشی وکلام وغیرہا پر قادر ہیں۔ یہ عقیدہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ساکن وصامت قبر مبارک میں صحیح وسلامت موجود ہے اور اس سے افعال وحرکات کا صدور نہیں ہوتا، عقیدۂ فاسدہ ہے اور تمام علمائے اہل سنت والجماعت کے عقیدے اور علمائے دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے۔''

(تصدیق ''القول النقی فی حیاۃ النبی'' ص ۵۱، معارف بہلوی ج ۱ ص ۳۶۳)

۲۶...... حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''ثم اختلف فی ان عذاب القبر للروح فقط او للجسد مع الروح الثانی قول الجمهور وهو المشهور المختار ویؤیده الاحادیث کقوله علیه السلام فیقعدانه وقوله علیه السلام یضرب بین اذنیه وقوله السلام فافرشوه من الجنة والبسوه من الجنة فان کل ذالک من صفات الاجساد فعلم ان التعذیب یکون للجسد مع الروح'' اس بارے میں اختلاف ہے کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا جسم مع الروح کو، دوسرا قول جمہور کا ہے اور یہی مشہور اور مختار ہے اور اس بات کی تائید حدیث کرتی ہیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دو فرشتے اس کو بٹھاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اس کو دونوں کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اس کے لئے جنت کے بستر بچھا دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو تو یہ تمام صفات اجساد کی ہیں، سو معلوم ہوا کہ عذاب جسد اور روح، دونوں کو ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۵ حاشیہ نمبر ۴ کتاب الایمان باب اثبات عذاب القبر۔ طبع مکتبہ حقانیہ)

☆...... حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: ''صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔'' (مشکوٰۃ ص ۱۲۲، حاشیہ نمبر ۸ کتاب الصلوٰۃ فی الجمعۃ)

☆...... حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ بڑی صراحت کے ساتھ مسئلہ حیات کی یوں توضیح فرماتے ہیں کہ: ''تمام اولاد آدم کو موت کا پیالہ پینا ہے: ''کل نفس ذائقة الموت اور انک میت و انهم میتون۔ کل من علیها فان'' اعلان خداوندی ہے تمام نبی آدم خواہ عام ہوں یا پیغمبر ہوں، ضرور ایک وقت مرتے ہیں۔ اس کے ساتھ موت کے بعد بھی انسان میں ایک نوع حیات موجود رہتی ہے، جس سے وہ ثواب اور عذاب سمجھتا ہے۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ میت کو چار پائی پر قبرستان لے جاتے وقت اگر مومن ہے تو ''قدمونی۔ قدمونی'' مجھے جلد پہنچا دو کہتا ہے اور اگر نافرمان اور کافر ہے تو کہتا ہے کہ: ''اے مجھے ہلاکت ہو۔ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔'' قبر میں سوال منکر نکیر، میت سے دفن کے بعد لوگوں کے واپسی کے وقت جوتوں کا آواز سننا، قبر میں عذاب اور ثواب، یہ دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی انسان میں ایک قسم کی حیات موجود رہتی ہے۔ شہداء کے حق میں قرآن کا اعلان ''احیاء'' ''حیات میت'' کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کے ساتھ سردار انبیاء، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم، قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو حیات ان کی شان کے مناسب ہے، اللہ نے قبر میں وہ حیات ان کو دی ہے، جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے۔ مٹی کوئی اثر جسد اطہر پر نہیں کر سکتی۔ اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف جہراً سلام ڈالے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے، تو فرشتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں۔ احادیث شریف، فقہاے عظام، سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے یہ پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل سنت والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔ مسکین نصیر الدین غورغشتوی۔

(مقام حیات ص ۲۷۰، از علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ)

۲۷...... حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ: ''انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی عبادات اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے۔ بلکہ دوسروں کی درود بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے، ان کے جسموں کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ یہ جملہ صفات، حیات کی صفات ہیں، اس لئے ان کی حیات اور عبادت اس عالم میں بھی اہل جنت کی حیات اور عبادت کی شان رکھتی ہے۔ لہٰذا جب اس مسئلہ پر غور کرنا ہو تو احادیث کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ یہاں صرف اتنی ہی باتوں کو سامنے رکھنا حیات کی حقیقت سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ اس سے زیادہ اپنی جانب سے محض قیاس آرائیاں کرنا، بے وجہ عقائد کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور ان کی موت کو بالکل عام انسانوں جیسی موت سمجھنا بھی محدثین علماء کے خلاف ہے۔ جب کہ حدیث میں ان کے غسل، ان کے دفن، ان کی نماز، ان کے ترکہ اور ان کی بیویوں سے حرمت نکاح کے مسائل صاف صاف موجود ہیں تو ان کے حق میں بالکل عام موت کا عقیدہ رکھنا بھی کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۸۸ مکتبہ رحمانیہ)

۲۸...... حضرت مولانا مفتی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ مفتی دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ: ''البتہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے بارے میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ان کے جسد عنصری کو نہیں کھاتی ......اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شہیدوں سے دو درجہ بلند انبیاء علیہم السلام کا درجہ ہے اور ان میں بھی سب سے اونچا اور بلند پایا درجہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو خاتم الرسل اور خاتم انبیاء ہیں۔ لہٰذا ان کے درجہ بلندی اور خصوصیات کا احاطہ امتی کے بس میں نہیں اور اسی وجہ سے

عقیدہ ماثورہ ہے کہ جس حصہ زمین سے جسد اطہر ملا ہوا ہے وہ حصہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرش سے بھی زیادہ محبوب ہے۔" (نظام الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۷۱، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

۲۹...... حضرت مولانا مفتی محمود احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ: "اس میں شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حیات برزخی ثابت ہے...... اور انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے اقویٰ ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام امت کے جمیع احوال کا آپ کو بطور مشاہدہ علم ہوتا ہے، ایسا علم تو آپ کو حیات دنیوی میں نہیں تھا۔"

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۵۳۰ طبع جدید)

۳۰...... حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ: "حیات برزخیہ میں سب سے زیادہ قوی تر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہے ان کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی، حدیث شریف میں ہے۔" ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰)

اور ان کی حیات برزخیہ اس قدر ممتاز ہے کہ اس کے ظاہری آثار احکام دنیا بھی بعض امور میں ظاہر ہیں مثلاً ان کی میراث کا تقسیم نہ ہونا اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ان کی وفات کے بعد دوسروں سے نکاح جائز نہ ہونا۔

(انوار البیان ج ۱ ص ۲۲۰)

☆...... حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ ایک استفتاء کے جواب میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "میرا کوئی مسلک نہیں، میں علماء اہل سنت کے مسلک پر ہوں اور قبور میں حیات الانبیاء علیہم السلام کی جسمانی حیات کے منکرین کو گمراہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب!

(ماہنامہ حق چار یار جون ۲۰۰۰ء)

۳۱...... حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب سابق شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی، ارقام فرماتے ہیں کہ: "حیات انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اپنی قبور میں ایک حقیقت ہے جس کی تحقیق حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ کے ساتھ اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے ادلہ سمعیہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کی روشنی میں کر دی ہے مزید ضرورت نہیں......"

(ارشاد العلماء الی تحقیق مسئلہ سماع الموتی وحیات الانبیاء علیہم السلام ص ۵۰ طبع گوجرانوالہ)

۳۲...... حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۱۵ھ) فرماتے ہیں کہ: "ھو حی فی قبرہ کحیات الانبیاء وحرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء حیاتھم اعلی واکمل من الشھداء وشانھم ارفع فی الارض والسماء" آپ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قبر میں زندہ ہیں زمین پر حرام ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے اعلیٰ واکمل ہے اور انبیاء علیہم السلام کی شان آسمان اور زمین سے نہایت اونچی ہے۔ (ماہنامہ انوار القرآن، حافظ الحدیث نمبر ص ۱۲۲)

۳۳...... حضرت مولانا علاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ (ڈیرہ اسماعیل خان) فرماتے ہیں کہ: "دوسری بات یہ ہے کہ نکاح ہوتا ہے مردہ کی بیوی سے۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں چنانچہ حدیث پاک میں ہے: "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" پھر اعتراض ہوتا ہے کہ شہید بھی تو زندہ ہوتا ہے، اس کی بیوی سے نکاح کیوں جائز ہوتا ہے؟

جواب: انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ایسی ہوتی ہے جیسے دنیا کی حیات، اس لئے فرمایا: ''لا نورث'' انبیاء علیہم السلام کی وراثت بھی نہیں چلتی جب کہ شہداء کی حیات ایسی نہیں ہوتی کہ دنیوی زندگی پر بھی اس کا اثر پڑے۔ آسان الفاظ میں یوں سمجھو کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات اقوی ہوتی ہے اور شہداء کی حیات قوی ہوتی ہے۔ میں حیران ہو منکرین حیات پر کہ شہداء جو منعم علیہ ہونے میں تیسرے درجہ پر ہیں ان کی حیات کو مانتے ہیں، جب کہ انبیاء علیہم السلام اوّل درجے کے ہیں ان کی حیات مبارکہ کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ ان کے لئے تو بطریق اولیٰ حیات ثابت ہے۔''

(الہام الباری فی تقریر صحیح البخاری ج ۱ ص ۹۳، ۹۴)

☆...... حضرت مولانا علاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم جامعہ نعمانیہ (ڈیرہ اسماعیل خان) فرماتے ہیں کہ: ''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ اقدس میں روح کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں، قبر مبارک میں پڑھے جانے والے درود وسلام کو سنتے ہیں...... جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے نہ تو وہ دیوبندی کہلانے کا مستحق ہے اور نہ ہی اہل سنت والجماعۃ سے اس کا کوئی تعلق ہے، بلکہ وہ بدعتی ہے اس کی اقتداء میں نماز جائز نہیں۔''

(سہ ماہی مجلہ قافلہ حق ج ۲ شمارہ ۲ ص ۶۵ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ)

۳۴...... حضرت مولانا عبد اللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ: ''ہمارے اکابر دیوبند وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برزخی جسمانی کے اس طور قائل ہیں کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی وجود پاک کے ساتھ اپنے روضہ مبارک میں اس طرح زندہ تشریف فرما ہیں، جس طرح آپ اس دنیا میں تشریف فرماتھے۔''

(معارف بہلوی ص ۳۲۲، القول الحقی فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰)

☆...... حضرت مولانا عبد اللہ صاحب بہلوی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ: ''ہمارے اکابر واسلاف دیوبند رحمۃ اللہ علیہم ہمارے مرشدین نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہ اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی وفات کے بعد قبر مبارک میں جسمانی روحانی حیات سے زندہ ہیں، جو اس زندگی سے بھی افضل واکمل ہے جو دنیا میں تھی۔''

(القول الحقی فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۸، معارف بہلوی ص ۳۶۰)

۳۵...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (شہادت ۲۰۰۰ء) ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: ''میرا اور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں، یہ حیات برزخی ہے مگر حیات دنیوی سے بھی قوی تر ہے جو حضرات اس مسئلے کے منکر ہیں۔ میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا، نہ وہ علماء دیوبند کے مسلک پر ہیں۔'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۳۱۰، ۳۱۱، طبع جدید)

۳۶...... حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۴ھ) نقل کرتے ہیں کہ: ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوۃ وسلام سنتے ہیں،...... مندرجہ بالا عبارت مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بنیاد ہے۔'' (کشف خارجیت ص ۱۷۷ طبع چکوال)

۳۷...... حضرت علامہ مولانا محمد عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ: ''ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد کے ساتھ ہے جو روضہ اقدس میں موجود ومحفوظ ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روضہ

اقدس پر پڑھے گئے درود وسلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں اور جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں، اسی عقیدہ کو ''المہند علی المفند'' میں حیات برزخیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ حیات برزخی میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت کا نہیں، یعنی اس سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم برزخی ہے، اس لحاظ سے ہم اپنے آقا کو عالم برزخ میں فائز الحیات سمجھتے ہیں اور یہی جمہور اہل السنت کا مسلک ہے، عدم حیات کا قول صرف معتزلہ اور روافض کا ہے، مگر ۱۹۵۸ء میں پہلی بار چند لوگوں نے انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات کو محض برزخی روحانی حیات کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی، جب کہ ان کا یہ غلط نظریہ مسلک حقہ کے خلاف ہے، اس لئے کہ ''ولاتقولوا لمن یقتل۔۔۔'' آیت میں ''من یقتل'' بدن ہے نہ کہ روح پس ''من یقتل'' پر احیاء کا اطلاق اسی معنی میں آئے گا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ شہداء کو حیات جسمانی حاصل ہے اور اسی سے ان کی خصوصیت معلوم ہوئی ورنہ روحانی حیات تو عامہ مسلمین بلکہ کفار کو بھی حاصل ہے۔ باقی حدیث میں اگر ارواح شہداء کے لئے طیور خضر کا ذکر ہے تو عامہ مسلمین کی ارواح کا بھی سبز پرندوں میں ہونا حدیث میں مذکور ہے۔ پس نص قرآنی سے جب شہداء کی حیات جسمانی ثابت ہے تو انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور پھر سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہوگا؟ لہٰذا ازالعین کا انکار تو ہین آمیز رویہ اہانت نبوت اور مخالفت اہل سنت کا شاخسانہ ہے۔'' (نقوش زندگی سوانح حیات علامہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۳۰، ۲۳۱ از مولانا محمد عبدالحمید تونسوی)

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

☆...... حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ: ''شرعاً یہ فیصلہ اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق ہے، تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے جو شخص اس عقیدہ کو نہ مانے وہ اہلسنت والجماعت سے خارج ہے۔ ایسے شخص کو گمراہ کہنا چاہئے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ جناب امام الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع صلوۃ وسلام عندالقبر پر اجماع ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، عرب عجم کے علماء اہلسنت اس مسئلہ پر متفق ہیں جو شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا وہ سلف وخلف اہلسنت کے خلاف ہے، سنی نہیں ہے۔'' (قبر کی زندگی از مولانا نور محمد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۸۶)

۳۸...... حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک استفتاء کے جواب میں تائیدی دستخط فرمائے ہیں، وہ جواب ملاحظہ فرمائیں: ''کتب فقہ حنفی اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ عندالقبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام سنتے ہیں۔ سلف اہل سنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے عقیدے والے کو کافر ومشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے۔ العیاذ باللہ! اللہ تعالیٰ ایسی جسارت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمادے۔ واللہ اعلم بالصواب! عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

الجواب صحیح۔ لاشئی غلام اللہ...... جواب درست ہے۔ ناکارہ خلائق غلام ربانی ۲۲ صفر ۱۳۹۶ھ

۳۹...... حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۰۸ء) فرماتے ہیں کہ: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دیگر مخلوق کی طرح یقینی ہے۔ لاشک۔ مگر اس وفات کے بعد قبر مبارک میں اس جسم کے ساتھ جو دنیا میں آپ کا تھا، روح اطہر کے تعلق سے حیات حاصل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بلکہ تمام مومن اور کافر درجہ بدرجہ) قبر میں زندہ ہیں اور عندالقبر صلوۃ وسلام آپ خود سنتے اور جواب دیتے ہیں اور دور سے پڑھا ہوا درود شریف آپ کو

فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے اور قبر کے پاس آپ ﷺ (بلکہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما) کی سفارش سے اللہ تعالیٰ گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔''

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ، اگست، ۱۹۹۷ء۔ ماخوذ از ماہنامہ الشریعۃ دسمبر ۲۰۱۴ء خصوصی نمبر، افادات امام اہل سنت: ۳۲۵، ۳۲۶)

☆...... حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''بلا خوف و تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہل السنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت ﷺ (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، من ادعی خلافه فعلیه البیان ولا یمکن انشاء اللہ تعالیٰ الی یوم البعث والجزاء والمیزان۔ (تسکین الصدور ص ۲۹۰ طبع گوجرانولہ)

۴...... حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

سوال: ماقولکم رحمکم اللہ فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام اھی برزخیة او دینویة؟ بینوا توجروا الجواب ومنه الصدق والصواب حیاۃ الانبیاء علیہم السلام برزخیة ولکن بلغت حد الکمال فلذا یترتب علیها بعض الاحکام الحیاۃ الدنیویة من تحریم نکاح الازواج المطہرات وعدم اکل الارض اجسادھم وعدم جریان الارث فی اموالھم۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم'' ۱۵ رجمادی الاولیٰ ۷۳ھ

سوال: حیاۃ النبی ﷺ کی حقیقت پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: ومنه الصدق والصواب: بقاء روح تو ظاہر ہے اس میں کوئی شک نہیں، جمیع مسلمانوں بلکہ جملہ انسانوں کی ارواح بالاتفاق باقی رہتی ہیں فنا نہیں ہوتیں۔ پس انبیاء علیہم السلام یا شہداء پر احیاء کا اطلاق خصوصیت سے اس لئے ہوتا ہے کہ حیات سے مراد عدم تعطل اور موت بمعنی تعطل ہے۔ عام محاورات میں بھی تعطل پر موت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ ارواح انبیاء علیہم السلام چونکہ قبر میں معطل نہیں بلکہ عبادات مثل اذان، نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ افعال میں مشغول ہیں۔ لہٰذا ان پر حیات کا لفظ اطلاق کیا گیا اور جو لوگ دنیا میں اعمال خیر سے معطل تھے برزخ میں بھی ان کی ارواح خیر سے معطل رہتی ہیں اس تعطل پر موت کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ نفوس سعیدہ کے لئے بڑی لذت عبادت میں ہی ہے۔ اگر یہی نعمت ان سے قبر میں سلب کر لی جائے تو یہ امر ان کے لئے عذاب ثابت ہوگا کیونکہ لذت اور عبادت کا سلب ہو جانا بھی ایک بڑا عذاب ہے۔ پس بموجب ارشاد نبوی ﷺ ''قرۃ عینی فی الصلوۃ'' ان ارواح سعیدہ کو قبور میں بھی عبادات کی نعمت عطاء فرما کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کی جاتی ہیں، جیسے دنیوی حیات میں اعمال خیر کے ہزارہا مراتب ہیں۔ ایسے ہی دنیا میں تفاوت اعمال کی وجہ سے برزخی زندگی میں بھی تعطل اور اشغال فی اعمال الخیر کے مختلف مراتب ہیں۔ اس تقریر سے حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ: ''جب کوئی شخص مجھ پر سلام کہتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو رد کرتے ہیں تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔'' اس کا مقصد یہی ہے کہ حضور ﷺ ہر وقت معارف الٰہیہ میں مستغرق رہتے ہیں، جب کوئی سلام کہتا ہے اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں، معارف

الٰہیہ سے توجہ ہٹا کر عالم دنیا کی طرف توجہ کرنے کو رد روح سے تعبیر کیا گیا۔ جیسا کہ حضرت بلال کے بروقت نہ جاگنے کے عذر میں حضور ﷺ نے فرمایا: ان اللہ قبض ارواحکم حین شاء ردھا علیکم حین شاء، قبض ارواح سے مراد یہ ہے کہ نوم کی وجہ سے دنیوی افعال سے معطل ہو جاتی ہے اور رد سے مراد ہے افعال دنیا میں اشتغال وعدم تعطل غرضیکہ انبیاء، شہداء اور اولیاء چونکہ قبور میں افعال خیر سے معطل نہیں، اس لئے ان پر احیاء کا اطلاق کیا گیا ہے۔ باقی یہ اعتراض فضول ہے کہ قبور کی اذان وغیرہ کی آواز کیوں نہیں سنائی دیتی یا اولیاء قبور سے نکل کر حج میں دیکھائی نہیں دیتے، اس عالم برزخ کی مشابہت عالم رؤیا کے ساتھ ہے وجود عینی اور وجود ذہنی کی طرح وجود منامی اور وجود برزخی بھی ایک مستقل وجود ہے جیسا کہ نائم کے پاس بیٹھے والے کو کوئی علم نہیں ہوتا کہ اس وقت نائم کیا دیکھ رہا ہے حالانکہ اسے رویا میں بھی عذاب ہو رہا ہے سانپ کاٹ رہا ہے یا کوئی قتل کر رہا ہے یا خواب میں جماع کر رہا ہے یا پھل وغیرہ عمدہ عمدہ طرح طرح کے کھانے کھا رہا ہے یا خواب میں حج، زکوۃ، اذان، صلوۃ، صوم وغیرہ افعال ادا کر رہا ہے مگر پاس بیٹھے والے کو اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا ایسے ہی عالم برزخ افعال واعمال اور عذاب قبر وغیرہ تفصیلات اس عالم کے رہنے والوں پر مخفی ہے۔ ھکذا افادۃ مولانا الشاہ محمد انور الکشمیری قدس سرہ العزیز۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ صفر ۷۳ھ (احسن الفتاوی باب الجنائز ج ۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲)

☆...... حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

سوال: حضور اکرم ﷺ کی نماز جنازہ جماعت کی صورت میں ہوئی یا انفرادی صورت میں؟ اگر جماعت کے ساتھ ہوئی تو نماز کس نے پڑھائی؟ اگر انفرادی طور پر ہوئی تو اس میں کیا نکتہ ہے؟ بینوا توجروا!

الجواب باسم ملھم الصواب: حضور اکرم ﷺ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز جنازہ انفرادی پڑھی، ایک جماعت حجرہ شریفہ میں داخل ہوتی اور انفراداً نماز پڑھتی، جب یہ فارغ ہو کر نکلتی تو دوسری جماعت داخل ہوتی...... انہ لم یؤمھم احد علیہ کما مر لقول علیہ ھو امامکم حیا ومیتا فلا یقوم علیہ احد الحدیث رواہ ابن سعد۔ (زرقانی ج ۸ ص ۲۹۲)

بلا جماعت پڑھنے کی علماء نے کئی وجوہ بیان فرمائی ہیں۔'' زرقانی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ: ''حضور اکرم ﷺ حالت حیات کی طرح بعد الممات بھی خود امام ہیں۔'' (احسن الفتاوی ج ۴ ص ۲۲۷ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

۴۱...... حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۳۲) فرماتے ہیں کہ: ''حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے فرق صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ (خوشبو والا عقیدہ حیات النبی ص ۱۷ طبع الشہباز ساہیوال)

۴۲...... حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (حیات الاموات ص ۹۰، طبع لاہور)

۴۳...... حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم رقمطراز ہیں کہ: ''جاننا چاہئے کہ سواد اعظم اہل السنت الجماعت کا سلف وخلف سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے، وہ اسی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو دنیا میں آپ کو حاصل تھا اور جسے روضہ مطہرہ میں دفن کیا

گیا تھا۔ قبر منور کی اس حیات جسمانی کا مدار اس دنیا کے رزق مادی پر نہیں بلکہ برزخ رزق روحانی پر ہے۔ حضور ﷺ کی ایسی حیات برزخی کا جو باعتبار تعلق بالبدن حیات جسمانی اور باعتبار تعلق بالرزق حیات روحانی ہے، آج تک سلف وخلف، کسی نے انکار نہیں کیا......" (مقام حیات ص ۱۱ طبع مکتبہ پیام اسلام لاہور)

۴۴..... حضرت مولانا مفتی محمد عبد الستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان) فرماتے ہیں کہ:
"حضور پاک ﷺ کی قبر شریف میں زندگی جسد مبارک کے ساتھ ثابت ہے اور اس کا منکر اہل السنت والجماعت سے نہیں ہے۔" (خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۸۴)

۴۵..... حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان) فرماتے ہیں کہ: "انبیاء علیہم السلام کی حیات کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ نہ صرف علماء دیوبند کا ہے، بلکہ تمام امت کا ہے۔"
(کشف الباری ج ۱ ص ۱۲۵ کتاب المغازی، طبع مکتبہ فاروقیہ کراچی)

☆..... حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں کہ:
"عقیدہ حیات النبی ﷺ کو اکابر کا فرعی مسئلہ لکھنا روح مبارکہ کے جسد مبارک سے تعلق کی جو کیفیات ائمہ اہل سنت نے لکھی ہیں ان میں سے کسی کیفیت کو ماننا ہے نہ کہ مطلق تعلق اور جسد مبارک کی حیات مراد ہے مطلق تعلق روح اور جسد مبارک کی حیات تو اصولی مسئلہ ہے۔ اسی طرح جسمانی سماع کا انکار کرتے ہوئے روحانی سماع کہنا یا محض روحانی سماع پر زور دینا بھی سماع کا انکار ہے۔ اکابر میں سے یہ کسی کا مؤقف نہیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تو انہی جسمانی کانوں سے سماع کی تصریح کرتے ہیں۔
چنانچہ آپ لکھتے ہیں: "قریب سے صلوۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے شرف اور مجد کی بات ہے۔"
(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۴۳ بحوالہ مقام حیات، طبع دوم ص ۴۶۲)
اس لئے ظاہر ہے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سماع روحانی سے مراد سماع جسمانی ہی ہے۔ اکابر کے اس طرح کے حوالہ جات پیش کر کے اپنے وضعی مطلب کو کشید کرنا درست نہیں۔ مولانا محمد حسین نیلوی صاحب مرحوم نے بھی اپنی تصانیف میں اسی انداز کو اختیار کیا ہے۔ اس طرح اکابر کی تحریرات میں تعارض ثابت کر کے امت کو اپنے اسلاف سے دور رکھنے کا ماحول پیدا ہوتا ہے نہ کہ اکابر کے اتباع کی دعوت ہے۔ (مکتوب سلیم ص ۶۴، ناشر اتحاد اہل سنت والجماعت پاکستان)

☆..... حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ اپنے دوسرے مکتوب میں، مولانا عبد السلام صاحب (حضرو) کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی کا عقیدہ عدم سماع صلوۃ وسلام عند القبر الشریف اور تکفیر قائلین سماع موتی اظہر من الشمس ہے، وہ تمام عمر اسی پر لڑتے رہے اور خود اکابرین اشاعت مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ صاحب سے انہیں اسی نکتہ پر اختلاف رہا، جب کہ آپ نے اپنے فلسفہ سے سب کو ایک کر دیا ہے۔" (مکتوب سلیم ص ۸۸، ناشر، اتحاد اہل سنت والجماعت پاکستان)

۴۶..... حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد) فرماتے ہیں کہ: "اہل سنت والجماعت کا مؤقف یہ ہے کہ:

الف...... قرآن کریم کی نصوص قطعیہ کی روشنی میں نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایک مرتبہ موت کا ورود یقینی ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ (قال اللہ تعالیٰ! کل نفس ذائقة الموت و قال تعالیٰ! انک میت و انهم میتون)

ب...... احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ وعدہ قرآنی پورا ہو چکا ہے اور آپ کی وفات ہو چکی ہے۔

ج...... وفات کے بعد آپ کے اس جسد عنصری کے ساتھ جو مدینہ منورہ قبر شریف میں دفن کیا گیا ہے اور جس جسم کے ساتھ آپ اس دنیا میں تشریف فرماتے تھے، آپ کی روح مبارکہ کو ایسا تعلق ضرور حاصل ہے جس کی وجہ سے آپ کے روضہ اطہر کے پاس پڑھا جانے والا صلوٰۃ وسلام آپ بلا واسطہ خود سن لیتے ہیں۔'' (اشرف التوضیح تقریر اردو مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۳ طبع فیصل آباد)

۴۷...... حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ: ''وبالجملة فان هذا الاحاديث مع حديث الباب تدل على كون الانبياء احياء بعد وفاتهم و هو من عقائد جمهور اهل السنة والجماعة'' اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس باب کے حدیث کے ساتھ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں اس بات پر کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور یہ جمہور اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہیں۔

(تکملہ فتح الملہم ج ۵ ص ۳۰ کتاب الفضائل مسئلہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام۔ طبع مکتبہ دار العلوم کراچی)

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر دیوبند کا مسلک، اکابر دیوبند کا متفقہ اعلان

''حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریح موجود ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء علیہم السلام پر (آب حیات) کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں۔ ان کا رسالہ ''المہند علی المفند'' بھی اہل انصاف و اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعوے کرے، اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔'' واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ کراچی — عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ — مفتی محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ

محمد رسول خان رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ لاہور — شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ صدر وفاق المدارس پاکستان — مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ — محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم کراچی

(مقام حیات ص ۲۷۲ از علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ)

اولئک اٰبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یاجریر المجامع

ملفوظات حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
(سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حیات نبوی ﷺ اجماعی مسئلہ ہے

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حیات النبی ﷺ کا لوگ انکار کیوں کرتے ہیں؟ میرے خیال میں اجمالاً اتنی بات ہے کہ: ''حیات النبی ﷺ کا مسئلہ تو مجمع علیہ ہے، یعنی امت کے اندر کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔ اس کی کیفیت میں گفتگو ہے کہ حیات ہے تو کس کیفیت اور کس نوعیت کی ہے؟ تو کیفیات میں اگر کوئی اختلاف کرے تو اس کو اصل مسئلہ میں اختلاف کنندہ نہیں کہا جا سکتا۔''

جہاں تک انبیاء علیہم السلام کی حیات کا تعلق ہے تو صحیح حدیث موجود ہے: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں۔'' یا فرمایا گیا: ''ونبی اللہ حی یرزق'' اللہ کے نبی زندہ ہیں۔ ان کو رزق دیا جاتا ہے، اب ظاہر ہے کہ اس حیات سے مراد اگر وہ عمومی حیات ہے جو برزخ میں عام طور پر ہوتی ہے تو پھر اس تخصیص ذکری کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی پھر یہ کہنا کہ: ''نبی اللہ حی'' یا ''الانبیاء احیاء'' اس کی ضرورت نہیں۔ یوں کہا جا سکتا تھا۔ ''المسلمون احیاء فی قبورھم'' یا ''الناس احیاء فی قبورھم'' اس لئے کہ حیات برزخی میں سب کے سب شریک ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کے ذکر کی تخصیص کیا جانا اور اس پر حیات کا لفظ بولا جانا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خصوصی حیات ہے، جو عوام کو حاصل نہیں۔

حیات کامل

پھر یہ کہ حیات کے لفظ کو مقید کر کے نہیں لایا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ انبیاء علیہم السلام بحیثیت اس کے حیات ہیں یا فلاں جہت سے حیات ہیں بلکہ مطلقاً حی کہا گیا، تو جب بھی کوئی چیز مطلق بولی جائے گی، اس کا فرد کامل مراد لیا جائے گا۔ پھر فرد کامل کی صورت سمجھنے کی اس کے سواء کچھ نہیں ہے کہ ہم جسے دنیا میں زندگی کہتے ہیں، وہی وہاں سمجھیں کہ وہ حی اور زندہ ہیں اور وہ اس انداز کی زندگی ہے، جیسے دنیا میں زندہ ہوتے ہیں۔ ورنہ پھر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کی تخصیص اور حیات کے لفظ کا اطلاق، تو ایک تخصیص اور ایک اطلاق تخصیص ذکر کی خصوصیت بیانی اور لفظ حیات کا اطلاق۔ یہ دونوں مل کر یہ نتیجہ پیدا کرتے ہیں کہ کوئی خاص اور اعلیٰ قسم کی حیات ہے، جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ اب یہ کہ اس کی کیفیت کیا ہے؟

قبض روح کا امتیاز

تو ہم کیفیت سے واقف نہیں۔ نہ ہم اس کا پتہ دے سکتے ہیں، نہ ہمارے بس کی بات ہے۔ اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی ممات بھی ہماری جیسی نہیں، ان کی حیات بھی ہماری جیسی نہیں۔ ان کی ممات میں تو یہ بھی ہے کہ ملک الموت آ کر ان سے اجازت لیتے ہیں اور جب تک وہ اجازت نہ دیں اور ان کے علم میں نہ لایا جائے کہ وقت آ رہا ہے اور ہم قبض روح کے لئے آ رہے ہیں، اس وقت تک ممات کا آغاز نہیں کیا جاتا۔ عامۃ المؤمنین سے اس قسم کی کوئی اجازت یا استیذان نہیں کیا جاتا۔

پھر یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں جو حیات ہے تو وہ اور لوگوں کی جو دنیوی حیات ہے اس کے مشابہ نہیں، تو جب حیات مشابہ نہیں تو ممات بھی مشابہ نہیں ہو سکتی۔ یوں تو فرمایا گیا: ''انما انا بشر مثلکم'' میں تم جیسا ایک بشر ہوں، لیکن اس مماثلت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت اور ہماری بشریت میں کتنا فرق ہے۔ یہ سیرت کے احوال دیکھنے سے واضح ہوگا......

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز

اسی طرح جب ایک ایک جز اور زندگی کے ایک ایک شعبے میں مماثلت کے دعوے کے ساتھ ساتھ عدم مماثلت اور امتیازی شان بھی موجود ہے تو اگر ہم یوں کہیں کہ مجموعہ حیات میں بے شک مماثلت ہے کہ ہم بھی زندہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو خصوصیات ہیں وہ ہمیں میسر نہیں تو یہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ زندگی کی ایک ایک جزئی میں امتیاز شان موجود ہے۔

حیات بعد الوفات کا امتیاز

اسی طرح سے ممات کے بارے میں بھی ہم کہیں گے ممات اور موت کے بعد جو حیات آتی ہے اس میں بظاہر مماثلت ہے لیکن پھر امتیاز ہیں، مرنے کے بعد ہمیں وہ حیات میسر نہیں آسکتی جو انبیاء علیہم السلام کو برزخ کی حیات میسر آتی ہے۔

علامات حیات

اور اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ حیات اور زندگی کو پہچاننے کے لئے دو چیزیں ہیں جس سے آدمی پہچانا جاتا ہے کہ آدمی زندہ ہے۔ یعنی حسی زندگی، ایک تو معنوی زندگی ہے کہ روح موجود ہے وہ تو ہر انسان کو حاصل ہے۔ جس کی روح موجود ہے بس وہ زندہ ہے اور روح کسی کی بھی مردہ نہیں۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ انسان ازلی تو نہیں ہے مگر ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے تو نہیں تھا، پیدا کیا گیا لیکن پیدا ہونے کے بعد اب مٹے گا نہیں، بلکہ وہ زندہ رہے گا اس کی حقیقت اور روح قائم رہے گی، چولے اور جسم بدل جائیں گے مگر اصل نفس قائم رہے گا تو زندگی کے پہچاننے کی دو علامتیں ہیں، ایک کھانا پینا، کھاتا پیتا دیکھ کر ہم کھلے بندوں کو کہتے ہیں کہ فلاں آدمی زندہ ہے اور جس کا کھانا پینا بالکل چھوٹ جائے تو وہ ہم یہی کہا کرتے ہیں۔ جی بھائی! اس کی زندگی کیا، یہ عنقریب مرنے والا ہے اس لئے کہ اس کی زندگی کے اسباب جب مفقود ہو گئے تو زندگی کیا رہے گی، آج مر جائے تو کھانا حسی اسباب میں بقائے حیات کی علامت ہے۔

دوسری علامت زندگی کی یہ ہے کہ ہم نقل وحرکت دیکھیں، اگر ایک شخص بے حس وحرکت پڑا ہوا ہے ہم اوّل وہلہ میں یہی سمجھیں گے کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ لیکن اگر وہ ہل رہا ہے، حرکت کر رہا ہے چلتا ہے پھرتا ہے کبھی یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتے کہ یہ میت ہے، اس لئے نقل وحرکت زندگی کی بڑی علامتوں میں سے علامت ہے تو زندگی کی دو علامتیں ہوئیں، ایک خورد ونوش، کھانا اور پینا، ایک نقل وحرکت چلنا پھرنا۔ یعنی مختلف افعال کا سرزد ہونا جو حرکت کی علامت ہے اور یہ زندگی کی علامت ہے۔

☆...... اب دیکھئے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں حیات ہیں۔ کیوں حیات ہیں؟ اس کی علامت بتلائی گئی کہ نقل وحرکت پائی جاتی ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں تو

ایک نقل وحرکت مادی ہے کہ ہم ترکاری خریدنے کے لئے بازار میں جائیں یا پڑھنے کے لئے کسی مدرسے میں جائیں، یہ مادی حرکت ہے اور نماز پڑھنے لگیں، حرکت یہ بھی ہے مگر یہ روحانی عباداتی حرکت کہی جائے گی جو بازار میں جانیکی حرکت سے یقیناً افضل حرکت ہے اور جو کھانے پینے کی حرکت سے یقیناً افضل ہے کہ اللہ کے آگے جھک رہے ہیں تو اس حدیث نے ثابت کیا کہ نبی کریم ﷺ حیات ہیں، اس لئے کہ حرکت بدن حیات کے آثار میں سے ہے تو حرکت وہ ہے جو کامل ترین حرکت ہے تو عباداتی حرکت ثابت ہوئی، محض کھانے پینے کی حرکت ثابت نہیں ہوئی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ: ''کانی انظر موسیٰ یلبی'' میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ لبیک لبیک کہتے ہوئے میدان عرفات میں جارہے ہیں تو انبیاء علیہم السلام گویا حج کرتے ہیں، حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھتا ہوں کہ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں اور اون اور صوف کی لگام ہاتھ میں ہے اور لبیک لبیک پڑھتے ہوئے جارہے ہیں اور حج کررہے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ مطاف میں نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص طواف کررہے ہیں: ''مربوع الخلق'' یعنی چوڑے چکلے بدن، ان کا سینہ نہایت چوڑا اور اس قدر خوبصورت اور اتنا شاداب رنگ کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''کانہ خرج من دیماس......'' کہ یہ شخص ابھی غسل کرکے حمام سے آیا ہے اور گویا پانی اس کے بالوں سے ٹپک پڑے گا تو اتنی تروتازہ اور شاداب صورت، چوڑے بدن، میانہ اور ذرا پستی مائل قدر اور طواف میں مشغول ہیں، آپ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طواف کرتے ہوئے دیکھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لبیک لبیک پڑھتے ہوئے دیکھا، حضرت یونس علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر دیکھا کہ لبیک لبیک پڑھتے ہوئے جارہے ہیں اور عام طور سے حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں سب زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں تو نماز بھی ثابت ہوئی، حج بھی ثابت ہوا تو بدن کی نقل وحرکت ثابت ہوئی اور وہ حرکت جو عباداتی حرکت ہے محض آنے جانے کی حرکت نہیں اس سے کہیں مکمل عباداتی حرکت ہے۔

☆...... دوسری حدیث میں ہے: ''ونبی اللہ حی یرزق'' اللہ کا نبی زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے، تو رزق کا دیا جانا، خود دلیل حیات ہے کیونکہ کھانا پینا دوسری علامت ہے، اب یہ کہ وہ رزق کیسا ہے؟ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس انداز کا تھا، اس کی کیا کیفیت تھی؟ اس میں پلاؤ زردہ؟ یہ اللہ جانے۔ لیکن رزق بتلایا گیا تو رزق تناول کی چیز ہے، تو انبیاء علیہم السلام گویا تناول بھی کرتے ہیں اور حرکات بدنی بھی ہوتی ہیں تو جیسے حرکات بدنی اعلیٰ قسم کی ہوتی ہیں جو عباداتی حرکت ہیں ممکن ہے کھانا پینا اعلیٰ ہی قسم کا ہو جو جنت کی غذا ہو، اس دنیا کی مادی غذا نہ ہو تو جب نقل وحرکت بھی ثابت، خورد ونوش غذا بھی ثابت ہو تو اب حیات میں کوئی تامل باقی نہیں رہتا، کیونکہ آثار میں سے یہی دو چیزیں ہیں جو موجود ہیں، یہ تو انبیاء علیہم السلام کی حرکت بدن اور ان کی حیات ہے۔

حیات شہداء

اسی طرح سے قرآن کریم نے شہدا کی بھی حیات ثابت کی ہے: ''وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ'' جو اللہ کے راستے میں قتل ہوئے انہیں مت کہو کہ وہ مردہ ہیں۔ یعنی مردہ تو

ہیں نہیں، تمہیں کہنے کی بھی اجازت نہیں، کہ یہ ان کے حق میں بے ادبی ہے بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم ان کی حیات کا شعور نہیں رکھتے، یعنی اس کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے کہ کس کیفیت کی زندگی ہے تو قرآن کریم میں شہداء کی زندگی ثابت کی گئی۔

اب کسوٹی پر جانچیے جو ہم نے عرض کی تھی کہ حیات کے پہچاننے کے دو طریقے ہیں۔ خورد و نوش اور نقل وحرکت کرتے ہیں اور وہاں کی غذائیں کھاتے ہیں تو رزق بھی دیا گیا اور نقل وحرکت بھی پائی گئی، مگر فرق کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کی نقل وحرکت عباداتی تھی، معاشی نہیں تھی کہ کھانے پینے کے لئے جائیں، شہداء کی نقل وحرکت کھانے اور پینے کی ہے کہ جاؤ اور جنتوں میں جا کے چرو۔ انبیاء علیہم السلام کو ان کی غذا وہیں پہنچتی ہے اور شہیدوں کو غذا حاصل کرنے کے لئے جنتوں کے میدان میں جانا پڑے گا اور چونکہ بطور جزاء کے جنت میں بھیجا جا رہا ہے اس واسطے پرندوں کا خول دیا گیا، ان کا اصلی بدن نہیں دیا گیا وہ قیامت کو دیا جائے گا۔ جب بطور جزاء کے ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا تو دونوں چیزیں شہداء کے حق میں بھی ثابت ہوئیں، نقل وحرکت بھی اور خورد ونوش بھی، فرق اتنا ہے کہ وہاں معاشی نقل وحرکت نہیں تھی بلکہ عباداتی تھی یہاں معاشی نقل وحرکت ہے کہ کھانے پینے کے لئے جائیں وہاں انبیاء علیہم السلام کے پاس رزق پہنچتا تھا، شہداء کے پاس رزق نہیں پہنچتا، رزق کے پاس انہیں پہنچنا پڑتا ہے چونکہ انہیں جانا پڑتا ہے تو یہ نمبر دو ہو گئے۔

مراتب حیات (انبیاء، شہداء اور صلحاء کی حیات میں فرق)

باقی حیات عوام مؤمنین کے لئے ثابت۔ شہداء کے لئے بھی اور انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی، لیکن درجہ بدرجہ، غرض حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں، ان کی نقل وحرکت عباداتی ہے اور غذا ان کی خدمت میں پہنچائی جاتی ہے۔ شہداء زندہ ہیں ان کی نقل وحرکت مادی ہے ان کو غذا دی جاتی ہے مگر غذا کے پاس ان کو جانا پڑتا ہے۔ عوام مؤمنین کو نقل وحرکت کی اجازت نہیں وہ اپنے مقام پر رہیں مگر احترام سے رکھے جاتے ہیں جنت کی نعمتیں دکھلا دی جاتی ہیں تا کہ ان کی قوت خیالیہ منبسط ہو جائے اور اعلیٰ درجے کی توقعات باندھیں کہ اب قریب میں وہ وقت آنے والا ہے کہ ان شاء اللہ ہم ان نعمتوں میں پہنچیں گے تو نعمت سے بڑھ کر امید نعمت ہوتی ہے تو قع لگی ہوئی ہے کہ اب وہ نعمت چند منٹ کے بعد ملی اب وقت آیا کہ یہ نعمت مجھے ملی تو مؤمنین کی قوت خیالیہ پر پابندی عائد نہیں ہے ان کی قوت خیالیہ آزاد ہے وہ اس سے لذت لیتے ہیں تو یہ لذت انہیں ملتی ہے۔ یہ حیات کے تین درجے ہو گئے، اس معیار سے کہ زندگی کے پرکھنے کا معیار اور کسوٹی نقل وحرکت اور خورد ونوش ہے تو اقویٰ ترین حیات انبیاء علیہم السلام کی ثابت ہوئی۔

متوسط حیات شہداء کی ثابت ہوئی۔ ادنیٰ حیات صلحاء کی ثابت ہوئی جس جس درجے کی یہ حیات ہے اسی درجے کے اثرات بھی ہیں، دنیا تک اس کے اثرات پہنچے ہوئے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات اتنی کامل ہے کہ اقویٰ ترین ہے دنیا میں اس کا اثر یہ ہے دنیا سے جا چکے ہیں لیکن ان کی بیویاں بیوہ نہیں ہوئیں، دوسرے خاوندوں سے نکاح نہیں کر سکتیں دنیا سے جا چکے ہیں لیکن ان کے مالوں میں میراث تقسیم نہیں ہو سکتی، کیونکہ زندہ کے مال میں میراث تقسیم نہیں ہوتی تو ان کے مال بھی میراث سے مستثنیٰ اور ان کی بیویاں بھی زوجیت اور نکاح سے مستثنیٰ۔

شہداء کے اندر یہ بات نہیں کہ ان کی بیویوں کا نکاح نہ ہو سکے، ان کے مال میں میراث تقسیم نہ ہو سکے۔ یہ تو سب ہوگا لیکن ان کے بدنوں کو کچھ ایسی قوت دی جاتی ہے کہ دنیا کے اندر بھی ان کے کچھ ابدان محفوظ رہتے ہیں اور اگرچہ نص صریح سے ثابت نہیں مگر تم سے اتنا ثابت ہے کہ صلحاء کے بدن بھی محفوظ رہتے ہیں ان میں تغیر بہت کم سے کم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔

اور عوام مؤمنین کا دنیا کے اندر کوئی اتنا اثر نہیں ہے ان کے بدن بھی مٹی ہو جاتے ہیں اور گل جاتے ہیں تو جس جس درجے کی حیات برزخ میں ہے، اسی اسی درجے کے آثار دنیا کے اندر پائے جاتے ہیں، اس لئے دنیوی معیار سے دیکھا جائے تو حیات کے مراتب ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات سب سے زیادہ قوی ہے۔

اس سے اتنا معلوم ہوا کہ عام لوگوں کی سی حیات برزخ میں نہیں ہے، جب کہ دنیا کے اندر بھی انبیاء علیہم السلام کی حیات عام لوگوں جیسی نہیں تھی، یہاں تک کہ نوعیت دوسری ہے۔

حیات برزخ کا امتیاز

اسی طرح آپ ﷺ کی جوانی دیکھی جائے تو جوان اور بھی ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ بھی ہوئے لیکن پھر جوانی میں زمین آسمان سے بھی زیادہ فرق ہیں کہ اس کے آثار و برکات جداگانہ ہیں۔

حواس کو دیکھا جائے تو جیسے میں نے عرض کیا کہ ہم حاسہ بصر سے سامنے کی چیز دیکھتے ہیں اور حضور ﷺ آمنا سامنا اور پیچھے دونوں کی چیزیں دیکھتے تھے۔ ہمارا حاسہ بطش اور ہاتھ کی قوت فقط سختی اور نرمی کو پہچانتا ہے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ کی قوت معنویت اور شرح صدر کی کیفیت بھی پیدا کر دیتی تھی۔ ہماری زبان مادی زبان ہے مگر چکھتی ہے تو کھٹا میٹھا محسوس ہوتا ہے، حضور ﷺ کی زبان مبارک حلال و حرام کا بھی پتہ بھی چلا لیتی ہے۔ تو باوجود مشکیت کے بہت سی خصوصیات ہیں کہ جن پر نبی کو غیر نبی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح سے برزخ میں حضور ﷺ کی حیات نہایت قوی اور اکمل ہے کہ دنیا سے بھی قوی ہے، لیکن اس کے باوجود کیفیت ہم نہیں بیان کر سکتے، احادیث سے جتنے قرائن بیان کر سکتے ہیں، وہ بیان کر دئے گئے، اب اس کا ادراک کرنا کہ نوعیت کیا ہے، یہ ہماری قدرت سے خارج ہے۔

نوعیت حیات

اب اس میں علماء کے دو مسلک ہیں، اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ حیات ہیں، لیکن بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو وفات کے بعد پھر حیات دی گئی ہے اور وہ ایسی دی گئی جیسے دنیا کی حیات تھی لیکن وفات اور قبض روح کے بعد دی گئی۔

اور وہ یہ کہ ہر انسان کو وفات دے دی جاتی ہے اور روح قبض ہو جاتی ہے، حضور ﷺ کو بھی وفات دی گئی اور روح قبض ہوئی، اب جب قبر مبارک میں پہنچے تو وہاں جا کر عامہ مؤمنین کی شان یہ ہے کہ انہیں پھر زندہ کیا جاتا ہے، انبیاء علیہم السلام کو بھی کہتے ہیں کہ قبر میں پھر زندہ کئے گئے۔ عامہ مؤمنین کا یہ حال ہے کہ اس زندگی کے بعد پھر موت دے دی جاتی ہے، پھر قیامت کو حیات دی جائے گی، انبیاء علیہم السلام اس موت سے مستثنیٰ ہیں، جب قبر میں زندہ ہوئے، اب قیامت تک بلکہ ابدالآباد تک زندہ رہیں گے۔ اب موت نہیں آئے گی، اسی کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اللہ نے آپ کو اس سے مکرم بنایا ہے کہ آپ ﷺ کے اوپر دو موتیں طاری کرے بس وہ ایک ہی موت ہے جو آئی، اس کے بعد اب جو زندگی آئی ہے تو ابدی زندگی ہے، پھر موت نہیں ہے۔“

اور عوام مؤمنین پر دو موتیں طاری ہوتی ہیں ایک یہاں جس کو ہم موت کہتے ہیں، ایک عالم برزخ میں کہ زندہ کرنے کے بعد پھر موت دیدی جاتی ہے اور فرما دیا جاتا ہے، ”نم کنوم العروس“ اسی طرح سو جاؤ جس طرح دلہن سوتی ہے۔

تو ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام حیات ہیں ان کی بالکل دنیوی حیات ہے، مگر موت سے انقطاع واقع ہوا اور بعد میں جو حیات آئی وہ ویسی ہی تھی جیسی دنیا میں تھی مگر وہ ابدی ہے اور ایک جماعت علماء کرام کی یہ کہتی ہے کہ بیچ میں موت کا واسطہ آیا لیکن اس سے سلب روح نہیں ہوا، یعنی موت واقع ہوئی، اس واسطے کہ موت تو قطعیہ ہے قرآن کریم نے شہادت دی ہے: ''اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ'' تو موت واقع ہوئی، لیکن موت واقع ہونا اور ہے اور سلب حیات اور ہے، موت واقع ہو اور حیات کلیہ سلب نہ ہو، یہ ممکن ہے اس واسطے کہ موت عارضی طور پر واقع ہوئی اور حیات انبیاء علیہم السلام کے جوہر میں ڈال دی گئی تھی تو وہ کلیہ سلب نہیں ہوئی گو موت بھی واقع ہوئی، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کہ پانی، تو پانی کی ذات میں ٹھنڈک ہے کہ وہ آگ آئے تو اس کو بجھا بھی دیتا ہے، لیکن پانی میں عارضی طور پر حرارت پیدا ہو سکتی ہے، اگر آپ اسے آگ پر تپا دیں تو وہ کھول کر اتنا گرم ہو جائے گا کہ جو کام آگ کرتی ہے وہ پانی کرے گا، لیکن اس حالت میں بھی اگر اسے آگ کے اوپر ڈال دیں تو آگ کو بجھا دے گا معلوم ہوا پانی کے اندر ذاتی برودت باوجود انتہائی گرم ہونے کے موجود ہے۔ اگر انتہائی گرم ہو کر پانی کی حقیقت اس کے اندر سے نکل جاتی تو آگ کو بجھا نہ سکتا، لیکن کھولتا ہوا پانی بھی آگ کو بجھاتا ہے، معلوم ہوا کہ برودت کا مادہ موجود ہے جو اس کے اصل جوہر میں قائم تھا، وہ نہیں نکلا اور اوپر سے حرارت بھی موجود ہے۔

تو انبیاء علیہم السلام کے جوہر میں حیات رکھی جاتی ہے، موت جب طاری ہوتی ہے تو کلیۃً حیات سلب نہیں ہوتی تو موت بھی ہے اور حیات بھی ہے، دونوں جمع ہیں جیسے گرم پانی میں برودت بھی اور حرارت بھی دونوں جمع ہیں، ایک اصلی ہے اور ایک عارضی ہے، غرض ایک جماعت علماء کرام کی اس کی قائل ہے کہ موت واقع ہوئی مگر سلب حیات واقع نہیں ہوا بلکہ حیات موجود رہی۔ اس کے آثار موجود رہے کیونکہ وہ اصلی تھی اور موت صرف عارضی طور پر طاری ہوئی تو اس میں دونوں کا اتفاق ہے کہ برزخ کے اندر حیات ہے اور ویسی ہے جیسے دنیا کی لیکن ایک کہتے ہیں کہ وہ مستمر حیات ہے اور ایک کہتے ہیں وہ منقطع ہو کر پھر پیدا ہوئی ہے، نتیجہ دونوں ایک رائے رکھتے ہیں کہ حیات وہی ہے جو دنیاوی حیات ہے۔

سلامتی کا راستہ

یہ علماء کرام کا اختلاف ہے اس میں ہمیں نہیں پڑنا چاہئے، ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم یوں کہیں کہ برزخ میں انبیاء علیہم السلام اسی طرح حیات ہیں، جسطرح ہم دنیا میں حیات ہیں، اب یہ کہ وہ حیات ازسرنو آئی یا وہ پہلی ہی چل رہی ہے، یہ علماء پر موقوف ہے، ان کی آراء ہیں ان کی وجوہ ہیں، ان کے قرائن اور دلائل ہیں نہ ہم انہیں توڑ سکتے ہیں نہ ان کا خلاف کر سکتے ہیں، ہم گردن جھکائیں گے بس اسقدر مشترک کے قائل ہو جائیں گے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں کیفیت ہم نہیں جانتے کہ کس طرح سے زندہ ہیں۔

جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ہی موت طاری ہوئی اور اس کے بعد جو حیات آئی وہ مستمر اور دائمی ہے جیسے کہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقولے سے استناد کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے عوام مؤمنین کی یہ صورت نہیں ہے ان پر دو موتیں طاری ہوتی ہیں، پہلی موت تو وہ جس کو ہم احتضار کہتے ہیں کہ ایک آدمی انتقال کر جائے، دوسری موت وہ جو قبر میں سوال وجواب کے بعد کہہ دیا جاتا ہے۔ ''نم

کنومة العروس "اور قرآن کریم میں جو فرمایا گیا: "وکنتم امواتاً فاحیاکم" یہاں موت کے معنی سلب حیات کے نہیں ہیں، یہاں موت کے معنی عدم ایجاد کے ہیں، یعنی تمہیں وجود نہیں ملا تھا۔ عرف عام میں تو موت اسی کو کہتے ہیں کہ حیات چھین لی جائے یا اس میں کمی کر دی جائے، تو ظاہر ہے جو ابتدائی موت ہے وہ عدم ہے، اس کو آپ موت کہہ رہے ہیں اور قرآن کریم نے جو موت کہا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ حیات چھینی گئی بلکہ یہ ہیں کہ اس وقت حیات دی نہیں گئی تھی، البتہ "رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ" دو موتیں مراد ہیں، ایک دنیوی موت اور ایک وہ جو قبر کے اندر حیات کے بعد واقع ہوگی۔ (خطبات حکیم الاسلام: افادات علم وحکمت ج ۷ ص ۱۵۹ تا ۱۶۹، طبع بیت السلام کراچی)

ایک شبہ اور اس کا جواب

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "شبہ یہ ہے کہ قرآن کریم صراحۃً آپ کی موت کے متعلق ناطق ہے۔ "انک میت وانهم میتون" اور حضور پر نور کا ارشاد ہے: "انی رجل مقبوض" اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وفات کے دن یہ خطبہ دیا "فان محمداً قد مات" جس کو تمام صحابہ نے تسلیم کیا۔ پھر حیات نبوی کے کیا معنی؟

__جواب:__ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم "کل نفس ذائقة الموت" تھوڑی دیر کے لئے موت کا مزہ چکھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا اور زمین پر آپ کے جسم کو کھانا حرام کیا پس آپ بحیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حیات شہداء سے کہیں اکمل اور افضل ہے۔ (کذا فی شرح المواہب ومدارج النبوۃ باب پنجم ذکر فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم)

"وقال البيهقي في كتاب الاعتقاد الأنبياء عليهم السلام بعدما قبضوا ردت إليهم أرواحهم فهم أحياء عند ربهم كالشهداء" امام بیہقی رحمہ اللہ کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کی ایک مرتبہ قبض روح کے بعد پھر ان کی ارواح ان کے ابدان میں واپس کر دی گئیں۔ پس انبیاء کرام حق تعالیٰ کے پاس شہداء کی طرح (بلکہ ان سے بڑھ کر) زندہ ہیں۔ (الباب الثامن فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ ج ۴ ص ۱۸۰)

---

۱ (الف) "فإن قلت القرآن ناطق بموته صلى الله عليه وسلم، قال الله تعالى إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (۱) وقال صلى الله عليه وسلم: إني امرؤ مقبوض (۲) وقال الصديق رضي الله عنه: فإن محمدا قد مات، وأجمع المسلمون على إطلاق ذلك. فأجاب الشيخ تقي الدين السبكي، بأن ذلك الموت غير مستمر، وأنه صلى الله عليه وسلم أحيي بعد الموت، ويكون انتقال الملك ونحوه مشروطا بالموت المستمر، وإلا فالحياة الثانية حياة أخروية، ولا شك أنها أعلى وأكمل من حياة الشهداء، وهي ثابتة للروح بلا إشكال، وقد ثبت أن أجساد الأنبياء لا تبلى، وعود الروح إلى الجسد ثابت في الصحيح لسائر الموتى فضلا عن الشهداء، فضلا عن الأنبياء، وإنما النظر في استمرارها في البدن، وفي أن البدن يصير حيا كحالته في الدنيا، أو حيا بدونها، وهي حيث شاء الله تعالى، فإن ملازمة الروح للحياة أمر عادي لا عقلي، فهذا مما يجوزه العقل."

(المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، الفصل الثانی، فیما اختصہ اللہ من المعجزات، ومنا انہ حی فی قبرہ ج ۲ ص ۳۹۳)

(ب) "إن النبوة والرسالة باقية بعد موته صلى الله عليه وسلم حقيقة، كما يبقى وصف الإيمان بعد موته، لأن المتصف بالنبوة والرسالة، والإيمان هو الروح وهي باقية لا تتغير بموت البدن. انتهى. وتعقب: بأن الأنبياء أحياء في قبورهم، فوصف النبوة باق للجسد والروح معا" (المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ ج ۲ ص ۵۳۳)

اور یہ حیات شہداء کے متعلق علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واختلف في هذه الحياة فذهب كثير من السلف إلى أنها حقيقية بالروح والجسد ولكنا لا ندركها في هذه النشأة، واستدلوا بسياق قوله تعالى عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ وبأن الحياة الروحانية التي ليست بالجسد ليست من خواصهم فلا يكون لهم امتياز بذلك على من عداهم، وذهب البعض إلى أنها روحانية'' حیات شہداء کی حقیقت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ حیات جسم اور روح کے ساتھ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شہداء کو خدا کے پاس رزق دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ رزق جسم کے لئے ہوتا ہے، نیز حیات روحانیہ شہداء کے ساتھ مخصوص نہیں، روحانی حیات تو تمام مردوں کو حاصل ہے خواہ مومن ہوں یا کافر۔ پس آیت بل احیاء سے جسمانی حیات مراد نہ ہو بلکہ روحانی حیات مراد ہو تو پھر شہداء کا امتیاز اور خصوصیت کیا ہوئی، حالانکہ مقصود آیت سے شہداء کا امتیاز اور ان کی خصوصیت کا بیان کرنا ہے کہ جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسروں میں وہ خصوصیت نہ پائی جائے اور ظاہر ہے کہ وہ خصوصیت اور امتیاز حیات جسمانی ہے اور بعض علماء ادھر گئے ہیں کہ شہداء کی حیات روحانی ہے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۷ سورۃ البقرہ: ۱۸، ۴، ۱۴۲ تا ۱۵۷)

پس جب کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو شہداء سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہیں، ان کی حیات بدرجہ اولیٰ جسمانی ہوگی۔

☆...... علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ ناممکن ہے کہ شہید کو نبی سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ حاصل ہو سکے۔ نیز شہداء کو یہ مرتبہ عالیہ (یعنی حیات جسمانی) کا مرتبہ نبی کی شریعت اور ملت کی حفاظت میں جانبازی اور سرفروشی کے صلہ میں ملا ہے۔ پس قیامت تک جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا اور شہید ہوگا تو ان تمام شہداء کا اجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ اعمال میں ثبت ہوگا اور آپ کا مقام ان تمام شہداء سے باعتبار حیات کے سب سے اعلیٰ اور ارفع ہوگا اس لئے کہ دین کا سنگ بنیاد رکھنے والے حضور پرنور ہیں۔ لہٰذا آپ کی تنہا حیات تمام شہداء عالم کی حیات سے زیادہ قوی اور بلند ہوگی۔ (شفاء السقام ص ۱۴۰)

نیز یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں۔ چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: شاذ و نادر ہی کوئی نبی ایسا ہوگا کہ جہاں نبوت کے ساتھ شہادت جمع نہ کی گئی ہو، پس انبیاء کرام علیہم السلام نبی ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں اور شہید ہونے کے اعتبار سے بھی زندہ ہیں۔ کیونکہ ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ'' کے عموم میں داخل ہیں۔

اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت شہادت وفات پائی اس لئے کہ آپ کی وفات اس زہر کے اثر سے ہوئی ہے کہ جو یہود نے خیبر میں آپ کو دیا تھا۔ (رواہ البخاری)

☆...... امام احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں کہ: ''عن ابن مسعود، قال لأن أحلف تسعا أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قتل قتلا أحب إلي من أن أحلف واحدة أنه لم يقتل، وذلك أن الله اتخذه نبيا واتخذه شهيدا'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ میں نو مرتبہ یہ قسم کھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہوئے ہیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ میں ایک مرتبہ یہ قسم کھاؤں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقتول نہیں ہوئے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی بنایا۔ (شرح الزرقانی علی المواہب المقصد العاشر الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف ومسجدہ المنیف ج ۱۲ ص ۲۱۲)

بلکہ آنحضرت ﷺ تو سید الشہداء ہیں، تمام شہداء میں، تمام شہداء کے اعمال آپ کے نامہ اعمال اور میزان میں ہیں۔ پس آپ کی حیات تمام شہداء کی حیات سے اکمل اور اقوی ہوگی۔

☆...... علامہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''الانبیاء و الشهداء احياء و حياة الانبياء اقوى اذ الم يسلط عليهم الارض ......'' انبیاء علیہم السلام اور شہداء یہ دونوں گروہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کی حیات، شہداء کی حیات سے بہت زیادہ قوی ہے اور جب زمین کو انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ پر مسلط نہیں کیا اور انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ بعینہٖ محفوظ ہیں...... (حاشیہ حیاۃ الانبیاء للبیہقی، سیرت المصطفیٰ ﷺ ج ۳ ص ۲۵۹ تا ۲۶۳ طبع الطاف سنز کراچی)

علماء عرب کی تصدیقات

موجودہ دور کے علماء عرب کا فیصلہ پیش خدمت ہے

۱...... الشیخ علامہ عبد العزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''آداب زیارۃ المسجد النبوی'' میں لکھتے ہیں کہ: ''و بعد الصلاة يزور قبر النبي ﷺ و قبرى صاحبيه ابى بكر و عمر فيقف تجاه قبر النبى ﷺ باداب و خفض صوت ثم يسلم عليه عليه الصلاة والسلام قائلاً۔ السلام عليک يارسول الله و رحمة الله و بركاته لما فى سنن باسناد حسن۔

عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ ما من احد يسلم على الا رد الله على روحى حتى ارد عليه السلام'' وان قال الزائر فى سلامه السلام عليک يانبى الله السلام عليک يا خيرة الله من خلقه السلام عليک يا سيد المرسلين وامام المتقين اشهد انک قد بلغت الرسالة واديت الامانة ونصحت الامة وجاهدت فى الله حق جهاده'' فلا بأس بذلک لان هذا كله من او صافه ﷺ ويصلى عليه الصلاة و السلام ويدعو له لمقد تقرر فى الشريعة من شريعة الجمع بين الصلاة و السلام عليه عملاً لقوله تعالى ان الله وملائكته يصلون على النبى ياايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً ثم يسلم على ابى بكر وعمر رضی اللہ عنہما . . . ولا يجوز لاحد ان يتمسح بالحجرة ويقبلها اويطوف بها لان ذلک لم ينقل عن السلف الصالح بل هو بدعة منكرة . . .

لا شک ان النبى ﷺ بعد وفاته حى حياة برزخية اكمل من حياته الشهداء ولكنها ليست بجنس حياته يوم القيامة بل حياة لايعلم حقيقتها وكيفيتها الا الله سبحانه، ولهذا تقدم فى الحديث الشريف قوله عليه الصلاة والسلام ''ما من احد يسلم على الا رد الله على روحى حتى ارد عليه السلام، قوله ذلک على انه ميت وعلى ان روحى قد فارقت جسده ولكنها ترد عليه عند السلام، والنصوص الدالة على موته ﷺ من القرآن و السنة معلومة وهو امر متفق عليه بين اهل العلم ولكن ذلک لايمنع حياته البرزخيه كما ان موت الشهداء لم يمنع حياتهم البرزخية المذكورة فى قوله تعالى ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (ال عمران: ۱۶۹)'' (مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ لسماحۃ الشیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ ج ۹۹ ص ۱۱۱ تا ۱۱۶)

☆...... ''ان نبينا محمدا ﷺ حى فى قبره حياة برزخية يحصل بها التنعم فى قبره بما اعده الله له من النعيم، جزاءً له على اعماله العظيمة الطيبة التى قام بها فى دنياه عليه من ربه افضل الصلاة و السلام''

(فتاویٰ علماء البلد الحرام الفصل الثامن، الانبیاء علیہم السلام والاولیاء، حال النبی بعد موتہ ص ۴۵۵، طبع ریاض، سعودی عرب)

اجماع امت کا فیصلہ

۱..... علامہ محمد بن عبدالرحمن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ: ''ونحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتاکلہ الارض والاجماع علی ھذا'' ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھاسکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔ (القول البدیع ص ۱۷۱، ۱۷۲، الدر المنضود فی الصلاۃ علی صاحب المقام المحمود: مطلب فی الحث علی زیارۃ القبر الشریف ص ۱۵۸، علامہ ابن حجر الہیثمی (م ۹۷۴ھ)

۲..... امام محمد علی بن محمد الصدیقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۷ھ) فرماتے ہیں کہ: ''والاجماع علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ علی الدوام'' اس بات پر اجماع ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں ہر وقت زندہ ہیں۔

(دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین کتاب الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۷ ص ۱۹۵، ۱۹۶)

۳..... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حیات الانبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را درے خلاف نیست حیات انبیاء حقیقی نہ حیات معنوی روحانی'' حیات انبیاء علیہم السلام متفق علیہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے (اور یہ حیات) حیات جسمانی دنیوی حقیقی ہے نہ کہ حیات معنوی روحانی۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۷۴)

۴..... مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''انھم اتفقوا علی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بل حیات الانبیاء علیہم السلام متفق علیھا لا خلاف لاحد فیھا'' محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیہا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(انوار المحمود شرح ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۰)

۵..... علامہ محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''اماھم فحیاتھم لاشک فیھا ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذالک (الی ان قال) فھو صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام'' بحر حال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ (آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

(رسالہ مدنیہ ص ۱۴؛ بحوالہ خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۱۷)

۶..... علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی علیہم السلام لکھتے ہیں کہ: ''والحاصل ان الحیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع'' حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔ (المنحۃ الوہبیہ ص ۶)

۷..... حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حیاۃ النبی کا مسئلہ تو مجمع علیہ ہے، یعنی امت کے اندر کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔'' (خطبات حکیم الاسلام: افادات علم وحکمت ج ۷ ص ۱۵۹)

۸..... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''روضہ مبارکہ پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلاواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۱۰)

۹..... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں، قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہے، صحابہ کا بھی یہی اعتقاد تھا۔'' (خطبات میلاد النبی ص ۲۷۳)

۱۰..... حضرت مولانا سید نوار الحسن شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات فی البرزخ اہل السنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔'' (حیات الاموات ص ۹۰)

(آگے لکھتے ہیں کہ) بایں ہمہ قبر شریف میں آپ کی جسمانی زندگی کا انکار نہیں کیا جاسکتا، تمام اہل حق اور جمیع ائمہ دین مزار پرانوار میں حیات النبی ﷺ کے قائل و مثبت ہیں۔ (حیات الاموات ص ۱۱۶)

(تلک عشرۃ کاملۃ)

خلاصۃ الکلام

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''ان تمام روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مبارکہ بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور وفات کے بعد عبادات سے معطل نہیں بلکہ نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کو رزق ملتا ہے اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہوکر صلاۃ وسلام پڑھتا ہے اس کو خود سنتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر قبر ہی میں پیش کئے جاتے ہیں یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے۔ غرض یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ امر بدیہی ہے کہ امت نے جسد اطہر کو وفات کے بعد قبر شریف میں ودیعت رکھا ہے اور شریعت نے مزار مبارک کی زیارت کی تاکید اکید کی ہے اور قبر مبارک ہی میں امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ نماز ادا فرماتے ہیں اور قبر مبارک ہی میں آپ کو اللہ کی طرف سے رزق پہنچتا ہے اور اجسام مبارکہ کا قبروں میں دفن کیا جانا مشاہدہ اور معائنہ سے ثابت ہے جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور اجساد مطہرہ کو قبور سے دوسری جگہ منتقل ہونا کہیں ثابت نہیں اور احادیث متواترہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی جو حیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السموات۔ (جذب القلوب ص ۲۰۴)

اور قبور میں اجسام ودیعت رکھے گئے ہیں تو ثابت ہوگیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے اور روح کا اصل تعلق اجسام سے قبروں میں ہے۔ غرض یہ کہ ان روایات سے یہ امر خوب واضح ہوگیا کہ وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کا اصل مستقر قبر مبارک ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۳۲۹)

کہ جہاں آپ کا جسد اطہر محفوظ ہے نہ کہ آسمان اور اسی مقام پر آپ کی روح مبارکہ کا جسد اطہر سے تعلق ہے اور اسی جگہ آپ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور بایں ہمہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو عالم علوی سے بھی تعلق ہے۔ لہٰذا اگر آپ کی روح مبارک سیر وتفریح کے لئے اعلیٰ علیین اور ملکوت السموات والارض میں باذن خداوندی جہاں چاہے جائے تو وہ اس کے منافی نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کو اختیار ہے کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو جہاں چاہے سیر کرائے اور امور آخرت اور احوال برزخ کو احوال دنیا پر قیاس کرنا نادانی ہے۔'' (سیرۃ المصطفیٰ ﷺ ج ۳ ص ۲۵۶)

(ختامہ مسک وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین، وعلی الہ واصحابہ وعلماء امتہ اجمعین، وعلینا معھم یاارحم الراحمین، آمین یارب العلمین، بجاہ النبی الامی الکریم

فقط: محمد عبد الحمید تونسوی عفا اللہ عنہ مرکز رحماء بینھم، ملتان۔ ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۳۵ھ

نظم

طبیعت تھی میری بہت مضمحل — کسی کام میں بھی نہ لگتا تھا دل
بہت مضطرب تھا بہت بے حواس — کہ مجھ کو زمانہ نہ آیا تھا راس
مرے دل میں احساس غم مر گیا — غبار آئینے پر بہت جم گیا
یونہی کٹ رہی تھی میری زندگی — کہ اک دن نوید شفاء مل گئی
مجھے زندگی کا سلام آگیا — زباں پہ محمد ﷺ کا نام آگیا
محمد ﷺ قرار دل بے کساں — کہ نام محمد ﷺ ہے آرام جاں
ریاض خدا کا گل سرسبد — محمد ﷺ خدا کا ہے پیارا عبد
محمد ﷺ کہ شاہد بھی مشہود بھی — محمد ﷺ کہ حامد بھی محمود بھی
محمد ﷺ حکیم و محمد ﷺ کلام — محمد ﷺ پہ لاکھوں درود وسلام
یاربِّ صلِّ وسلِّمْ دائماً أبداً — علی حبیبک خیر الخلق کلهم
هو الحبیب الذی ترجی شفاعته — لکلِّ هولٍ من الأهوال مقتحم

حیات الانبیاء علیہم السلام کے متعلق علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا منظومانہ کلام

فصل ...... الکلام فی حیاۃ الأنبیاء فی قبورهم

ولأجل هذا رام ناصر قولكم — ترقيعه يا كثرة الخلقان
قال الرسول بقبره حي كما — قد كان فوق الأرض والرجحان
من فوقه أطباق ذاك الترب — واللبنات قد عرضت على الجدران
لو كان حيا في الضريح حياته — قبل الممات بغير ما فرقان
ما كان تحت الأرض بل من فوقها — والله هذى سنة الرحمن
أتراه تحت الأرض حيا ثم لا — يفتيهم بشرائع الإيمان
ويريح أمته من الآراء — والخلف العظيم وسائر البهتان
أم كان حيا عاجزا عن نطقه — وعن الجواب لسائل لهفان
وعن الحراك فما الحياة اللات قد — أثبتموها أوضحوا ببيان
هذا ولم لا جاءه أصحابه — يشكون بأس الفاجر الفتان
إد كان ذلك دأبهم ونبيهم — حي يشاهدهم شهود عيان
هل جاء كم أثر بأن صحابه — سألوه فتيا وهو في الأكفان
فأجابهم بجواب حي ناطق — فأتوا إذا بالحق والبرهان
هلا أجابهم جوابا شافيا — إن كان حيا ناطقا بلسان

عمدا وما شدت ركائبه عن الحجرات للقاصي من البلدان
مع شدة الحرص العظيم له على إرشادهم بطرائق التبيان
أتراه يشهد رأيهم وخلافهم ويكون للتبيان ذا كتمان
إن قلتم سبق البيان صدقتم قد كان بالتكرار ذا إحسان
هذا وكم من أمر أشكل بعده أعنى على علماء كل زمان
أو ما ترى الفاروق ود بأنه قد كان منه العهد ذا تبيان
بالجد في ميراثه وكلالة وببعض أبواب الربا الفتان
قد قصر الفاروق عند فريقكم إذ لم يسله وهو في الأكفان
أتراهم يأتون حول ضريحه لسؤال أمهم أعز حصان
ونبيهم حي يشاهدهم ويسمعهم ولا يأتي لهم ببيان
أفكان يعجز أن يجيب بقوله إن كان حيا داخل البنيان
يا قومنا استحيوا من العقلا والمبعوث بالقرآن والرحمن
والله لا قدر الرسول عرفتم كلا ولا للنفس والإنسان
من كان هذا القدر مبلغ علمه فليستتر بالصمت والكتمان
ولقد أبان الله أن رسوله ميت كما قد جاء في القرآن
أفجاء أن الله باعثه لنا في القبر قبل قيامة الأبدان
أثلاث موتات تكون لرسله ولغيرهم من خلقه موتان
إذ عند نفخ الصور لا يبقى امرؤ في الأرض حيا قط بالبرهان
أفهل يموت الرسل أم يبقوا إذا مات الورى أم هل لكم قولان
فتكلموا بالعلم لا الدعوى وجيبوا بالدليل فنحن ذو أذهان
أولم يقل من قبلكم للرافعي الأ صوات حول القبر بالنكران
لاترفعوا الأصوات حرمة عبده ميتا كحرمته لدى الحيوان
قد كان يمكنهم يقولوا إنه حي فغضوا الصوت بالإحسان
لكنهم بالله أعلم منكم ورسوله وحقائق الإيمان
ولقد أتوا إلى العباس يست سقون من قحط وجدب زمان
هذا وبينهم وبين نبيهم عرض الجدار وحجرة النسوان
فنبيهم حي ويستسقون غير نبيهم حاشا أولي الإيمان

فصل ..... فيما احتجوا به على حياة الرسل في القبور

فإن احتججتم بالشهيد بأنه حي كما قد جاء في القرآن

والرسل أكمل حالة منه بلا   شك وهذا ظاهر التبيان
فلذاك كانوا بالحياة أحق من   شهدائنا بالعقل والبرهان
وبأن عقد نكاحه لم ينفسخ   فنساؤه في عصمة وصيان
ولأجل هذا لم يحل لغيره   منهن واحدة مدى الأزمان
أفليس في هذا دليل أنه   حي لمن كانت له أذنان
أو لم ير المختار موسى قائما   في قبره لصلاة ذي القربان
أفميت يأتي الصلاة وإن ذا   عين المحال وواضح البطلان
أو لم يقل إني أرد على الذي   يأتي بتسليم مع الإحسان
أيرد ميت السلام على الذي   يأتي به هذا من البهتان
هذا وقد جاء الحديث بأنهم   أحياء في الأجداث ذا تبيان
وبأن أعمال العباد عليه   تعرض دائما في جمعة يومان
يوم الخميس ويوم الاثنين الذي   قد خص بالفضل العظيم الشان

فصل... في الجواب عما احتجوا به في هذه المسألة

فيقال أصل دليلكم في ذاك   حجتنا عليكم وهي ذات بيان
إن الشهيد حياته منصوصة   لا بالقياس القائم الأركان
هذا مع النهي المؤكد أننا   ندعوه ميتا ذاك في القرآن
ونساؤه حل لنا من بعده   والمال مقسوم على السهمان
هذا وأن الأرض تأكل لحمه   وسباعها مع أمة الديدان
لكنه مع ذلك حي فارح   مستبشر بكرامة الرحمن
فالرسل أولى بالحياة لديه مع   موت الجسوم وهذه الأبدان
وهي الطرية في التراب وأكلها   فهو الحرام عليه بالبرهان
ولبعض أتباع الرسول يكون ذا   أيضا وقد وجدوه رأى عيان
فانظر إلى قلب الدليل عليهم   حرفا بحرف ظاهر التبيان
لكن رسول الله خص نساؤه   بخصيصة عن سائر النسوان
خيرن بين رسوله وسواه   فاخترن الرسول لصحة الإيمان
شكر الإله لهن ذلك وربنا   سبحانه للعبد ذو شكران
قصر الرسول على أولئك رحمة   منه بهن وشكر ذي الإحسان
وكذاك أيضا قصرهن عليه معلوم   بلا شك ولا حسبان
زوجاته في هذه الدنيا وفي الأخرى   يقينا واضح البرهان

فلذا حرمن على سواه بعده ... إذ ذاك صونا عن فراش ثان
لكن أتين بعدة شرعية ... فيها الحداد وملزم الأوطان
هذا ورؤيته الكليم مصليا ... في قبره أثر عظيم الشان
في القلب منه حسيكة هل قاله ... فالحق ما قد قال ذو البرهان
ولذاك أعرض في الصحيح محمد ... عنه على عمد بلا نسيان
والدارقطني الإمام أعله ... برواية معلومة التبيان
أنس يقول رأى الكليم مصليا ... في قبره فاعجب لذا الفرقان
فرواه موقوفا عليه وليس بالمرفوع ... أشواقا إلى العرفان
بين السياق إلى السياق تفاوت ... لا تطرحنه فما هما سيان
لكن تقلد مسلما وسواه ممن ... صح هذا عنده ببيان
فرواته الأثبات أعلام الهدى ... حفاظ هذا الدين في الأزمان
لكن هذا ليس مختصا به ... والله ذو فضل وذو إحسان
فروى ابن حبان الصدوق وغيره ... خبرا صحيحا عنده ذا شان
فيه صلاة العصر في قبر الذي ... قد مات وهو محقق الإيمان
فتمثل الشمس الذي قد كان يرعاها ... لأجل صلاة ذي القربان
عند الغروب يخاف فوت صلاته ... فيقول للملكين هل تدعاني
حتى أصلي العصر قبل فواتها ... قالا ستفعل ذاك بعد الآن
هذا مع الموت المحقق لا الذي ... حكيت لنا بثبوته القولان
هذا وثابت البناني قد دعا ... الرحمن دعوة صادق الإيقان
أن لا يزال مصليا في قبره ... إن كان أعطى ذاك من إنسان
سراج فوق جميع ذي الأكوان ... لكن رؤيته لموسى ليلة المعـ
يرويه أصحاب الصحاح جميعهم ... والقطع موجبة بلا نكران
ولذاك ظن معارضا لصلاته ... في قبره إذ ليس يجتمعان
وأجيب عنه بأنه أسرى به ... ليراه ثم مشاهدا بعيان
فرآه ثم وفي الضريح وليس ذا ... بتناقض إذ أمكن الوقتان
هذا ورد نبينا التسليم من ... يأتي بتسليم مع الإحسان
ما ذاك مختصا به أيضا كما ... قد قاله المبعوث بالقرآن
من زار قبر أخ له فأتى بتسليم ... عليه وهو ذو إيمان
رد الإله عليه حقا روحه ... حتى يرد عليه رد بيان
وحديث ذكر حياتهم بقبورهم ... لما يصح وظاهر النكران

فانظر إلى الإسناد تعرف حاله ... إن كنت ذا علم بهذا الشان
هذا ونحن نقول هم أحياء ... لكن عندنا كحياة ذى الأبدان
وعن الشمائل ثم عن أيمان ... والترب تحتهم وفوق رؤوسهم
مثل الذى قد قلتوه معاذنا ... بالله من إفك ومن بهتان
بل عند ربهم تعالى مثل ما ... قد قال فى الشهداء فى القرآن
لكن حياتهم أجل وحالهم ... أعلى وأكمل عند ذى الإحسان
هذا وأما عرض أعمال العباد ... عليه فهو الحق ذو إمكان
وأتى به أثر فإن صح الحديث ... به فحق ليس ذا نكران
لكن هذا ليس مختصا به ... أيضا بآثار روين حسان
فعلى أبى الإنسان يعرض سعيه ... وعلى أقاربه مع الإخوان
إن كان سعيا صالحا فرحوا به ... واستبشروا يا لذة الفرحان
أو كان سعيا سيئا حزنوا وقالوا ... رب راجعه إلى الإحسان
ولذا استعاذ من الصحابة من روى ... هذا الحديث عقيبه بلسان
يا رب إنى عائذ من خزية ... أخزى بها عند القريب الدانى
ذاك الشهيد المرتضى ابن رواحة ... المحبو بالغفران والرضوان
لكن هذا ذو اختصاص والذى ... للمصطفى ما يعمل الثقلان
هذى نهايات لأقدام الورى ... فى ذا المقام الضنك صعب الشان
والحق فيه ليس تحمله عقول ... بنى الزمان لغلظة الأذهان
ولجهلهم بالروح مع أحكامها ... وصفاتها للإلف بالأبدان
فارض الذى رضى الإله لهم به ... أتريد تنقض حكمة الديان
هل فى عقولهم بأن الروح فى ... أعلى الرفيق مقيمة بجنان
وترد أوقات السلام عليه من ... أتباعه فى سائر الأزمان
وكذاك إن زرت القبور مسلما ... ردت لهم أرواحهم للآن
فهم يردون السلام عليك ... لكن لست تسمعه بذى الأذنان
هذا وأجواف الطيور الخضر ... مسكنها لدى الجنات والرضوان
من ليس يحمل عقله هذا فلا ... تظلمه واعذره على النكران
للروح شأن غير ذى الأجسام لا ... تهمله شأن الروح أعجب شان
وهو الذى حار الورى فيه فلم ... يعرفه غير الفرد فى الأزمان
هذا وأمر فوق ذا لو قلته ... بادرت بالإنكار والعدوان
فلذاك أمسكت العنان ولو أرى ... ذاك الرفيق جريت فى الميدان

هذا وقولي إنها مخلوقة وحدوثها المعلوم بالبرهان
هذا وقولي إنها ليست كما قد قال أهل الإفک والبهتان
لا داخل فينا ولا هي خارج عنا كما قالوه في الديان
والله لا الرحمن أثبتم ولا أرواحكم يا مدعي العرفان
عطلتم الأبدان من أرواحها والعرش عطلتم من الرحمن

(الکافیۃ الشافیۃ، فی الانتصار للفرقۃ الناجیۃ ''القصیدۃ النونیۃ'' للامام ابن قیم الجوزیۃ ص ۲۱۵ الی ۲۲۳ طبع الریاض)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر مولانا عبد الحمید تونسوی دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ اور اس کے ساتھ آپ کی کتاب ''احقاق الحق'' موصول ہوئی حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر اور سماع عند القبر کا موضوع ہرگز ایسا نہیں تھا کہ اسے انکار وتشتت کا ہدف بنایا جاتا اور پھر خاص کر رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس! یہاں تو ''نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا'' والا معاملہ ہے۔ بہر حال طعنہ زنوں اور منکرین کی مغالطہ انگیزیوں نے حضرات علمائے اہل سنت کی توجہ اس فتنے کی سرکوبی کی طرف مائل کی اور یوں اس موضوع پر ضخیم وعمیق کتابوں سے لے کر سہل اور عام فہم کتابچوں تک کا ایک کتب خانہ تیار ہوگیا۔ خود آپ کی یہ تالیف اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ احقر نے مختلف مقامات سے اس کا مطالعہ کیا، ماشاء اللہ! آپ نے اہل سنت بزرگوں کا مسلک ان ہی کی عبارات وتصریحات کی روشنی میں بڑے عام فہم انداز میں جمع کردیا ہے۔

ابھی آپ کی اس کتاب کے متعلق خط لکھوا ہی رہا تھا کہ کل آپ تشریف لائے اور اپنا تالیف کردہ ایک اور رسالہ ''ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت'' عنایت فرمایا۔ احقر نے اپنا خط روک کر ایک ہی نشست میں اس کا مکمل مطالعہ کرلیا۔ ماشاء اللہ بہت ہی دلچسپ اور مفید رسالہ ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دونوں تالیفات کو قبول فرمائے، خلق خدا کو اس سے خوب فائدہ ہو اور یہ منکرین کی ہدایت کا ذریعہ بن جائیں۔ آمین ثم آمین! والسلام!

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی رائے گرامی

۲۶ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ/ ۴ مئی ۲۰۱۶ء

خادم جامعہ فاروقیہ، کراچی

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین

وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد!

حضرات انبیائے کرام بالخصوص نبی اکرم ﷺ کا اپنے روضہائے مبارکہ میں جسد عنصری کے ساتھ موجود ہونا اور اس جسد عنصری کے ساتھ ارواح طیبہ کا ایسا تعلق ہونا جس سے حیات اور تنعم کے لوازمات کا ان اجساد مبارکہ پر طاری ہوتے ہوں، قرآن وسنت کی کئی نصوص سے دلالۃً، اشارۃً، اقتضاءً اور عبارۃً ثابت ہے، یہ ثبوت ایسا

واضح، غیر متکلم فیہ اور اتفاقی ہے کہ امت میں سے کسی قابل ذکر صاحب علم کو کسی بھی دور میں کوئی اشکال یا تردد درپیش نہیں ہوا۔ مگر افسوس کہ ساٹھ کی دہائی میں ہمارے بعض حضرات شاید علمائے جند کے مزعومہ عقائد توحید سے متاثر ہو کر ان کی نقالی کرتے ہوئے قبر پرستی کے روایتی طرز عمل کی نفی کے لئے عام اموات کی معروف قبر کی زندگی کی نفی کرتے کرتے انبیائے کرام علیہم السلام اور بالخصوص نبی اکرم ﷺ کی اپنی قبر مبارک میں حیات کی نفی تک جا پہنچے، یہ طرز عمل کئی ثابت شدہ مسلمہ نصوص کے ردوقدح کے علاوہ گستاخانہ تعبیرات وخیالات تک بھی پہنچنے لگا تو اکابر دیوبند نے مل بیٹھ کر حیات انبیاء اور عام اموات کے برزخی احوال سے متعلق اتفاقی طور پر تحقیق وتنقیح کی ضرورت محسوس فرمائی۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف لطیف ''تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتی فی البرزخ والقبور'' اسی ضرورت کا نتیجہ ہے، جس پر ملک بھر کے اس وقت تقریباً تمام بڑے بڑے مشہور اکابر کی تائیدات ثبت ہیں۔ ''تسکین الصدور'' میں بیان کردہ عقائد اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کے متفقہ ومسلمہ عقائد ہیں، اگر سلف وخلف میں سے کسی قابل ذکر ہستی کی لفظی تعبیرات سے کسی کو حیات انبیاء کے بارے میں شک وشبہ پیدا ہوا ہو تو ''تسکین الصدور'' میں مذکور اکابر دیوبند کی تصریح کے بعد اس شک وشبہ کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی، اس لئے علمائے دیوبند کے منتسبین پر لازم ہے کہ وہ ''المہند علی المفند'' کے بعد ''تسکین الصدور'' کے مندرجات کی روشنی میں اپنا عقیدہ ونظریہ جانچتے پرکھتے رہیں، اگر کہیں فکری یا لفظی انحراف کا عارضہ محسوس کریں تو فوراً علمائے دیوبند کے اجتماعی حلقے کی طرف پلٹ آئیں، اسی میں عافیت ونجات ہوگی۔ ان شاء اللہ!

مولانا محمد عبدالحمید تونسوی صاحب حفظہ اللہ نے بھی اسی موضوع پر ''احقاق الحق'' یعنی عقیدۂ حیات الانبیاء اور اس کے دلائل کے عنوان سے علمی وتحقیقی انداز میں مدلل کتاب لکھی ہے، جسے چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھنے کا موقع ملا، یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر کافی شافی ہے، اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے علمی وتحقیقی ذوق میں اضافہ فرمائے اور ان کے علم وقلم کو احقاق حق وابطال باطل کے لئے استعمال فرمائے، آمین!

وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین۔ والسلام

(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر (مدظلہ)

مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۳۲/۸/۱۴۳۷ھ ۳۱/۵/۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

وعلی الہ واصحابہ اجمعین الی یوم الدین۔ اما بعد!

عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ کے مبارک عقیدہ وعنوان پر مختصر اور مطول کتب کا قدیم وجدید بہت بڑا ذخیرہ معرض وجود میں آچکا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ حضرات جنہوں نے اس مقدس موضوع پر تقریراً وتحریراً خدمت انجام دی ہے۔ انہیں خوش نصیب وخوش قسمت علماء میں سے محقق ومدقق خطیب اہل السنۃ حضرت مولانا محمد عبدالحمید تونسوی مدظلہ ہیں۔ مولانا موصوف نے (احقاق الحق) کے نام سے ایک معتدل، مدلل، باحوالہ کتاب مثبت انداز میں مرتب کی ہے اور اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے اسلاف کی کتب سے دلائل کا ذخیرہ جمع کر کے پیش کیا ہے۔ دلائل دو قسم

کے پیش کیے گئے ہیں، بعض دلائل اساسی و بنیادی نوعیت کے ہیں اور بعض تائیدی دلائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ اگر منصف مزاج لوگ اس کتاب کا مطالعہ کر کے مسئلہ حیات النبی ﷺ سمجھنے کی کوشش کریں گے، تو ان شاء اللہ العزیز! اللہ تعالیٰ ان پر ہدایت کا دروازہ کھول دیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ (احقاق الحق) کو قبولیت تامہ عطاء فرما کر دنیا میں ہدایت کا آخرت میں شفاعت رسول کریم ﷺ اور نجات کا ذریعہ بنائیں۔آمین

فقط والسلام مع الاکرم

منیر احمد غفرلہ

خادم الطلبہ والاساتذہ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

۴ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ بروز جمعۃ المبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محقق العصر، علامہ عبدالحمید تونسوی زید مجدہ کی کتاب مستطاب ''احقاق الحق'' عقیدہ حیات الانبیاء اور اس کے دلائل'' وصول ہوئی۔ مسئلہ حیات الانبیاء'' پر چھوٹی، بڑی بیسیوں کتب معرض وجود میں آچکی ہیں۔ مفصل اور مبسوط تصنیف ڈاکٹر علامہ خالد محمود مدظلہ کی ''مقام حیات'' ہے۔

حضرات علماء کرام نے مسئلہ حیات الانبیاء۔ بالخصوص حیات النبی ﷺ وسماع عند القبر کو پوری شرح وبسط سے آشکارا فرمایا ہے۔ زیر نظر کتاب ''احقاق الحق'' بھی اسی موضوع سے متعلق ہے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے۔

ہر گلے را رنگ وبو دیگر است

حضرت اقدس علامہ عبدالحمید تونسوی دامت برکاتہم کا انداز بیان شستہ وشگفتہ، سہل وسلیس اور دل نشین ہے۔ دلائل و براہین مسلمہ اصول کے مطابق قرآن وحدیث اور بعد ازیں اجماع امت سے مزین فرمایا ہے۔ مسئلہ پوری صراحت ووضاحت سے بیان کیا ہے۔ کوئی ابہام اور شک باقی نہیں رہا۔ روضہ اطہر میں رحمت کائنات ﷺ کی حیات طیبہ اور سماع درود وسلام پوری طرح آشکارا فرمادیا ہے۔

کتاب ہذا اپنے موضوع پر یگانہ وفرزانہ اور البیلی ہے۔ دلائل و براہین نہایت وقیع اور مبنی برحقائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مفید عام بنائے اور ہر مسلمان کو اس سے مستفید ہونے اور اپنے افکار ونظریات کی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائے۔

حضرت العلامہ کی جملہ دینی خدمات کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے اور اسی نہج پر مزید دینی خدمات انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں امین باد

محمد عبدالمعبود عفی اللہ عنہ

۲۰ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۶ء

غوری ٹاؤن فیز ۵۔ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قارئین کرام! مرنے کے بعد عالم برزخ میں ہر انسان کے جسم اصلی کے ساتھ روح کا غیر محسوس تعلق رہتا ہے جب کہ عقائد کی کتابوں میں نوع من الحیاۃ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے درجات مختلف ہیں۔ سب سے اعلیٰ حیات کا درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے اسی مسئلہ کو مسئلہ حیاۃ انبیاء علیہم السلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کو ضروریات اہلسنت والجماعت میں شمار کیا گیا ہے اور اس کے منکر کو بدعتی کہا گیا ہے۔ ہمارے پاک و ہند میں اس کا انکار پاکستان بننے کے تقریباً دس گیارہ سال بعد شروع ہوا۔ قائلین حیات النبی ﷺ کو مشرک تک کہا جانے لگا۔ اس وقت سے لے کر آج تک منکرین حیات کی تردید اور نفسِ حیات کے دلائل کو عوام کے سامنے علمائے حقہ نے تحریراً اور تقریراً واضح کیا۔

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب تونسوی زیدت فیوضہ نے کوشش کر کے اس مسئلہ کے تمام دلائل کو یکجاء کر دیا ہے اور کتاب کا نام احقاق الحق رکھا ہے۔ چونکہ منکرین حیات اس مسئلہ کو قرآن پاک کے خلاف کہتے تھے اور قرآن پاک کی بعض آیات جن میں آنحضرت ﷺ کے لئے وعدۂ موت ہے ان کو حیات فی القبر کے نزاعی مسئلہ میں بے موقع اور بے محل پیش کرتے تھے اور جاہل عوام سمجھتے تھے کہ واقعتاً یہ مسئلہ قرآن کے خلاف ہے۔

اس وہم کے ازالہ کے لئے مولانا نے اپنی کتاب کا پہلا باب ہی قرآنی دلائل سے شروع کیا تاکہ پتہ چل جائے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ قرآن کے خلاف نہیں قرآن کے موافق ہے۔ آیات قرآنیہ کی تفسیر بھی خود نہیں کہ بلکہ اکابر کی متواتر تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔

شریعت کا دوسرا ماخذ احادیث نبویہ ہیں منکریں حیات کا پروپیگنڈہ یہ تھا کہ حیات النبی ﷺ کی روایات ضعیف ہیں (جب کہ منکرین حیات کے پاس ضعیف حدیث تو درکنار کوئی چھوٹی حدیث بھی ایسی نہیں جس کا ترجمہ ہو کہ انبیاء اپنی قبروں میں مردہ ہیں) تو مولانا نے دوسرا باب احادیث نبویہ کے دلائل کا قائم کیا اور احادیث کا اتنا ذخیرہ اکٹھا کر دیا کہ امید قوی ہے کہ منکرین حیات بھی اتنی احادیث کو ضعیف کہنے سے شرمائیں گے ورنہ قائلین حیات اور عوام کا ایمان تو ان دلائل سے مضبوط ہوگا۔

پھر بعض حضرت منکرین کو بدعت کے فتویٰ سے بچانے کے لئے عوام کو کہتے ہیں کہ یہ فروعی اختلاف ہے جیسے رفع الیدین اور آمین بالجہر والسر کا اختلاف ہے اس لئے منکرین حیات پر بدعت کا فتویٰ لگانا تشدد ہے اس کے ازالہ کے لئے مولانا نے تیسرا باب قائم کیا کہ فروعی مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے۔

اور اس مسئلہ میں اہل سنت کے چاروں مجتہد متفق ہیں اور چاروں فقہ کے حوالے ذکر کر کے بتا دیا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والا مذاہب اربعہ اہل سنت سے خارج اور بدعتی ہے۔ پھر چوتھے باب میں ثابت کیا کہ اکابر اہل سنت کے مخالف پیدا ہونے والے مشہور فرقہ کے بڑے مشاہر بھی اس مسئلہ میں اکابر کی مخالفت نہ کر سکے مگر منکرین حیات اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔

بعض مضامین اور مسائل ایسے بھی نظر سے گزرے ہیں کہ اصلی دیوبندی منکرین حیات ہیں اور قائلین حیات جعلی دیوبندی ہیں اور بعض اکابر کا مبہم عبارات کا مفہوم بگاڑ کر عوام کا ذہن خراب کرتے ہیں تو حضرت مولانا

مدظلہ نے پانچویں باب میں اکابرین علمائے دیوبند کی صریح عبارت ذکر کر کے بتادیا کہ جس طرح آجکل تمام ملحدین قرآن وحدیث فقہ کی مجمل آیات وعبارات کو صریح آیات، روایات وعبارات کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں یہی حال ان منکرین حیات کا ہے کہ اکابر کی صریح عبارات کو چھوڑ دیتے ہیں اور مجمل عبارات کا خود تراشیدہ مفہوم عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا اکابر کی صریح عبارات پڑھ کر عوام مجمل عبارات کی طرف نہیں جائیں گے۔

اس کتاب کا نام مولانا نے احقاق الحق رکھا ہے بہت ہی مفید کتاب ہے طلباء علماء جب کہ عوام کے لئے بھی مفید ہے جب کہ فریق مخالف بھی اگر تعصب کی عینک اتار کر اسے پڑھے گا تو اس کی بھی ہدایت کی امیدیں قوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ کی اس کتاب کو شرف قبولیت عطاء فرمائیں اور ان کے لئے دنیا وآخرت کا ذخیرہ اور عوام کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین بحق رسولہ النبی الکریم! کتبہ: محمد انور اوکاڑوی

مدرس جامعہ خیرالمدارس ملتان

۱۹ر جمادی الاوّل ۳۸ھ

ماہنامہ ’’لولاک‘‘ ملتان کا تبصرہ

کتاب ’’احقاق الحق‘‘ جس کے مصنف حضرت مولانا عبدالحمید تونسوی ہیں، جو مناظر اسلام مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں۔ دارالعلوم کبیروالا کے فارغ التحصیل، متعدد مدارس میں عرصہ تک تدریس کرتے رہے۔ اب تبلیغ کے میدان کا انتخاب کیا۔ پورا ملک ان کا حلقہ تبلیغ ہے۔ جامع مسجد صدیقیہ تنظیم اہل سنت کے خطیب ہیں۔ جس کے کسی زمانہ میں مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری، مولانا عبدالشکور دین پوری اور مولانا عبدالستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہم خطیب رہ چکے ہیں۔ موجودہ خطیب مولانا محمد عبدالحمید تونسوی بھی انہیں کی روایات کا علم تھامے آگے بڑھ رہے ہیں۔

اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔ پہلے باب میں چودہ دلائل ہیں۔ قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے اور تائید میں اسلاف کی تفسیری کتب کو پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں احادیث مبارکہ سے عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام پر تیس دلائل احادیث کو جمع کیا گیا ہے، احادیث کی توضیح واستدلال میں بھی محدثین کی کتب کے حوالہ جات لائے گئے ہیں۔

تیسرے باب میں چاروں فقہوں کے آئمہ اور اکابر کی عقیدہ حیات الانبیاء پر تصریحات کو ان کی کتب سے مصرح کیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں علماء اہل حدیث کے تصریحات، حیات الانبیاء پر ان کی کتب سے باحوالہ پیش کی گئی ہیں۔

باب پنجم میں اکابر دیوبند کی تصریحات حیات الانبیاء پر باحوالہ نقل کی گئی ہیں۔ حیات الانبیاء کے دلائل پر یہ کتاب اس حوالہ سے نئی کتاب ہے کہ اس میں مصنف نے اپنی طرف سے بہت کم جو نہ ہونے کے برابر ہے، لکھا ہے۔ ورنہ صرف قرآن مجید، احادیث نبویہ پر تفاسیر اور کتب حدیث کی تشریحاتی کتب کے حوالہ جات نقل کردیئے ہیں۔ پوری کتاب میں کہیں بھی مصنف کے قلم نے شوخی کا انداز اختیار نہیں کیا۔ ڈھیرے ڈھیرے دلائل کے انبار لگائے اور خوبصورت کتاب کا گلدستہ پیش کردیا ہے، جو ہر اعتبار سے دلربا ہے۔ پڑھیں کہ پڑھنے کی چیز ہے۔ (ماہنامہ لولاک ملتان، شمارہ ۶، جلد ۲۱، بابت ماہ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ/ مارچ ۲۰۱۷ء)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

الدلائل القویّہ
فی اثبات
حیاۃ النبویّہ

تالیف:

حضرت مولانا عبدالغنی طارق لدھیانوی مدظلہ

الدلائل القویہ

فی اثبات

حیاۃ النبویہ

حضرت مولانا عبدالغنی طارق لدھیانوی مدظلہ

فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور
ایم۔اے عربی اسلامیہ یونیورسٹی (بہاولپور)
ایم۔اے اسلامیات بلوچستان یونیورسٹی (کوئٹہ)
مدیر واستاذ حدیث: جامعہ حمیرا للبنات

ناشر مکتبۃ الحمیرا متصل جامعہ حمیرا للبنات علامہ اقبال ٹاؤن رحیم یار خان
فون: 068-5886715 فیکس: 068-5886315

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

مولانا عبدالغنی طارق لدھیانوی

رحیم یار خان کے مولانا عبدالغنی طارق نے ایک کتابچہ:

"الدلائل القویہ فی اثبات حیات النبویہ"

۱۹۸۳ء میں مرتب کیا۔ قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور علماء اسلام کے اقوال باحوالہ اس میں درج کئے۔ اس مجموعہ میں یہ بھی شامل اشاعت ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم ۔ اما بعد!

تمام امت محمد یہ ﷺ کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ رسول خدا ﷺ اپنی قبر اطہر کے اندر زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک اعلیٰ باغ ہے اور اس مسئلہ پر بھی اجماع ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے روضہ اطہر پر جا کر سلام عرض کرے تو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ پونے چودہ سو سال گزرنے تک کسی نے اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ کی حیات قبر کا انکار کیا اور نہ سماع عند القبر کا انکار کیا۔ چودھویں صدی کے آخر میں کچھ لوگ ''وجوہ یومئذ علیھا غبرۃ'' کے مصداق پیدا ہوئے یعنی ان کے چہروں پر اس دن سیاہی ہوگی انہوں نے ان سب مسائل کا انکار کر دیا اور یہ کہنے لگے کہ حیات فی القبر اور سماع عند القبر کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ ان بیوقوفوں کا ایسا دعویٰ تمام امت کو گمراہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ جب کہ محسن انسانیت نے فرمایا: ''ان اللہ لا یجمع امتی علیٰ ضلالۃ'' میری امت کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر جمع نہیں کریں گے اور یہ بات خوب جان لیں کہ جس بات پر امت کا اجماع ہو جائے وہ حق ہوتی ہے اور قرآن وحدیث کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ اس مسئلے کے بارے میں تو بہت سی احادیث وارد ہیں جن کو ہم ان شاء اللہ عنقریب صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کریں گے اور ساتھ ہی محدثین کے اقوال بھی ذکر کریں گے۔ بندہ ناچیز حضرت مولانا معاذ الرحمن اور اپنی بیٹیوں کا شکرگزار ہے۔ جنہوں نے پروف ریڈنگ میں تعاون کیا۔

فقط: بندہ عبدالغنی طارق لدھیانوی

ایک خاص بات

جو لوگ حیات قبر اور سماع قبر کا انکار کرتے ہیں درحقیقت وہ عالم برزخ کی حقیقت کو نا جاننے کا نتیجہ ہے اور وہ ایک غلط فہمی میں بتلاء ہیں ان کی ناقص عقل نے یہ کیا کہ عالم برزخ ظرف مکان ہے یعنی وہ کسی جگہ کا نام ہے اور پھر انہوں نے اپنی عقل سے طے کر لیا کہ وہ جگہ علیین اور سجین ہے اور یہ غلط فہمی ان کے دماغ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ جب بھی دوزخ اور قبر کا ذکر ہوتا ہے تو ان کا ذہن فوراً علیین اور سجین کی طرف رغبت کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی بیوقوفی ہے عالم برزخ ظرف مکان نہیں بلکہ ظرف زمان ہے۔ یعنی وقت اور زمانہ کا نام ہے (جس طرح رات اور دن سے کوئی خاص مکان مراد لینا کھلم کھلا گمراہی ہے۔ اسی طرح برزخ سے علیین اور سجین مراد لینا بھی کھلم کھلم گمراہی اور بیوقوفی ہے۔ عالم برزخ ظرف زمان ہے۔ موت سے لے کر قیامت تک کے درمیانی وقت کو برزخ کہتے ہیں یعنی مرنے والا روح مع الجسد برزخ میں پہنچ جاتا ہے)

برزخ مردہ کے ہر مکان کو شامل ہے۔ مردہ قبر میں ہو تو برزخ ہے مردہ جانور کے پیٹ کے اندر ہو تو برزخ ہے۔ مردہ پانی کے اندر ہو تو برزخ ہے، مردہ شیئے کے محلات کے اندر ہو تو برزخ ہے مقصد یہ ہے کہ مردہ جس حالت یا جس جگہ بھی ہو اس کے لئے وہ برزخ ہے۔ جیسے سورج طلوع ہوتا ہے تمام لوگ دن میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ گھر میں ہوں یا بازار میں ہوں یا مسجد میں ہوں سب کے سب دن میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دن کا وقت آدمی کی ہر جگہ کو شامل ہے اسی طرح برزخ مردہ کے ہر مکان کو شامل ہے۔ اب کوئی کم عقل یہ کہے کہ روح تو برزخ میں داخل ہو جاتی ہے اور جسد کا مکان قبر برزخ میں داخل نہیں ہوتا تو اسی طرح ہے کہ کوئی کہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو مسجد والے دن میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن گھر والے دن میں داخل نہیں ہوتے۔ جب ثابت ہو گیا کہ برزخ کسی مکان کا نام نہیں بلکہ زمانہ کا نام ہے۔ لفظ برزخ سے قبر کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ہر مرنے والا شخص اہل برزخ بھی ہے اہل قبر بھی ہے۔

غلام خانیوں کا پرویزی دین

حضرات شہداء کرام کی برزخی پر بحث کرتے ہوئے فسادیوں کے علامہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں: ''مگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جو اہم ترین اور اعلیٰ ترین اور حیات شہداء سے الگ مراتب کثیرہ، اس سے قرآن مجید کا ساکت ہونا دلیل ہے اس امر کی انبیاء کا زندہ در قبر ہونا یہ کوئی مسئلہ قابل اعتبار نہیں، السکوت فی معرض البیان بیان کے موقع پر بیان نہ کرنا بھی بیان ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا بیان ہوتا۔'' (ندائے حق ص ۲۵۳)

اس عبارت کی دوسری کوتاہیوں کو چھوڑ کر صرف علامہ صاحب کی یہ بات ملاحظہ فرمائیں چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا ذکر قرآن میں نہیں اس لئے یہ کوئی مسئلہ قابل اعتبار نہیں یعنی یہی کچھ پرویز صاحب اور ان کے حواری کہتے ہیں جو کچھ قرآن سے باہر ہے ظنی ہے اور قابل اعتبار نہیں۔

غلام خانیوں کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم عادل نہیں (معاذ اللہ)

سب اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں اور ان کے ہاں کلھم عدول کا جملہ بہت مشہور ہے۔ چنانچہ ان کم عقل لوگوں کے امام علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ اس پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ان کو صرف صحابی غیر معروف الفقہ والعدالۃ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ملی۔'' (ندائے حق ص ۱۳۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقیہ اور غیر فقیہ ہونے میں اختلاف فقہاء کرام سے منقول ہے۔ لیکن ان کی عدالت پر کلام بجز روافض کے کسی نے نہیں کیا۔ لیکن مؤلف ندائے حق ان کو عادل بھی تسلیم نہیں کرتے اور اپنی گندی زبان کھول کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ۵۳۷۴ حدیثوں پر پانی پھیر رہے ہیں۔

نعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم!

اب ہم ان کے کچھ تعارف کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پر قرآن واحادیث اور محدثین کے اقوال پیش کرتے ہیں اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں اور

اپنے آنے والوں کو پہچانتے ہیں اور سلام عرض کرنے والوں کا جواب بھی دیتے ہیں۔ ہمارے اس مختصر رسالہ کے مطالعہ کے بعد آپ کو کسی بڑی کتاب کا مطالعہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ ان ہی دلائل سے جو ہم نے اس کے اندر ذکر کر دیئے ہیں اپنے مخالف پر قابو پانے کے لئے کافی ہیں۔ سب سے پہلے کلام پاک سے ابتداء ہے۔

قرآن پاک سے پہلی دلیل

''یاایھاالذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم'' (الحجرات:۲)

اسی آیت کے تحت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (شفاء السقام ص ۱۷۲) پر وہ فرماتے ہیں کہ:
''جب حضور ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اس وقت اونچا بولنے سے اعمال ضائع ہو جاتے تھے اور بعد وصال کے بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی آیت تلاوت کی۔ آپ کے ہمسائے دیوار میں کیل گاڑھ رہے تھے۔ آپ نے پیغام کے لئے قاصد روانہ کیا فرمایا کہ تمہارے کیل کی آواز سے حضرت کو تکلیف ہوتی ہے۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ محدث اپنی کتاب کے اندر لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دیوار کے لئے دروازہ بنوانا تھا۔ آپ نے پیغام بھیجا کہ دروازہ یہاں نہ بنانا۔ کیونکہ آپ کے دروازے کی آواز سے حضور اقدس ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ کے اندر ایک شخص کو اونچا بولتے دیکھا اور یہ الفاظ فرمائے: ''لقد اذیت رسول اللہ ﷺ فی قبرہ'' یعنی تو نے حضور ﷺ کو اس قبر میں تکلیف پہنچائی ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے اور ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اونچے بولنے سے حضور ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مردوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ ایسا بالکل نہیں کہ مردوں کو تکلیف ہو، ہمیشہ زندوں کو ہی ہر تکلیف ہوتی ہے۔

دوسری دلیل

''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولٰکن لا تشعرون'' (البقرۃ:۱۵۴)

اللہ تعالیٰ نے آیت شہداء کے بارے میں نازل فرمائی ہے۔ ایمان والوں کو مخاطب کیا ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ جب میدان احد کو جا رہے تھے ان کو جاتے دیکھ کر کافر بھی کہتے تھے کہ زندہ ہیں، منافق بھی کہتے تھے کہ زندہ ہیں، مسلمان بھی کہتے تھے کہ زندہ ہیں۔ لیکن جب جسم مبارک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اب کافر کہتا ہے کہ زندہ نہیں، منافق کہتا ہے کہ زندہ نہیں کیونکہ کل والی زندگی آنکھ سے نظر آتی تھی آج والی زندگی آنکھ سے نظر نہیں آتی اس پر صرف ایمان والے اللہ کے کہنے پر یقین کر سکتے ہیں۔ کافر کے پاس آنکھ تو ہے لیکن ایمان نہیں اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جو جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں ان کو مردہ نہ کہو۔ کیونکہ قتل روح نہیں ہوتی بلکہ جسم ہوتا ہے کافر اس کو زندہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ مومن کو فرماتے ہیں کہ تیرے شعور میں یہ نہیں ہے، کیونکہ تیری آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی۔ تیرے کان اس زندگی کو محسوس نہیں کر سکتے، شعور کے درجہ سے اگرچہ باہر ہے لیکن مردہ نہ کہنا چاہئے بلکہ وہ زندہ ہیں قرآن پاک کی اس آیت کے تحت اہلسنت کے مفسرین، محدثین، امام بیہقی و دار قطنی، علامہ سخاوی و علامہ سبکی رحمہم اللہ (شفاء السقام) یہ سب

لکھتے ہیں کہ شہداء کو یہ مرتبہ ملتا ہے انبیاء کی تابعداری کی وجہ سے تمام شہداء کی حیات سے نبی کی حیات اعلیٰ وافضل ہوتی ہے۔ جب شہداء کی یہی حیات قرآن نے تسلیم کر لی تو انبیاء کی بھی یہی ہوئی۔

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جس طرح شہداء اپنی قبروں کے اندر زندہ ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں کے اندر زندہ ہوتے ہیں۔ اس باب کے اندر بہت سی آیات موجود ہیں۔ اختصار کے طور پر یہی دلائل کافی ہیں۔ اب اس کے بعد احادیث رسول ﷺ سے اس کو ثابت کریں گے کہ رسول خدا اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ تمام اہل سنت کے نزدیک انبیاء کرام اپنی قبر اور برزخ میں زندہ ہیں اور ان کی زندگی تمام شہداء سے افضل واعلیٰ ہے۔ اب ہم اس کی تائید میں حدیثیں نقل کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ واقعی انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

پہلی دلیل

امام ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالجہم الارزق بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یحییٰ بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔ ہم سے مسلم بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا وہ حجاج رحمۃ اللہ علیہ سے وہ حضرت ثابت سے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (شفاء السقام ص ۱۳۴ وحیات الانبیاء ص ۱۱ للبیہقی) کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کر کے اس کی توثیق کرتے ہیں اور اسی سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ روایت بدوں سند (خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱) میں اور پہلے راوی کے علاوہ بقیہ رواۃ کے ساتھ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۲) اور (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹) میں بھی مذکور ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وصححه البیهقی'' (فتح الباری ج ٦ ص ۳۵۲) کہ اس حدیث کی امام بیہقی نے تصحیح کی ہے۔ حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ووافقه الی الحافظ فی المجلد السادس'' (فیض الباری ج ۲ ص ٦۴) کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اتفاق کیا ہے اور علامہ عثمانی بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹) علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رجال ابی یعلی ثقات'' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱) ابویعلی کی روایت کے سب راوی ثقہ ہیں۔ علامہ عزیزی لکھتے ہیں: ''وھو حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۲ ص ۳۴) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ: ''صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۲) ''الانبیاء احیاء فی قبورھم'' حدیث صحیح ہے۔ علامہ عبدالرؤف مناوی فرماتے ہیں: ''ھٰذا حدیث صحیح'' (فیض القدیر ج ۳ ص ۸۴) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۴۴ وجذب القلوب ص ۱۸۰)

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین (ص ۲۸ طبع مصر) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴) سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''رواہ ابویعلی برجال ثقات'' (رواہ البیہقی وصححہ) (وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۰۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، صحیح ہے۔ (فضائل درود ص ۳۷)

حضرات گرامی! آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے اس کے تمام روات ثقہ ہیں اور جمہور محدثین کرام رحمہم اللہ اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اصول میں اس سے زیادہ قوی دلائل موجود نہیں کہ جمہور محدثین کرام رحمہم اللہ اس کی صحت پر متفق ہوں۔

دوسری دلیل

امام نسائی فرماتے ہیں ہم سے عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا انہوں نے معاذ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے عبداللہ بن سائب رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ زاذان رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان للہ ملٰئکتہ سیّاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔ (نسائی ج ۱ ص ۱۴۳، مسند احمد ص ۴۴، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷، دارمی ص ۳۷۲، موارد الظمآن ص ۵۹۴، مشکوۃ ص ۸۶، اور البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳ وخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰ وتحریرات حدیث ص ۲۱۱)

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نسائی اور اسماعیل القاضی رحمۃ اللہ علیہ صحیح سند سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۴) اور علامہ ابن الہادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور اسماعیل القاضی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مختلف طریق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (الصارم المنکی ص ۱۶۸) علامہ عزیزی فرماتے ہیں: ''حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۸)، علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴) کہ محدث بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے اس کے جملہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں اور یہ روایت (مستدرک ج ۲ ص ۴۲۱) میں بھی مروی ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ، دارمی رحمۃ اللہ علیہ، ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ، بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم کہتے ہیں یہ صحیح الاسناد ہے۔ (القول البدیع ص ۱۱۵)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت کی، یہ مضمون متواتر طور پر ثابت ہے۔ فتاویٰ عزیزی (ج ۲ ص ۴۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امت کا سلام پہنچنا تواتر سے ثابت ہے۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: ''ان للہ ملئکۃ یسیحون فی الارض یبلّغونی صلوٰۃ من صلیٰ علیّ من امتی ''اخرجہ الدارقطنی۔ (القول البدیع ص ۱۱۵) اور شفاء السقام میں بھی مذکور ہے۔ علامہ شہاب الدین محمد بن احمد الاشبیہی اس روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں: ''ان للہ ملئکۃ سیّاحیّن فی الارض یبلغونی الصلوٰۃ من صلّی علیّ من امتی فاستغفر لھم ''(المستطرف فی کل فن مستطرف ج ۲ ص ۱۷۳ طبع مصر) علامہ عزیزی فرماتے ہیں جس طرح آپ پر سلام پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح صلوٰۃ یعنی درود بھی پیش کیا جاتا ہے۔ (السراج المعیر ج ۱ ص ۵۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام وصلوٰۃ پہنچتا ہے اور یہ بات جاننا ضروری ہے کہ سلام زندہ پر پیش کیا جاتا ہے نہ کہ مردوں پر۔ اگر قبروں والے نہیں سنتے، بتاؤ ''السلام علیکم یا اھل القبور '' کا کیا مقصد ہے اس کی وضاحت کیجئے ورنہ صحیح عقیدہ کو تسلیم کیجئے۔ خدا آپ کو ہدایت دے اور خدا لوگوں کو ان سیاہ چہرہ والے اسلام دشمنوں سے محفوظ رکھے۔

تیسری دلیل

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے محمد بن عوف رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے مقری رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابوصخر حمید رحمۃ اللہ علیہ بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے یزید بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بن قسیط رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''ما من احد یسلم علیّ الا ردالله علیّ روحی حتی اردّ علیہ السلام ''(ترجمہ) کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام نہ کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۹ واللفظ لہ مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۹) علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اسناد حسن ''(السراج المعیر ج ۳ ص ۲۷۹) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی اپنی کتاب الاذکار میں تصحیح کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الاذکار ص ۱۰۶ طبع مصر) میں لکھتے ہیں باسناد صحیح۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تمام ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کی قبور کی زیارت کے وقت سلام کہنا چاہئے۔ کیونکہ سنن ابی داؤد میں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی۔ یہ حدیث جید ہے۔ (فتاویٰ ج ۴ ص ۳۶۱)

علامہ زرقانی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''باسناد صحیح ''(زرقانی شرح المواہب ج ۸ ص ۳۰۸) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (دلیل الطالب ص ۸۴۳) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۳)، علامہ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''رواتہ ثقات'' (عقیدۃ الاسلام ص ۸۲ و فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سند کے روایت کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (القول البدیع ص ۱۱۷) اس حدیث سے بھی اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اگر کوئی وہاں جا کر سلام عرض کرے تو اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔

چوتھی دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حدیث کا (ترجمہ) البتہ ضرور حضرت عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے منصف اور امام عادل ہوں گے اور البتہ ضرور فج (جگہ کا نام) کے راستے پر حج یا عمرہ کے لئے چلیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے۔ حتیٰ کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلاشبہ میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، متدرک ج ۲ ص ۵۹۵) میں بھی مذکور ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ دونوں اس کو صحیح فرماتے ہیں۔ ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں: ''ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنّہ رواہ ابو یعلی ورجال الصحیح'' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱) اس کے راوی بخاری کے راوی ہیں۔

چار احادیث دل کو تسلی دینے کے لئے بیان کر دی ہیں، عقلمند اور اس شخص کے لئے کافی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے یا اس کی قسمت میں ہدایت لکھی گئی ہے۔ اس کے بعد اب ہم مفسرین محدثین علماء، فقہاء، اتقیاء، اصفیاء تمام علماء کے اقوال پیش کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ علماء کا کیا عقیدہ تھا اور آج کے چند بے وقوفوں، کم عقل لوگوں کا عقیدہ اس سے ظاہر ہو جائے گا۔

علماء اسلام کا عقیدہ

۱...... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۲ طبع مصر)

۲...... امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

(حیات الانبیاء ص ۱۴ وفاء الوفاج ۲ ص ۴۰۶، شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲)

۳...... حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے رب کے پاس اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۲ طبع مصر)

۴...... علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اس طرح باقی تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر قرآن میں ہے سے بڑھ کر ہے۔

۵...... امام علی بن عبدالکافی السبکی رحمۃ اللہ علیہ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵) میں لکھتے ہیں: ''بہرحال حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ اکمل اتم ہے۔ کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔'' (شفاء السقام ص ۱۵۴)

۶...... علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انہیں کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں زندہ کے لئے لازم ہے کہ عالم ہو یا جاہل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاہل تو نہیں ہو سکتے (معاذ اللہ) دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں کہ زندہ ہیں علم سے موصوف ہیں۔ امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱، ۲۸۲) علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھران پر موت کیا؟ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات الانبیاء کرام علیہم السلام پر ایک مکمل رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ (طبقات ج ۶ ص ۲۶۶)

۷...... علامہ سید نورالدین شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ بے شک یہ بات ہم تسلیم نہیں کرتے کہ آپ وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے۔ کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جب امت کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں تو ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۱)

۸...... علامہ داؤد بن سفیان البغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔ (المنحۃ الرھبیہ ص ۶ طبع استنبول)

۹...... امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ کیونکہ اس پر ہمارے ہاں دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (انباء الاذکیاء ص ۲ فتاویٰ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۴۷)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے ایک جگہ تواتر کا دعویٰ کر کے یوں لکھتے ہیں یعنی جو چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں: ''النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی (شرح البوسنوی ص ۴)'' علامہ داؤد بن سفیان بغدادی بھی اس حدیث کو متواتر کہتے ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کرتے ہیں۔ (المنحۃ الرھبیہ ص ۱۱)

۱۰...... امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اذان (اقامت) کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ (منح المنہ ص ۹۲ مصر)

۱۱...... علامہ عثمانی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

۱۲...... حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت، دارمی کی روایت میں اور قرآۃ قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

۱۳...... علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی حنفی لکھتے ہیں دو موتوں سے مراد ایک دنیا کی موت ہے دوسری قبر کی، ہاں انبیاء کرام علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ زندہ ہی رہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۶۰۰ طبع مصر)

۱۴...... علامہ ابوالوفاء علی بن محمد ابن عقیل الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (الروضۃ البہیہ ص ۱۴)

۱۵...... امام بدرالدین الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔ (مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۱۷۰)

۱۶...... فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلائی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محققین کے مطابق یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے۔ (نور الایضاح ص ۱۷۷)

۱۷...... علامہ ابن عابدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۱۲۳)

۱۸...... امام الاستاذ ابو منصور طاہر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۱، اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

۱۹...... امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے۔ (القول البدیع ص ۱۲۵)

۲۰...... علامہ محمد عابد السندی حنفی فرماتے ہیں کہ حیات الانبیاء کرام میں کوئی شک نہیں۔ اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔ (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

۲۱...... شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات متفق ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

۲۲...... حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اپنی قبر میں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۱۷)

۲۳...... حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

(مکتوبات دفتر دوم ص ۲۹ طبع لکھنو)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید تھے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نو دفعہ قسم اٹھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک دفعہ قسم اٹھاؤں کہ آپ قتل نہیں کئے گئے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔ (مستدرک ج ۳ ص ۵۸ مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۱)

اس صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو شہادت کا رتبہ بھی عطاء کیا گیا۔ ہم نے حیات النبی ﷺ کو قرآن کی آیات سے احادیث سے مفسرین اور محدثین کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اس طرح حضور ﷺ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ ہم نے یہ سب کچھ مختصر طور پر ذکر کر دیا۔ ورنہ اس باب میں بہت سی آیات بے شمار احادیث اور لاکھوں کی تعداد میں علماء کے اقوال موجود ہیں۔ جو لوگ حیات کا انکار کرتے ہیں دراصل ان کے مطالعے کی کمی ہے۔ ان کو مطالعہ کرنا چاہئے۔ اگر باوجود مطالعہ کے انکار کرتے ہیں تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ کیونکہ خدا نے ان کے نصیب میں ہدایت لکھی ہی نہیں۔ حضور ﷺ اپنے چچا کو ہدایت نہ دے سکے۔ کیونکہ خدا کی طرف سے ہدایت کا فیصلہ ہی نہیں ہوا تھا۔ تو ہم کیا چیز ہیں کہ ان لوگوں کو ہدایت دیں جن کے نصیب میں ہدایت لکھی ہی نہیں بلکہ وہ تو ''ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم وعلیٰ ابصارھم'' کے مصداق ہیں یعنی ان کے کانوں پر ان کی آنکھوں پر ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے بدنصیبی کی۔

مقصد یہ ہے کہ وہ سنتے تو ہیں لیکن حق کو نہیں سنتے دیکھتے تو ہیں لیکن حق کو نہیں دیکھتے، سب کچھ جاننے کے باوجود انکار صرف اس لئے ہے کہ امت کے اندر فساد پیدا ہو۔ ایسے لوگوں کا حشر فرعون، قارون، ہامان کے ساتھ ہوگا۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ کا منکر بدعتی اور فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے

دار العلوم دیوبند اور پاکستان کے علماء کا متفقہ فیصلہ

سوال: یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر میں اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کی قبر پر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں۔ کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت ہے یا نہیں اور ایسے عقیدہ والے کی امامت کا کیا حکم ہے۔ بیّنوا وتوجروا!

الجواب: حضور ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود وحیات ہیں آپ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام عرض کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سن سکیں۔ آپ اپنے مزار مبارک میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ وروحہٖ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدہ والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں۔ حدیث میں آتا ہے: ''ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء''

''وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلیٰ علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلیٰ علیّ من بعید اعلمتہ رواہ ابو الشیخ وسندہ جید''

''عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' تین حدیثیں نقل کردی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور جو انکار کرتا ہے وہ بدعتی ہے اور خارج از اہلسنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود اور حیات بھی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب کتبہ، السید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (مہر دارالعلوم دیوبند)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور جو جاہل کہ بدعت اور گمراہی میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال بالکل ابوجہل جیسی ہے کہ اس کو رسول ﷺ نے کتنا سمجھایا مگر وہ اپنی جہالت سے باز نہ آیا اور یاد رہے کہ جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام کو مردہ جانے اس پر ایمان سلب ہوجانے کا خوف ہے۔''

(کتاب عین الفقر از سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

عجیب بات ہے کہ حضور ﷺ تو فرماتے ہیں کہ عام میت اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے لیکن چودھویں صدی میں پیدا ہونے والے کم عقل یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی امت کا سلام نہیں سنتے۔ منکرین سماع اس کے اندر تاویل کرتے ہیں۔ لیکن امام بخاری نے اس کے ظاہر کو تسلیم کرتے ہوئے باب باندھا ہے۔ ''باب المیت یسمع خفق النعال'' یعنی مردہ جوتیوں کی آہٹ سنتا ہے اس کے اندر امام بخاری کا مسلک بھی ذکر ہوگیا کہ وہ سماع کے قائل تھے۔ اگر سماع کے قائل نہ ہوتے تو کسی جگہ عدم سماع کا باب ضرور باندھتے۔ لیکن پوری بخاری شریف کا مطالعہ کیجئے کہیں آپ کو ''المیت لا یسمع'' کا باب نہیں ملے گا۔

بندہ عبدالغنی طارق لدھیانوی

تکمیل ۱۹۸۳ء

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَآءُ أَحْيَآءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی
برزخی حیات

مصنف:

حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی مدظلہ

رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برزخی حیات

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی

خلیفۂ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ

خلیفۂ مجاز شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم

خلیفۂ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

ناشر

مکتبۂ تحفظِ ختم نبوت، مادھوپور سلطان پور، سیتامڑھی، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(حرفِ چند)

حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی

انڈیا کے مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی جو عرب امارات میں تبلیغ واشاعت دین کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ نے ''رحمت عالم ﷺ کی برزخی حیات'' کے نام سے ۲۰۲۱ء میں کتاب لکھی، جو مکتبہ تحفظ ختم نبوت مادھور پور سلطان پور سیتامڑھی بہار انڈیا سے شائع کی۔ اس مجموعہ میں شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی

مدیر المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو بعض ایسی خصوصیات عطاء فرمائی ہیں جو پوری انسانیت سے ممتاز ہیں، ان ہی میں ایک برزخی زندگی کی حیات بھی ہے، ایک درجہ میں تو حیات برزخی ہر آدمی کو حاصل ہوگی، اسی کی بناء پر وہ ثواب اور عذاب کو چکھ سکے گا۔ لیکن شہداء کو ایک خصوصی درجہ حیات برزخی کا حاصل ہوگا، جس کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے، انبیاء کی حیات بہت قوی ہے، انبیاء کو برزخ میں جو حیات ہوگی، وہ بہت اعلیٰ درجہ کی حیات ہوگی، اور اس دنیا میں لوگوں کو جو حیات عنصری حاصل ہوتی ہے، اسی درجہ کی حامل ہوگی، یہ ایک نازک اور مشکل موضوع ہے اور اس کی تشریح وتوضیح میں کسی قدر اہل سنت والجماعت کا اختلاف بھی رہا ہے۔

اس موضوع پر کتابیں بہت کم ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے محب عزیز حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی -- بارک اللہ فی حیاتہ واعمالہ -- کو کہ انہوں نے اس موضوع پر قرآن وحدیث اور سلف صالحین نیز اکابر علماء ہند کے اقوال سے استفادہ کرتے ہوئے آسان اور عام فہم زبان میں یہ کتاب مرتب کی ہے، جس سے اس مسئلہ کو سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اجر آخرت کا باعث بنائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ!

۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۴۳ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۱۸ اکتوبر ۲۰۲۱ء — (خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

تقریظ

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

انبیاءِ کرام علیہم السلام بعد از وفات دنیوی بتعلق روح اپنی زمینی قبور میں دنیوی اجساد مطہرہ کے ساتھ زندہ ہیں، یہ عقیدہ قرآن کریم کی کئی ایک آیات کریمہ، رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اکابرین سے بنقل تواتر ثابت ہے اور اس پر اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع ہے، اس عقیدہ کا منکر اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج، مبتدع اور گمراہ ہے۔

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے موضوع پر امت کے کئی اکابر علماء نے قلم اٹھایا ہے، موجودہ دور میں ہمارے بزرگ دوست صاحب نظر وصاحب نسبت عالم دین حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف قاسمی دامت برکاتہم نے

بھی اپنی تالیف ''رحمت دو عالم ﷺ کی برزخی حیات'' میں اس عقیدہ پر عمدہ گفتگو فرمائی ہے، آپ نے اس اجماعی عقیدہ کو دلائل کے ساتھ بیان فرما کر اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی ترجمانی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنی شایان شان اجر عطاء فرمائے۔ آپ کی اس تالیف اور دیگر تمام تالیفات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں آپ کی ذات، آپ کے اہل وعیال اور تمام متعلقین ومتوسلین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین!

محتاج دعا

(حضرت مولانا) محمد الیاس گھمن (مدظلہ العالی)

تقریظ

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ العالی

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، نوساری گجرات، الہند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

حضرت نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ برزخی نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اس مسئلہ کا تعلق عقیدے سے ہے، اس پر عربی واردو میں تصانیف موجود ہیں، ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب نور اللہ مرقدہ (سابق ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر، یوکے) کی اردو ضخیم تصنیف (سات سو بیانوے صفحات پر مشتمل کتاب ''مقام حیات'' المسمیٰ بہ مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان) میں اس موضوع پر کافی وشافی مواد موجود ہے۔ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ اس کتاب کے متعلق رقمطراز ہیں: ''حرفاً حرفاً اوّل سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔'' (ص ۳۱)

اس میں لکھا ہے۔ تمام اہل سنت والجماعت کا قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ ہے کہ: آنحضرت ﷺ اسی طرح تمام دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام عنصریہ مبارکہ کے ساتھ قبروں میں موجود اور حیات ہیں۔ علماء دیوبند جو خالص اہل سنت والجماعت ہیں اور اس صدی میں اہل سنت کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر اس بات پر کل بزرگان دیوبند کا وہی عقیدہ ہے جو جمہور کا ہے۔ (ص ۷۳۰)

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کے لئے حیات برزخی ثابت ہے۔ شہداء کے متعلق بھی قرآن کریم میں وارد ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الآیۃ) اور انبیاء کی حیات شہداء کی حیات سے اقوی ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام امت کے جمیع احوال کا بہ طور مشاہدہ علم ہوتا ہے، ایسا علم تو آپ کو حیات دنیوی میں بھی نہیں تھا، ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں...... مگر برزخ کے حالات کو عالم مشاہدہ کے حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ قیاس الغائب علی الشاہد ناجائز ہے۔ کم از کم دو سو جگہ اس کو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

(فتاوی محمودیہ ج ۳ ص ۹۷ و ۳۰۳، ۳۰۴۔ مطبوعہ میرٹھ)

زیر نظر کتاب ''رحمت دوعالم ﷺ کی برزخی حیات'' (جس کے مصنف حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی زید مجدہم ہیں) میں حضرت نبی کریم ﷺ کی برزخی حیات کو مدلل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور جن نیک مقاصد کی خاطر یہ کتاب تحریر فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ان میں کامیابی عطاء فرمائے اور مصنف کو اس نوع کی علمی ودینی خدمات کے لئے موفق فرمائے۔آمین

املاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۴۲ھ

بہ قلم: عبدالقیوم راجکوٹی

تقریظ

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی

(استاذ حدیث وفقہ وجامعہ عائشہ نسوان حیدرآباد، الہند)

حضرات انبیاءِ کرام کی شخصیت خصوصی امتیازات کی حامل ہوتی ہے، اسی لئے چاہے دنیوی زندگی ہو یا برزخی زندگی یا اس کے بعد کی ابدی اخروی زندگی ہو ان سب میں ان کے مقام ومرتبہ کی عظمت اور بلندیٔ شان کو اللہ نے نمایاں کیا ہے اور ان کی عظمت وشان کے مطابق انہیں امتیازات وخصائص عطاء کئے ہیں، ان ہی خصائص میں سے ایک اہم ترین خصوصیت حضرات انبیاء کو اللہ نے یہ عطاء کیا ہے کہ وہ دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز اور دیگر عبادات میں مشغول ہیں اور انہیں وہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے رزق عطاء فرماتے ہیں۔ یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے، چنانچہ احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے سارے فقہاء ومتکلمین اسی طرح علامہ ابن تیمیہ، علامہ شوکانی، شیخ عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ اور مکتب اہل حدیث کے ترجمان مولانا نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں یہی عقیدہ لکھا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (الدرر السنیہ ص ۲۳۰، نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۴، رسائل ابن تیمیہ ص ۳۹۱، منح الجلیل ج ۶ ص ۱۹۶، الروضۃ البہیہ ص ۱۴، فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۵۵)

مشہور محقق علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''إِنَّ حَيَاتَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَبْرِ لايعقبها مَوْتٌ بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيًا وَالْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ'' نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زندگی پر موت نہیں ہے بلکہ آپ (اپنی قبر میں بھی) مسلسل زندہ رہیں گے اور سارے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹)

خیر القرون سے اب تک کے جن حضرات کی علم وتحقیق پر امت مسلمہ کا اعتماد ہے ان سب کی تحریروں میں الفاظ وعبارت کے جزوی فرق کے ساتھ یہی عقیدہ لکھا ہوا ہے جو اس بات کا واضح اور بیّن ثبوت ہے کہ حضرات انبیاء کو ان کی قبروں میں زندہ ماننا امت مسلمہ کا متفق علیہ اجماعی عقیدہ ہے۔ اسی لئے علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ حضرات نے اس عقیدہ پر مسلمانوں کے اجماع واتفاق کا دعوی کیا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰، القول البدیع ص ۱۷۲، اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

لیکن اس اجماع واتفاق کے باوجود بھی بعض خصوصی نظریات کے حامل افراد نے اس متفق علیہ مسئلہ کو نزاعی بلکہ علامتی مسئلہ بنادیا اور پھر ''حیاتی'' ''مماتی'' جیسے الفاظ امتیاز کے لئے استعمال کئے گئے۔ چنانچہ اس اختلافی بحث کے اغاز کے ساتھ ہی حضرات علماءِ کرام نے علمی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی امت کے سامنے واضح کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور غلط کے بالمقابل صحیح اسلامی عقیدہ کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا اور دے رہے ہیں۔

اسی احقاق حق اور ابطال باطل کی ''سعی مشکور'' کی ایک مضبوط کڑی یہ کتاب ہے جو ''رحمت دوعالم ﷺ کی برزخی حیات'' کے نام سے موسوم ہے، جس میں ''انبیاء علیہم السلام کی برزخی حیات'' کے مسئلے کا حق ادا کیا گیا ہے اور دلائل وبراہین کی فراوانی کے ساتھ علمی نکتے اور سینہ بسینہ منتقل ہونے والے اسرار نے اس کتاب کی قدر وقیمت کو مزید بڑھا دیا ہے اور کیوں نہ ہو کہ مصنف کتاب حضرت مولانا مفتی محمد ثمین اشرف صاحب قاسمی مدظلہ العالی نے اشاعت حق کے جذبہ میں ڈوب کر، اپنے قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کرکے اور اس سے شرح صدر اور صدق وصواب کی توفیق طلب کرتے ہوئے پوری کتاب لکھی ہے۔ تحریر ایسی جامع اور مدلل ہے کہ مسئلہ مذکورہ کو سمجھنے اور اس کے تمام دلائل سے واقفیت اور کامل بصیرت کے لئے کافی وشافی ہے۔ ان شاء اللہ! حق کے طلب گاروں کے لئے شمعِ راہ بنے گی اور انہیں خصائص وکمالات نبوت سے روشناس کرانے ساتھ الٰہی انوارات سے مستفیض ہونے کا سلیقہ بھی بتائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی عمر میں صحت وعافیت کے ساتھ برکت دے اور ان کی دیگر وقیع علمی خدمات کے ساتھ اس خدمت کو بھی شرف قبولیت عطاء فرمائے اور اسے دارین کی ہر سعادت وخیر کا ذریعہ بنائے۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین والحمد للہ رب العالمین

محمد عارف باللہ القاسمی

(استاذ حدیث وفقہ جامعہ عائشہ نسوان، حیدرآباد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ اَکْرَمِ الاَوَّلِیْنَ وَالاٰخِرِیْنَ وَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ وَ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا اَحْمَدَ وَ مُحَمَّدٍ وَ حَامِدٍ وَمَحْمُوْدٍ، عَدَدَ خَلْقِکَ وَ مِدَادَ کَلِمَاتِکَ وَ زِنَۃَ عَرْشِکَ وَرِضَا نَفْسِکَ وَعَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَعَدَدَ صَلَّیْتَ وَسَلَّمْتَ وَبَارَکْتَ أَنْتَ وملائکتک وَ خلائقک وَعَدَدَ یُصَلِّیْ عَلَیْہِ أَنْتَ وَمَلَائِکَتُکَ وَخَلَائِقُکَ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْأَرْضُ الٰی أَبَدِ الاٰبَادِ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، أَمَّا بَعْدُ!

حقیقت یہی ہے کہ حمد وتعریف کا مستحق رب ذوالجلال ہے اور صلوۃ وسلام کے لائق حضرت خاتم النبیین ﷺ کی مبارک ذات وصفات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی احدیت وصمدیت کی معرفت کی روشنی بغیر خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت اور رحمت کے محال اور ناممکن ہے۔ اہل اسلام وایمان کو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کے ذریعہ ایک غیر معمولی تصور وخیال سے اوپر ایک یقین کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جو حق وصداقت کا مرکز ہدایت ہے۔ کلمہ توحید میں ختم نبوت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگانا چاہئے کہ تنہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار نجات کے لئے ناکافی ہے جب تک کہ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار ختم نبوت کے ساتھ نہ کرلے، اس کی تفصیل کتاب ''سچے اور جھوٹے نبی میں فرق'' میں دلیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

الغرض عرض کرنا یہ ہے کہ ہمارے حضور پرنور خاتم النبیین ﷺ وسیلہ اور ذریعہ ہیں بارگاہ قدس کی تمام تر انوارات وتجلیات اور ازاول تا آخر تمام تر سعادت اور حصول عافیت وراحت اور مغفرت وجنت کا۔ ایک لمحہ بھی امت کا کوئی فرد محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے ایمانی اور روحانی یا جسمانی طور پر جدا نہیں رہ سکتا ہے۔ نہ ہی بغیر نبوی حیات مبارکہ طیبہ کے زندگی کو زندگی مل سکتی ہے۔ امت کے ہر فرد کی حیات وممات حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات کامل سے جڑی ہوئی ہے اور حیات رحمت دو عالم ﷺ سے امت کے ہر شخص کو ہر وقت روحانی وجسمانی دونوں فیض ملتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ کچھ اہل بصیرت محسوس کر کے محظوظ ومسرور ہوتے ہیں اور دوسرے بے شعور ومغرور ہوتے ہیں۔

ایک لمحہ کے لئے سوچئے کہ جس ذات قدسی صفات کے لئے کہا گیا ہو۔ ''وَمَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ'' جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ ''وَمَنْ یَعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰی'' جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔ ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' اگر تم اللہ اور رسول سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو اپنا بنالے گا۔

''وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا'' اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت بڑا ہے۔ ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' اور ہم نے آپ ﷺ کے لئے آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کردیا ہے۔ توحید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ اپنے حبیب کو ذکر کیا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور سراج منیر بنایا۔

کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ صفات کا تعلق آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے تھا اور اب نہیں رہا۔ ہمارا اور تمام امت کا ایمان ویقین ہے کہ قرآن وحدیث میں جتنی صفات نبوت ورسالت اور ختم نبوت آپ کی حیات طیبہ سے تھیں وہ تمام کی تمام صفات آج بھی بعینہٖ حضرت سے وابستہ ہیں۔ آخر کیوں؟ اس لئے کہ آپ ﷺ کو حیات دو عالم حاصل ہے۔

صرف ایک درود شریف کو لے لیجئے کہ جس طرح آپ کی حیات میں آپ ﷺ کے پاس درود شریف پڑھا جاتا تھا تو آپ سنتے تھے، ابھی بھی جو آپ کے پاس پڑھا جاتا ہے اسی طرح سنتے ہیں اور جس طرح آپ ﷺ کو دور سے درود وسلام کا تحفہ کسی کے ذریعے بھیجا جاتا تھا اور پہنچایا جاتا تھا۔ اب اس عظیم کام پر حق تعالیٰ نے فرشتوں کو متعین کر دیا ہے کہ دور سے درود پڑھنے والے کا فرشتے پہنچاتے ہیں۔ امت بھی کتنی خوش نصیب امت ہے کہ رحمت سید کائنات سے رابطہ وتعلق اسی طرح بحال وباقی ہے جس طرح تھا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت محمد خاتم النّبیین ﷺ پر درود وسلام کی پیشی میں اس حیات اور ابھی کی حیات میں فرق ہے۔ اس لئے امت کا ربط وتعلق ہر دو حیات سید کائنات سے مربوط ومضبوط ہے۔

حیات رحمت کائنات ﷺ کی یہ کتنی عظیم واضح اور کھلی ہوئی دلیل ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کے قریب درود شریف پڑھتا ہے آپ بنفس نفیس سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جو دور سے پڑھا جاتا ہے تو فرشتے خاتم النّبیین ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ جب آپ دنیا میں جلوہ افروز ہیں تو ہم جو قرب سے مشرف ہیں اور درود پڑھتے ہیں، مگر وہ جو دور ہیں، یا جب آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو پھر یہ مبارک اور ضروری ربط اور جوڑ کس طرح رہ سکے گا؟

حضور خاتم النّبیین ﷺ نے فرمایا میری روح کی طرح میرا جسم مبارک بھی قبر میں سلامت رہے گا اور تمہارا صلاۃ وسلام صرف میری روح نہیں سنے گی بلکہ مبارک کان بھی سنیں گے اور جس طرح تم اس دنیا میں میرے جواب کا شرف حاصل کرتے ہو، میرے اس دنیا سے بہترین زندگی کی طرف چلے جانے کے بعد بھی سلام کے جواب سے مشرف ہوتے رہو گے۔

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چودہ سو کتالیس سالوں سے یہ سلسلہ ربط اور تعلق سعادت مند امت کا قائم ودائم ہے اور جب تک امت ہے قائم ودائم رہے گا اور کیوں نہ ہو کہ یہی تو مایہ اور سرمایہ ایمان ہے۔ حضور خاتم النّبیین ﷺ کا ارشاد ہے: ''أَلَا وَأَنَا حَبِيْبُ اللهِ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَهُ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ وَلَا فَخْرَ، وَأَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ''

(مشکوۃ، باب فضائل سید المرسلین ﷺ)

یاد رکھو! میں اللہ کا محبوب ہوں، یہ کوئی غرور کی بات نہیں اور میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں، جس کے نیچے آدم اور اولاد آدم ہوگی اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں اور میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور میں ہی وہ ہوں جس کی قبر سب سے پہلے کھلے گی اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔　　(مشکوۃ، رحمت کائنات ص ۲۷)

نعمت پر حمد کی جاتی ہے نہ کہ فخر یہی تو دلیل ہے ختم نبوت کی۔

"أَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ أَنَا رَسُوْلُ الرَّحْمَةِ" میں رحمت کا نبی ہوں، میں رحمت کا رسول ہوں۔ (ﷺ)

"أَنَا أَكْرَمُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ عَلَى اللهِ وَلَا فَخْرَ" میری عزت اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے پہلے اور پچھلے لوگوں سے زیادہ ہے اور یہ کوئی غرور کی بات نہیں۔

"أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ" مجھے سب مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے، اور مجھ پر نبوت ختم کردی گئی ہے۔ (اب نبوت نہ کسی کو ملے گی، نہ کوئی نیا نبی بنا کر بھیجا جائے گا)

"أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِيَ الَّذِيْ يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ" میں محمد ہوں (ﷺ) اور میں احمد ہوں (ﷺ) اور میں مٹانے والا ہوں (ﷺ) یعنی میرے ذریعہ سے عقیدہ کی غلاظت ونجاست کو مٹایا جائے گا اور میں حاشر ہوں (ﷺ) یعنی سب لوگ میرے قدموں پر اکٹھے کئے جائیں گے اور میں عاقب ہوں (ﷺ) اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔ (بخاری ومسلم)

"صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا" ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ نے حتمی اور آخری بات فرمادی: "مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَحَدٌ إِلَّا لَيَعْلَمُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَّا عَاصِيَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ"

زمین وآسمان کی ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر نافرمان جن اور انسان (نہیں جانتے اور مانتے) صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَعَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى (سنن دارمی ج ۱ ص ۱۱، رحمت کائنات ص ۲۸)

محترم قارئین! انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی جانب سے نبوت جب ملتی ہے تو نبوت ورسالت کے ساتھ کچھ ایسی صفات اور خصوصیات اور ممیزات بھی ملتی ہیں جو غیر نبی کو قطعاً نہیں ملتی۔ ہماری غلطی اور کم علمی اور بدفہمی یہی تو ہے کہ ہم ان کو عام انسانوں کی موت وحیات سے جوڑ دیتے ہیں۔ صرف اتنی سی بات اگر ہم ملحوظ رکھیں تو کبھی بھی عقیدہ حیات النبی یا حیات سید دو عالم یا حیات رحمت کائنات یا حیات رحمت دو عالم ﷺ میں کوئی شک وشبہ ہی پیدا نہ ہو۔

ہر روز مؤذن اذان میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ اعلان رسالت کرکے شہادت دیتا ہے کہ جس طرح اللہ ایک ہیں اور ایک ہی رہیں گے، اپنے تمام کمالات ذاتیہ اور کمالات صفاتیہ کے ساتھ۔ محمد رسول اللہ ﷺ جس طرح بعثت کے بعد نبی اور رسول تھے اور ہیں اور رہیں گے انہیں تمام صفات حیات کے ساتھ۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نَبِيُّ اللهِ حَيٌّ اللہ کے نبی آج بھی زندہ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی صفت نبوت کی طرح صفت حیات بھی ان سے جدا نہیں ہوتی، نہ ہی حیات ان سے جدا ہوسکتی ہے۔ جب کہ روایت بتارہی ہے کہ اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ۔ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ نماز کامل مکمل حیات کی دلیل ہے۔

آپ کے ہاتھ میں یہ کتاب انہی تمام مضامین کی قدرے تفصیل ہے:

(۱) ہمارے بزرگوں میں حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجے کے اولیاء میں گزرے ہیں۔ ان کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور شدت شوق میں یہ اشعار پڑھے:

فِيْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِيْ كُنْتُ أُرْسِلُهَا   تُقَبِّلُ الْأَرْضَ عَنِّيْ وَهِيَ نَائِبَتِيْ
وَهَذِهِ دَوْلَةُ الْأَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ   فَامْدُدْ يَمِيْنَكَ كَيْ تَحْظٰى بِهَا شَفَتِيْ

(ترجمہ) جب میں جناب سے دور تھا (وطن میں) تو اپنی روح کو بھیج دیتا اور وہ اس پاکیزہ زمین کو چوم لیا کرتی تھی۔ اب تو میں اپنے بدن کے ساتھ حاضر ہوں، اس لئے ازراہ کرم اپنا ہاتھ مبارک ظاہر فرما دیں تاکہ میرے ہونٹ بھی بوسہ لے کر شرف حاصل کرسکیں۔

فوراً حضور خاتم النبیین ﷺ کا دست مبارک مزار مبارک سے ظاہر ہوا، انہوں نے دوڑ کر بوسہ دیا اور بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت حضور سرور کائنات ﷺ کے نور سے سورج بھی ماند ہو گیا تھا۔

لکھا ہے کہ اس وقت نوے ہزار آدمیوں کا مجمع تھا جس میں بڑے بڑے قطب اور ابدال اور بزرگ بھی موجود تھے۔ (رحمت کائنات ص ۳۰۸)

(۲) حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی کے متعلق مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''فضلہ تعالیٰ اس جوار پاک شہ لولاک میں پہنچے اور شرف جواب صلاۃ وسلام حضرت خیر الانام علیہ السلام سے مشرف ہوئے۔''

(امداد المشتاق ص ۱۲)

(۳) حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا دربار رسالت سے وعلیکم السلام کے پیارے الفاظ سے ان کو جواب ملا۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر)

(۴) حضرت مولانا حبیب اللہ بیجاپوری رحمۃ اللہ علیہ کئی دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور سید دوعالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، ایک قصیدے میں فرمایا:

أَتَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ فِيْ عَيْنِ يَقْظَتِيْ   وَ جَالَسَنِيْ مُسْتَقْبِلًا وَهِيَ قِبْلَتِيْ

''سید دوعالم ﷺ کی زیارت میں نے بیداری میں کی اور آپ ﷺ نے مجھے اپنے قریب بیٹھنے کا شرف بخشا۔''

مولانا کا انتقال ۱۰۴۱ھ صبح کو ہوا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۲۷)

(۵) علامہ بحر العلوم لکھنوی نے تاریخ کازرونی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

ایک کافر بد و سید دوعالم ﷺ کی قبر شریف پر حاضر ہوا اور آتے ہی فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور ساتھ ہی قسم کھا کر یہ کہا میں نے اس سے پہلے نہ اس مقدس اور بابرکت قبر کو دیکھا ہے اور نہ اس کی عظمت سنی ہے، لیکن اس قبر عالی وقار کی عظمت اور محبت میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈال دی ہے۔ پھر مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

مَرَرْتُ عَلَى الْقَبْرِ الشَّرِيْفِ مُحَمَّدٍ   فَكَلَّمَنِيْ وَالْقَبْرُ غَيْرُ مُكَلِّمِ

میرا گزر محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر ہوا تو قبر مبارک نے میرے ساتھ کلام کیا حالانکہ عام طور پر قبر بولا نہیں کرتی۔

وَ بِالْقَبْرِ آثَارُ النُّبُوَّةِ قَائِمٌ تَضَدَّعُ فِيهِ قَلْبُ كُلِّ مُسْلِمِ

آپ ﷺ کی مزار سے نبوت کے آثار ایسے قائم ہیں جو ہر مسلمان کے دل میں اثر انداز ہوتے ہیں۔

وَإِنْ أَنَا لَمْ أَعْهَدْكَ يَا سَيِّدَ الْوَرَى فَقَبْرُكَ أَنْبَأَنِي أَنْ فِيهِ مُكَرَّمٌ

اس سے پہلے اگرچہ میں جناب سے ناواقف تھا مگر جناب کی قبر نے مجھے اطلاع دی کہ میرا محبوب اس میں آرام فرما ہے۔ (ارکان اربعہ ص ۲۸۰، رحمت کائنات ص ۳۱۳)

(۶) دسویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم عبدالوہاب شعرانی نے کئی واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اپنے متعلق ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر یہ بھی احسان اور انعام ہے کہ سید دو عالم ﷺ کے دربار عالی کا حاضر باش ہوں۔ اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ میرے درمیان اور روضہ اقدس کے درمیان فاصلہ بہت ہی کم رہ جاتا ہے۔ میں اپنے ہاتھوں کو روضہ اطہر پر پاتا ہوں اور اسی طرح محبوب دو عالم ﷺ کے ساتھ کلام کرتا ہوں جس طرح اپنے پاس بیٹھے ہوئے کے ساتھ بات کی جاتی ہے۔'' (السنن الکبری ص ۲ ۱۴۲، رحمت کائنات ص ۳۱۱)

(۷) تاریخ مدینہ منورہ کے مستند مرتب، ابن النجار نے ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ میں حج کے بعد مدینہ منورہ آیا اور سید دو عالم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا حجرہ مطہر کے اندر سے آواز آئی وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اور ایسا ہی جواب اولیاء کرام اور صلحاء امت کی ایک جماعت نے سنا ہے۔

(وداء الوداء ج ۴ ص ۵۲ ۱۳، رحمت کائنات ص ۳۱۳)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نوراللہ مرقدہ کا حیات النبی ﷺ پر یقین واعتماد

تحصیل لیاقت پور کے قصبہ اسلام پور میں شیعہ سنی کے درمیان مناظرہ ہونے والا تھا کہ اسی تاریخ کو امیر شریعت کی اس علاقہ میں تقریر کا اعلان ہوا جس میں شیعہ اور سنی بھی شریک ہو گئے۔ حضرت امیر شریعت نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا: ''میں جنگ لڑنے نہیں آیا اور نہ ہی مناظرہ اور مباحثہ کا قائل ہوں نہ براہان اور دلائل کے زور سے کسی کو کوئی بات منوانے کے لئے تیار ہوں، شیعہ حضرات سے صرف اتنا کہوں گا کہ دو چار آدمی اپنی طرف سے ایسے تیار کریں جو صالح فطرت ہوں میں ان کے ساتھ مدینہ منورہ جانے کو تیار ہوں۔ وہاں سرکار دو عالم ﷺ کے آستانہ مقدس پر عرض کیا جائے گا کہ حضور اصحاب ثلاثہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمائیں، اگر حضور ﷺ نے جواباً فرمایا کہ یہ میرے ہیں تو تمہیں بھی ان پر ایمان لانا پڑے گا اگر حضور نے کوئی جواب مرحمت نہ فرمایا تو پھر میں تمہارا ہی مسلک اختیار کر لوں گا۔''

حضرت امیر شریعت کا یہ فرمانا تھا کہ جلسہ گاہ کی فضا اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی اور اس کا یہ اثر مرتب ہوا کہ پھر کبھی مناظرانہ انداز میں وہاں پر جلسے جلوس منعقد نہ ہوئے اور تمام سامعین پر یہ بات واضح ہوئی کہ حضرت امیر شریعت بلکہ تمام اکابر علمائے دیوبند حیات انبیاء علیہم السلام کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ یہ عقیدہ ان کے نزدیک اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند سے لے کر (سابق) مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب کی ذات تک سب اس بات کے قائل ہیں کہ حضور پرنور سرور کائنات ﷺ روضہ اقدس میں حیات حسنی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر حصہ دوم صفحہ ۲۰۲)

اس موقع پر علماء کی علمی سیرابی کے لئے ایک نادر تحریر جو حضرت علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور تمام تر حیات انبیاء علیہم السلام کے تمام گوشوں کو اجاگر کرتی ہے اور تمام شکوک وشبہات کو رفع کرتی ہے بہت ہی قیمتی اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ قارئین علماء کی خدمت میں پیش ہے۔ یہ تحریر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نے اپنی تحقیقی اور علمی حیات انبیاء پر کتاب تسکین الصدور میں نقل کیا ہے۔ عاجز نے وہیں سے لیا ہے۔

حضرت مولانا یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کی نادر علمی تحریر

(۱) شہداء کے لئے بنص قرآن حیات حاصل ہے اور مزید دفع تجوز کے لئے یُرْزَقُوْنَ کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جیسے آج کل کا محاورہ بھی ہے۔ فُلَانٌ حَيٌّ يُرْزَقُ۔ عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

(۲) جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولی خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی۔ (عَلَيْهِمُ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقوی واکمل ہوگی۔

(۳) اسی حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں۔

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ اور حدیث: اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ۔

اور ان ہی احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیہ حج اور اس کے علاوہ روایات۔

(۴) روح کے تعلق اجساد سے پانچ قسم کے ہیں:

۱...... فی حالۃ الجنین۔

۲...... بعد الولادۃ فی الدنیا اور اس کی دو صورتیں ہیں:

۳...... حالت نوم اور حالت یقظہ میں۔

۴...... بعد الموت فی البرزخ۔

۵...... بعد البعث فی المحشر۔

ضعیف ترین اوّل ورابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے۔ کما حققه المتکلمون و ابن القيم في كتاب الروح و القاري في شرح الفقه الأكبر۔

(۵) انبیاء کرام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے۔ إِنَّ عَيْنَايَ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔

اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، النوم أخو الموت، اور عام موتی میں تحقیق موت کے لئے انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا اور پھر علو مرتبہ جتنا ہوتا ہے۔ اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

(۶) مفارقت روح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا۔

(۷) اگر نبی کریم ﷺ کے جسد مبارک کو تروح کی کیفیت حاصل ہو جیسے معراج میں جسد پر روح کیفیت طاری ہوئی تَجَسُّدِ أَرْوَاح اور تَرَوُّحِ أَجْسَاد دونوں کی نظریں عالم شہادت میں ہیں تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جب کہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔

(۸) دنیا میں، صوفیہ کرام کے یہاں ابدان مثالیہ سے تعدد وقت واحد میں متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں انبیاء کرام کی نقل وحرکت بالأجساد المتروحة اس کی نظیر ہوگی۔

(۹) الغرض انبیاء کرام کے لئے حیات، بقاء، اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

(۱۰) یہ حیات دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقوی ہے، دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی ہے اور برزخ میں ہوتی ہے۔ اب اگر اس کو "حیات دنیوی" سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے۔ بہرحال وہ حیات دنیوی بھی ہے اور حیات برزخی بھی، صرف حیات برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں بلکہ اقوی واکمل ہے۔ اس لئے حیات دنیوی کے مماثل بلکہ اس سے بھی اقوی ہے۔ اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے، اس دنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے۔ اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

(۱۱) اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے۔ بہرحال حکم شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرة کے ہوگی نہ علل مرسلہ کی قسم سے اور اس علت کی تنقیح، اصولی تنقیح الفاظ اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب! (تسکین الصدور ص ۲۵)

کتاب کے مضمون کا خلاصہ

(۱) موت فنا کا نام نہیں بلکہ ہر مرنے والا دوسری زندگی میں منتقل ہو جاتا ہے جس کا نام برزخ ہے۔ یعنی (پردہ) وہ زندہ لوگوں کو نظر نہیں آتا مگر زندہ ہوتا ہے، جیسا کہ سورۃ آل عمران میں فرمایا کہ شہید زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے۔

(۲) عام انسان اسی برزخ میں قیامت تک رہیں گے (المؤمنون نمبر ۱۰۰) مگر بعض سعادت مند ادھر فوت ہوئے ادھر جنت میں چلے گئے، جیسا کہ سورہ یٰسین کی آیت نمبر ۲۶ میں ایک سعادت مند کا ذکر ہے کہ اسے اسی وقت جنت میں داخل کر دیا گیا اور بعض لوگ سیدھے دوزخ میں چلے جاتے ہیں جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کافر قوم ادھر ڈوبی اور ادھر آگ میں داخل کر دی گئی۔ (سورہ نوح نمبر ۲۵)

(۳) عام انسانوں کے یہ دنیاوی بدن گل جاتے ہیں، ہڈیاں ہو جاتے ہیں یا بعض لوگ جلا کر راکھ بنا دیئے جاتے ہیں، مگر ان کے ساتھ روح کا تعلق رہتا ہے تاکہ عذاب محسوس کریں۔

(۴) بعض سعادت مندوں کے یہ بدن سلامت رہتے ہیں اور روح کا تعلق ان کے ساتھ رہتا ہے تاکہ جنت میں ملنے والی نعمتوں کا لطف اٹھائیں، سلام کہنے والوں کو جواب دیتے ہیں۔

(۵) تمام انبیاء علیہم السلام کے بدن اسی طرح سلامت ہیں اور ان کے روح کا تعلق بہت زیادہ ان کے ساتھ ہے، ان پر سلام کہنا ضروری ہے اور ان کو زندہ سمجھنا بہت ضروری ہے۔

(۶) امام الانبیاء ﷺ روضہ اقدس میں آج بھی زندہ ہیں، آپ ﷺ کو آج بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کا رسول ماننا ضروری ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے ضروری تھا۔ کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا

معنی آج بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہر مؤذن آپ کی رسالت کی شہادت دے کر گویا یہ اعلان کرتا ہے کہ آپ آج بھی رسول ہیں۔

(۷) ہر اس مسلمان کے لئے جو طاقت رکھتا ہو یہ واجب ہے کہ مدینہ منورہ جا کر روضہ اقدس کی زیارت کرے۔

(۸) جو سعادت مند روضہ اقدس کے پاس آپ ﷺ پر سلام پڑھتا ہے حضور انور ﷺ خود سنتے ہیں اور اسکا جواب دیتے ہیں جسے بعض سعادت مند سن بھی لیتے ہیں۔

(۹) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خواب اور بیداری میں زیارت حق ہے اور اہل اللہ، اہل بصیرت کو بحالت بیداری آج بھی ہوتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے۔ انکار کرنا عدم بصیرت کی دلیل ہے۔

(۱۰) آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا آپ ﷺ کے ساتھ عشق اور محبت کی علامت ہے، جہاں بھی کوئی درود شریف پڑھتا ہے اس کے نام کے ساتھ خدمت اقدس میں فوراً پہنچا دیا جاتا ہے اور اسے قیامت میں آپ ﷺ کا قرب حاصل ہوگا۔

(۱۱) جس خوش بخت کو سید دو عالم ﷺ کی زیارت خواب میں یا عالم مثال میں ہو جائے، وہ یقین کرے کہ اسے آپ ﷺ ہی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے اور جو آپ ﷺ فرمائیں اسے حق سمجھے۔

وَ اللّٰہُ الْموفِّقُ وَ ھُوَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ إِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

حیات رحمت دو عالم ﷺ کی ترتیب کا سبب

حیات رحمت دو عالم ﷺ کی ترتیب کا اصل سبب تو اللہ تعالیٰ کی محض توفیق اور فضل ہے۔ مگر بظاہر اس کا ذریعہ یا اس طرف توجہ کا داعیہ اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ رخصت و فرصت کے موقع پر ناموس ختم نبوت کے عوامی پروگرام کے تحت رامپور سکھری حضرت مولانا رضوان قاسمی صاحب کی دعوت پر جانا ہوا تو حضرت مولانا عبد القوی صاحب نے اس عاجز کو حکم دیا کہ حیات انبیاء پر کچھ تحریر کرے، وقتی طور پر معذرت کر دی کہ اس موضوع پر تقریباً ساٹھ کے قریب کتابیں چھپ کر عوام و خواص کے مطالعہ میں آچکی ہیں۔ ان شاء اللہ! کتاب کے آخر میں ان تمام کتابوں کی فہرست مصنف کے نام کے ساتھ دیدی جائے گی۔

خیر کا ظہور و وجود

عاجز سالانہ فرصت پر وطن میں تھا، ادھر کرونا کا رونا عام ہوا ہی تھا۔ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل خاص کے دامن میں رکھ کر ۱۵ / مارچ ۲۰۲۰ء کو دبئی کے لئے روانہ کرا دیا جب کہ ۱۸ / مارچ سے مکمل محصور ہونے کی تدبیر عمل میں آگئی جو عالمی حفاظتی مہم تھی چند روز کے بعد جب سفر کی تھکان اللہ تعالیٰ نے راحت و اطمینان میں تبدیل کر دی تو مولانا عبد القوی صاحب کے حکم کی تعمیل کا جذبہ و داعیہ کروٹ لینے لگا اور مصلی کی خدمت صرف اتنی رہ گئی کہ اذان دے کر گھر آنا اور گھر میں ہی اہلیہ کے ساتھ ۲۵ / اگست تک نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جا رہی تھی۔ الحمد للہ!

ان ایام میں لوگوں کا آنا جانا تو قطعاً نہ تھا تو فرصت کو اللہ تعالیٰ کی امانت و غنیمت جان کر، حیات انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور حق تعالیٰ نے جو چاہا لکھوایا اور وہی قارئین کے سامنے پیش ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ! ہمارے ملک ہندوستان میں تمام مسلمانان ہند حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حی اور زندہ مانتے اور جانتے ہیں

اور اس عقیدے میں کسی کو ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام کا روحانی فیض عام وتام ہے، جب کہ ہمارے پڑوسی ملک میں حیات النبی ﷺ کے بنیادی اور اہم عقیدہ میں ناقابل التفات اختلاف وانتشار ہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ بھی پیش ہے وہ ایک ناتواں، نہایت ہی کمتر اور بے بضاعت عامی وبے علم کی محض فضل الٰہی سے ایک کاوش ہے اور جو بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے۔ ''وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ''

اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کی بارگاہ قدس میں التجاء وفریاد ہے کہ: ''رحمت دو عالم ﷺ کی برزخی حیات'' نامی اس کتاب کو اپنی بارگاہ بے نیاز میں بجاہِ خَتمِ الرُّسلِ وبنام ''ساقی کوثر'' شرف قبولیت عطاء کر کے سعادت دارین سے ہمکنار فرما کر عاجز کو مع والدین اور اہل وعیال کے ساتھ زمرہ ابرار واخیار اور صالحین میں حشر فرمائے اور سمیع الدعاء، مجیب وقریب اس عاجز کے قلب کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک صاف کر کے طہارت قلب کی ایسی پاکیزگی عطاء فرمائے جو فیض ختم نبوت سے سیراب ہو جائے اور اخذ فیض نبوت کی بھرپور صلاحیت سے محض اپنے فضل سے بجاہ خاتم النبیین نوازے۔ آمین ثم آمین!

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ، سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ أَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ وَبِعَدَدِ مَعْلُومَاتِكَ، بَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ۔

العبد محمد ثمین اشرف مادھو پور سلطان پور ضلع سیتامڑھی بہار
حال مقیم الحبتور بلڈنگ دبئی امارات العربیہ المتحدہ
۱۳/ ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۳/ اگست ۲۰۲۰ء
بروز جمعرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ: أَمَّا بَعْدُ!

بعض احباب اور علماء نے اس عاجز وناتواں سے بار بار اصرار کیا کہ حیات انبیاء علیہم السلام پر آسان اور سہل اسلوب میں کچھ عوام کے نفع کے لئے لکھے۔ عاجز نے اکابر کی اس موضوع پر جو کتابیں ہیں اس کی نشاندہی کر دی اور بات ٹال دی مگر وہ ٹلنے کے بجائے حق تعالیٰ نے سائل کی سنی اور کچھ لکھنے کی توفیق روز بروز داعیہ وخیال دل میں جما دیا۔

حقیقت یہی ہے جب کہ موضوع بہت ہی نازک اور حساس ہونے کے ساتھ ساتھ عمیق اور اس میں گہرائی اور گیرائی بھی ہے جب کہ عاجز بالکل ہی بے دست وپا ہے۔ محض اللہ جل مجدہ کے فضل پر بھروسہ اور تکیہ کر کے اس مبارک ومیمون مضمون کو حق جل مجدہ کی نصرت وتائید سے منزل کی طرف پیش رفت ہوگی۔ حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ!
اس موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے چند بنیادی اور تمہیدی باتوں کا جاننا بہت ہی اہم اور ضروری ہے۔

سب سے پہلی بنیادی اور اہم بات

اس دنیا کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور تمام نظام عالم اسی کے دست قدرت سے چل رہا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے انسانوں کی بھلائی اور خیر خواہی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو ہدایت اور اپنی مرضیات کا علم دے کر انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا تاکہ انسان تاریک اور اندھیرے میں نہ بھٹکے اور شریعت کی روشنی میں اچھی اور بھلی راہوں کا انتخاب کرلے اور اس کی موت کے بعد والی زندگی خوشی اور مسرت راحت وطمانیت اور جنت میں گزرے۔

دوسری بنیادی اور اہم بات

یہ بات بھی قابل تسلیم اور دن رات مشاہدہ اور دیکھنے میں آتی ہے کہ کچھ لوگوں کے گھروں میں انسان کی ولادت اور آمد اور پیدائش ہوتی ہے اور اسی طرح کچھ لوگوں کے گھروں میں میت اور مردے کو گھروں سے نکالا جاتا ہے۔ خواہ کتنا بڑا محسن کیوں نہ ہو، خواہ مرنے والا ہر دل عزیز تر ہی کیوں نہ ہو۔

آخر آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کون سی چیز اس کے جسم سے نکل گئی جس کی وجہ سے آپ اس محسن اور عزیز تر کو گھر سے نکال رہے ہیں اور ایک ویران قبرستان میں چھوڑ کر تنہا اکیلا منوں مٹی میں دبا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ آپ کا محسن اور عزیز بھی ہے، کبھی آپ نے سوچا؟

تیسری بنیادی اہم بات: انسان روح اور جسم کا نام ہے

اوپر کی دو بنیادی باتوں سے پتہ چلا کہ انسان دو چیزوں کا نام ہے یا دو چیزوں کا مجموعہ ہے یا انسان دو چیزوں سے بنا ہوا ہے یا مرکب ہے۔ آپ کو جو پسند آئے وہی دو چیز نام ہے انسان کا۔ ایک کو جسم کہتے ہیں اور دوسرے کو ہم روح کہتے ہیں۔ گویا کہ آپ اب یوں ذہن میں رکھئے کہ انسان کہتے ہیں جسم اور روح دونوں کے ساتھ رہنے کو اگر ایک دوسرے سے جدا ہو جائے تو آپ یہ نہیں کہتے کہ فلاں شخص جا رہا ہے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کا جنازہ یا نعش یا میت جا رہا ہے یا لے جایا جا رہا ہے، کیونکہ جسم انسانی سے روح جدا ہو گئی۔

چوتھی بنیادی بات: روح عالم امر کا ہے اور جسم عالم خلق کا ہے

روح اور جسم سے مرکب یا بنا ہوا انسان دونوں دو جگہ کی چیز ہے یا دونوں دو جگہ کی الگ الگ حقیقت ہے۔ اس کو آسان لفظوں میں ذہن میں رکھئے کہ جسم انسانی اس دنیا کی چیز ہے اور جسم کا تعلق خلق یعنی بنائی ہوئی اور پیدا کی گئی۔ جسم کی شکل میں ایک ڈھانچہ ہے اور یہ جسم انسانی مٹی سے بنا ہوا ہے اور مٹی سے پیدا ہونے والی ہی اشیاء اس کی خوراک ہے اور اسی پر اس کی نشوونما یعنی انسانی صحت کا دارومدار ہے اور جب یہ مر جاتا ہے یعنی روح نکل جاتی ہے تو اس کو مٹی میں دفن کر دیتے ہیں۔

''مِنهَا خَلَقنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخرىٰ (طٰہٰ) ''ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو (مرنے کے بعد) لے جائیں گے اور (قیامت کے روز) پھر دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکالیں گے۔

اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر کو بھی مٹی سے پیدا کیا تھا۔ ہمارے خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''کُلُّکُم

بَنِيْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ "یعنی تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام تراب یعنی مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت ہی جامع اور دلکشا، آنکھ کھول دینے والی بات فرمائی ہے کہ: "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (ال عمران)" دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔

اس لئے شکل و ہیکل انسانی تو خلق ہے اور روح انسانی امر الٰہی ہے۔

پانچویں بنیادی حقیقت: موت کا اثر روح اور جسم پر

یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ موت کیا ہے؟ موت کا اثر جسم پر کیا ہوتا ہے اور روح پر کیا ہوتا ہے؟ سب سے پہلے ہمیں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ انسان کو تین جہاں سے گزرنا ہے:

(۱) ایک، دنیا دار العمل ہے۔

(۲) اور ایک، برزخ جو دار الانتظار ہے۔

(۳) اور ایک، آخرت جو دار القرار ہے۔

اور ان تینوں جہان کے احکام اور احوال اور کیفیات الگ الگ ہیں۔ ہر شخص ان تینوں جہاں کے اندر اپنی اپنی ایمانی اور عملی فکر اور جد و جہد اور اس کے نتائج سے جڑا ہوا ہے جس کی تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

اب اصل سوال کہ موت کیا ہے؟ اور موت کی حقیقت کیا ہے؟

موت کی حقیقت کیا ہے؟

اس سوال کا جواب باختصار مگر ضروری وضاحت کے ساتھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: "اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ (ملک)" جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

(۱) یعنی انسانی زندگی انہیں دونوں احوال سے گزرے گی یا انسانی زندگی پر یہ دونوں احوال حاوی رہیں گے۔ کچھ زندگی کا حصہ حیات سے وابستہ رہے گا اور حیات لے لی جائے گی تو پھر موت کی حالت میں رہے گا اور یہ حالت برزخ اور دار الانتظار کی ہے اور برزخی حیات کی ہے، یہ بھی ایک حیات ہی ہے جو ہماری سمجھ اور عقل سے بالاتر ہے۔ جب ہم اس میں پہنچ جائیں گے تو وہ حیات اہل ایمان جنت کی صورت میں اور اہل کفر عذاب کی شکل میں برتیں گے۔

(۲) اس کو یوں بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ حیات نام ہے عملی اور وجودی زندگی کا اور موت نام ہے عملی زندگی سے کاٹ دینے کا اور اس زندگی کا جس میں عمل منقطع اور موقوف کر دیا جاتا ہے اور نیکی و بدی کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے یعنی عملی زندگی کے نتیجے اور ثمرات کو برتنے کا۔

(۳) حیات والی زندگی ابھی ہمارے سامنے مشاہدہ ہوتی ہے اور انسان کی ہر طرح کی نقل و حرکت، اعمال و افعال سب چونکہ وجودی ہیں اس لئے حیات آسانی سے ہر شخص کے سمجھ اور ادراک میں آجاتی ہے، جب کہ موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ روح کا بدن سے عملی اور تصرف کا تعلق منقطع کر کے روح کو ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کرنے کا نام ہے اور یہ بھی ایک وجودی چیز ہے اور جسم سے روح کا تعلق باقی رکھا جاتا ہے۔ حقیقت اس کی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

(۵) جس طرح حیات انسانی ایک حال ہے جو جسم انسانی پر طاری ہوتا ہے اسی طرح موت بھی ایک ایسا ہی حال ہے جس میں ثواب وعقاب کو محسوس کرتا ہے اور اس کو روحانی برزخی حیات بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ کامل اور مکمل حیات انسان کو عطا فرمائی کہ اس میں حق تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل کرنے کی ایک حد تک صلاحیت رکھ دی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کر کے امانت کا بوجھ بآسانی اٹھالیا، جب کہ اس حیات کے مقابل موت ہے جس کا ذکر قرآن میں: ''أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ'' میں ذکر فرمایا ہے کہ کافر کو مردہ اور مومن کو زندہ کہا گیا ہے یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت ایمان کے ذریعے حاصل کی وہ زندہ ہے اور جس نے اس صلاحیت کو کھودیا وہ مردہ ہے۔

(۷) بعض مخلوقات میں یہ درجہ حیات کا تو نہیں مگر حس وحرکت موجود ہے وہی اس کی حیات ہے اور اس کے مقابل موت ہے اس کا ذکر قرآن میں: كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ'' میں آیا ہے۔ اس جگہ حیات سے مراد حس وحرکت اور موت سے مراد اس حس اور حرکت کا ختم ہوجانا ہے۔

(۸) درختوں اور نباتات میں حس وحرکت تو نہیں صرف نمو یعنی بڑھنے کی صلاحیت ہے، جب کہ اس کے مقابل وہ موت ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت: يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا میں آیا ہے نمو اور بڑھنے کی صلاحیت ختم ہوجائے تو یہی اس کی موت ہے۔

(۹) جمادات میں بھی ایک خاص قسم کی حیات موجود ہے جو اس کے وجود کے ساتھ لازم ہے۔ اسی حیات کی وجہ سے قرآن مجید میں اس کا اثر بتلایا گیا ہے: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ'' جو چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے ان کا تسبیحات سے رک جانا ہی موت ہے۔

(۱۰) عجیب بات ہے حق تعالیٰ جل مجدہ نے پتھروں سے بنے ہوئے بتوں کے متعلق فرمایا: ''أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ'' یعنی مردہ ہیں جس میں زندگی اور حیات نہیں۔

اوپر کی تمہیدی باتوں سے موت وحیات کا کچھ اجمالی خاکہ ذہن میں ضرور آگیا ہوگا۔

لہٰذا موت فنا ہونے یا ختم ہونے کا یا نیست ونابود ہونے یا مرجانے کا نام نہیں انسان کا ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل کردیئے جانے کا شریعت میں نام موت ہے۔ ایسا ہی سمجھ لیجئے دن کی روشنی تھی اب رات آگئی، مشین کے اندر بجلی اور برقی توانائی تھی تو حرکت کررہی تھی اب بجلی کی لائن کا بٹن اوف کردیا گیا مشین کی حرکت بند ہوگئی۔

دارالانتظار: موت کے بعد برزخ

جسم انسانی کو جب حیات کی حالت سے موت کی حالت میں منتقل کردیا جاتا ہے تو اس حالت کا نام شریعت میں برزخ ہے جس کو دارالانتظار لکھا گیا ہے اور برزخی زندگی کا دارومدار انسان کی دنیاوی حیات پر مرتب ہوتا ہے۔ دنیا کیونکہ دارالعمل ہے اور یہاں کی حیات بھی عملی زندگی کے لئے تھی اور موت کے ذریعے عملی زندگی موقوف کردی گئی، روک دی گئی، موت کے بعد والی زندگی میں نیکی وبدی کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اس لئے برزخ والی زندگی میں نیک وبد، اچھے اور برے، ایمان والے اور بے ایمان کا ٹھکانہ الگ الگ نام سے ہمارے دین وشریعت میں جانا اور پہچانا جاتا ہے اور یہ عقل وشعور کا بھی تقاضا ہے کہ مہمان خانہ اور قید خانہ جدا جدا ہوں۔ حیات وزندگی میں

بھی فکری اور عملی طور پر دونوں الگ الگ تھے۔ ایک اللہ وحدہ لا شریک لہ اور حضرت محمد خاتم النبیین پر ایمان لایا تھا، قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانا تھا، حلال وحرام میں فرق اور تمیز کرتا تھا۔ الغرض اپنے مالک ومولا جل وعلا کی کبریائی تسلیم کرتا تھا اور دوسرا آزاد سانڈ بنا پھرتا تھا۔

اس لئے عالم برزخ میں ایک مہمان خانہ بنایا گیا۔ نام اس کا ''علیین'' ہے اور قید خانے کا نام ''سجین'' رکھا گیا۔

علیین کیا ہے اور علیین کا مقام

قرآن مجید میں ہے: إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ '' بے شک اعمال نامہ نیکوں کا بلند جگہ ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ایک مقام ہے جس میں مومنین کی ارواح اور صحائف اعمال رکھے جاتے ہیں۔

بعض روایات حدیث سے بھی مومنین کی ارواح کا جنت میں عرش کے نیچے ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے مومنین کی ارواح کا مستقل ٹھکانہ ساتویں آسمان پر عرش اعظم کے نیچے ہے اور جنت کا مقام بھی یہی ہے اور ان ارواح کو جنت کی سیر وسیاحت کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور تمام مومنین کی ارواح کا مستقر بھی یہی ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَعْلَقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتَّى تَرْجِعَ إِلَى جَسَدِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' مومن کی روح ایک پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں میں معلق رہے گی یہاں تک کہ قیامت کے روز اپنے جسم میں پھر لوٹ جائے۔

(رواہ مالک والنسائی معارف القرآن ج ۸ ص ۶۹۷)

الغرض مومنین کی ارواح برزخ میں ہو یا جنت میں دونوں ہی کا مقام عرش اعظم کے نیچے ہے اور بھی روایات ہیں جس کا یہ مقام نہیں۔

سجین کا مقام اور وہ کیا ہے؟

''إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ'' بے شک اعمال نامہ گنہگاروں کا سجین میں ہے۔ سجین کے معنی تنگ جگہ میں بند کرنے کے ہیں۔ برزخ اس مقام کا نام ہے جہاں کفار وفجار کی ارواح کو قید وبند میں رکھا جاتا ہے اور یہی ان کا مقام ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام نے فرمایا کہ سجین ساتویں زمین کے نیچے طبقہ میں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سجین کفار وفجار کی ارواح کا مستقر ہے۔ ''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو لایا جائے گا۔ ''وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ'' اس کا مطلب کیا ہے؟ جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا تو حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جہنم کو ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔''

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم ساتویں زمین میں ہے وہیں سے بھڑک کر سارے سمندر اور دریا اس کی آگ میں شامل ہو جائیں گے اور سب کے سامنے آ جائے گی۔ ''وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ'' اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے۔

مرنے کے بعد انسانی روحوں کا ٹھکانہ

اوپر کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی روح مرنے کے بعد اگر مومن تھا تو علییں جو ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے اس کا ٹھکانا اور مقام ہے اور جنت بھی عرش اعظم کے نیچے ہے۔

اور بے ایمان کفار کی ارواح مرنے کے بعد سجین جو ساتویں زمین کے نیچے ہے یہیں جہنم بھی ہے اور یہی اس کا ٹھکانہ اور مقام ہے۔

چھٹی بنیادی حقیقت: موت جسم پر طاری ہوتی ہے نہ کہ روح پر

موت کی حقیقت اپنے جان لیا کے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔

جسم کو مٹی کے اوپر سے نیچے قبر میں یا کسی بھی شکل میں رکھ دیا جاتا ہے چھوڑ دیا جاتا ہے اور یہ لفظ موت کا جسم پر ہی ہوتا ہے اور بولا جاتا ہے نہ کہ روح پر کہ جسم خلق پیدا کیا ہوا ہے۔

روح پر موت طاری نہیں کی جاتی بلکہ روح جسم سے نکال لی جاتی ہے اور جس طرح جسم کو انسان گھروں سے منتقل کر دیتے ہیں قبر میں یا دوسری جگہ۔

روح کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے نکالتے ہیں اور وہ اس کو اللہ کے حکم سے اس کے برزخی ٹھکانہ، علیین یا سجین میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس لئے روح پر موت نہیں آتی۔ نہ ہی روح مرتی ہے کیونکہ وہ عالم امر کی ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک امر و حکم ہے۔ "وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل)" اور یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں (امتحاناً) پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

اور خلق اور امر دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت وقوت، احدیت وربوبیت اور الوہیت کی واضح دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (آل عمران)" دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے۔

ایک ضروری وضاحت

اہل ایمان قارئین کے درمیان میں ایک ضروری وضاحت کر دی جائے تو بات آگے چل کر حیات انبیاء علیہم السلام ذہن میں آسانی سے اتر جائے گی اور ہماری نجات ومغفرت کا ذریعہ ووسیلہ بن جائے گی۔ وباللہ التوفیق!

موت مؤمن کے لئے دیدار الٰہی کا ذریعہ ووسیلہ ہے

حسان بن اسود کا قول ہے جو اہلِ ذوق کے لئے بہت ہی پر لطف ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ إِلَى الْحَبِيْبِ یعنی موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔ (دیدار الٰہی کا شوق ۱۴۱)

اے لقائے تو جواب ہر سوال — مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

آپ کی ملاقات ہی ہر سوال کا جواب ہے، جس سے بلاشک وشبہ ہر مشکل حل ہو جاتی ہے (تفصیل کے لئے عاجز کی کتاب دیدار الٰہی کا شوق ضرور مطالعہ کریں)

بخاری شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت کا ایک حصہ ہے۔ "اَلْمُؤمِنُ اِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللهِ وَ كَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْئٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهُ فَاَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ وَ اَحَبَّ اللهُ لِقَائَهُ" مؤمن کی جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور حق تعالیٰ کے یہاں اس کی عزت کی خوش خبری دے دی جاتی ہے اس وقت مؤمن کو کوئی چیز اس سے زیادہ عزیز تر نہیں رہتی جو اس کے آگے (اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی خوشنودی کا حصول ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وہ خواہش مند ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق باب ۴۱ رقم الحدیث ۶۱۴۲، دیدار الٰہی کا شوق ص ۴۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے موت کو دیدار الٰہی کا زینہ بنایا گیا ہے اور دونوں دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ موت ایک الگ چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا ایک ذریعہ اور پل ہے۔ اس لئے اسے بھی لقاء اللہ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوزرعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: "يُحِبُّ الْإِنْسَانُ الْحَيَاةَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِنَفْسِهِ۔" "آدمی زندگی کو محبوب رکھتا ہے حالانکہ موت اس کے لئے بہتر ہے۔" (دیدار الٰہی کا شوق ۶۰۰)

ایک اہم اور بنیادی بصیرت ایمانی

ابھی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری کے حوالہ سے آپ نے پڑھی جس کا حاصل یہ ہے کہ عام مؤمنین کو موت کے وقت عالم برزخ سے عالم آخرت تک کی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور آنے والے برزخ کے دنوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت، مسرت، کرامت، راحت و طمانیت اور جنت کی تمام سوچ اور تصور سے بالاتر نعمتوں کی فرشتے بشارت دیتے ہیں تو اس وقت وہ مرنے والے کے سامنے سب سے محبوب اور پسندیدہ و مرغوب اور رضا و رغبت کے ساتھ آخرت کی طرف جانا اعلیٰ درجہ کی چاہت اور انتخاب اور طلب شدید ہو جاتا ہے۔

حدیث میں عام مؤمن کا حال بتلایا گیا ہے نہ کہ خاتم الانبیاء علیہ السلام کا

نتیجہ: پھر ہمارے حضرت رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، امام الانبیاء، سید المرسلین عَلَيْهِ اَلْفُ اَلْفِ الصَّلَاةِ وَالتَّسْلِيمِ کا مقام کون بیان کر سکتا ہے؟ اور اس وقت کے غیبی انکشافات جو شان خاتمیت نبوت و رسالت کے أَعْلٰى وَأَرْفَعْ، أَطْيَبْ وَأَلَذّ، أَزْكٰى وَأَطْهَرْ، وَأَحْلٰى وَأَجَلّ، ربّ اعلیٰ کی جانب سے مشاہدہ کرایا گیا ہوگا اس کو کون جان سکتا ہے؟ اس کو ہماری عقل نارسا اور کوتاہ فہم و ادراک، کمزور اور ضعف ایمان و ایقان نہ سمجھ سکتی ہے نہ ہی ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔ بہت صحیح اور حقیقت پر مبنی بات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہہ دی ہے: "لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ اَنْ يَتَكَلَّمَ عَلٰى مَقَامِ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ"

کسی شخص کے لئے مناسب بھی نہیں ہے کہ نبوت و رسالت کے مقام پر گفتگو کرے مگر وہی جو خود بھی نبی اور رسول ہو۔ ہمارا کام ہے محض تسلیم و رضا کے ساتھ ایمان و یقین کو مضبوط اور مستحکم رکھنا حضرت خاتم النبیین اعلیٰ مقام کے مناسب ﷺ۔

گتھی مگر سلجھ گئی

حضور خاتم النبیین ﷺ چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کی رحمت ہے کہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا خُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَ كَانَ فِيْ شَكْوَاهُ الَّذِيْ قُبِضَ أَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيْدَةٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ فَعَلِمْتُ اَنَّهُ خُيِّرَ" (بخاری ومسلم، دیدار الٰہی کا شوق ۶۰۰)

حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی ایسا نبی نہیں جس کو دنیا وآخرت کے رہنے میں اختیار نہ دیا گیا ہو اور آپ ﷺ کو اس مرض میں جس میں آپ ﷺ کا وصال ہوا سخت بیٹھی آواز نے پکڑا، اس وقت میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ میں سمجھ گئی اب آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ (۱): اس روایت سے حضرت خاتم النبیین ﷺ کا شوق واختیار یعنی آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

فائدہ (۲): اور یہ فرق بھی واضح طور پر سامنے آگیا کہ عام مومنین کو رضوان کی بشارت وکرامت بتلائی جاتی ہے اور انبیاء کو اختیار دیا جاتا ہے کیونکہ رضوان وکرامت کے تو وہ منجانب اللہ بشیر تھے، وہ سب ان کے مشاہدے میں پہلے سے ہوتی ہیں۔ یہ فرق بھی نبی وغیر نبی کا خوب لذت وفرحت بخش ہے اور انعام ذی حیات اور صاحب حیات پر ہوتا ہے اور انعام سے لطف اندوزی جبھی ہوگی کہ کمال حیات اقوی واعلیٰ درجہ کی ہو۔ بے حس وشعور پر انعام کا کیا معنی۔ یہ نکتہ بھی یاد رہے۔

ایک اور بھی راز کا پتہ لگتا ہے

یہاں پر بخاری شریف کی وہ حدیث بھی اہل ذوق کے لئے حیات النبی کا عقدہ اور راز کو کھولتی ہے۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ نے دنیا پر آخرت کو اختیار تو کر ہی لیا اور ساتھ ساتھ کتنا گہرا اور پر از حقیقت شان خاتمیت کے مناسب ارشاد فرمایا: "اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْأَعْلٰى" یہ خوبصورت انمول بول بھی حیات النبی کی دلیل ہے۔

حاصل دونوں روایت کا یہ ہوا کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ نے دنیا پر آخرت کو اور آخرت میں رفیق اعلیٰ اور ذات حق سے شان خاتمیت کے اعلیٰ مقام کی حق تعالیٰ کی رفاقت ومعیت کا اعلان وانتخاب فرمایا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو "اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" کی معیت ورفاقت اور "اَلرَّفِيْقُ الْأَعْلٰى" کے ذریعہ اعلان کر رہا ہے وہ تمام حیات والوں کی حیات سے قوی اور اقوی حیات کا مالک نہ ہوگا؟ اب ذرا غور کیجئے رفیق ورفاقت "اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" کی ذات عالی سے صاحب حیات کامل کی ہی ہوسکتی ہے۔ کیا یہ رفاقت حیات کی دلیل نہیں؟ کچھ تو ایمان بالرسالت کا خیال کیجئے۔

یہ بات آگے چل کر قرآن وحدیث دونوں میں اور واضح ہوگی، جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں ہے: ''اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ''

(۱) اوّل انبیاء علیہم السلام کو رکھا گیا ہے تینوں عالم کی حیات میں۔ کیونکہ خالق تبارک وتعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے اوّل نمبر پر انبیاء علیہم السلام ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام میں اوّلیت اور فوقیت حضرت محمد خاتم النّبیین علیہ الف الف الصلاۃ والسلام کا رتبہ اور مقام ہے۔ تمام جہات واعتبارات اور ہر طرح کی حیات اور انوارات وتجلیات میں۔

(۲) دوسرے نمبر پر صدیقین ہیں جن کا مقام حیات انبیاء علیہم السلام سے نیچے ہے یعنی رتبہ صدیقیت سے اوپر نبوت پھر رسالت ہے۔

(۳) تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ نے مقام شہداء کی حیات اور مقام ومرتبہ رکھا ہے۔

(۴) چوتھے نمبر پر صالحین کا مقام ومرتبہ ہے جو آپ کو آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے۔ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔

شہداء کو مردہ کہنے کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے کی ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورہ بقرہ میں: ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرۃ: ۱۵۴)'' اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت (یوں بھی) مت کہو کہ وہ معمولی مردوں کی طرح مردے ہیں بلکہ وہ تو (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں لیکن تم (ان حواس سے اس حیات کا) ادراک نہیں کر سکتے۔ (حضرت تھانوی)

دوسری آیت آل عمران میں ہے: ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ (آل عمران: ۱۶۹)'' اور اے مخاطب جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ تو زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں۔ ان کو رزق بھی ملتا ہے۔

شہداء کی حیات سے کیا مراد ہے

ان دونوں آیتوں میں حق جل مجدہ نے شہداء یعنی جو اللہ کے راستے میں قتل کئے گئے ان کو مردہ، مرا ہوا کہنے سے منع ہی نہیں فرمایا بلکہ ان کو زندہ کہا اور یہ بھی فرما دیا کہ جب زندہ ٹھہرے تو ان کو روزی یعنی کھانے پینے کی چیزیں بھی منجانب اللہ ملتی ہیں۔

اور بہت ہی پر لطف، سرور وسکون کی پر حقیقت بات حق تعالیٰ نے یہ اطلاع بھی دے دی کہ: ''عِنْدَ رَبِّھِمْ'' اپنے رب کے پاس۔ یعنی موت سے اور مردہ سے جو زندگی اور حیات لے لی جاتی ہے، سلب کر لی جاتی ہے، چھین لی جاتی ہے اور اس کے احساسات وادراکات، شعور وآگہی اور حس وحواس اس میت یا مردہ کے ختم اور معدوم کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی شہداء سے نہیں لیا جاتا، نہ ہی ختم ہوتا ہے، نہ ہی معدوم کیا جاتا ہے، نہ ہی چھینا جاتا ہے۔ خوب یاد رکھئے پھر آپ کو حیات النبی ﷺ کی چاشنی وحلاوت کا ذائقہ ملے گا۔

ایک لطیف نکتہ اہل ذوق کے لئے

درمیان میں ایک اپنا ذوقی لطیفہ بھی سنئے۔ قرآن میں ہے: "کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ (البقرۃ:۲۸۵)" سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ (شیخ الہند) یعنی سب بھی ایمان لاتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتے اور کتاب اور رسولوں پر۔

یہاں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ ایمان باللہ ایک ایسی ذات پر عقیدہ رکھنا ہے جو ذات اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم، الْأَوَّل، اَلْآخِر، اَلظَّاھِر، اَلْبَاطِن ہے اور اسی اللہ تعالیٰ نے یہاں اس آیت کے ٹکڑے میں مطالبہ کیا اور فرمایا کہ یمان باللہ، اِیْمَان بِالْمَلٰٓئِکَۃِ، اِیْمَان بِالْکُتُب، اِیْمَان بِالرُّسُلِ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان باللہ کے ساتھ تین اور چیزوں کو اس ایمان لانے کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اللہ تو اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم۔ لَا إِلٰہَ إِلَّا ھُوَ ہے اور اللہ، اللہ ہی ہیں، بلا ریب وشک اہل سنت والجماعت کے بیان کردہ تمام تر کمالات کے ساتھ اور فرشتے، کتاب اور رسل۔ یہ تمام کی تمام ذی حیات ہیں اور ان کو بھی حیات حق تعالیٰ کی جانب سے ملی جبھی تو ان پر ایمان کا مطالبہ کیا گیا اور ان تمام چیزوں پر عقیدہ وایمان سے ہی اہل ایمان کو حیات اخروی اور حیات ایمانی ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ، کتب اور انبیاء ورسل کو ایسی حیات عطاء کی ہیں کہ اہل ایمان کو ان پر ایمان لانے کو کہا گیا۔ معدوم اور مردہ اور غیر حیاتی پر ایمان کا مطالبہ کیسے اور کیونکر کیا جاتا؟

اللہ باقی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ملائکہ اور کتب اور انبیاء ورسل پر ایمان لانے کو اس لئے فرمایا کہ منجانب اللہ وہ سب بھی حیات بخش اور حیات آفریں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ بے جان اور بے حس اور بے شعور وآگہی ہیں۔ ملائکۃ اللہ تو شاہد اور اہل ایمان پر سکینہ وسلامتی نازل کرتے ہیں، قلوب پر ثبات وقرار کا ذریعہ بنتے ہیں۔ خیر وبھلائی کا الہام کرتے ہیں ہیں۔

قرآن اہل ایمان کے لئے حجت وبرہان ہے۔ قیامت کے دن بارگاہ قدس میں شفاعت وسفارش کرے گا۔

اور حضرت محمد خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام تو مقام محمود اور شفاعت کبریٰ اور ان کے ہاتھ میں جنت کی کنجی اور حمد کا جھنڈا اور "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی" کے مقام پر ہوں گے۔ حوض کوثر پر امت کو سیراب کریں گے اور نہ معلوم لاتعداد مناقب ہیں، یہ سب حیات کی دلیل ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے ایمان کا مطالبہ بے جان چیزوں پر نہیں کیا، سب کو حیات والا حیات بخش بنایا ہے۔ واللہ اعلم!

آیت مذکورہ سے استدلال

یہ بات پہلے ہی عرض کر دی گئی ہے کہ موت فنا ہونے کا نام نہیں بلکہ اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا نام ہے۔ خواہ جہاں منتقل کی گئی ہے مسرت وخوشی، مغفرت وجنت میں ہو یا عذاب وعقاب اور سزا میں ہو۔ بہرصورت روح مری نہیں باقی ہے جسم سے جدا ہوئی ہے اور تعلق موجود ہے۔ نعمت میں ہو یا عذاب میں بس بدن سے عملی تعلق کاٹ دیا گیا ہے۔ ثمراتی تعلق بحال اور باقی ہے۔ شہید جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دی اور اس کو یہ جان، جان جاناں کے لئے دینا شیرین اور لذیذ ہوا۔ اس کو حق سبحانہ وتعالیٰ، حی وقیوم کی بے چوں وچگوں ذات کی

جانب سے حیات کا ایک عکس اور پرتو پڑتا ہے، جس سے اس کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے ''بَلْ أَحْيَاءٌ'' سے واضح فرمادیا۔

شہید کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ عام مردوں کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر شہید کا عمل یعنی جہاد فی سبیل اللہ کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

یعنی شہید کی ترقی رک نہیں جاتی بلکہ برابر جاری رہتی ہے، جس عمل میں اس نے جان دی ہے اس کا اجر برابر جاری رہتا ہے، گویا کہ اب بھی وہ عمل کر رہا ہے۔

یاد رکھو شہید کو حیات تو ہے مگر اس حیات کو تم سمجھ نہیں سکتے، لَاتَشْعُرُوْنَ۔شہید کی حیات کو سمجھنے کی تمہارے اندر صلاحیت ہی نہیں۔بس تم تو اپنے اللہ کی بات مان لو کہ وہ مرے نہیں، نہ ہی مردہ کہو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور چونکہ انبیاء کی حیات شہداء کی برزخی حیات سے اعلیٰ واقوی ہے اس لئے ان کا برزخی حیات میں یہ مقام ہے کہ عملاً بھی ان کا عمل جاری رہتا ہے جب کہ شہداء بعد از شہادت عمل کرنے سے عاجز ہیں لیکن اپنی زندگی کے اخری عمل شہادت کے اجر سے مسلسل نوازے جاتے ہیں۔

مرنے والوں میں فرق مراتب

شہید کو گو یہ کہنا کہ مر گیا صحیح اور جائز ہے، مگر عام مردوں کی طرح اس کی موت شہادت کو مردہ کہنا درست نہیں، کیونکہ شہید کو عام مردوں کے مقابلے میں حیات حاصل ہے اور حیات برزخی میں عام مردوں کے مقابلے میں ایک مضبوط اور قوی حیات حاصل ہے۔اسی لئے مردہ کہنے کی ممانعت آیت میں آئی ہے:

(۱) تمام احکام میت میں شہید کی میراث تقسیم ہوگی۔

(۲) شہید کی بیویاں عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہیں۔

(۳) شہید کو حیات حاصل ہے اس لئے اس کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات

حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہداء کی حیات سے زیادہ مضبوط اور قوی تر حیات حاصل ہے۔اس لئے اس کا ظاہری اثر بھی شریعت میں موجود ہے اور یہ بھی یاد رکھنی چاہئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی سے زیادہ مضبوط اور اقوی شہداء کی حیات نہیں، بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو شہداء کی حیات سے اقوی اور اعلیٰ حیات حاصل ہے اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بیویاں دوسرے کے نکاح میں نہیں آسکتیں اور نہ ہی کوئی ان سے نکاح کرسکتا ہے۔کیونکہ زندہ کی بیویوں سے نکاح جائز اور درست نہیں ہے اور ہمارے حضرت خاتم النبیین علیہ الف الف الصلاۃ والسلام۔دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی زندہ ہیں ان کا ازواج مطہرات سے وہی تعلق ہے جو دنیا میں رشتہ زوجیت کا تھا، باقی ہے اور یہ رشتہ وتعلق باقی رہنا اس لئے ہے کہ ہمارے حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں۔آپ کو حیات شہید کی حیات سے کئی درجہ بلند اور بالا حاصل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت کو ہدایت کردی کی ازواج مطہرات سے نکاح درست نہیں۔اللہ تعالیٰ نے کتنی پر عظمت اور وقار

بھری بات ارشاد فرمائی ہے: ''وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ'' تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کلفت پہنچاؤ۔ ''وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا'' اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ (احزاب ۵۳)(تھانوی)

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے حیات النبی ﷺ کے ظاہر اثر اور حکم کو ابدیت کے ساتھ بیان کر دیا اور امہات المومنین کے تقدس اور حرمت کو قیامت تک کے لئے نازل فرما دیا۔ امہات المومنین بیوہ نہیں ہیں کہ ان کی شادی ہو اور حضرت محمد ﷺ کی حیات کو نہ ماننا خاتم النبیین علیہ السلام کو کلفت پہنچانا ہے۔ ظاہری بات ہے زندہ کو مردہ کہنا کہاں درست ہے اور اس سے حضرت محمد ﷺ کو کلفت واذیت ہوتی ہے۔ مسلمانوں اس سے بچو۔

گویا کہ آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ خاتم النبیین ﷺ رفیق اعلیٰ میں مقیم ہوں یا اس دنیا میں، دونوں حالت میں آپ کو حیات حاصل ہے اور خاتم النبیین علیہ السلام کی ازواج مطہرات کا رشتہ دونوں حالت میں یکساں باقی اور مضبوط ومستحکم ہے اور خاتم الانبیاء علیہ السلام کی ازواج کبھی بھی بیوہ کے احکام میں داخل نہیں ہیں اور نہ ہی وہ بیوہ ہیں کہ ان کا نکاح کسی سے درست ہو، کیونکہ وہ حضور خاتم الانبیاء کی ازواج ہیں اور خاتم الانبیاء سے ان کا رشتہ نکاح باقی وثابت ہے کہ خاتم الانبیاء کو حیات اقویٰ واعظم حاصل ہے۔

خاتم الانبیاء ﷺ زندہ ہیں اس لئے ان کی میراث تقسیم نہیں ہوگی

خاتم الانبیاء علیہ السلام کے زندہ اور حیات کی وجہ سے ان کی میراث تقسیم نہیں ہوئی۔ کیا زندہ کا مال میراث میں تقسیم ہوتا ہے کہ ہوگا۔

خاتم الانبیاء علیہ السلام کی حیات کا ظاہری اثر ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات کی شادی و نکاح حق تعالیٰ نے ہی قرآن مجید میں حرام قرار دے دیا اور اسی طرح ان کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ خاتم النبیین علیہ السلام کا رفیق اعلیٰ میں منتقل ہونا ایسا ہے جیسا کوئی صاحب رتبہ اور بلند ہستی ایک گھر سے دوسرے اعلیٰ ذی شان گھر میں منتقل ہو جائے۔ زندہ شخص کی نہ میراث تقسیم ہوتی ہے نہ ہی اس کی بیوی بیوہ کہلاتی ہے نہ ہی اس کی شادی و نکاح کسی دوسرے شخص سے حلال ہے۔ حضرت ﷺ کی اذیت سے بچو۔

اللہ تعالیٰ نے اس حیات خاتم النبیین علیہ السلام کو کتنی پر اثر اور دل دہلا دینے والی بات سے قرآن میں فرمایا یہ بھی ہمارے رحمت للعالمین ﷺ کا خصوصی مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر قول و فعل، سوچ، تصور اور خیال جس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء یا تکلیف ہو یا تکلیف پہنچے وہ امت پر حرام ہے۔

ہمارے حضرت ﷺ زندہ ہیں۔ ان کو مردہ کہنا اذیت پہنچانا ہے۔ ہمارے حضرت ﷺ زندہ ہیں ان کی بیویاں بیوہ نہیں ہیں، ان کو بیوہ کہنا یا ان سے بیوہ والا معاملہ کرنا اذیت پہنچانا ہے۔ ہمارے حضرت ﷺ زندہ ہیں ان کی میراث تقسیم نہیں ہوئی اور میراث تقسیم کرنا اذیت پہنچانا ہے۔

اسی حکم الٰہی پر امت خاتم النبیین علیہ السلام نے عمل کیا اور اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو حیات اپنے اسی جسد اور جسم مبارک کے ساتھ روضہ مبارک میں حاصل ہے اور یہی عقیدہ علماء دیوبند کا ہے۔

اہل السنت والجماعت کی تعریف

(۱) اہل السنت: حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی شریعت وسنت پرعمل کرنے والے۔

(۲) والجماعت: حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے تربیت یافتہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوپر بھروسہ اور اعتماد کرنے والے۔

ائمہ اربعہ: امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے پیروکار۔ (شہادت ۱۵۰ھ)

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کے پیروکار۔ (وفات ۱۷۹ھ)

امام محمد بن ادریس الشافعی کے پیروکار۔ (وفات ۲۰۴ھ)

امام احمد بن حنبل کے مرتبہ کے پیروکار۔ (وفات ۲۴۱ھ)

مذکورہ چاروں اماموں کا مسلک اہل السنت والجماعت کہلاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب سورۃ آل عمران کی آیت: ''یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوہٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوہٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمٰنِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ'' (قیامت کے دن کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے) نازل ہوئی تو حضور خاتم النبیین علیہ السلام سے صحابہ نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ کالے چہرے والے اور سفید چہرے والے لوگ کون ہوں گے؟ تو خاتم النبیین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''تَبْیَضُّ وُجُوہُ اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَتَسْوَدُّ وُجُوہُ اَھْلِ الْبِدَعِ وَالضَّلَالَۃِ''

(الدر المنثور فی تفسیر الماثور ج ۲ ص ۱۱۲)

(ترجمہ) جن لوگوں کے چہرے کے کالے ہوں گے وہ اہل بدعت (گمراہ) ہوں گے اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے وہ اہل سنت والجماعت ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الْکَرِیْمِ۔ آمین!

قبر کی تعریف اور قبر کیا ہے؟

جب انسان مرجاتا ہے اور اس کو جس جگہ دفن کیا جاتا ہے، جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں، فضا میں اڑا دیا جاتا ہے یا پانی میں ڈوب وغرق ہوگیا۔ مچھلی نے یا مگرمچھ نے نوچ نوچ کر کھالیا۔ الغرض جس جگہ اس کے ذرات جسم ہوں گے اسی جگہ روح کا تعلق قائم کردیا جاتا ہے اور یہی اس کی قبر ہوتی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے اور تمام شکوک وشبہات کا قرآن وحدیث سے جواب دیا ہے۔ (دیکھیں شرح الصدور ص ۵۹)

برزخ کی تعریف

وفات کے بعد انسان پر جو وقت اور حالات گزرتے ہیں انہیں برزخ کہا جاتا ہے قرآن نے بھی وفات کے بعد والی زندگی کو برزخ کہا ہے۔ ''وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المومنون: ۱۰۰)''

حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زمینی قبر برزخ کا ایک حصہ ہے۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس سے مراد برزخ ہے جو موت سے قیامت تک کی مدت ہے۔

موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی حیات اور آخرت کے درمیان حد فاصل ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر، فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اس کو کہنا ہی تھا کیونکہ عذاب سامنے آچکا ہے، مگر اس کلمے کا کوئی فائدہ اس کے لئے نہیں کہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے، جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آیا اور قیامت اور بعث وحشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم! (معارف القرآن ج ۶ ص ۳۳۱)

عالم برزخ

''وَمِنْ وَرَاءِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'' اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کے اٹھائیں جائیں۔ یعنی ابھی کیا دیکھتا ہے موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے۔ جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردے میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی، اب تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے، جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قبر اور برزخ

قبر جگہ کا نام ہے جہاں مردہ کا جسم ہے اور برزخ وقت اور جو حالات مردہ پر گزر رہا ہے اس کا نام۔ اس لئے انسان ہر وقت قبر میں بھی ہیں اور برزخ میں بھی ہے۔

جس طرح ایک شخص مسجد یا مکان میں بھی ہے اور حالت نماز میں بھی ہوتا ہے اسی طرح مردہ قبر میں بھی ہے اور برزخ میں بھی ہے دونوں باتوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ (ق: ۴۲)'' جس دن لوگ اس فرشتے کی پکار کو سنیں گے وہ قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ مردہ بروز قیامت قبروں سے نکلیں گے اور آیت: ''وَمِنْ وَرَاءِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'' اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک اٹھائے جائیں۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ موت کے بعد قیامت وحشر تک کا جو وقت اور حالات مردہ پر ہے وہ برزخ تھا جو شروع میں عالم انتظار لکھا گیا تھا۔ لہٰذا قبر اور برزخ دونوں ایک حقیقت ہے اور ایک دوسرے کے خلاف نہیں۔ واللہ اعلم!

قبر میں تین سوال ہوں گے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور انسان سے تین سوالات کرتے ہیں۔

(۱) پہلا سوال۔ مَنْ رَّبُّكَ۔ تیرا رب کون ہے؟ (۲) دوسرا سوال۔ مَا دِيْنُكَ۔ تیرا دین کیا ہے؟ (۳) تیسرا سوال۔ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ۔ یہ آدمی جو تمہارے اندر خاتم النبیین بنا کر بھیجا گیا تھا (نبی محمد ﷺ) ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ مسند احمد، ابوداؤد۔ (معارف ج ۱ ص ۱۲۵)

یا مَنْ نَبِيُّكَ۔ تیرا نبی کون ہے؟ جو انسان ان تینوں سوالات کا جواب درست اور صحیح ٹھیک دے دیتا ہے

تو اس شخص کے لئے قبر میں اسی وقت جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اس کی قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جاتا ہے اور جس نے ان سوالات کا جواب نہیں دیا اس کی قبر کو تنگ اور جہنم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

قبر جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا

''قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْقَبْرَ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (ترمذی رقم ۲۴۶۰)

میت کا حس و شعور حدیث سے ثابت ہے

میت بے شعور نہیں بلکہ حس اور شعور حدیث سے ثابت ہے۔

(۱) ''عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الْمَیِّتَ یَعْرِفُ مَنْ یَحْمِلُهٗ وَمَنْ یغسل ومن یدلیه فی قبره'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا یقیناً میت (شعور کے ساتھ) پہچانتا ہے کہ اس کو کون اٹھایا ہوا ہے اور کون اس کو غسل دے رہا ہے اور کون اس کو قبر میں اتار رہا ہے۔

(مسند احمد رقم ۱۰۹۹۷ دار الطبرانی فی الاوسط ۲۱۱/۸)

''عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰی اَعْنَاقِهِمْ فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ، قَدِّمُوْنِیْ: وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ: يَا وَيْلَهَا إِلٰى أَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا، يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ'' حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب جنازہ کو رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کو کندھے پر اٹھا کر (قبرستان کی طرف) چلتے ہیں تو میت اگر نیک اور صالح ہے تو کہتا ہے جلدی لے چلو، (یعنی اپنے جنت کے ٹھکانے کی جانب جو اس کی آخری منزل ہے) اور اگر اللہ نہ کرے نیک و صالح نہ تھا تو کہتا ہے ہائے بدبختی و بدنصیبی لوگو کہاں لے جا رہے ہو۔ (کیونکہ اس کو اپنے انجام کا اندازہ ہو چکا ہے) اس کی اس آواز کو ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے۔ اگر میت کی اس آواز کو اٹھانے والے سن لیں تو برداشت نہ کر سکیں اور جان دے دیں۔

(بخاری رقم ۱۳۱۴، ۱۳۱۷ سنن النسائی رقم ۱۹۰۸۔ مسند احمد)

سوچنے کی بات

اس سلسلے میں اور بھی روایت حدیث کی کتابوں میں موجود ہے مگر یہاں صرف دو نقل کر دی ہے تاکہ اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور ہم میت کو جو کندھے پر اٹھا کر لے جا رہے ہیں یا غسل دے رہے ہیں بے جان اور بے شعور اور بے حس نہ جانیں۔ جب یہ عام میت کا حال ہے تو اللہ رب العزت نے جس کے لئے ''بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ'' وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اور ان کو روزی دی جاتی ہے۔

سوچنے کی بات ہے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو مردہ کہنے سے منع کر رہے ہیں اور ان کی حیات اتنی بلند اور

پر حقیقت ہے کہ ہم لوگوں کے شعور اور سمجھ سے باہر ہے اور حق تعالیٰ نے حیات کو ذہن نشین کرنے کے لئے فرما دیا کہ ان کو روزی بھی دی جاتی ہے، آخر ہم اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی بتلائی ہوئی حقیقت پر ایمان ویقین کیوں نہیں رکھتے اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے اتنے بلند مقام پر ہیں کہ غیر نبی تصور اور سوچ میں بھی نہیں لاسکتا۔ پھر ان کی حیات طیبہ کو کون جان سکتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی أَنبِیَاءِکَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّینَ۔

بس اتنا یقین رکھو کہ انبیاء علیہم السلام کو ابدی حیات اللہ تعالیٰ کی جانب سے شہداء کے مقابلے میں ہزار درجے اقوی واکمل حاصل ہے اور اسی عقیدے میں ہماری مغفرت، سعادت اور نجات اور ہمارے قلوب کو فیض حاصل ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم! شعر:

وہ ذات ہے جناب رسالت مآب کی
ادراک کی حدود سے بالا کہیں جسے
(مولانا اسعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

رسالت کو شرف ہے ذات عالی کے تعلق سے
نبوت ناز کرتی کہ ختم انبیاء تم ہو
(قاری صدیق احمد رحمۃ اللہ علیہ)

حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت ہی نازک اور حساس مسئلہ ہے

دراصل ہم لوگوں کی کمی یا غلطی یہ ہے کہ ہم ہر مسئلے کو ہم اپنے معیار اور اپنی حیثیت سے سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کھلی ہوئی بدیہی نہایت صاف اور واضح اصول ہے کہ اس دنیا میں احکام اور خواص یعنی حکم اور خاصیت الگ الگ ہر شخص کی جدا جدا ہیں۔

عام انسانوں میں کافر کا حکم الگ ہے اور اس کی طرز زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے احکام جدا ہیں، جس کا اہل اسلام اور اہل ایمان سے بالکل جوڑ نہیں کھاتا۔ ایک حرام خور ہے اور حلال وطیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ''لَا یَسْتَوِیْ أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ'' اصحاب النار اور اصحاب الجنہ برابر نہیں ہیں۔

مومن صالح اور غیر صالح کے درمیان کتنا بڑا فرق ہوتا ہے

اور مومن صالحین میں بھی زہد وتقوی اور ورع اور احتیاط کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور ذوق انابت میں۔ ''فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ'' مسلم ہے اور قرب الٰہی کی منزلوں میں ذوق عبادت محبت واطاعت کی لذتیں ہر صاحب مشاہدہ کی جدا ہوا کرتی ہیں، مثلاً درجنوں نہیں سینکڑوں اور ہزاروں مقام ابرار پر فائز اولیاء کرام ہیں اور ان میں ہر شخص کو قرب بارگاہ قدس کا حاصل ہے اور ہر شخص کو مشاہدہ انوارات وتجلیات قدسی کا وافر حصہ فضل باری سے حاصل ہے۔ مگر ہر شخص کے ذوق کے مطابق قدسی انوارات کے محسوسات وادراکات جدا جدا اور الگ الگ ہیں اور اس کا اثر ان کی مجاہدانہ ریاضت وعزیمت پر اور شان عبادت واطاعت پر بھی نمایاں نظر آتا ہے اور پھر قوت یقین اور شرح صدر کی بھرپور غیبی بشارتوں سے وابستگی عین الیقین اور حق الیقین کا سا ہوتا ہے۔ جس سے دوسرے حضرات صاحب ایمان ہونے کے باوجود اکثر خالی نظر آتے ہیں۔

مثال کے طور پر ایک مسجد میں بیک وقت سو لوگ جماعت سے اللہ کا فریضہ ادا کرتے ہیں مگر ان میں ہر شخص حالت احسان میں نماز ادا نہیں کر رہا ہے بلکہ کچھ دکان میں سودا سلف بیچ رہا ہے دوسرا نماز میں سبزی خرید رہا ہے تیسرا کہیں اور گھوم رہا ہے۔

مگر اسی جماعت میں کچھ مردان حق بھی نماز جماعت میں شریک ہیں اور تکبیر تحریمہ سے تسلیم تک مراقبہ سے مشاہدہ تک پہنچ کر بارگاہ قدس سے قیام قراءت رکوع کی تسبیح اور سجدہ کے قرب کی لذت تسبیح اور الغرض تمام صفات صلاۃ کی ہر ادائیگی سے عروج کی مشاہداتی مراحل سے گزر کر السلام علیکم تک پہنچ جاتے ہیں۔ جب کہ دوسرے لوگ عمل نماز میں تو شریک ہیں مگر صفات احسانی سے محروم یا محجوب ہیں، اگر محروم یا محجوب حضرات انکار کر دیں کہ میں اُن حضرات کی احسانی صفات کو نہیں مانتا کہ یہ کیفیت ان پر گزری ہے کیونکہ نماز میں تو میں بھی شریک تھا تو اس کی یہ بات نہیں مانی جائے گی جو صفات احسان سے یکسر خالی ہے۔ جب اہل ایمان میں مراتب ایمان کے اعتبار سے اتنا بڑا فرق ہے تو پھر حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام کا ہم جیسوں نالائقوں کو کیا اندازہ لگے گا اور حضرات انبیاء علیہم السلام یقیناً اپنے اپنے عہد میں اپنی اپنی امتوں کے درمیان شان حیات پھر وصال حق ہوتے ہی معاً ممتاز شان حیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو رکھا اور ہیں۔

تو سوچنے کی بات ہے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کے مابین تنہا حق تعالیٰ کے بعد تمام شان میں امامت و شفاعت کے ساتھ مقام محمود پر فائز ہیں۔ حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات دنیوی بھی تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات دنیادی سے زیادہ اقویٰ و اکمل تھی۔ عام لوگوں کی حیات کی طرح نہ تھی بلکہ منجانب اللہ حیات طیبہ مبارکہ کا بھی گروہ انبیاء و رسل سے کوئی موازنہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حیات و زندگی تمام شعبوں میں بے حد ممیزات اور بے شمار خواص سے مختص کیا تھا۔

جس طرح آپ ﷺ حیات میں ممتاز ہیں رفیق اعلیٰ میں بھی ممتاز ہیں

(۱) آپ ﷺ پر وحی ربانی آتی تھی، تیس پارہ قرآن شاہد ہے۔

(۲) آپ ﷺ سرعت کے ساتھ لفظ و معانی کو اخذ کر لیتے ہیں۔

(۳) آپ ﷺ منشاء ربانی کو من و عن جان جانتے ہیں۔

(۴) آپ ﷺ کو وحی ربانی میں ادنیٰ تردد نہیں ہوتا تھا اور یقین کی قوت اور مستحکم ہو جاتی تھی۔

(۵) آپ ﷺ کی آنکھ بند ہو جاتی تھی مگر قلب اطہر بیدار اور ہوش مندر رہتا تھا۔

(۶) آپ ﷺ پر اللہ اور اس کے فرشتے درود و سلام پڑھتے ہیں، بھیجتے ہیں۔ (کیا غیر حیات والی زندگی پر اللہ سلام بھیجے گا ایک لمحہ ہی سوچ لو سلام اور وہ بھی اللہ کا) حیات کی بہت ذوقی اور ایمانی دلیل ہے۔ ''وَسَلامٌ عَلَى الْمُرْسَلِين'' سلام بھیج کر اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔ ''وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ''

(۷) آپ ﷺ کی کثرت ازواج پر اللہ تعالیٰ نے حکم خصوصی نازل فرما دیا۔ ''خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِين'' اس میں اشارہ ہے صراحت ہے کہ ایمان والوں تم رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی کی طرح مت جانو،

خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ اللہ کا معاملہ خصوصی ہے اور ان کی حیات تمہاری حیات اور زندگی سے بہت بلند و بالا ہے۔ وہ ابھی بھی زندہ ہیں تمہارا قریب سے سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔

(۸) آپ ﷺ کا بیٹھ کر نماز پڑھانا آپ کے ساتھ خاص تھا دوسروں کو ایسا درست نہیں۔ دارقطنی۔

(۹) آپ ﷺ کا صوم وصال رکھنا کیونکہ آپ نے فرمایا مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے۔

(۱۰) آپ ﷺ پر زکوٰۃ واجب نہیں تھی اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں ان کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی اور انبیاء علیہم السلام اپنی عصمت کی وجہ سے ناپاکی سے پاک اور منزہ ہیں۔　(خصائص ۲/۴۸۷)

(۱۱) مال غنیمت اور مال فئی میں سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو پانچواں حصہ عطاء کیا۔ ”ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول“ (الحشر) یہ وہ خصوصیت ہے جو کسی کو عطاء نہ ہوئی۔

”وَمَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الحشر) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ (الانفال)“

(۱۲) آپ ﷺ کے لئے مکہ مکرمہ میں جنگ کرنا اور بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا اور حرم میں قتال اللہ تعالیٰ نے مباح کردیا تھا۔ ”لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ“

(۱۳) آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ بغیر ولی کے اذن کے بغیر گواہ، بغیر مہر کے نکاح درست تھا۔ جب کہ دوسروں کے لئے جائز ہی نہیں۔ کیونکہ ولی کے اذن کے بغیر آپ اس کے والی تھے۔ ”النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (الاحزاب)“

(۱۴) آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ عورت اللہ تعالیٰ کے حلال کردینے کی وجہ سے حلال تھی اور یہ بھی کہ بغیر عورت کے مشورے کے اس کا عقد کردیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا (الاحزاب)“

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اسی لئے دوسروں پر اس بات کو جتلاتی تھی کہ تم لوگوں کا نکاح گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا ہے سات آسمان کے اوپر عرش اعظم پر۔　(بخاری، خصائص ج ۲ ص ۴۹۷)

(۱۵) آپ ﷺ کو حق تعالیٰ کی جانب سے اختیار تھا کہ ازواج مطہرات کے درمیان عدم تقسیم کا معاملہ کریں اور یہی مختار ہے اور صحیح ہے۔: ”تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ (الاحزاب)“

(۱۶) آپ ﷺ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی کیونکہ خاتم النبیین علیہ السلام زندہ ہیں اور زندگی میں میراث تقسیم نہیں ہوتی اس لئے کہ اس کے مالک کا ملک باقی ہے اور ان کی طرف سے ان کے اہل وعیال پر خرچ کیا جائے گا، جس طرح حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی حیات طیبہ میں حضرت ﷺ خرچ کرتے تھے اہل عیال پر خرچ کیا جائے گا، کیونکہ آپ زندہ ہیں۔ اسی سبب سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی طرف سے آپ ﷺ کے اہل اور خدام پر خرچ کرتے تھے اور اسی جگہ صرف کرتے تھے جہاں حضرت ﷺ نے اپنی حیات میں صرف کیا کرتے تھے۔

یہ چند نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت خاتم النبیین علیہ السلام اپنی تمام شان میں تمام جہت اور اعتبار سے بلند و بالا ہیں بلکہ اعلیٰ ہی اعلیٰ ہیں۔

محض نام کا اشتراک ہے ورنہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

الغرض جس طرح حیات مصطفی ﷺ کی ہر شان ہماری سوچ سے بلند ہے آپ کا وصال بھی ہماری سوچ سے بہت بلند اور ہماری طرح نہیں ہے اور موت کا لفظ محض نام کا اشتراک ہے ورنہ حضرت ﷺ کی وفات بھی حیات ہی حیات ہے، بصیرت کی آنکھ کھولیں اور دیکھ لیں یا حیات کے عقیدہ والوں کے ساتھ رہیں یہ اہل حق ہیں بلا ریب وشک۔

ماضی کی بحث کا نچوڑ اور ماحصل

(۱) عالم دنیا۔ جو دار العمل ہے ولادت سے موت تک۔

(۲) عالم برزخ جو دار الانتظار۔

''حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔ لَعَلِّيْ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ، كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المؤمنون: ۱۰۰)'' یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آتی ہے تو اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجئے تا کہ جس دنیا کو میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں ہرگز ایسا نہیں ہوگا یہ اس کی ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک چیز کی آنے والی ہے قیامت کے دن تک۔ (حضرت تھانوی)

یعنی موت سے قیامت کے دن اٹھائے جانے تک عالم برزخ ہے۔

برزخ تین چیزوں کا نام ہے

(۱) مکان۔ (۲) زمان۔ (۳) حال۔

(۱) مکان: قبر سے لے کر علیین و سجین تک۔

(۲) زمان: موت سے لے کر قیامت تک۔

(۳) حال: میت راحت یا عذاب کی حالت میں ہو۔ (الحاوی ج ۲ ص ۲۷۲ از علامہ سیوطی)

(۳) عالم آخرت: وقت مبعوث تا جنت و دوزخ۔

ان تینوں عالموں کے احکام واحوال الگ الگ اور مختلف ہیں۔

ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں فرمایا: ''رَبِّ أَرِنِيْ أَنْظُرْ إِلَيْكَ'' مگر تاب نہ لا سکے۔ حالانکہ جنت یعنی عالم آخرت میں سب مومنین کو حق تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ (تفصیل کے لئے عاجز کی کتاب دیدار الٰہی کا شوق کا مطالعہ کریں)

تینوں عالموں کی موت وحیات میں فرق

(۱) عالم دنیا میں موت وحیات دونوں ہیں۔ جو ہم مشاہدہ کرتے ہیں دیکھتے ہیں۔

حیات: عالم دنیا میں حیات ''إِدْخَالُ الرُّوْحِ فِي الْجَسَدِ'' دنیا میں حیات نام ہے روح کا داخل کرنا جسم میں۔

موت: عالم دنیا میں موت ''إِخْرَاجُ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ'' دنیا میں موت نام ہے روح کا نکالنا جسم سے۔

(۲) عالم برزخ میں موت وحیات دونوں ہیں۔

برزخی حیات: عالم برزخ میں حیات۔ ''تعلق الرّوح بالجسد أو بأجزاء الجسد'' روح کا تعلق جسم سے ہو یا جسم کے اجزاء سے ہو۔ یعنی روح جسم میں ہو یا جسم سے باہر ہو مگر جسم سے تعلق رکھتی ہو۔ اگر اجزاء منتشر ہیں تو بھی روح کا تعلق اجزاء سے ہوتا ہے۔

برزخی موت: عالم برزخ کی موت کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) قبر میں سوال وجواب کے وقت روح کا تعلق جسم سے شدید اور قوی ومضبوط ہوتا ہے۔ بعد میں اتنا تعلق رہتا ہے کہ ثواب وعذاب کا احساس ہو سکے مگر پہلے کی نسبت یہ تعلق ضعیف ہوتا ہے اور یہی ضعف اور کمزور تعلق وہاں کی موت ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے: ''وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ (الزمر: ۶۸)'' یعنی ''صعق أي مات'' اور پھونکا جائے صور میں پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ (شیخ الہند)

محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ ہوگا۔ (یعنی صور پھونکا جائے)

پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پھر زندے تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ بعدہ دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی اور بیہوش کو افاقہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں ارواح کی بے ہوشی کو موت کہا گیا ہے یعنی برزخ کی موت، مگر حضرت ﷺ پر برزخ کی موت نہیں ہے اور حیات ہی حیات ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت فرمادی ہے اور حیات کو ثابت کیا ہے۔

قبر کا مفہوم قرآن وحدیث کی روشنی میں

''مَقَرُّ الْجِسْمِ فَهُوَ قَبْرُهٗ'' جسم جہاں ہے وہیں اس کی قبر ہے، خواہ جسم اس جگہ بحالہ قرار پکڑے یا اس کے اجزاء ہوں یا بالاجزاء۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ یعنی اجزاء عام ہیں انسانی شکل میں ہوں یا راکھ وغیرہ کی شکل میں ہوں۔ اس لئے کائنات عالم میں کوئی انسان ایسا نہیں جس کو قبر نہ ملے ہر ایک کو قبر ملتی ہے کسی کے لئے مدفن قبر ہے اور کسی کے لئے مقر الاجزاء قبر ہے۔ دلیل

(۱) ''وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (مَرْجَعُ الضَّمِيرِ الْإِنْسَانِ) (۲) ''وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ'' (۳) ''وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ'' (۴) ''ثُمَّ أَمَاتَهٗ فَأَقْبَرَهٗ (مَرْجَعُ الضَّمِيرِ الْإِنْسَانِ) (۵) ''إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ''

کیونکہ قیامت کے دن منتشر اجزاء اپنی اپنی جگہوں سے اٹھیں گے لہٰذا وہ مقر الاجزاء، قبر ہے۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

سوال: ''رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى اب یہاں سوال میں موتی ہے۔

جواب: جواب میں فرمایا جارہا ہے: ''فخذ أربعة من الطير فصرهن إليك ثم اجعل على كل جبل منهن جزئا ثم ادعهن (البقرة: ٢٦٠)'' اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو پال کر اپنے لئے ہلا لو پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو اور پھر ان سب کو بلاؤ اور دیکھو تمہارے پاس دوڑ کے چلے آویں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موتی منتشر الاجزاء بھی ہوتا ہے، دوسرے ان منتشر اجزاء سے روح کا تعلق بھی ہوتا ہے۔ وگرنہ فصرهن اور ادعهن کے کیا معنی۔

(۱) ''إذا وضع الميت في قبره'' (۲) ''لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبياءهم مساجد'' (۳) ''عن عمر ابن حزم قال رآني النبي بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه فقال السلام عليكم يا أهل القبور'' (مشکوۃ) (۴) ''مر النبي ﷺ بقبرين يعذبان'' (۵) ''مر النبي ﷺ بقبور المدينة فأقبل عليهم بوجهه فقال السلام عليكم يا أهل القبور'' (مشکوۃ)

ان تمام مقامات پر قبر سے مراد زمینی قبر ہے اور برزخ بھی قبر کا ایک حصہ ہے خارج نہیں یہ یاد رکھیں۔ اور قبر بھی برزخ ہی کا ایک حصہ ہے دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی موت کا عقیدہ حق ہے

''كل نفس ذائقة الموت'' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کے لئے موت رکھا ہے دنیا میں کسی کو بھی دوام و بقا نہیں ہے۔ ''كل من عليها فان'' کے مطابق ہر ایک کو یہاں سے اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور اس قانون الٰہی سے کوئی ولی و نبی خارج نہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام کو بھی فرمایا: إنك ميت وإنهم ميتون (الزمر. ۳۰) ''بلاشبہ آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی موت آنی ہے۔

چنانچہ اس ارشاد کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام کا وصال حق ہوا اور صحابہ نے آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کو خلیفہ چن لیا، منتخب فرمالیا۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''أفإن مت فهم الخلدون (الانبياء: ۳۰)'' (پھر اگر آپ وفات پاجائیں تو وہ رہ جائیں گے)

قرآن مجید میں آل عمران میں ہے: ''وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل أفإن مات أو قتل انقلبتم على أعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين (ال عمران: ۱۴۴)'' اور محمد خالص رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں اگر آپ کا انتقال ہوجائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے۔

ان تمام آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ السلام کی وفات اور وصال حق ایک قطعی اور حتمی امر ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور قرآن مجید میں قبل از وقت وصال کی خبر دے دی گئی تھی اور متعدد صحیح او صریح روایات میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً: ''قبض النبي ﷺ۔ توفي رسول الله ﷺ''

اور امام بخاری نے تو باب بھی قائم کیا ہے: باب وفاة النبي ﷺ۔ اسی وفات کے نتیجے میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی تجہیز و تکفین اور دفن اور قبر وغیرہ کا انتظام فرمایا، اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں

آپ ﷺ کو اتار کر دفن کیا یہ ایک حقیقت ہے، ثابت شدہ، جو قرآن وحدیث اور امت مسلمہ کے اتفاق اور اجماع سے ثابت ہے، جس کا کوئی شخص منکر نہیں ہے۔

عام لوگوں کی موت سے حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرق

پچھلے اوراق میں موت کے معنی ''إخراج الرّوح عن الجسد۔ یا إنفکاک الرّوح عن الجسد'' سے کیا گیا تھا اور عرف میں بھی موت جان نکل جانے کا نام ہے۔ علماء نے بھی موت کے معنی کیا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے۔

ایک ضروری انتباہ

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے اور آسمانوں پر لے جائی جاتی ہے، پھر اپنی جگہ پر جو مقرر ہے رکھی جاتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کی قبر کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور قرآن وحدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ روح جسم سے نکالنے کے بعد بھی حس وشعور، یعنی روح کا تعلق جسم سے باقی ہے۔ تبھی تو عذاب وثواب کا معاملہ محسوس کرتا ہے اور نیند میں روح جسم میں نہیں ہوتی مگر بندہ زندہ ہوتا ہے۔

روح کا تعلق جسم سے یا منقطع ہونا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے

تو اب ایک بات کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہماری سمجھ سے اور ادراک سے بہت ہی بالاتر ہے، وہ یہ کہ جب تک ہم روح کی حقیقت نہ جان لیں اور یہ نہ سمجھ جائیں کہ جسم میں وہ داخل ہونے سے تعلق رکھنے کی کیفیت کیا ہے۔ ہم اس کے نکل جانے اور تعلق ہونے کا مطلب بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے اور جب ہمیں روح کی حقیقت معلوم ہی نہیں ہے تو اس کی صفات وافعال کا ادراک عقل نارسا سے کیسے کیا جا سکتا ہے۔ روح کا سوال حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بس اتنا بتلایا: ''قل الرّوح من أمر ربي''

روح اللہ تعالیٰ کا ایک امر ہے

اب امر الٰہی کو سمجھنے کی کس میں صلاحیت ہے اور کون دعویٰ کر سکتا ہے۔ پھر جسم نہیں تھا تو روح تھی اور عالم ارواح میں تھی جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ''الأرواح جنود مجندة'' ارواح آپس میں ایک دوسرے سے متعارف رہتی ہیں اسی لئے مناسبت یا عدم مناسبت دنیا میں ہوتی ہے تو امر الٰہی سے جسم میں آئی اور جسم سے تعلق ہو گیا اور یہ تعلق حالت نیند میں بھی رہتا ہے جب کہ نیند موت کی بہن ہے۔

حالت نیند میں جسم سے روح کا تعلق رہتا ہے اور روح جسم میں نہیں ہوتی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حیات انبیاء کو سمجھانے کے لئے حضرات انبیاء کی موت جو نص قطعی سے ثابت ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی موت عام انسانوں کی موت کی طرح نہیں ذیل کی آیت سے بات آسان اور سہل ہو جاتی ہے۔ پھر ان شاء اللہ! حضرت ﷺ کی موت کا مفہوم بیان کیا جائے گا۔ آیئے پہلے آیت کا مفہوم ذہن نشین کر

لیجئے۔ ''اللہ یَتوفی الأنفس حین موتھا والتی لم تمت فِی منامِھا فیمسک الّتِی قضی علیھا الموت ویرسل الأخری إلی أجل مسمًی (الزمر: ۴۲) '' اللہ ہی قبض کرتا ہے ان روحوں کو ان کی موت کے وقت اور ان روحوں کو بھی جن کی موت نہیں آئی ان کے سونے کے وقت۔ پھر ان روحوں کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی روحوں کو ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ نے تصریح فرمادی اور بات واضح ہوگئی کہ روح جیسے موت کے وقت قبض ہوتی ہے اسی طرح نیند کی حالت میں بھی قبض ہوتی ہے۔ پھر موت والی روک دی جاتی ہے اور نیند والی چھوڑ دی جاتی ہے۔ گویا وہ نیند میں بھی قبض ہوتی ہے۔ مگر باوجود اس کے سونے والا سانس لیتا ہے اور زندہ سمجھا جاتا ہے اور روح اس کے اندر موجود سمجھی جاتی ہے۔

حالانکہ قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ پہلے روح قبض کی جاتی ہے بعد میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ روح کا جسم سے تعلق اور اتصال سب امور متشابہات میں سے ہیں ان کی صحیح کیفیت کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے نہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ہمارا کام ہے تمام اہل سنت کے اجماعی عقیدہ حیات انبیاء کا عقیدہ رکھیں۔ خواہ ہماری سمجھ دانی میں بات نہ آئے۔ مگر حیات انبیاء کا عقیدہ وایمان ہاتھ آجائے۔ اسی میں عافیت ومغفرت کی ضمانت ہے۔

سونے کی حالت میں موت

بخاری شریف میں حضرت حذیفہ ابن الیمان سے ۶۳۱۲ نمبر اور اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ۶۳۲۵ نمبر روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بستر پر آرام فرماتے تو ''باسمک اللھم أحیی وأموت'' سے بارگاہ حضور حق میں حاضری دیتے۔ اللہ آپ کے نام سے میں زندہ تھا اور مروں گا یعنی سوؤں گا اور یہ روایت امام مسلم نے برا ابن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے رقم ۲۷۱۱ اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ ''اللھم أنت خلقت نفسي وأنت توفاھا لک مماتھا ومحیاھا إن أحییتھا فاحفظھا وإن أمتھا فاغفر لھا، اللھم إني أسألک العافیۃ'' (مسلم حدیث نمبر ۲۷۱۲)

جب سو کے اٹھتے تو پڑھتے: ''الحمد للہ الذي أحیانا بعد ما أماتنا وإلیہ النشور'' تمام تعریف صرف اللہ رب العزت کی جس نے ہمیں زندہ کیا مرنے کے بعد اور اسی کی طرف ہمیں اٹھایا جاتا ہے۔

ان دعاؤں کو پڑھا جائے اس میں حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیند کی حالت میں روح کے قبض ہونے اور موت کا اقرار کیا ہے۔ جب کہ سونے والے کو کوئی مردہ نہیں کہا کرتا ہے، نہ ہی مردہ جانتا ہے، نہ ہی اس کی میراث تقسیم ہوتی ہے، نہ اس کی بیوی بیوہ بنتی ہے، نہ ہی اس پر عدت لازم ہے، نہ ہی بچے یتیم شمار ہوتے ہیں۔

نیند کی حالت میں قبض روح کے بعد حیات مشاہدہ ہے

بخاری شریف میں ہی۔ نمبر ۶۳۱۲ و ۶۳۲۵ پر روایت ہے کہ حضرت ﷺ نیند سے بیدار ہو کر مناجات فرماتے اور اعلان کرتے کہ اللہ آپ نے ہی موت یا نیند کے بعد حیات بخشی اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور یہ روایت بخاری ومسلم دونوں میں ہے جیسا کہ اوپر حوالہ میں لکھ دیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ حیات اور موت دونوں سے انسان روزانہ ہی گزرتا ہے۔

حیات اور موت سے کیا مراد ہے

قرآن مجید کی آیت: ”اللہُ یَتَوَفَّی الْأَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا، فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْأُخْرٰی إِلٰی أَجَلٍ مُّسَمًّی“ اور سوتے وقت کی دعا اور بیدار ہونے کی دعا۔

ان تمام سے ایک اہم بات ذہن میں واضح ہوتی ہے کہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ حیات اور موت کا مفہوم اور اس سے کیا مراد ہے۔ پھر اگر ذرا بھی ایمانی ذوق ہے تو حیات النبی بہت کمل کر واضح ہو جاتی ہے۔

(۱) حالت نیند میں شعور اور حرکت اختیاری ممکن نہیں۔ اس لئے اس کو موت اور قبض سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) امام طیبی نے بہت ہی خوبصورت بات فرمائی ہے: ”حیات اور زندگی سے مقصود اور مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال کا حصول ہے اور عذاب وعقاب والے افعال واعمال سے امن وامان حاصل کرنا۔ جب کہ نیند کے ذریعے ان اعمال کا حاصل کرنا، ناممکن اور محال ہے۔“

تو گویا آسان لفظ میں حیات وزندگی کا جو فائدہ تھا وہ نیند میں حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس لئے اس کو موت کہا جاتا ہے یا روح کا قبض ہونا کہا گیا ہے۔

(۳) امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندہ نیند کی حالت میں ہو یا موت کی حالت میں روح کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے۔ کبھی ظاہری جیسے نیند میں اسی لئے تو کہتے ہیں نیند موت کی بہن ہے اور باطنی طور پر جیسے موت کہ ظاہری اور باطنی دونوں تعلق روح کا منقطع ہو گیا ہے۔ تاہم وہ احساس وادراک رکھتا ہے اور سوال بھی سمجھتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے۔ حیات برزخ میں ہے۔

یہ ساری تفصیل تمام لوگوں کے درمیان ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مابین

حضرات انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے مگر حالت نیند میں ظاہری اعمال موقوف ہیں باطنی اعمال مسلسل اور پیہم جاری ہوتے ہیں۔ مثلاً قلوب انبیاء علیہم السلام جس طرح حالت بیداری میں حق تعالیٰ کی جناب سے اخذ شریعت اور حاضر باش ہوتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح حالت نیند میں بھی مائل بحق اور حضور حق میں ہوتے ہیں، نیند میں صرف نفاذ حکم نہیں ہو سکتا بس یہی نیند ہے۔ ”اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِیْ وَسَنَدِیْ وَفُؤَادِ قَلْبِیْ وَرُوْحِیْ فِدَاہُ أَبِیْ وَأُمِّیْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللہِ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ﷺ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ کُلَّ یَوْمٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ۔ اٰمین!

اسی کو حدیث میں ”تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (فیض القدیر رقم ۳۳۶۷)

اب بات واضح ہوگئی کہ عام انسان کی نیند اور بیداری سے حضرات انبیاء کی ہر شان بہت ہی اعلی وبلند ہے۔ ہم نیند میں مکمل غفلت اور اعمال وافعال سے اکثر منقطع اور کٹ جاتے ہیں۔

جب کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نفوس کاملہ، قدسیہ کو آنکھ کے سونے یا جسم اطہر کے استراحت سے کسی بھی طرح ادنی ادراک اور شعور وآگہی میں ضعف نہیں محسوس ہوتا۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ کو ملاء اعلی سے انتہائی گہرا اور مضبوط ومستحکم تعلق رہتا ہے۔ اسی لئے حالت نوم میں بھی ان کو بیدار نہیں کیا جاتا کہ نیند میں بھی وہ بیدار

ہی ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم نیند میں ہی ملا تھا۔ ''اِنِّي أَرىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُکَ'' خود حضرت خاتم النبیین ﷺ کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔ ''لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ (الفتح: ۲۷)'' بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھلایا جو مطابق واقع ہے۔ (تھانوی)

انبیاء علیہم السلام کا نیند میں امر الٰہی کو اخذ کرنا حیات کی دلیل

''تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي'' (ابوداود، رقم ۲۰۲۰، احمد ۱۹۱۲)

''تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔'' (بخاری ۳۵۶۹)

''إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔'' (بخاری ۲۰۱۳، مسلم ۷۳۸، ترمذی ۴۳۹)

اوپر کی آیت اور مذکورہ احادیث سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی آنکھ سو جاتی تھی اور قلب اطہر بیدار رہتا تھا جب کہ نیند میں قبض روح آیت سے واضح ہے۔ پھر حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان کتنی بلند اور ہماری سوچ سے بلند ہے کہ نیند میں بھی بیداری ہوتی ہے اور اخذ حکم الٰہی اس کی کھلی دلیل ہے جب کہ تمام انسان نیند میں بے شعور ہوتا ہے اور حضرات انبیاء بیدار ہوتے ہیں۔

اور حیات والے اعمال یعنی امر الٰہی کو قبول کرنا اور اعمال میں مشغول رہنا ہی حیات کی دلیل ہے۔

بہر حال موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہوتا ہے یعنی جسم میں تصرفات نہیں کر سکتی، لیکن یہ انقطاع تعلق کیسے ہوتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ جسم سے نکل جاتی ہے حقیقت اس کی اللہ کو معلوم ہے۔ یہ عام لوگوں کے حق میں ہے نہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں۔ انبیاء علیہم السلام کی روح قلب میں سمٹ جاتی ہے یا لوگوں کی نگاہ سے چھپا دی جاتی ہے۔ یہی ان کے حق میں ہوتا ہے۔

موت کا صحیح مفہوم حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت

انبیاء علیہم السلام کی موت کے بارے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

حیات انبیاء علیہم السلام کی ذاتی صفت ہے اوروں کی عارضی۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام سے حیات کا انقطاع نہیں ہوتا اور نہ روح نکلتی ہے۔ بلکہ جسم سے سمٹ کر دل میں مرکوز ہو جاتی ہے اس طرح اس کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ جسم میں عام دنیوی زندگی کی طرح تصرفات نہیں کرتی نہ دنیوی امور میں مشغول اور نہ مکلف ہوتی ہے۔ روح کے سمٹ جانے سے جسمانی حواس معطل ہو جاتے ہیں، یہی انبیاء علیہم السلام کی موت ہے۔

جس کے بعد وہ اوروں کی طرح دنیا سے منقطع ہو کر اوروں کی طرح قبروں میں دفن کر دیئے جاتے ہیں، اسی روح سے ان کے مبارک اجسام میں ادراک و احساس موجود ہوتا ہے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا، فَيُمْسِکُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى''

اس آیت سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کی بصیرت افروز توجیہ کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔

اس تحقیق پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ نے حضرت نانوتوی کو داد تحسین دی تھی کہ آیت سے نانوتوی کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ نیز حضرت نانوتوی کے ارشاد کے مطابق اگر وہ سمٹ کر جسم کے اندر تصرفات سے علیحدہ ہو جائے جس سے سارے حواس معطل ہو جائیں اور اسی کو انقطاع تعلق یا قبض روح سمجھا جائے تو اس میں کون سا اشکال لازم آتا ہے؟

سکتہ کی بیماری میں بسا اوقات سانس تک نہیں چلتا نہ نبض چلتی ہے نہ دل کی حرکت محسوس ہوتی ہے پھر بھی بیمار زندہ ہوتا ہے اور روح اس کے اندر سمجھی جاتی ہے۔

تاہم موت تعطل حواس یا انقطاع تعلق کی صورت کیا ہوتی ہے؟ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ روح نکل جائے۔

ایک یہ کہ روح قلب میں سمٹ جائے۔ جیسے ایک کمرے میں چراغ جل رہا ہے اس پر برتن اوندھا کر کے رکھ دیا جائے یا اس کو صندوق میں بند کر کے رکھ دیا۔ بس اس کا تعلق کمرے سے منقطع ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں چراغ روشن ہے ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا ہے۔ بس حیات انبیاء کو یوں ہی سمجھو۔

عام لوگوں کی قبر کی زندگی سے انبیاء علیہم السلام کی قبر کی زندگی کا فرق

اہل اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں بعضوں کو عذاب بعضوں کو راحت ہوتی ہے۔ نیز عذاب قبر کا ماننا تواتر کی وجہ سے ضروری ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ راحت و تکلیف کا احساس و ادراک ہوتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں خود خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھا کرتے ہیں، قریب سے درود و سلام سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیا کرتے ہیں۔ جس کی تفصیل قدرے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ!

عقیدہ حیات النبی ﷺ

حضرت اقدس محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک اور عقیدہ یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شریعت کے وہ مکلف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود و سلام پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنہ والجماعت کا مسلک ہے۔

نیز خوب ذہن نشین کر لیں کہ قبر اور برزخ میں جو حیات انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے، اس میں رتی بھر شک نہیں ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور یہ آیات کسی نص قطعی کے مخالف نہیں جس نے اس کو مخالف سمجھا ہے وہ کوتاہ فہمی کا شکار ہے۔

مسئلہ حیات النبی پر گفتگو کرنے کا طریقہ

چار بنیادی الگ الگ اور جدا جدا عقیدہ ہے، جن کو خلط ملط اور مخلوط اور گڈمڈ کر کے آسان اور سہل چیزوں کو الجھا دیا جاتا ہے۔ جب کہ حیات النبی ﷺ اجماعی مسئلہ ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں ضروری حوالہ جات کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ!

(۱) "مَوْتُ الدُّنْیَوِیَّة" دنیاوی موت میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں وہ بالاتفاق حضور خاتم النبیین علیہ السلام پر واقع ہوئی۔ جیسا کہ اوپر بیان کردیا گیا اور یہ بھی واضح اور صاف کردیا گیا کہ عام لوگوں کی موت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہ بھی آپ کو بتادیا گیا تھا کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب میں سے قبض کر لیتے ہیں اور سوان کے اوروں کی ارواح کو خارج کردیتے ہیں۔ (جمال قاسمی ص ۱۵)

بالجملہ موت انبیاء علیہم السلام اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے۔ (آب حیات ۱۶۸)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اولاً و بالذات حیات دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے اور دوسروں کو بالعرض۔ یعنی عارضی طور پر۔

تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی موت کا مطلب یہ ہوا کہ روح مبارک کو جسد اطہر کے تمام اطراف و جوانب سے سمیٹ کر مثلاً دل پر اکٹھا کردیا گیا اور اعضاء پر موت طاری ہوئی اور وہ بے حس و حرکت ہو گئے، لیکن دل مبارک کی بھی بظاہر حرکت باقی نہ رہی، جس طرح کے بعض اوقات سکتہ کہ آدمی زندہ ہوتا ہے مگر حرکت نہیں۔ واللہ اعلم!

دنیوی موت کی آیات کو بعد الموت حیات کی رد میں پیش کرنا دھوکہ ہے

لہٰذا دنیوی موت کی آیات کو حضرات انبیاء کی بعد الموت جو حیات اجماعی ہے اس پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ یہی دھوکہ منکرین حیات کو لگ گیا ہے اور علمی چوک اور دھوکہ لگ گیا ہے کہ دنیا کی موت کی آیت کو بعد الموت کی حیات کے انکار میں پیش کردیتے ہیں۔ جب کہ دنیوی موت کا کوئی بھی منکر نہیں ہے اور ہمارا دعوی دنیا کی موت کے بعد حیات کا عقیدہ ہے اور بعد موت حیات کی ہم دلیل پیش کریں گے۔ جب کہ مخالفین کے پاس بعد الموت کی حیات نہ ہونے پر ایک بھی دلیل پیش نہیں کرسکتے۔ پھر ذیل کی آیات دلیل میں پیش کرنا سراسر دھوکہ دہی اور غلط ہے۔ مثلاً

(۱) "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ۔ وَمَنْ يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللهَ شَيْئًا، وَسَيَجْزِي اللهُ الشَّاكِرِينَ (آل عمران)" (۲) "إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ" (۳) "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" (۴) "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ" (۵) "أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ" (۶) "أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ" (۷) "اللهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى"

ان تمام آیات میں دنیوی موت کا ذکر ہے نہ کہ بعد الموت حیات کا رد و انکار۔ خوب یاد رکھیں، دھوکہ نہ کھائیں، منکرین حیات ان آیتوں کو پیش کر کے دھوکا دیتے ہیں۔

(۲) "حَيَاةُ الرُّوحِ" روح کی زندگی پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کی روح اعلیٰ علیین میں ہے اور جسد مبارک کے ساتھ حیات حاصل ہے، تبھی تو نماز پڑھتے ہیں اور قریب سے درود و سلام پڑھنے والے کا درود و سلام سنتے ہیں۔ تفصیل آرہی ہے۔

(۳) "جَسَدُ النَّبِيِّ ﷺ مَحْفُوظٌ فِي الرَّوْضَةِ الْمُبَارَكَةِ"

خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد أطهر، أنور، أزكى، أطيب، أحسن، أجمل، أغين، أحلى، ألذ، أبقي۔ الآن كما كان۔ ابھی بھی اسی طرح ہے جس طرح تر و تازہ دنیا میں تھا، باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل سچ اور حق فرمایا: ''وَمَعْلُوْمٌ أَنَّ جَسَدَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَرْضِ طَرِيٌّ مَطَراً'' (الروح ص ۱۱۱)

یہ بات یقین محکم کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد مبارک اسی طرح تر و تازہ ہے۔ ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِكَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَرِضَا نَفْسِكَ وَبِعَدَدِ صَلَّيْتَ أَنْتَ وَمَلَائِكَتُكَ وَمَخْلُوْقَاتُكَ وَبِعَدَدِ يُصَلِّي أَنْتَ وَمَلَائِكَتُكَ وَخَلَائِقُكَ عَلٰى سَيِّدِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَإِمَامِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ وَقَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ وَصَاحِبِ الْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَالْحَوْضِ وَالْكَوْثَرِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً''

کیونکہ خود خاتم النّبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمادیا صحابہ کے سوال پر کہ ہمارا درود و سلام آپ ﷺ کے حضور کس طرح پیش ہوگا جب کہ آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ حضور ﷺ نے بہت ہی ایمان پرور ارشاد فرمایا: ''إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو فنا کر دے، کھائے تو معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا جسم مبارک اپنے روضہ میں ہر قسم کی حفاظت میں ہے اور حیات ہے اور حیات والی چیز کو زمین نہیں کھاتی۔ (نسائی رقم ۱۳۷۴، ابوداؤد ۱۰۴۰، ابن ماجہ ۱۰۸۵، احمد، وھو حدیث صحیح)

مذکورہ پہلی تینوں باتوں میں تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے

(۴) ''حَيَاةُ جَسَدِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرَّوْضَةِ الْمُبَارَكَةِ'' اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک اپنی زمینی قبور میں زندہ سلامت ہیں، تب ہی تو درود و سلام سن کر جواب دیتے ہیں اور بہت ہی مشہور حدیث صحیح ہے۔

''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ''

(ابویعلیٰ رقم ۳۴۲۵، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، ابن حجر، فتح الباری ج ۴ ص ۴۸۴، حیات الانبیاء للبیہقی، شفاء السقام ص ۱۳۴، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷)

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت خاتم النّبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز کا پڑھنا یہ حیات کا عمل ہے اور زندہ ہی نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ عمل بھی جسم و جسد کا ہے نہ کہ روح کا۔ دلائل کے باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تفصیلی آئے گا۔ جب کہ غیر مقلدین اور بدعقل و کم فہم اور غیر مقلدین میں بھی بعض بے شعور اور ہٹ دھرم لوگ اس حیات کو ماننے سے کتراتے ہیں۔

اور استغفر اللہ ان کے نزدیک بے حس، بے جان، بے شعور، بے علم، اور تمام کمالات حیات سے خالی جسم و جسد مراد ہے۔ العیاذ باللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ!

اس مختصر رسالے میں اب دلائل اس بات پر پیش کیا جائے گا کہ ہماری آنکھ کے نور، دل کے سرور، حضور پر نور محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین اپنے روضہ اقدس میں اپنے اصلی دنیوی جسم مبارک کے ساتھ زندہ سلامت ہیں اور روضہ اقدس میں آپ ﷺ کا جسد مبارک صفت حیات والے اعمال بھی ادا کرتے ہیں، جیسے نماز، سلام کا جواب وغیرہ، جیسا کہ آئندہ اوراق میں آرہا ہے۔

خصوصیات بعد از وفات سید الکائنات ﷺ

(۱) خاتم النبیین ﷺ کو آخری غسل پہلے سے پہنے ہوئے کپڑوں میں ہی دیا گیا اور کرتا تک جسد اطہر سے نہ اتارا گیا۔ کیونکہ زندہ کا کپڑا نہیں اتارا جاتا۔

(۲) خاتم النبیین ﷺ کی نماز جنازہ عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی بلکہ معروف نماز جنازہ کی بجائے۔ صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور حضرت ﷺ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ خاتم النبیین ﷺ کے لئے دعا کی گئی۔ وَصَلَّى اللهُ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ دَائِماً وَأَبَداً وَسَلَّمَ تَسْلِيماً كَثِيراً

(الف) نیز صرف اہل بیت رسول اللہ ﷺ کا فرشتوں کی جماعت کے ساتھ غسل دینا۔

(ب) بعد از غسل تمام اہل بیت کا حجرہ رسول ﷺ کو خالی کر کے باہر چلا جانا۔

(ج) پہلے جبریل علیہ السلام پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت کا فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ داخل ہو کر رحمت کے نزول کی دعا کرنا اور صلاۃ وسلام پیش کرنا۔

(د) پھر اہل بیت رسول اللہ ﷺ کا فرشتوں کی جماعت کے ساتھ صلاۃ وسلام پڑھنا۔

(تفصیل دیکھئے ترجمان السنہ ج ۲ ص ۲۶۳، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۷۶)

بعد الوفات اُمت کا صلاۃ وسلام فرداً فرداً حیات کی دلیل ہے

(و) علامہ سہیلی نے فرمایا کہ خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً" اس آیت میں ہر مسلمان کو فرداً فرداً صلاۃ وسلام کا حکم ہے اور یہ حکم آپ کی دنیوی حیات میں جس طرح تھا وفات کے بعد بھی بغیر امام کے فرداً فرداً امت پر فرض ہے۔ لہٰذا ملائکہ، اہل بیت اور صحابہ نے بغیر امام کے اس فریضہ کو تنہا تنہا ادا کیا۔

"اللَّهُمَّ صَلِّ وَبَارِكْ عَلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

چنانچہ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حجرہ نبوی ﷺ میں داخل ہوئے اور خاتم النبیین ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ پڑھا: "السَّلَامُ عَلَيْكَ: أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ، اللَّهُمَّ إِنَّا نَشْهَدُ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ، وَنَصَحَ لِأُمَّتِهِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتَّى أَعَزَّ اللهُ وَتَمَّتْ كَلِمَتُهُ فَاجْعَلْنَا يَا إِلٰهَنَا مِمَّنْ يَتَّبِعُ الْقَوْلَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ حَتَّى يَعْرِفَنَا وَنَعْرِفَهُ فَإِنَّهُ كَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفاً رَحِيماً، لَا نَبْتَغِي بِالْإِيمَانِ بَدَلاً وَلَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَناً" سلام ہو آپ پر، اے اللہ کے نبی اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں آپ پر اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سب کچھ پہنچا دیا جو اس پر اتارا گیا اور آپ ﷺ نے امت کی خیر خواہی کی، اللہ کی

راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کیا، اور اس کا بول بالا ہوا، اے اللہ ہم کو ان لوگوں میں سے بنا جنہوں نے آپ کی وحی کا اتباع کیا، اور ہم کو آپ ﷺ کے ساتھ جمع کر، آپ ﷺ مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے۔ ہم اپنے ایمان کا کوئی معاوضہ اور قیمت نہیں چاہتے۔ (دیکھیں عاجز کی کتاب سچے اور جھوٹے نبی کا فرق نمبر ۹)

مذکورہ تمام شہادتیں ان دلائل کو مضبوط کرتی ہیں کہ ہمارے حضور ﷺ زندہ ہیں اور جس طرح زندگی میں آپ ﷺ کو صلاۃ وسلام کا تحفہ پیش کیا گیا۔ روح کے قلب اطہر میں سمٹ جانے کے بعد بھی صحابہ نے زندہ ہی جانا اور معروف نماز جنازہ اور جنازہ کی دعا نہیں پڑھی۔ بلکہ فرداً فرداً یعنی تنہا تنہا، اکیلے اکیلے، حضرات صحابہ نے ہمارے حضور پرنور ﷺ کو صلاۃ وسلام کا تحفہ پیش کیا۔

(۳) حضرت خاتم النبیین ﷺ کی تجہیز وتکفین میں بھی عام مردوں کی طرح جلدی نہیں کی گئی اور تقریباً پونے دو دن گزر جانے کے بعد حضرت خاتم النبیین ﷺ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہیں سمجھا گیا، نہ ہی کوئی اندیشہ محسوس کیا گیا، نہ ہی کسی ایک صحابی نے اس معاملے میں جلدی کرنے کا تقاضہ کیا۔ (جب کہ عام میت اور مردوں کو جلد سے جلد دفن کرنے کا حکم شریعت میں تاکیدی ہے) یہ اختصاصات ہیں خاتم النبیین ﷺ کے ان سب میں پوشیدہ آپ کی حیات ہے۔

سچے نبی کی روح جہاں وہ دفن ہونا چاہتے ہیں قبض کی جاتی ہے

(۴) خاتم النبیین ﷺ کی دنیاوی زندگی کے عزیز اور ہر دلعزیز مسکن ومقام اور اسی مکان کو آپ ﷺ کا قیامت تک کے لئے قیام گاہ بنایا گیا۔ کیونکہ ترمذی میں نمبر ۱۰۰۲ حدیث ہے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ دفن کے مسئلہ میں صحابہ میں آپس میں مشورہ ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئاً مَا نَسِيْتُهُ قَالَ: مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيّاً إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ، فَدَفَنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ'' میں نے خاتم النبیین ﷺ سے کچھ سنا ہے جس کو بھولا نہیں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح قبض نہیں کرتے مگر اس جگہ جہاں وہ دفن ہونا پسند کرتا ہے۔ پس صحابہ نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو آپ کے بستر کی جگہ میں دفن کیا۔ (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۶۵)

بات بہت ہی سہل وآسان ہے انبیاء علیہم السلام کی جس طرح حیات ممتاز ہوتی ہے ان کی وفات میں بھی امتیاز ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مبارک اجسام زندوں کی طرح زمین کی تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں، کیونکہ وہ زندہ ہیں، اپنی قبروں میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔ وہ ہر جگہ دفن نہیں ہوتے ہیں، وہ وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی تمنا ہوتی ہے۔

بحالتِ بیداری نبی کی آرام گاہ بدلی نہیں جاتی ہے

میرا ذاتی ذوق یہ ہے کہ وہ جس جگہ دنیا میں آرام فرما رہے تھے اور رفیق اعلیٰ کے پاس تشریف لے گئے، وہی جگہ تا قیامت آرام گاہ رہے گی ان کی آرام گاہ سے کسی کو ہرگز اختیار نہیں کہ ان کی جگہ بدل دے۔ پھر جب کہ زندہ ہیں تو زندہ پھر نبی اور آخر النبی اور ''یُحِبُّ أَنْ یُدْفَنَ فِیْهِ'' اس جملے میں خواہش نبی اور آرزوئے نبی اور تمنائے نبی بھی واضح ہوگئی۔ زندہ نبی کی خواہش کو ابوبکر وعمر اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوب سمجھا اور عمل کیا۔ جزاھم اللہ خیرا! گویا ہر

دو حیات والی زندگی نبی کی آرام گاہ ایک ہی ہوتی ہے۔ ''اللّٰهم صَلِّ وَ سَلِّمْ و بارِكْ على سيدي و سندي و قرة عيني وَ فؤادِ قلبي وَ فِداهُ أبي وَ أُمِّي ألْفَ ألْفِ صَلاةٍ وَ سلاماً أبداً''

زندہ نبی خاتم ﷺ کی جگہ کو کیسے کوئی بدل سکتا ہے جس طرح جگہ بدلی نہ گئی حیات میں بھی تبدیلی نہ آئی اور پہلے سے قوی حیات اور اکمل و اعلیٰ حیات ہے اور اس پر قرآن کی شہادت موجود ہے۔ ''وللآخرة خير لك من الأولى (الضحیٰ:۴)'' یعنی خاتم النبیین ﷺ کی آخرت کی زندگی دنیا کی زندگی سے بہتر ہے۔

خاتم النبیین ﷺ کی آخری آرام گاہ باغ جنت ہے

(۵) حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی حیات اور تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات کے درمیان ایک خصوصیت کی بھی حامل ہے۔ جب کہ حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے۔ مگر یہ خصوصیت صرف خاتم النبیین ﷺ کو ہے جیسا کہ بخاری شریف میں روایت ہے۔ ''مَا بَيْنَ بَيْتِي وَ مِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ''

(صحیح بخاری کتاب التہجد، باب فضل ما بین القبر والمنبر رقم ۱۱۹۵)

اس حدیث سے واضح طور پر کھل کر بات سامنے آگئی اور حقیقت نکھر گئی کہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی آخری آرام گاہ اور قبر مبارک جنت کے اندر ہی ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا آپ ﷺ کی قبر خود ہی باغ جنت ہے اور یہ بھی ظاہر و باہر ہے کہ اس حصے کو جنت کی کیاری یا باغ ہونے کا شرف حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس سے ملا ہے اور یہ بھی بدیہی طور پر ثابت شدہ امر ہے کہ جنت کی ہر چیز کو حیات ابدی، دائمی، سرمدی حاصل ہے تو حضرت محمد ﷺ کی حیات اس کرہ زمین کے جنت کے اندر ہے تو کیا جنت میں بھی حیات کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ اور یہ جنت منبر نبوی اور روضہ کے درمیان ہے۔ اس حقیقت سے انکار دانائی نہیں اور یہ شرف صرف اور صرف ہمارے حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین کو ہے کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے جنت میں حیات جسمانی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ اگر کسی کو نظر نہیں آئے تو وہ اس کی ایمانی بصیرت کا قصور ہے، ذوق قرآن وحدیث کی فہم وفراست کا فتور ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے اجساد جنت کی مٹی سے پیدا کئے جاتے ہیں

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا وَ قَدْ ذُرَّ عَلَيْهِ مِنْ تُرَابِ حُفْرَتِهِ'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس جگہ بندہ کی قبر بنتی ہے اسی جگہ سے اس بندے کی مٹی اٹھا کر کے اسے پیدا کیا جاتا ہے۔

(الجامع لأحکام القرآن، تفسیر القرطبی ج ۱۱ ص ۲۱۰، طبع دار الکتاب المصریۃ القاہرہ، مصر)

بخاری شریف کی روایت سے حجرہ مبارک کا جسے اب روضہ اقدس ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرما دیا تھا کہ میرے گھر (جو دراصل حجرہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا ہے) اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کا ٹکڑا ہے اور یہیں اب قیامت تک حضور خاتم النبیین ﷺ کی آرامگاہ ہے اور اسی جنت کے ٹکڑے کی تربت سے حضرت ﷺ کا جسد اطہر وانور بنا ہے اور وہ آج بھی جنت میں ہے اور ہماری نگاہوں کا نور وسرور اور ہزار مسرت وسکون کا باعث ہے۔

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ تُنْبَتُ أَجْسَادُنَا عَلَى أَرْوَاحِ أَهْلِ الْجَنَّةِ" ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ جنت والی پاکیزہ مٹی سے پیدا کئے جاتے ہیں۔

(الخصائص الکبری باب: الآیۃ فی حفظہ ﷺ من الاحتلام ج ا ص ۱۲۰، طبع دار الکتاب العلمیۃ بیروت لبنان)

لیجئے اللہ جزائے خیر دے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو خوب بات صاف اور واضح ہوگئی کہ تمام ہی انبیاء علیہم السلام کے اجساد واجسام جنت کی پاکیزہ تربت ومٹی سے پیدا کئے جاتے ہیں۔

ایک اور بھی مسئلہ حل ہوگیا

یہاں یہ بات بھی اب کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حدیث شریف میں جو یہ آیا ہے کہ: "إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ، فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ" بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ سو اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں اور رزق دیا جاتا ہے۔

جب انبیاء علیہم السلام کے اجساد جنت کی مٹی سے بنے ہوئے ہوتے ہیں تو ان کو دنیاوی مٹی کیسے کھا سکتی ہے۔ پھر نکتہ کی بات بھی یاد رکھنی ہے۔

نکتہ کی بات یاد رکھیں

جنت کی ہر چیز کو دائمی اور دوامی حیات کا عقیدہ تمام اہل اسلام کا ہے۔ اس نکتہ سے حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہ کی بات بہت ہی قابل صواب ہے کہ حضور ﷺ سے حیات سلب نہیں ہوئی۔ حیات ہماری نگاہوں سے ساتر ہوگئی چھپ گئی۔ جیسے خود جنت کا وجود ہے، مگر وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور چھپی ہوئی ہے اور یہاں تو معاملہ بہت ہی قابل صد ہزار افتخار ہے کہ: "رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ" تو ہماری اور پوری امت کے سامنے ہے اور خود حضور ﷺ بھی ہمارے درمیان، قرآن مجید کی شہادت: "وَأَنْتَ فِيهِمْ" کے رو سے موجود ہیں اور حیات ہی کو تو ذہن نشین کرنے کے لئے ارشاد ثبت ہوا کہ دنیاوی مٹی انبیاء علیہم السلام کے طاہر ومطہر اجساد کو کھا ہی نہیں سکتی اور پھر حیات کو خوب مؤکد کرنے کے لئے ارشاد ہوا: "فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ"

اب اتنی کھلی ہوئی وضاحت اور صراحت کے بعد بھی کسی کی عقل نبوی ارشاد کو سمجھنے سے قاصر ہو تو ہم پڑھیں گے: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ"

جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسد اطہر جنت کی تربت سے بنا ہوا تھا تو پھر اس کی حیات دائمی اور سرمدی ہوئی اور قاسم الخیرات قدس سرہ کی الہامی تحقیق کہ حیات قلب اطہر میں سمٹ گئی اور یہی ہوا جنتی جسم اطہر کے ساتھ چونکہ سلام سننا اور جواب عطاء کرنا اس کو اور بھی مؤکد کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم!

حضرات شیخین کو بھی مل گیا ختم الرسل کے ساتھ باغ جنت

انسان کی قبر بھی وہیں بنتی ہے جہاں کی مٹی سے اس کو پیدا کیا جاتا ہے۔ حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی بھی

بارگاہ رب العزت سے شرف قبولیت کا اندازہ لگائیے کہ باغ جنت کی ہی تربت ومٹی سے ان کی تخلیق ہوئی کیونکہ دونوں ہی روضۃ من ریاض الجنۃ میں ختم الرسل ﷺ کے ساتھ ساتھ آج بھی موجود اور باغ جنت میں مقیم ومکین ہیں۔

معلوم ہوا کہ خلاق عالم نے جس تربت سے ختم الرسل ﷺ کو بنایا، اسی تربت کے جوار کی تربت سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی وجود بخشا۔

اس لئے حضرات شیخین دنیا میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہی بنے رہے اور ریاض الجنۃ میں آج بھی ہمراہی ہیں، یہ شرف محض اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے۔ ابوبکر وعمر سے دل کو صاف شفاف رکھنا اعلی ایمان کی دلیل ہے جب کہ ان سے کدورت اور غل وغش رکھنا نفاق سے بھی زیادہ خطرناک عمل ہے۔ درمیان میں یہ بات آگئی جو جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔

علمائے دیوبند حضور پاک ﷺ کی قبر مبارک کو جنت کا ٹکڑا مان کر اعلی حیات کے قائل ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس کو بھی حضور پاک ﷺ کے پاس بھیج دیا ہے۔ جنت الفردوس کا خاتم النبیین ﷺ کے قدموں میں آ جانا محمد رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک میں اعلی حیات پر دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے روضہ اقدس کی زمین کو قیامت میں جنت کے اندر منتقل کر دیا جائے گا۔ (فتح الملہم کتاب الحج، باب فضل ما بین قبرہ رقم الحدیث ۳۳۰)

(۶) خاتم النبیین ﷺ نے امت کو ہدایت کر دی تھی کہ نبی وراثت نہیں چھوڑتا اور نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ سیدھی بات ہے زندہ آدمی کا وارث یا وراثت نہیں ہوتا۔ بخاری ومسلم میں روایت ہے: "لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ"

بزرگوں کا قول ہے: "اَلْاَنْبِيَاءُ لَا يَشْهَدُوْنَ مِلْكًا مَعَ اللهِ" یعنی انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی ملکیت کو نہیں دیکھتے۔ عوام کے سامنے یہ ملکیت پوشیدہ ہے اس لئے وہ مجازی مالک بنتے ہیں۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ تمام چیزوں کی ملکیت حق تعالیٰ کی جانتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جانب سے متولی اور منتفع اور مستفید ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام پر زکوۃ واجب نہیں اور نہ وفات کے بعد میں وراثت اور وصیت جاری ہوتی ہے اور جس طرح آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ان کا جو مصرف تھا اور جس نظام کے تحت ازواج مطہرات کا نان ونفقہ دیا جاتا تھا وہ چیزیں خلافت کی تولیت میں رہیں اور مصرف پر خرچ کیا گیا۔ گویا کہ حضور حیات سے ہیں ان کو نان ونفقہ بدستور ملتا رہا۔ کیونکہ صاحب حیات ذات اقدس ﷺ کی تھی تو کیسے کسی کو دیا جاتا۔ وراثت تو ملکیت کے ختم ہونے سے ہوتی ہے وہ تو حضور ﷺ کی تولیت میں تھی خلفاء محض نگراں تھے۔

(۷) حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجرات کو پوری زندگی اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین جن مد سے ان کو نفقہ دیتے تھے وہ اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں۔ جیسا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات طیبہ میں ان کے سامنے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو یہ دونوں حق حاصل تھا۔

حجرہ مسکونہ میں تاحیات قیام اور نفقہ بدستور ملتا رہا یہ حیات النبی خاتم النبیین ﷺ کی واضح دلیل ہے۔ ورنہ یہ ایک مدت تک ہی ملتا۔ حیات النبی ﷺ کی وجہ سے تاحیات ملتا رہا۔ کیونکہ عام مسلمانوں کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک ہی رہتے ہیں۔

مگر امہات المومنین کو شریعت نے بیوہ کی فہرست میں نہیں رکھا کہ ہمارے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ سے ان کا رشتہ نکاح حیات النبی ﷺ کے عقیدے کے تحت قائم و دائم قیامت تک ابدی و باقی ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے: ''وما کان لکم أن تؤذوا رسول اللہ و لا أن تنکحوا أزواجہ من بعدہ أبدا (الاحزاب: ۵۳)'' کہہ کر حکم نازل فرمایا۔

یعنی اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کلفت پہنچاؤ اور نہ جائز ہے کہ تم خاتم النبیین ﷺ کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ آخر ایسا کیوں؟ ابدی حیات النبی کے عقیدہ کے تحت امہات المومنین کا رشتہ بدستور حضور پرنور ﷺ سے باقی ہے اور زندہ کی ازواج سے شادی نہیں کی جاتی۔ تفصیل گزر گئی ہے۔

اور حیات کا اصل مقصد ہوتا ہے اعمال ظاہرہ، وہ بھی انبیاء علیہم السلام کو مکمل حاصل ہے۔ نیز حیات ایک امر الٰہی ہے وہ بھی حضرات انبیاء کو مکمل بدستور ملی ہوئی ہے، پھر لوگوں کو شک کیوں ہے؟ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

''إنا معاشر الأنبیاء تنام أعیننا و لا تنام قلوبنا'' (خصائص) ہم لوگ جو انبیاء علیہم السلام ہیں ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سویا کرتے ہیں۔

''و کذلک الأنبیاء تنام عیناھم و لا تنام قلوبھم'' انبیاء کرام علیہم السلام کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔ (بخاری)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں: ''عدم نقض الوضوء بالنوم من خصائص الأنبیاء'' نیند میں وضو کا نہ ٹوٹنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ادراک اور مکمل شعور بیدار رہتا ہے۔ (العرف الشذی ص: ۵۰)

اس لئے حالت نیند میں بھی جو ادراکات ہوتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں اور اس پر خود شاہد ہے۔ امام ترمذی نقل کرتے ہیں: ''رؤیا الأنبیاء وحي'' (ترمذی)

اس لئے انبیاء علیہم السلام کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بہت فرق ہوتا ہے اور زندگی کے ہر مقام پر زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے منامی یعنی خواب کے ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کنا لا نوقظ نبي اللہ ﷺ من منامہ إذا نام حتی یستیقظ'' ہم حضرت خاتم النبیین ﷺ کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کے نبی ﷺ خود بیدار نہ ہو جاتے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۲ رقم ۶۸۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب امر الٰہی سے حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ان کے ساتھ تھے جب عین منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی تو حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا: ''لا أوقظہ'' آپ کو نیند سے بیدار نہیں کروں گا۔ (بخاری جلد ۳ ص ۶۸۹)

انبیاء علیہم السلام کو خواب استراحت سے اس لئے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں اُن پر کیا اسرار الٰہی منکشف ہو رہے ہوں۔

صاحب ترجمان السنہ کی رائے

جب ان کی نیند آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت کا کوئی اندازہ بھی کر لینا چاہئے۔ کیونکہ ''النوم أخو الموت'' مشہور ہے وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں۔ یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے۔ (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۴۵۸)

ایک اہم خصوصیت جس سے سارے شکوک وشبہات ختم ہوجاتے ہیں

حضرت خاتم النبیین ﷺ جب رفیق اعلیٰ میں تشریف لے گئے تو اس وقت سیدنا ابوبکر صدیق مقام سخ میں تھے جب تشریف لائے تو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ انور سے چادر مبارک ہٹائی واٹھائی اور خاتم النبیین ﷺ کی پیشانی مبارک پر بوسہ لیا اور بے اختیار آہ وبکا طاری ہوگیا، دھاڑیں مار کر رونے لگے اور خاتم النبیین ﷺ کو مخاطب فرما کر خطاب کیا، عرض کیا اور کہا: ''بأبي أنت وأمي طبت حياً وميتاً، والذي نفسي بيده لا يذيقك الله الموتتين أبداً'' میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ حیات اور موت دونوں حالتوں، کیفیتوں میں نہایت پاکیزہ ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۱۰)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا جو موت مقدر تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے آپ ﷺ کے لئے وہ آپ ﷺ پر وارد ہوچکی ہے۔

اور ایک دوسری روایت سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے تو راستے میں آتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن لی تھی کہ حضور ﷺ پر جو صورت حال وارد ہے، پیش ہے وہ موت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا تھا: ''ما مات رسول الله ﷺ'' بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود فرماتے تھے: ''والله ما كان يقع في نفسي إلا ذاك'' یعنی اللہ کی قسم میرے ضمیر کا یہی فیصلہ تھا کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر جو کیفیت وارد ہے وہ موت ہرگز نہیں۔

جب خیر امت رسول اللہ تشریف لے آئے تو: ''فكشف عن وجهه ثم أكب عليه فقبله وبكى ثم قال: بأبي أنت وأمي، والله لا يجمع الله عليك موتتين، أما الموتة التي كتبت عليك فقد متها''

(بخاری کتاب المغازی ج ۳ ص ۶۴۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ انور واطہر سے کپڑا اٹھایا اور حضور خاتم النبیین ﷺ پر جھک پڑے، بوسہ دیا اور رو پڑے پھر فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کرے گا۔ جو موت کہ آپ ﷺ کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس کا ذائقہ آپ ﷺ چکھ چکے۔

پچھلے اوراق میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے کہ: ''كل نفس ذائقة الموت'' کے تحت خاتم النبیین ﷺ کی موت کا تذکرہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی کر رہے ہیں اور اس کا کوئی انکار کر بھی نہیں سکتا۔

حضور ﷺ کی دوسری موت نہیں

دوسری بات جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صاف اور واضح کردی وہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کو دو موت نہیں ہوگی اور جو قدرت کی جانب سے ہر نفس کے لئے مقدر ہے وہ آپ ﷺ کو بھی ہوئی مگر عام لوگون کی طرح نہیں اپنے نبوی اور خاتمیت کے نمایاں اور غیر معمولی امتیاز کے ساتھ اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیات دائمہ، مستمرہ، ابدیہ، سرمدیہ، خالدیہ، حاصل ہوچکی ہے کہ اَب اس کے بعد پھر کبھی ورود موت نہ ہوگا اور انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

یاد رکھنے کی بات و عقیدۂ اہل سنت

یہ دونوں موتیں (ایک اسی دنیا میں دوسری قبر میں) انبیاء علیہم السلام کے علاوہ باقی ہر انسان پر وارد ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو دوسری موت نہیں ہے۔ یہ ان کے خصوصیات و امتیازات میں ہے۔ عام لوگوں کی فہرست میں انبیاء علیہم السلام کو شمار کرنا محض غلطی اور نادانی و کم فہمی ہے۔

اور یہ عقیدہ پورے اہل سنت والجماعت کا ہے جس کا انکار کرنا اہل سنت والجماعت سے خروج ہے۔

چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری لکھتے ہیں: ''ومذهب أهل السنة والجماعة أن في القبر حياة وموتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل أحد غير الأنبياء عليهم السلام'' (ج ۷ ص ۶۰۰)

پورے اہل سنت والجماعت کا مذہب یہی ہے قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں! انبیاء کرام علیہم السلام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ''فإنهم لا يموتون في قبورهم بل هم أحياء وأما سائر الخلق فهم يموتون في القبور ثم يحيون يوم القيامة'' (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۶۰۰)

حضرات انبیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں ہاں دوسرے تمام لوگوں کے (حساب وکتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پاجاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے، یہ اس پر مبنی ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے پھر اس کو وفات دی جاتی ہے۔ (تفصیل کا یہ رسالہ متحمل نہیں ہے)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''إن حياته ﷺ في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا والأنبياء أحياء في قبورهم'' حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

عقیدۂ حیات النبی ﷺ پر قرآنی دلائل

قرآن سے پہلی دلیل

''ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله أموات بل أحياء ولكن لا تشعرون (البقرۃ: ۱۵۴)'' اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں تم انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

قرآن سے دوسری دلیل

''ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون (آل عمران: ۱۶۹)'' اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں انہیں اپنے رب کے پاس رزق ملتا ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں: ''فليس الشهيد بأولى من النبي ﷺ وإن نبي الله حي يرزق في قبره كما ورد في الحديث'' خاتم النبیین ﷺ کا مرتبہ شہداء سے بہت زیادہ اعلی و بلند ہے بے شک اللہ کے نبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ حدیث پاک سے ثابت ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۹۲)

حضرت مولانا احمد سعید دھلوی لکھتے ہیں: ''انبیاء کرام علیہم السلام شہیدوں سے بڑے درجے والے ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں ان کی زندگی اتنی مظبوط ہے کہ روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہے اسی وجہ سے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ان کی بیوی سے نکاح نہیں ہوتا اور نہ ہی نبی ﷺ کی میراث تقسیم ہوتی ہے بلکہ قبر پر جا کر کوئی سلام کہے تو اس کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔'' (تفسیر کشف الرحمن ج۱ ص ۵۹۲)

تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبر و برزخ میں حیات شہداء کی حیات سے اعلی وارفع اور غیر معمولی بلند ہے اور انبیاء علیہم السلام جو شہداء سے افضل ہیں تو لامحالہ ہر حال میں انبیاء علیہم السلام کی حیات بھی شہداء کی حیات سے افضل و برتر اور بلند تر ہوگی۔

امام ابن حجر حیات انبیاء علیہم السلام پر لکھتے ہیں: ''وَإِذَا ثَبتَ أَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ مِنْ حَيْثُ النَّقْلِ فَإِنَّهُ يُقَوِّيهِ مِنْ حَيْثُ النَّظَرِ كَوْنُ الشُّهَدَاءِ أَحْيَاءً بِنَصِّ الْقُرْآنِ وَالْأَنْبِيَاءُ أَفْضَلُ مِنَ الشُّهَدَاءِ'' اور جب نقل کے اعتبار سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تاکید کرتا ہے کہ شہداء نص قرآن کے رو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلی اور افضل ہیں۔ (تو بطریق اولی ان کو حیات حاصل ہوگی) (فتح الباری ج۶ ص ۳۷۹)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''إِنَّ اللهَ جَلَّ ثَنَاءُهُ رَدَّ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ أَرْوَاحَهُمْ فَهُمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ كَالشُّهَدَاءِ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیتے ہیں سو وہ اپنے رب کے پاس شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لَا شَكَّ فِي حَيَاتِهِ ﷺ بَعْدَ وَفَاتِهِ وَكَذَا سَائِرُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ حَيَاةً أَكْمَلَ مِنْ حَيَاةِ الشُّهَدَاءِ الَّتِي أَخْبَرَ اللهُ بِهَا فِي كِتَابِهِ الْعَزِيزِ۔ وفات کے بعد حضرت خاتم النبیین ﷺ کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے بڑھ کر ہے۔ (وفاء الوفاء ج۲ ص ۴۰۵)

اوپر کی عبارت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ذکر ہے کیونکہ ان کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ کامل اور اعلی درجہ پر ہے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہداء سے بلند ہے، اسی طرح قبر میں ان کی زندگی بھی شہداء کی زندگی سے عمدہ اور اعلی وارفع ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے

اور پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''وَأَمَّا أَدِلَّةُ حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ فَمُقْتَضَاهَا حَيَاةُ الْأَبْدَانِ كَحَالَةِ الدُّنْيَا مَعَ الْاِسْتِغْنَاءِ عَنِ الْغِذَاءِ'' بہر کیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس بات کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی۔ مگر خوراک سے وہ مستغنی اور بے نیاز ہیں۔ (وفاء الوفاء ج۲ ص ۴۰۷)

اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ حیات روحانی اور برزخی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے۔ مگر جس طرح دنیا میں جسم خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو خوراک کی حاجت نہیں اور وہ خوراک سے بے نیاز ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا!

خاتم النبیین نبی وشہید دونوں ہیں ﷺ

شہداء کی حیات کا اعلان اللہ تعالیٰ نے کردیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور انبیاء علیہم السلام کو شہداء کی حیات سے اعلیٰ وارفع حیات حاصل ہے یہ بھی آپ نے دلائل کی روشنی میں پڑھ لیا اور ہمارے حضرت خاتم النبیین ﷺ تو نبی کے ساتھ شہید بھی ہیں۔ یعنی حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ ساتھ شہادت بھی عطاء فرمائی اور دو حیات جمع ہوگئی اور دونوں یعنی حیاتِ نبوت اور حیاتِ شہادت خصوصیت کے ساتھ ہمارے خاتم النبیین ﷺ کی شانِ امتیازی بن گئی۔

خاتم النبیین ﷺ کی شہادت کا واقعہ

تفصیل تو شمائل وسیر میں دیکھئے۔ یہاں مختصر سن لیجئے: ''۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا۔ یہودیوں نے انتقام لینے کی سوچی تو مشہور یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے دعوت کر کے بکری کے گوشت میں زہر ہلاہل ڈال کر خاتم النبیین ﷺ کو شہید کرنا چاہا۔

چنانچہ آپ ﷺ کے ساتھیوں نے بھی وہ کھانا ایک ایک دو دو لقمے کھایا اور حضرت خاتم النبیین ﷺ نے ایک لقمہ منہ مبارک میں ڈالا اور اس کا لعاب حلق مبارک سے نیچے پیٹ میں چلا گیا، گوشت کی بوٹی نے بول کر کہا۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ مت کھائیے میں زہر آلود ہوں۔ خاتم النبیین ﷺ نے فوراً منع کیا۔ مگر ایک صحابی بشر بن براء بن معرور اس سے شہید ہوگئے اور ہمارے حضرت ﷺ کو اس زہر سے کافی تکلیف ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وفات سے چند لمحات پہلے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''یا عائشۃ! ما أزال أجد ألم الطعام الذي أكلت بخيبر فهذا أوان وجدت انقطاع أبهري من ذلك السم'' (رواہ البخاری ج ۳ ص ۷۶۳، مستدرک ج ۳ ص ۵۸)

اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں برابر اس کھانے کے زہر کا اثر پا رہا ہوں، جو خیبر میں، میں نے کھایا تھا سو اس وقت میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ میری رگِ جان کٹ رہی ہے۔ (بخاری)

خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے وقت اس زہر کا خاصا اثر تھا اور عالمِ اسباب میں خاتم النبیین ﷺ کی وفات کا سبب وہ زہر ہلاہل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ شہید بھی ہوئے اور شہید کی حیات پر قرآن کی شہادت ہے۔ کیا ابھی بھی کوئی خاتم النبیین ﷺ کی حیات میں شک کرے گا؟

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اعلان شہادت سنئے: ''لأن أحلف تسعاً أن رسول الله ﷺ قتل قتلاً أحب إلي من أن أحلف واحدة أنه لم يقتل، وذلك أن الله اتخذه نبياً واتخذه شهيداً''

(مستدرک ج ۳ ص ۵۸، قال الحاكم والذهبي صحيح على شرطهما، ومسند احمد ج ۱ ص ۳۸۱)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نو دفعہ قسم اٹھاؤں کہ خاتم النبیین ﷺ شہید ہوئے، مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک دفعہ یہ قسم اٹھاؤں کہ آپ ﷺ قتل نہیں کئے گئے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔

مذکورہ روایت سے واضح ہو گیا کہ خاتم النبیین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا بلند مقام بھی مرحمت فرمایا ہے اور شہداء کی حیات تو قرآن مجید سے ثابت ہے اور ان کو مردہ کہنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ لہٰذا حضرت خاتم

النبیین ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ کیونکہ اوپر کی روایت سے آپ ﷺ کی شہادت بھی منصوص ہے اور نص قرآنی سے شہداء کی حیات بھی منصوص وثابت ہے۔ اب تو ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات وزندگی مان لوگے شک نہ کروگے۔

قرآن مجید سے حیات النبی ﷺ کی تیسری دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء: ۶۴)'' اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔ (شیخ الہند)

آیت سے ایک بات بخوبی روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہوتی ہے کہ جو شخص حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور خاتم النبیین ﷺ کی صحبت ومعیت اور ان کے مقدس مجلس وجگہ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرے اور ہمارے حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ بھی اس کے لئے دعا مغفرت کریں تو اس کی مغفرت ضرور ہوجائے گی۔

روضہ پر حاضرین کی درخواست سننا اور دعائے مغفرت کردینا حیات کی دلیل ہے

اور یہ بھی ضرور یاد رکھیں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہوتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری ایسی ہی ہے جیسے پہلے تھی کہ آج بھی حضور خاتم النبیین ﷺ حیات سے ہیں اور جو حضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کردیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعائے مغفرت کر دیجئے۔ حضور رحمت للعالمین ﷺ کبھی بھی سائل کو واپس نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی شان کریمی سے ایسی توقع ہے۔ اس موضوع پر کتابوں میں بے شمار واقعات ہیں جن سے حیات النبی ﷺ کو تقویت اور تائیدی شواہد ملتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ اپنے اسی دنیوی جسد أطهر، أنور، أزكى، أجلى، أحلى، ألذ، أطيب کے ساتھ زندہ سلامت ہیں اور جو امتی ان کی جناب میں حاضر ہوکر اللہ سے خود اور حضرت سے دعائے مغفرت کی درخواست کردیتا ہے۔ ہمارے حضور پرنور ﷺ بھی اس کے لئے دعائے مغفرت کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت حضور ﷺ کی طلب پر کردیتا ہے تو امت کی مغفرت کی درخواست سننا اللہ سے مغفرت طلب کرنا یہی تو حیات النبی ﷺ کی واضح دلیل ہے۔ حیات میں اعمال کا وجود ہوتا ہے۔

ایک عاشق رسول کا واقعہ حیات النبی کی تائید

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کو دفن کرکے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آکر گڑگڑا کر، زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار، رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور رسول اللہ ﷺ اس کے لئے دعائے مغفرت کردیں تو اس کی مغفرت ہوجائے گی۔

اس لئے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ ﷺ میرے لئے دعائے مغفرت کر دیں۔ اس وقت جو لوگ روضہ اقدس ﷺ پر حاضر تھے، ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ خاتم النبیین ﷺ سے یہ آواز آئی۔ قَدْ غُفِرَ لَکَ۔ تیری مغفرت کر دی گئی۔ (بحر محیط۔ معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰)

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کو اعرابی کے لئے حضور خاتم النبیین ﷺ کا پیغام

حضرت عتبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا: ''السلامُ علیکم یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

میں نے قرآن کریم کی یہ آیت: ''وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء: ۶۴)'' سنی اور آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ کے سامنے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ ﷺ کی شفاعت طلب کروں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

يا خير من دفنت بالقاع أعظمه فطاب من طيبهن القاع والأكم
نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم

(ترجمہ) جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں، اے ان تمام میں سے بہترین ہستی، میری جان اس قبر پر صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے جس میں پارسائی اور سخاوت اور کرم ہے۔

پھر اعرابی و دیہاتی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا حضور خاتم النبیین ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف کر دیئے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۳)

آیت مذکورہ اور واقعہ سے یہ بات بہت کھل کر واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ جس طرح حضرت ﷺ کی حیات دنیوی میں اہل ایمان معافی اور مغفرت کی دعا کرانے آتے تھے تو اسی طرح آج بھی روضۂ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پر حاضری دے کر معافی اور مغفرت طلب کریں گے تو ہمارے رؤوف الرحیم خاتم النبیین ﷺ دعا فرمائیں گے اور فرماتے ہیں۔ کیونکہ آیت میں کہیں بھی حیات دنیوی اور بعد از وفات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ اس کا سبب بھی حیات النبی ﷺ کی کھلی دلیل ہے۔

حیات النبی ﷺ کی قرآن سے چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (الانفال: ۳۳)'' اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ انہیں آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔ (تھانوی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ عذاب سے دو چیزیں رکاوٹ ہیں یعنی عذاب کے نزول سے مانع ہیں۔ ایک حضور خاتم النبیین ﷺ کا وجود مسعود موجود ہونا۔ الحمد للہ! دوسرے امت کا استغفار کرتے رہنا۔

پہلی نعمت جو امت کو ملی ہوئی ہے وہ حضور خاتم النبیین ﷺ کا وجود باجود کہ اس کی برکت سے اس امت پر ایسا عذاب کہ امت کے وجود کو مٹا دے ناممکن ہے۔ امت دعوت پر حضور خاتم النبیین ﷺ کی عمومی رحمت و برکت

کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹانے والا عذاب نہیں آتا تو امت اجابت پر کیسے آئے گا۔ اگر وقتی طور پر کسی جگہ کوئی عذاب آجاتا ہے تو اس کی اس میں نفی نہیں ہے عمومی ہلاکت کی نفی ہے۔ (دیکھئے تفسیر عثمانی)

مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں: ''آپ ﷺ کا اپنے روضہ میں زندہ ہونا اور آپ ﷺ کی رسالت کا قیامت تک قائم رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ قیامت تک دنیا میں ہیں اس لئے یہ امت قیامت تک عذاب سے مامون رہے گی۔'' (معارف القرآن)

اور آنحضرت ﷺ کا دنیا میں ہونا قیامت تک باقی رہے گا۔ کیونکہ آپ کی رسالت قیامت تک کے لئے ہیں۔ نیز آنحضرت ﷺ اس وقت بھی زندہ ہیں گو اس زندگی کی صورت سابق زندگی سے مختلف ہے۔

(معارف القرآن ج ۴ ص ۲۲۵)

بہر حال آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جس بستی میں لوگ استغفار کرتے ہوں اللہ کا دستور یہ ہے کہ اس پر عذاب نازل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے آپ کی امت خواہ مسلم ہوں یا کافر عذاب نہیں آئے گا۔ الحمد للہ رحمۃ للعالمین ﷺ آج بھی عالم کو اپنی رحمت عمومی کے آغوش میں لئے ہوئے ہیں اور زندہ ہیں۔

''وَأَنتَ فِيهِمْ'' قرآن حکیم کا ربانی ارشاد بہت ہی حیات النبی کا معنی خیز جامع اور ہمہ گیر حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ سوچئے اللہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہوئے امت پر عمومی عذاب نہ ہوگا اور ''وَأَنتَ فِيهِمْ'' کب اور کس حقیقت کو سمجھانے کے لئے بولا جاتا ہے کبھی آپ نے غور کیا ہے؟ اگر حضور ﷺ کی حیات نبوت ہمارے درمیان نہ ہوتی تو حق تعالیٰ اتنا عمیق اور جامع ترین ارشاد: ''وَأَنتَ فِيهِمْ'' کیوں فرماتے؟ یہ حیات النبی ﷺ کی کھلی دلیل ہے کیونکہ آج بھی ہمارے نبی ہمارے درمیان اسی عالم میں زندہ سلامت موجود ہیں۔ سلام کہنے والے کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ دور سے سلام پیش کرنے والے کا فرشتے پہنچاتے ہیں۔ ہر نماز میں مسلمان ''السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ'' سے آپ ﷺ کو سلام کا تحفہ بھیجتا ہے۔ مومنوں اپنے زندہ نبی پر درود پڑھو: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَدَدَ خَلْقِكَ وَمِدَادَ كَلِمَاتِكَ وَزِنَةَ عَرْشِكَ وَرِضَا نَفْسِكَ''

حیات النبی ﷺ پر قرآن مجید سے پانچویں دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللّٰهِ عَظِيمًا (الاحزاب: ۵۳)'' اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم نبی ﷺ کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کروں۔

بیہقیٔ وقت مفسر ومحدث اور فقیہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: ''قُلْتُ وَجَازَ أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ لِأَجْلِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ لِذٰلِكَ لَمْ يُوْرَثْ وَلَمْ يَتَئَمْ أَزْوَاجُهُ'' امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے نکاح نہ ہونے کی یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اس لئے حضور پاک خاتم النبیین ﷺ کے مال مبارک کا کوئی وارث قرار نہیں پاتا اور حضور پاک کی وفات سے آپ ﷺ کی بیویاں بیوہ نہ ہوئیں۔

(تفسیر مظہری عربی ج ۷ ص ۴۰۸، اردو ج ۹ ص ۴۱۶)

صاحب معارف القرآن لکھتے ہیں: ''آپ ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح حرام ہے وہ بنص قرآن مؤمنوں کی مائیں ہیں۔''

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں آپ ﷺ کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی زندہ شوہر گھر سے غائب ہو، اسی لئے آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوئی، اسی بناء پر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۰۳)

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی آب حیات

حیات النبی ﷺ پر نہایت محققانہ، بصیرت وفقاہت اور ثقاہت کے ساتھ الہامی دلائل سے بھرپور قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا نا قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کے کتاب آب حیات اس فن کی نادرالوجود ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آب حیات میں واضح طور پر خاتم النبیین ﷺ کو قبر میں زندہ مانا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ہمارے حضور ﷺ اپنے روضہ اقدس میں زندہ ہیں اور جو شخص روضہ اقدس پر سلام پیش کرتا ہے خود سنتے ہیں اور جواب بھی ضرور دیتے ہیں اور اس کو اہل سنت وجماعت کا عقیدہ صحیح بتلایا ہے۔ تفصیل کے لئے یہ کتاب ضرور سمجھ کر پڑھئے۔ عقل کھل جائے گی۔ ایمان وبصیرت کی روشنی مل جائے گی۔

حیات النبی ﷺ پر قرآن مجید سے چھٹی دلیل

''وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا (النحل: ۸۹)'' اور (اے پیغمبر ﷺ) ہم تمہیں ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کے لئے لائیں گے۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حدیث پاک میں ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور پاک ﷺ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ خیر کو دیکھ کر اللہ کا شکر اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔'' (تفسیر عثمانی)

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لیس من یوم إلا وتعرض علی النبي ﷺ أمته غدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بأسماءھم وأعمالھم فلذلک یشھد علیھم، یقول اللہ تعالی: فکیف إذا جئنا من کل أمۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا (النساء: ۴۱)'' (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۸۶)

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کوئی صبح شام ایسی نہیں کہ امت کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے نہ پیش کیا جاتا ہے۔ (یعنی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں)

لہٰذا حضور اپنی امت کے تمام لوگوں کو ان کے نام اور ان کے اعمال سے بخوبی پہچانتے ہیں اسی وجہ سے ان کی شہادت بروز قیامت دیں گے اور آیت میں جس کا تذکرہ ہے۔

حاصل یہ ہوا کے امت کے اعمال کا پیش ہونا صبح وشام یہ حیات کی دلیل ہے اور امتی کی شناخت ان کے نام اور اعمال سے اور بروز قیامت شہادت پیش کرنا یہ مکمل حیات کی دلیل ہے۔

حیات النبی ﷺ پر قرآن مجید سے ساتویں دلیل

''یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا و نذیرا (الاحزاب: ۴۵) ''اے نبی ﷺ بے شک ہم نے آپ ﷺ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے آپ ﷺ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔ (تھانوی)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ معارف القرآن میں فرماتے ہیں: ''تمام انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں یہ حیات برزخی عام لوگوں کی حیات برزخی سے بدرجہا زیادہ فائق وممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔''

بہرحال اس حیات کی وجہ سے قیامت تک مومنین کے قلوب آپ ﷺ کے قلب مبارک سے استفاضہ نور کرتے رہیں گے اور جو جتنی محبت و تعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

(معارف القرآن ج ۷ ص ۱۷)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''حضور پاک ﷺ پر قبر مبارک میں امت کے اعمال پیش ہونا عقیدہ حیات النبی ﷺ کی یوں دلیل بنتی ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اسی لئے وہاں امت کے اعمال پیش ہو رہے ہیں۔'' (حاشیہ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، تفریع ابواب الجمعۃ ج ۱ ص ۱۵۸)

ابھی آپ چھٹی دلیل میں پڑھ چکے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اس آیت مبارکہ میں حضور خاتم النبیین ﷺ کو گواہی دینے والا بتلایا گیا ہے۔ گویا یہ آیت مبارکہ پچھلی آیت کی تشریح کر رہی ہے۔

قبر مبارک میں امت کے اعمال پیش ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن حضور خاتم النبیین ﷺ اللہ تعالیٰ کے سامنے امت کی گواہی دیں گے۔ ان شاء اللہ!

وہ خوش نصیب حضرات جن کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ (شرح الصدور میں صفحہ ۳۰۸، ۳۰۹ باب فتن اللمیت و بلاء) اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے مختصر تذکرہ قرطبی باب لا تاکل الأرض أجساد الأنبياء میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کچھ اور بھی حضرات کو شمار کیا ہے جن کے اجسام قبر میں محفوظ رہتے ہیں اور مٹی ان کو نہیں کھاتی۔

۱...... ''إنَّ اللهَ حرَّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء'' اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو کھائے۔

۲...... ''إنما لم تأكلِ الأرض أجساد الشهداء لكونهم أحياءً عند ربهم يرزقون'' یقیناً شہداء کے جسم کو زمین نہیں کھاتی، اس لئے کہ وہ زندہ ہیں اللہ تعالیٰ کے پاس، ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

۳...... ''المؤذن المحتسب لا تأكله الأرض'' مؤذن جو پابندی سے ثواب کی امید پر اذان دیتا ہے اس کو زمین نہیں کھاتی۔

۴...... ''إذا مات حامل القرآن أوحى الله الى الأرض أن لا تأكل لحمه فتقول الأرض: أي رب! كيف اكل لحمه و كلامك في جوفه؟ جب پکا حافظ قرآن (حافظ قرآن جو عامل قرآن ہو تو نور علی نور ہے) مر جاتا ہے تو حق جل مجدہ زمین کو وحی کرتے ہیں کہ حامل قرآن کے جسم کو نہ کھائے؟ تو زمین عرض کرتی ہے میں حافظ و حامل قرآن کے جسم کو کیسے کھا سکتی ہوں جب کہ اس کے اندر ہے آپ کا کلام ہے۔

۵...... ''الأرض لا تسلط على الجسد الذي لم يعمل خطيئة'' زمین کو اس جسم پر مسلط کیا جاتا جس سے گناہ نہ ہوا ہو۔ یعنی جو آدمی گناہ سے پاک وصاف ہوتا ہے اس کو بھی زمین نہیں کھاتی۔ (فتاوی محمودیہ ج ۱ ص ۵۳۸)

۶...... وہ انسان خوش نصیب ہے جس کی شکل میں حضور ﷺ ظہور فرمادیں اس لئے کہ اس انسان کو بھی مٹی نہ کھا سکے گی۔ (رحمت کائنات ص ۳۰۳، جمع الوسائل ج ۲ ص ۲۹۸)

خاتم النبیین ﷺ ہر حال میں امت کے امام ہیں

''عن علي رضي الله تعالى عنه: هو إمامكم حيا و ميتا فلا يقوم عليه أحد'' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ یعنی رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ تمہارے امام ہیں زندگی میں اور وصال کے بعد۔ لہٰذا کسی کو ان کا امام نہ بنایا گیا۔ (الحدیث رواہ ابن سعد، زرقانی ج ۸ ص ۲۹۲، احسن الفتاوی ج ۴ ص ۲۲۷)

یعنی رفیق اعلی میں تشریف لے جانے کے بعد بھی حضور ﷺ حالت حیات کی طرح بعد الممات بھی خود امام ہیں۔ یہ حیات کی دلیل ہے۔ کیونکہ انبیاء کی حیات و زندگی میں جس طرح کوئی امام نہیں ہوتا بعد الوصال بھی ان کا کوئی امام نہیں ہوتا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں بعد الوصال بھی وہ امام ہیں۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ جسد اطہر واقدس پر میت کے آثار نہ تھے

حضرت ﷺ کے رفیق اعلیٰ میں تشریف لے جانے کے بعد بھی خاتم النبیین ﷺ کے جسد اطہر وانور پر وہ آثار وعلامت نہ تھی جو عام طور پر میت میں دیکھی جاتی ہے اور محسوس کی جاتی ہے۔ یہ بھی حضور خاتم النبیین ﷺ کی خصوصیت اور حیات کی دلیل ہے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے: ''لم یر من رسول الله ﷺ بشيئ مما يرى من الميت۔ حضور ﷺ کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی جو میت میں دیکھی جاتی ہے۔ صلى الله عليه وسلم على جسده في الأجساد۔ پھر سیرت ابن ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیتے جاتے تھے اور یہ الفاظ کہے جاتے تھے۔'' وعلي يقول: بأبي أنت وأمي، ما أطيبك حيا وميتا!

میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کتنے پاک وصاف ہیں زندہ اور رفیق اعلیٰ میں چلے جانے کے بعد۔

اور اس سے زیادہ واضح راویت ابن ماجہ میں باب ما جاء في غسل النبي ﷺ میں ہے: ''عن علي ابن ابي طالب رضي الله عنه قال: لما غسل النبي ﷺ ذهب يلتمس منه ما يلتمس من الميت، فلم يجده، فقال بأبي، الطيب، طبت حيا و طبت ميتا'' حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضور خاتم النبیین ﷺ کو غسل دیا گیا تو جو چیزیں میت میں ہوتی ہیں وہ حضور ﷺ میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے والد آپ پر فدا ہوں، پاک ہیں پاک زندگی گزاری اور وصال کے بعد بھی پاک ہیں۔ (بوادر النوادر ص ۴۵۲)

حیات النبی ﷺ پر قرآن مجید سے آٹھویں دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فضربنا علی آذانھم فی الکھف سنین عددا (الکھف: ۱۱) ''ہم نے ان کے کانوں کو تھپکی دے کر کئی سال تک ان کو غار میں سلائے رکھا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''پہلی امتوں کے یہ لوگ اصحاب کہف ہیں ان بزرگوں کی کرامت تھی کہ ۳۰۹ سال سونے کے بعد بھی صحیح سلامت رہے اور اس کا تذکرہ خود قرآن میں ہے۔''ثلاث مائة سنین وازدادوا تسعا (الکھف: ۲۵)''

تین سو نو برس غار و کہف میں رہے۔ ہماری امت میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جن سے اس قسم کے واقعات کا ظہور رہا۔ مثلاً:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا روضہ رسول میں ابدی قیام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے یوں وصیت فرمائی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو حضور خاتم النبیین ﷺ سے اجازت لینا کہ میری قبر حضور خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ان کے روضہ اقدس میں بنائی جائے یا نہیں؟ اگر اجازت مل جائے تو مجھے وہیں دفن کر دینا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں میری قبر بنا دینا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کا جنازہ حضور پاک خاتم النبیین کے روضہ مبارکہ کے دروازے پر رکھ کر صحابہ نے حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں صلاۃ وسلام کا تحفہ پیش کیا۔ پھر عرض کیا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دروازے پر موجود ہیں تو روضہ مبارکہ کا دروازہ خود بخود کھل گیا اور اندر سے آواز آئی کہ دوست کو دوست تک پہنچا دو۔　(مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۳)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی حیات النبی کا عقیدہ راسخ تھا جبھی تو وصیت کی تھی کہ حضور خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں۔ ان کو مخاطب کر کے میری تدفین کی اجازت لینا اور اجازت نہ ملے تو عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ صحابہ باب النبی پر کھڑے ہو کر پہلے ادب و احترام بجالائے صلاۃ وسلام عرض کیا اور پھر اجازت طلب فرمائی۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق خاتم النبیین ﷺ نے اپنی آرام گاہ حجرہ اماں عائشہ جو جنت کا باغ ہے، کا دروازہ کھول دیا اور آواز آئی کہ دوست کو دوست تک پہنچا دو تو کیا یہ سب بغیر حیات کے ہوا۔ صلوۃ وسلام تو آپ سنتے ہی ہیں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ صلاۃ وسلام پیش کر کے جو عرض ومعروض کی جائے اسے بھی آپ سنتے ہیں۔ اس پر ہزاروں نہیں لاکھوں واقعات اگر جمع کیا جائے تو دفتروں میں جمع کیا جا سکتا ہے اور ہر عہد و زمانہ میں قیامت تک امت کی وہ سنیں گے اور آج بھی سنتے ہیں۔ ایمان چاہئے، یقین چاہئے۔ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ راسخ چاہئے۔ اگر حضور خاتم النبیین ﷺ زندہ نہ ہوتے (معاذاللہ) تو دروازہ کیسے کھلتا؟ صحابہ نے تو مخاطب خاتم النبیین ﷺ کو ہی کیا تھا، نہ کہ کسی اور کو؟ معلوم ہوا ہمارے خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں اور اسی جسم اطہر کے ساتھ اپنے روضہ میں جس کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا ٹکڑا بنا دیا ہے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے حیات طیبہ سے اخذ فیض کی ہمیں توفیق بخشے اور ان کے فیض نبوت و رحمت سے ہمارے قلوب کو منور فرما دے۔ آمین!

حاصل کلام ہمارے حضرت ﷺ زندہ ہیں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رکھنا چاہئے، نہ ہی شک کرنا چاہئے۔ یہی حضور خاتم النبیین ﷺ کی خاتمیت رسالت ونبوت کی ابدیت وحتمیت اور قطعیت کا حق ہے اور اسی عقیدہ حیات کے تحت میرا ایمان ہے قیامت میں شفاعت ہے۔

حیات النبی ﷺ پر قرآن مجید سے نویں دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض أن تحبط أعمالكم وأنتم لا تشعرون (الحجرات:۲) '' اے ایمان والو، اپنی آوازیں نبی (خاتم النبیین ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل حیات النبی کا احترام

بخاری شریف میں کتاب الصلوۃ، باب رفع الصوت في المسجد میں ہے: ''عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه سمع صوت رجلين في مسجد رسول الله ﷺ قد ارتفعت أصواتهما فجاء فقال أتدريان أين أنتما؟ ثم قال: من أين أنتما؟ قال: من أهل الطائف. فقال لو كنتما من أهل المدينة لأوجعتكما ضرباً۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۴۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک روز مسجد نبوی ﷺ میں دو آدمی کی بلند آواز سنی تو ان کے پاس آئے اور پوچھا تم کو کچھ معلوم بھی ہے کہ تم کس محترم ومکرم جگہ میں ہو؟ پھر تم دونوں کہاں کے ہو؟ ان دونوں نے جواب میں عرض کیا ہم طائف کے ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم مدینہ منورہ کے باسی ورہائشی ہوتے تو میں تم کو مار کر سزا دیتا۔ افسوس اور صد افسوس کہ تم مسجد نبوی میں حضور اقدس ﷺ کی موجودگی میں اپنے آوازیں بلند کر رہے ہو۔

آیت سے حیات النبی پر استدلال

اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ جیسے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کا احترام حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام وتوقیر اب بھی لازم ہے، کیونکہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۴۸۷)

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ قسم ہے کہ مرتے دم تک آپ ﷺ سے میں اس طرح بولوں گا جیسے کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ (درمنثور من بیہقی، معارف)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔ (معارف)

قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: '' قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور ادب آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا دنیوی حیات میں تھا۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ادب واحترام کے خلاف ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام زندہ ہیں اور ان کے سامنے آواز بلند کرنا آیت کی وعید میں داخل ہے۔''

حیات النبی ﷺ پر قرآن مجید سے دسویں دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب: ۵۶) '' بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو، تم بھی ان پر (ﷺ) پر درود پڑھو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

آیت مذکورہ میں حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پر، اللہ رب العزت اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے کسی غیر حیاتی پر درود بھیجتے ہیں۔ استغفر اللہ!

ہر مسلمان اپنی نماز کی التحیات میں ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِي '' کے ذریعہ اعلان کرتا ہے کہ زندہ امت کا حالت نماز کا سلام نبی اعظم واکرم جن کو اعلی واکمل حیات حاصل ہے پیش کرتا ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب فتح الملہم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات پر دلیل

القول البدیع میں علامہ سخاوی اور فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے اور المہند میں اکابر علماء دیو بند نے حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات کو تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ عقیدہ بتلایا ہے اور کھول کر واضح طور پر نبی ﷺ کو قبر شریف میں زندہ مانا ہے اور اس کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ قبر شریف کے قریب جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کو سلام عرض کرتا ہے آپ ﷺ سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور اسی کو عقیدہ اہل السنت والجماعت کا بتایا گیا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ہمارا عقیدہ ہے۔ ''نَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ''

اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ آج بھی زندہ ہیں۔ اسی لئے امت اپنا ربط و تعلق درود وسلام کے ذریعے خاتم النبیین ﷺ سے رکھے ہوئے ہے اور امت کو درود شریف کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ تم جب میرے قریب پڑھو گے تو میں خود سنوں گا اور اس کا جواب دوں گا اور دور سے پڑھو گے تو مجھے فوراً پہنچا دیا جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جب آپ ﷺ دنیا میں رونق افروز ہیں تو ہم قرب سے مشرف ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں، مگر وہ جو دور ہیں، یا جب آپ دنیا سے تشریف لے جائیں گے تو پھر یہ مبارک اور ضروری ربط و تعلق اور جوڑ کس طرح رہ سکے گا؟

خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: ''میری روح کی طرح میرا جسم و بدن بھی قبر میں سلامت رہے گا۔ تمہارا صلاۃ وسلام نہ صرف میری روح سنے گی بلکہ یہ مبارک کان بھی سنیں گے اور جس طرح تم اس دنیا میں میرے جواب کا شرف حاصل کرتے ہو میرے اس دنیا سے بہترین زندگی کی طرف چلے جانے کے بعد بھی سلام کے جواب سے مشرف ہوتے رہو گے۔''

چنانچہ بفضلہ تعالیٰ وکرمہ چودہ سو کتالیس سال سے یہ سلسلہ ربط و تعلق اور سعادت مندامت کا قائم ہے اور قائم و دائم رہے گا، جس پر امت کا عمل تواتر و توارث کے ساتھ قائم ہے یہ سب حیات اور پختہ حیات کی دلیل ہے۔

حیات النبی ﷺ پر احادیث مبارکہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا:

(۱) ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَتَيْتُ وَفِيْ رِوَايَةِ هَدَّابٍ مَرَرْتُ عَلٰى

مُوسیٰ لَیلَۃَ أسرِيَ بِي عِندَ الکَثِیبِ الأحمَرِ وَھُوَ قَائِمٌ یُصَلِّي فِي قَبرِہٖ'' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا جس رات مجھے معراج کا سفر کرایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سرخ ٹیلے کے قریب ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح مسلم کتاب الفضائل موسیٰ علیہ السلام ج ۲ ص ۲۶۸ مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۸)

فائدہ: اس صحیح حدیث سے حیات انبیاء علیہم السلام پر واضح دلیل فراہم ہوتی ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور حالت نماز میں کھڑا ہونے سے بدن اور حیات دونوں کا ثبوت ملتا ہے، تنہا روح کے لئے کھڑا ہونا بیٹھنا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جسم و بدن کے ساتھ حیات ہیں، جبھی تو حیات والے اعمال میں مشغول ہیں۔

حضرت ابراہیم وعیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا:

(۲) ''قَالَ رَسُولُ اللہِ ﷺ: قَد رَأَیتُنِي فِي جَمَاعَۃٍ مِنَ الأَنبِیَاءِ فَإِذَا مُوسیٰ قَائِمٌ یُصَلِّي، فَإِذَا رَجُلٌ ضَربٌ جَعدٌ کَأَنَّہٗ مِن رِجَالِ شَنُوءَۃَ وَإِذَا عِیسَی ابنُ مَریَمَ قَائِمٌ یُصَلِّي، أَقرَبُ النَّاسِ بِہٖ شَبَھًا عُروَۃُ بنُ مَسعُودٍ الثَّقَفِيُّ وَإِذَا إِبرَاھِیمُ قَائِمٌ، أَشبَہُ النَّاسِ بِہٖ صَاحِبُکُم یَعنِي نَفسَہٗ'' جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے دیکھا کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام بھی نماز پڑھ رہے ہیں، آپ شکل و شباہت میں عروہ ابن مسعود ثقفی صحابی کے مشابہ ہیں۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا کہ وہ بھی کھڑے ہیں اور میرے مشابہ ہیں۔ (اکمال شرح مسلم ج ۶ ص ۱۶۸)

اس حدیث کی شرح میں فرمایا گیا ہے: ''أَمَّا الأَنبِیَاءُ عَلَیھِمُ السَّلَامُ أَحیَاءٌ بِالحَیٰوۃِ الحَقِیقِیَّۃِ بِدَلِیلِ صَلَاۃِ مُوسیٰ عَلَیہِ السَّلَامُ فِي قَبرِہٖ وَصَلٰوۃِ النَّبِيِّ ﷺ بِھِم فِي لَیلَۃِ الإِسرَاءِ أَو لِقَاءِہٖ بِھِم وَنَصَّ عَلیٰ حَیَاتِھِم ابنُ عَطِیَّہ وَالقُضَاعِي'' (اکمال شرح مسلم ج ۶ ص ۱۶۸ بحوالہ رحمت کائنات قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ)

انبیاء علیہم السلام حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جس کی دلیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اور خود سید دوعالم ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کو شب معراج نماز پڑھانا اور ان کے ساتھ ملاقات فرمانا ہے۔ ابن عطیہ اور قضاعی نے بھی انبیاء علیہم السلام کی حیات کی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت یونس وموسیٰ علیہما السلام کو دیکھا:

(۳) ''عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللہُ عَنہُ قَالَ: سِرنَا مَعَ رَسُولِ اللہِ ﷺ بَینَ مَکَّۃَ وَالمَدِینَۃِ فَمَرَرنَا بِوَادٍ، فَقَالَ: أَيُّ وَادٍ ھٰذَا؟ قَالُوا وَادِي الأَزرَقِ، قَالَ کَأَنِّي أَنظُرُ إِلیٰ مُوسیٰ فَذَکَرَ مِن لَونِہٖ وَشَعرِہٖ شَیئًا وَاضِعًا إِصبَعَیہِ فِي أُذُنَیہِ لَہٗ جُؤَارٌ إِلَی اللہِ بِالتَّلبِیَۃِ مَارًّا بِھٰذَا الوَادِي، قَالَ: ثُمَّ سِرنَا حَتّٰی أَتَینَا عَلیٰ ثَنِیَّۃٍ، قَالَ: أَيُّ ثَنِیَّۃٍ ھٰذِہٖ؟ قَالُوا ھَرشیٰ أَو لِفتٌ، فَقَالَ کَأَنِّي أَنظُرُ إِلیٰ یُونُسَ عَلیٰ نَاقَۃٍ حَمرَاءَ عَلَیہِ جُبَّۃُ صُوفٍ وَخِطَامُ نَاقَتِہٖ خُلبَۃٌ مَارًّا بِھٰذَا الوَادِي مُلَبِّیًا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے، اس وقت آپ ﷺ نے پوچھا اس وادی کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ وادی ازرق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا گویا میں اپنی آنکھوں سے یہاں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ فرما کر حضور خاتم

النّبیین ﷺ نے ان کا رنگ اور بالوں کا کچھ نقشہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دیئے ہوئے ہیں اور اپنے رب کے نام کا تلبیہ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ راوی بیان کرتا ہے پھر ہم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک گھاٹی اور آئی حضور خاتم النّبیین ﷺ نے پوچھا اس گھاٹی کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ ''ہرشیٰ'' ہے، یا ''لفت'' کہا۔ حضور خاتم النّبیین ﷺ نے فرمایا گویا میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ یونس علیہ السلام ایک سُرخ اونٹنی پر ہیں ان کا جُبّہ اُون کا ہے اور اس اونٹنی کی مہار درخت کی چھال کی ہے۔ وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (رواہ مسلم، ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۳)

''عنِ ابنِ عبّاسٍ رضيَ اللهُ عنهما قال: حجَّ رسولُ اللهِ صلّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ، فلمّا أتى وادي عسفان، قال: يا أبا بكرٍ أيُّ وادٍ هذا؟ قال هذا وادي عسفانَ، قال لقد مرَّ بهذا الوادي نوحٌ وهودٌ وإبراهيمُ على بكراتٍ لهم حمرٍ خطمُهم الليفُ، أزرُهم العباءُ، وأرديتُهم النمارُ يحجّونَ البيتَ العتيقَ۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النّبیین ﷺ نے حج کیا جب حضور خاتم النّبیین ﷺ وادی عُسفان میں پہنچے تو فرمایا ابوبکر اس وادی کا نام کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اس وادی کا نام وادی عُسفان ہے، حضور خاتم النّبیین ﷺ نے فرمایا اس وادی سے حضرت نوح، هود اور حضرت ابراہیم علیہم السلام گزرے جو سرخ اونٹوں پر سوار تھے اور ان کی مہاریں کھجور کی چھال کی، ان کی لنگیاں، اَعباء اور ان کی چادریں اون کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے قدیم بیت کا طواف کرنے جا رہے تھے۔ (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۴، ابویعلی۔ مسند احمد، طبرانی)

حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ان احادیثِ صحیحہ سے یہ اندازہ کر لینا چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی شانِ رفیع کیا ہوتی ہے، ان کی موت کیا عام بشر ہی کی موت کی طرح ہے یا جس طرح وہ بحالتِ حیات حج و نماز میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ اپنی وفات کے بعد بھی ان میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر یہ ظاہر ہے کہ یہ بالکل بیداری کا ایک مشاہدہ تھا اور اسی حالت میں آنحضرت ﷺ نے ان مبارک ہستیوں کو دیکھا تھا۔ لہٰذا یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا بحالتِ بیداری بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے اس بناء پر اگر اولیاء کرام اپنی بیداری کی حالت میں آنحضرت ﷺ کا مشاہدہ نقل کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس کا انکار کر دیں۔'' (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۳)

خاتم النّبیین ﷺ نے حیات انبیاء کا مشاہدہ بیان فرمایا

(۱) حضرت خاتم النّبیین ﷺ کو حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، یونس، ہود، صالح علیہم السلام کا چشم دید مشاہدہ ہوا۔

(۲) اور حالتِ بیداری کا یہ سب مشاہدہ ہے خواب یا دوسری چیز نہیں۔

(۳) حضور خاتم النّبیین ﷺ نے اپنے مشاہدہ میں ان مقدس حضرات میں سے اُن کا رنگ وروپ اور بال مبارک کی بھی کیفیت سے باخبر کیا اور مزید یہ بھی آگاہ کر دیا کہ وہ اپنی انگلیوں کو کان میں دئے ہوئے تھے اور زبانِ مبارک سے تلبیہ گنگنا رہے تھے اور جس اونٹنی پر سوار تھے اس کا رنگ سُرخ تھا اور اُن کے جسم پر اُون کا جُبّہ تھا اور اونٹنی کی مہار درخت کی چھال کی ہے۔ یہ تمام کی تمام صفات حیات اور زندگی کی ہیں۔

روح کو نہ سواری درکار ہے نہ ہی اونی لباس چاہیئے نہ ہی وادی سے گزرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی سواری کو مہار لگانے کی حاجت۔ اتنی واضح روایت ہے حیات انبیاء کی پھر بھی نہ معلوم لوگوں کو شک وشبہ کیوں ہوتا ہے۔

اگر ان حضرات انبیاء کی حیات جسم کے ساتھ نہ ہوتی تو جسم مبارک پر جُبّہ اور اونی جُبّہ اور عبایا کی کیا ضرورت تھی زیب تن کرنے کی۔ کیونکہ لباس روح کو تقوی کی ملے گی۔ معلوم ہوا حیات انبیاء برحق اور حق ہی حق ہے جیسا کہ روایت سے بخوبی واضح ہے۔

(۴) گویا کہ حضور خاتم النّبیین ﷺ نے تمام انبیاء کو انہیں جسد اطہر کے ساتھ دیکھا جو دنیا میں تھا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حیات سے مطلوب ومقصود جو اعمالِ تقرب الی اللہ ہیں، انبیاء علیہم السلام انہیں اعمال میں مشغول ومنہمک بھی ہیں۔ جس کا مشاہدہ حضرت خاتم النّبیین ﷺ کو کرایا گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے خاتم النّبیین ﷺ نے بیان کر کے حیات انبیاء کا مشاہداتی نقشہ پیش فرما دیا۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی انیق تحقیق

محدث کبیر حضرت انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان احادیث میں صرف روح کی حیات بتانا مقصود نہیں ہے کہ اس کو بھی جانتے ہیں، بلکہ افعال حیات کو ثابت کرنا ہے کہ اجساد انبیاء برزخ میں بھی عبادات واعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں، جس طرح وہ اپنی حیات میں روزہ، حج وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔　(انوار الباری ج ۱۸ ص ۳۰۲، عقیدۃ الاسلام ۲۱)

حضرت ہارون وادریس علیہما السلام سے ملاقات

(۴) ''وَفِي الصَّحِيحِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى بِالْمُرْسَلِينَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ رَكْعَتَيْنِ، وَأَنَّهُ سَلَّمَ عَلٰى هَارُوْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَدَعَا لَهُ بِالرَّحْمَةِ وَلِأُمَّتِهِ، وَأَنَّهُ سَلَّمَ عَلٰى إِدْرِيْسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَدَعَا لَهُ بِالرَّحْمَةِ وَلِأُمَّتِهِ''

(الدررۃ الفاخرۃ از امام سیوطی ۱۶، بحوالہ رحمت کائنات ص ۲۱۴)

صحیح حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے شب اسراء (بیت المقدس میں) سب انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی اور حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سلام کیا، انہوں نے آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے رحمت کی دعا کی۔　(رحمت کائنات ص ۲۱۴)

انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں

(۵) ''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النّبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔　(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث ۳۴۲۵)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی شرح کی: ''فَإِنَّ حَقِيْقَةَ الصَّلٰوةِ وَهِيَ الْإِتْيَانُ بِالْأَفْعَالِ الْمُخْتَلِفَةِ إِنَّمَا تَكُوْنُ لِلْأَشْبَاحِ لَا لِلْأَرْوَاحِ'' نماز کی حقیقت یعنی حقیقی طور پر نماز کے اندر مختلف افعال کو بجالانا ہے اور یہ روح کا عمل نہیں بلکہ یہ کام نمازی کے جسم کے ساتھ خاص ہیں۔　(مرقاۃ المفاتیح، کتاب الفضائل، باب فی المعراج رقم ۵۸۶۶)

ہمارے حضور ﷺ خاتم الانبیاء ہونے کے ساتھ امام الانبیاء بھی ہیں نہ کہ امام روح الانبیاء۔ شب معراج

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء علیہم السلام کے روح اور جسم دونوں کے امام بنے تھے جبھی تو آپ ﷺ کو امام الانبیاء کی خصوصیت کا مقام عطاء ہوا، ایسا نہیں ہے کہ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی فقط ارواح نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں نماز ادا کی تھی بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام روح مع الجسد موجود تھے اور بنفس نفیس تمام انبیاء علیہم السلام نے نماز اپنی ارواح واجساد کے ساتھ ادا کیں۔

اسی لئے حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حضور اکرم ﷺ کے اعزاز واکرام کے لئے انبیاء کرام کو مع اجساد عنصریہ کے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں میں مدعو کیا گیا۔'' 'وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ''

(سیرت المصطفیٰ ﷺ باب پنجم فصل دوم صفحہ ۲۶۷)

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''إِنَّهُ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ وَرُوْحُهُ لَا تُفَارِقُهُ لِمَا صَحَّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ'' (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص ۲۸ تسکین ص ۲۲۱)

خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی روح آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيْثِ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ'' بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (رواہ المنذری وصححہ بیہقی، نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''إِنَّ حَيَاتَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَبْرِهِ لَا يَعْقُبُهَا مَوْتٌ بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيًّا وَالْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ'' (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (فتح الباری)

اسی عبارت میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضور خاتم النبیین ﷺ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں زندگی وحیات صریح اور کھلے الفاظ میں بیان کردی ہے اور یہ بھی کھول کر واضح کردیا کہ قبر میں انبیاء علیہم السلام کی زندگی دائمی اور ابدی ہے جس پر موت طاری اور وارد نہیں ہوتی اور یہ برزخی حیات دائمی اور ہمیشہ کے لئے ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فَمِنَ الْمُعْتَقَدِ الْمُعْتَمَدِ أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ كَسَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ فِي قُبُوْرِهِمْ وَهُمْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَأَنَّ لِأَرْوَاحِهِمْ تَعَلُّقًا بِالْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ وَالسُّفْلِيِّ كَمَا كَانُوْا فِي الْحَالِ الدُّنْيَوِيِّ فَهُمْ بِحَسَبِ الْقَلْبِ عَرْشِيُّوْنَ وَبِاعْتِبَارِ الْقَالَبِ فَرْشِيُّوْنَ'' (شرح الشفاء ج ۲ ص ۱۴۲)

(ترجمہ) قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت خاتم الانبیاء ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کی ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا۔ سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی ہیں اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔

علامہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا ہے اور یہ بھی تصریح و وضاحت کردی ہے کہ ان کے ارواح طیبہ کا تعلق جنت، اور ملأ اعلیٰ، رفیق اعلی اور علیین سے بھی قائم رہتا ہے اور عالم سفلی یعنی قبور میں ان کے اجسام مبارکہ سے بھی جس طرح کہ دنیا میں تھا۔ کہ وہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے لحاظ سے فرشی تھے۔

امام علی بن عبد الکافی السبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وإنما حياة الأنبياء أعلى و أكمل و أتم من الجميع لأنها للروح والجسد على الدوام على ما كان في الدنيا'' (شفاء السقام ص ۱۵۴)

حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ، اکمل اور اتم ہے، کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح دنیا میں تھی۔ (تسکین الصدور ۲۳۲)

اس سلسلے میں بہت ہی سیدھی اور صاف شفاف بات ہے کہ: ''المَيتُ لا يُصلي'' میت نماز نہیں پڑھتی۔

جب روایت خود ہی وضاحت کر رہی ہے کہ: ''الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون''

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں تو پھر شک اور تردد کی ضرورت ہی نہیں باقی رہ جاتی ہے۔

علامہ سبکی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''فإنَّ الصَّلاةَ تستدعي جسدًا حيًا و كذلك الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الإسراء كلها صفات الأجساد و لا يلزم من كونها حياة حقيقية أن يكون الأبدان معها كما كانت في الدنيا من الإحتياج إلى الطعام و الشراب و الإمتناع عن النفوذ في الحجاب الكثيف وغير ذلك من صفات الأجسام التي نشاهدها بل يكون لها حكم آخر، فليس في العقل ما يمنع من إثبات الحياة الحقيقية لهم، و أما الإدراكات كالعلم و السماع فلا شك أن ذلك ثابت و سنذكر ثبوته لسائر الموتى فكيف بالأنبياء عليهم السلام'' (شفاء السقام ۱۴۳)

(ترجمہ) نماز جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے۔ وہ تمام کی تمام اجسام کی صفات ہیں اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ایسی ہی ضرورت وحاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کرسکیں اور اسی طرح انسان کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو، عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لئے حقیقی حیات ثابت ہو، رہے ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ تو اس کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، یہ تو تمام مردوں کے لئے ثابت ہے۔ پھر بھلا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ثابت نہ ہوں گے۔ (تسکین الصدور ۲۳۳)

مذکورہ عبارت سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقی اور جسمانی حیات پر روز روشن کی طرح بات واضح اور صاف ہوکر سامنے آتی ہے اور یہ بھی وضاحت ہوجاتی ہے کہ جسمانی حیات کو جس طرح دنیا میں کھانے پینے کی حاجت ہوتی ہے اس طرح قبر میں نہیں ہوتی۔ مگر حیات اکمل حاصل ہونے کی وجہ سے دنیاوی حیات کے مقابلے میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو اعلیٰ ادراک اور علم وشعور حاصل ہے اور انہیں امور کی وجہ سے ان کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

علامہ سمہودی کے حوالے سے پہلے بھی نقل کیا گیا ہے فرماتے ہیں: ''و أما أدلة حياة الأنبياء فمقتضاها حياة الأبدان كحالة الدنيا مع الإستغناء عن الغذاء'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۷)

بہرکیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل کا مقتضی یہ ہے کہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی، مگر خوراک سے وہ مستغنی اور بے نیاز ہیں اس کی حاجت نہیں۔

امام علی بن عبدالکافی کے فرزندار جمند تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون، فإذا ثبت أن نبينا ﷺ حي، فالحي لا بد من أن يكون إما عالما أو جاهلا، ولا يجوز أن يكون النبي صلى الله عليه وسلم جاهلا'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت محمد ﷺ زندہ ہیں تو زندگی کے لئے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم و باخبر ہو یا بے علم و بے خبر ہو اور یہ بات کسی بھی اعتبار سے ہرگز جائز نہیں کہ ہمارے حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ (معاذ اللہ) بے علم و بے خبر ہوں۔ (معاذ اللہ) تو ضروری اور یقینی ہے کہ آپ ﷺ عالم اور باخبر ہوں۔ (طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۶ ص ۲۸۱، تسکین الصدور ۲۳۴)

حاصل یہ ہوا کہ ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ اور صفت علم و آگہی سے متصف ہیں اور اس کی شہادت تعداد و شمار سے زائد ہے اور آئندہ اوراق میں ان شاء اللہ آئے گی۔

ایک دوسرے مقام پر تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''لأن عندنا رسول الله ﷺ حي يحس ويعلم وتعرض عليه أعمال الأمة ويبلغ الصلاة والسلام على ما بينا'' (طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۶ ص ۲۸۲)

ہمارے نزدیک رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں، حس و علم سے موصوف ہیں اور آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں آپ ﷺ کو (دور سے پڑھنے والے کا) صلاۃ و سلام پہنچائے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں۔

امت کے اعمال حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حياتي خير لكم تحدثون ونحدث لكم، ووفاتي خير لكم، تعرض علي أعمالكم فما رأيت من خير حمدت الله عليه، وما رأيت من شر استغفرت الله لكم'' (رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶، السبکی فی شفاء السقام ۳۴، والعلامۃ داؤد بن سلیمان البغدادی فی المنحۃ الوہبیۃ ۱۵)

امت کے اعمال ہر روز حضور ﷺ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ ﷺ اعمال خیر کو دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور بد اعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ (علامہ عثمانی)

مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عقیدہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چاہے جس کسی کو چاہے آپ ﷺ پر منکشف کر دیوے اور ملائکہ درود و سلام پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کے بھی آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے۔ (البراہین القاطعہ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں، اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دنیا کے احوال کشف ہو جاتے ہیں، اس میں کوئی مخالف نہیں۔

مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود ہیں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صورت و نداء اور عرض وحالات دنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں، بدون اعلام حق کے اس کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق تعالیٰ نے ان کو دیا ہے اس کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ جس قدر دیا جاتا ہے، اس قدر جانتے ہیں اور بس۔ (البراہین القاطعہ ص ۱۹۹، ۲۰۰)

علامہ سید نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعی لکھتے ہیں: ''إنا لا نسلم أنه لا يستغفر بعد الموت لما سبق من حياته و من استغفار لأمته بعد الموت عند عرض أعمالهم عليه'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۱)

بے شک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور جب امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپ ﷺ ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اس عبارت میں حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کی جناب اقدس ﷺ میں امت کے اعمال پیش ہونے اور پھر رحمۃ للعالمین ﷺ کا امت کے لئے استغفار کرنے کی وضاحت ہے۔

علامہ قاضی شوکانی لکھتے ہیں: ''وَقد ذهب جماعة من المحققين إلى أن رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم حي بعد وفاته و أنه يسر بطاعات أمته'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴)

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ وفات کے بعد زندہ کئے گئے ہیں اور حضور اقدس ﷺ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی لکھتے ہیں: ''والحاصل أن حياة الأنبياء ثابتة بالإجماع'' (المنحۃ الوہبیۃ ۲)

حاصل یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔ (تسکین الصدور ۲۴۱)

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ''حياة النبي ﷺ في قبره هو و سائر الأنبياء معلومة عندنا علما قطعيا لما قام عندنا من الأدلة في ذلك، و تواترت به الأخبار الدالة على ذلك''

(انباہ الاذکیاء ص ۲، فتاوی سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷)

حضرت خاتم النبیین ﷺ کی حیات اپنی قبر شریف میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے، کیونکہ اس پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ (انباہ الاذکیاء)

کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں رہا اور اس پر حدیث سے بھی صحیح ثبوت موجود ہے اور امت کے تمام طبقات میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تواتر کا دعوی کیا ہے اور ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''إن من جملة ما تواتر عن النبي ﷺ حياة الأنبياء في قبورهم''

(النظم المتناثر من الحدیث المتواتر، کذا فی شرح البوسنوی ص ۴، تسکین الصدور ص ۲۴۳)

یعنی جو چیزیں حضرت خاتم النبیین ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

امت کے اعمال کی پیشی اجمالی ہوتی ہے نہ کہ تفصیلی

یہاں پر یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی جناب میں امت کے اعمال

اجمالی طور پر پیش ہوتے ہیں نہ کہ تفصیلی۔ تاکہ بخاری شریف کی صحیح اور صریح حدیث کی مخالفت نہ ہو جس میں ہے کہ قیامت کے روز حضور ﷺ سے فرمایا جائے گا: ''انک لا تدری ما احدثوا بعدک'' کہ آپ ﷺ کو نہیں معلوم کہ آپ ﷺ کے رفیق اعلیٰ میں آنے کے بعد ان بدعتیوں نے کیا کیا باتیں گھڑی ہیں۔ اس لئے امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور ضرور ہوتے ہیں جیسے درود شریف وغیرہ مگر اجمالی ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''إنه عرض كعرض الأسماء على الملائكة لا علم محيط الى أن قال فعليه إنك لا تدري ما احدثوا بعدك مع عرض الأعمال عليه ﷺ۔'' یہ عرض (صرف اجمالی ہے) جس طرح کہ چیزوں کے نام فرشتوں پر پیش کئے گئے تھے۔ اس سے علم محیط مراد نہیں۔ (پھر آگے لکھتے ہیں) سو اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن حضور خاتم النبیین ﷺ سے فرمایا جائے گا کہ آپ ﷺ کو نہیں معلوم کہ آپ ﷺ کے بعد ان بدعتیوں نے کیا کیا بدعات گھڑی ہیں، حالانکہ آپ ﷺ پر اعمال پیش ہوتے رہے۔

(فہرست عقیدۃ الاسلام ص ۱۱، تسکین الصدور ص ۲۳۶)

اس مذکورہ عبارت سے بخوبی یہ بات واضح ہوگئی کہ ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ پر امت کے اعمال اجمالی طور پر پیش ہوتے ہیں نہ کہ تفصیلی۔ تاکہ بخاری کی صحیح اور صریح روایت اور مذکورہ روایت کا مفہوم واضح ہو جائے اور دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے اور اسی بات کو دوسرے لوگوں نے بھی کہا ہے۔

امام تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۷۱ھ فرماتے ہیں: ''لأن عندنا رسول الله ﷺ حي يحس ويعلم وتعرض عليه أعمال الأمة ويبلغ الصلاة والسلام'' (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۲)

یقیناً ہمارے نزدیک حضور خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں، حس رکھتے ہیں اور جانتے ہیں اور خاتم النبیین ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور صلوۃ وسلام خاتم النبیین ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔ (تسکین الصدور ص ۲۳۷)

امت کے طاعات سے رحمت عالم ﷺ کو مسرت ہوتی ہے

اور یہ بات بھی علامہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے آگاہ رہنی چاہئے کہ حضور ﷺ امت کے اعمال صالحہ سے مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''وقد ذهب جماعة من المحققين إلى أن رسول الله ﷺ حي بعد وفاته وأنه يسر بطاعات أمته'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۶)

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد زندہ کئے گئے ہیں اور حضور خاتم النبیین ﷺ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔ (نیل الاوطار)

الغرض امت کے اعمال حضرت خاتم النبیین ﷺ کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور یہ ایک قابل تسلیم حقیقت ہے اہل سنت والجماعت کے یہاں جیسا کہ اوپر کے بیان سے واضح اور ثابت ہوگیا ہے۔

عام مُردوں پر بھی اعمال پیش ہوتے ہیں

یہ بھی اہل حق کے نزدیک تسلیم کیا گیا ہے کہ جملہ اموات پر بھی بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوں تو اس پر مردے خوش ہوتے ہیں، برے ہوں تو ان کو رنج ہوتا ہے اور برائی تو ہے ہی رنج کی چیز

اور پھر وہ شخص جو عالم آخرت کی پہلی منزل برزخ میں پہنچ چکا ہے اپنے اولاد کے برے اعمال سے اس کو رنجیدہ ہونا ہی چاہئے۔ اللہ ہماری اولاد کو زمرہ صلحاء میں داخل فرمائے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بدرالدین عینی کی بھی یہی رائے ہے۔

امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۰۵ھ نقل کرتے ہیں: ''وقال النعمان بن بشير رضي الله عنه سمعت رسول الله ﷺ على المنبر يقول: ألا فإنه لم يبق من الدنيا إلا مثل الذباب يمور في جوها، فالله الله في إخوانكم من أهل القبور فإن أعمالكم تعرض عليهم''

''وقال أبو هريرة رضي الله عنه قال النبي ﷺ: لا تفضحوا أمواتكم بسيئات أعمالكم فإنها تعرض على أوليائكم من أهل القبور'' حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے منبر پر رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خبردار دنیا اتنی ہی باقی ہے جتنی (تھوڑی دیر) تک فضا میں مکھی حرکت کرتی ہے سو تم قبر میں دفن ہونے والے اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تمہارے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے برے اعمال سے اپنے مردوں کو رسوا مت کرو، تمہارے اعمال تمہارے رشتے داروں پر قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں۔

(احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۱۲، تسکین الصدور ص ۲۳۹)

اس سے یہ بات بہت ہی صاف اور واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ زندوں کے برے اعمال سے ان کے اعزہ واقارب اور رشتہ دار مردوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

اب ذرا غور کریں کہ جب زندہ رشتے داروں کے برے اعمال سے مردوں کو تکلیف ہوتی ہے تو پھر ہمارے اور عالم کے ہادی رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی، جب کہ آپ شاہد ہیں نص قطعی سے اور فرشتے امت کے اجمالی اعمال پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رشد و ہدایت پر استقامت عطاء کرے۔ حضرت ﷺ کی مسرت وطمانیت اور ہر طرح کی آنکھ کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

سید الطائفہ شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد السہروردی المتوفی ۶۳۲ھ تحریر فرماتے ہیں: ''وقد ورد في الخبر عن النبي ﷺ تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله وتعرض على الأنبياء والآباء والأمهات يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بياضا وإشراقا فاتقوا الله ولا تؤذوا أمواتكم. وفي خبر آخر، إن أعمالكم تعرض على عشائركم وأقاربكم من الموتى فإن كان حسنا استبشروا، وإن كان غير ذلك قالوا اللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا'' (عوارف المعارف علی ہامش الاحیاء ج ۴ ص ۱۵۳)

حضور خاتم النبیین ﷺ سے حدیث وارد ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا پیر اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے روز حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور باپ داداؤں اور ماؤں پر پیش کئے جاتے ہیں، وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں، اور ان کے چہرے سفید اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اپنے مردوں کو اذیت مت دو۔

اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں اور اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں، اگر وہ عمل اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ اعمال برے ہوتے ہیں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے۔

(عوارف المعارف علی ہامش الاحیاء ج ۴ ص ۱۵۳)

یہ روایت قدرے اختلاف کے ساتھ فیض القدیر ج ۳ ص ۳۰ ۳ رقم ۳۳۱۶، السراج المنیر ج ۲ ص ۱۶۵، زرقانی شرح المواہب ج ۵ ص ۳۳۷، حکیم ترمذی کے حوالے سے شرح الصدور ص ۱۱۰، مائۃ مسائل ص ۳۸، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸، ابوداؤد طیالسی ص ۲۴۸، فیض القدیر رقم ۲۲۰۸، ۲۲۰۹ اور فتاویٰ محمودیہ جلد ۹ میں تفصیل کے ساتھ تمام شکوک وشبہات کا جواب دیا گیا ہے۔ اہل ذوق مراجعت کرلیں ورنہ بقدر ضرورت پر کفایت کرلیں۔ مزید علمی سیرابی کے لئے۔ شرح الصدور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اور کتاب الروح علامہ ابن قیم تلمیذ خاص امام ابن تیمیہ کی اور التذکرۃ امام قرطبی کی، بہت ہی اہم اور نادر معلومات کا مجموعہ ہے۔ واللہ اعلم!

تواتر کے اقسام

اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کے کئی اقسام ہیں۔ تواتر لفظی، تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر توارث وغیرہ۔

گو اس حدیث کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں، لیکن تواتر طبقہ اور تواتر توارث کا درجہ اس کو حاصل ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ تحریر فرماتے ہیں: ''قَدْ صَحَّتِ الْأَحَادِيثُ أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ يُصَلِّي بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ'' (منح المنۃ ۹۲)

محدث علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَعْمَالِ قَدْ ثَبَتَتْ فِي الْقُبُوْرِ كَالْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ عِنْدَ الدَّارِمِيِّ وَقِرَأَةِ الْقُرْآنِ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ'' (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں قرأت قرآن کا ترمذی کی روایت میں۔

علامہ عثمانی لکھتے ہیں: ''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَيٌّ كَمَا تَقَرَّرَ وَأَنَّهُ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ'' (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

پہلے صحیح روایت سے واضح کیا جا چکا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور منفرد کی کامل نماز تو وہی ہوتی ہے جو اذان واقامت سے ہو۔ لہٰذا اذان واقامت خود نماز میں شامل ہیں، کتب فقہ میں منفرد کے لئے بھی اذان واقامت کا ثبوت موجود ہے۔

علامہ ابوالوفاء علی بن محمد ابن عقیل الحنبلی المتوفی ۵۱۳ھ لکھتے ہیں: ''قَالَ ابْنُ عَقِيلٍ مِنَ الْحَنَابِلَةِ: وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ يُصَلِّي'' علامہ ابن عقیل حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (الروضۃ البہیۃ ص ۱۴)

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وَمِمَّا هُوَ مُقَرَّرٌ عِنْدَ الْمُحَقِّقِيْنَ أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ يُرْزَقُ مُمَتَّعٌ بِجَمِيعِ الْمَلَاذِّ وَالْعِبَادَاتِ غَيْرَ أَنَّهُ حُجِبَ عَنْ أَبْصَارِ الْقَاصِرِيْنَ عَنْ شَرِيْفِ الْمَقَامَاتِ'' محققین

کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں، آپ ﷺ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں، مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے اعلیٰ و بلند مقامات تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ (نورالایضاح ص ۱۷۷)

اس عبارت میں محققین کا مسلک بتلایا گیا ہے کہ حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ زندہ ہیں، رزق دیا جاتا ہے اور عبادات کے ذریعے لذت حاصل کرتے ہیں، مگر یہ رزق دنیوی نہیں بلکہ عالم غیب کا جیسا کہ اس عالم کے مناسب بھی ہے اور اس پر پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ہر عالم کا رزق الگ الگ ہے اور احوال بھی جدا جدا۔ ہر چیز کو دنیاوی چیزوں سے مقابلہ نہ کریں۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں: ”وَقَدْ ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ إِلَى أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَيٌّ بَعْدَ وَفَاتِهِ وَأَنَّهُ يُسَرُّ بِطَاعَاتِ أُمَّتِهِ“ محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ ﷺ امت کے طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۴۶، وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۰۲، اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاوی لکھتے ہیں: ”نَحْنُ نُؤْمِنُ وَنُصَدِّقُ بِأَنَّهُ ﷺ حَيٌّ يُرْزَقُ فِي قَبْرِهِ وَأَنَّ جَسَدَهُ الشَّرِيفَ لَا تَأْكُلُهُ الْأَرْضُ وَالْإِجْمَاعُ عَلَى هٰذَا“ ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی، اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔ (القول البدیع ص ۱۲۵)

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں: ”وَالْأَحْسَنُ أَنْ يُقَالَ: إِنَّ حَيَاتَهُ ﷺ لَا يَعْقُبُهَا مَوْتٌ بَلْ يَسْتَمِرُّ حَيًّا، وَالْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ“ بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے اور باقی انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (حواشی بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

حیات النبی پر چھٹی حدیث سے دلیل

(۶) ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَى رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسا نہیں کہ کوئی شخص جو مجھ کو سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب زیارۃ القبور ج ۱ ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

سعید ابن مسیب کا واقعہ

”رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْتُونَكَ أَيْ لِلزِّيَارَةِ فَيُسَلِّمُونَ عَلَيْكَ أَتَفْقَهُ سَلَامَهُمْ؟ أَيْ أَتَعْرِفُ كَلَامَهُمْ وَتَدْرِي مَرَامَهُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ وَأَرُدُّ عَلَيْهِمْ، أَيْ سَلَامَهُمْ وَأَقْضِي مَرَامَهُمْ“ میں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں کی ایک جماعت حضرت اقدس ﷺ کی جناب میں زیارت کی غرض سے آتی ہے اور وہ لوگ حضور اقدس ﷺ

کو سلام کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کے سلام کو سمجھتے ہیں اور سنتے ہیں؟ یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس نے سلام کیا ہے؟ اور سلام کرنے والے کی غرض آپ ﷺ کے جواب سے سلامتی لینا ہے؟ تو آقا خاتم النبیین ﷺ نے تشفی بخش جواب عنایت فرمایا۔ ہاں! ضرور میں سلام کا جواب ان کو دیتا ہوں۔

(شرح الشفاء ملا علی قاری ج ۲ ص ۱۴۵، ابن ابی الدنیا والبیہقی فی حیاۃ الانبیاء وفی شعب الایمان)

علامہ انور شاہ کشمیری کے نزدیک، اللہ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے، کا معنی کیا ہے؟

جب کوئی شخص حضور خاتم النبیین ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ کی روح پہلے سے حیات نہ تھی اور درود شریف پڑھنے پر قبر مبارک میں آپ کو زندگی دی گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلے آپ کی توجہ ملأ اعلیٰ اور حضرت ربوبیت کی طرف تھی، جب کسی نے درود شریف پڑھا ادھر سے توجہ مبارکہ ادھر ہوگئی۔ پس آپ ﷺ دونوں حالتوں میں حیات سے مشرف رہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لئے کسی وقت بھی تعطل نہیں ہے۔ پھر حیات کے مراتب لامحدود ہیں اور سب سے اعلیٰ واتم، واکمل حیات نبویہ ہے۔ عَلَى صَاحِبِهَا أَلْفَ أَلْفَ تَحِيَّاتٍ مبارَكَةٍ۔ ان سے کم درجہ کی حیات صحابہ کرام کی ہے اور ان سے کم حیات اولیاء وصالحین وعام مؤمنین کی ہے۔ (انوار الباری ج ۱۹ ص ۳۰۳)

ردّ روح کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حیات میں شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مستغرق تھی۔ جس طرح دنیا میں نزول وحی کے وقت کی کیفیت ہوتی تھی۔ اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اسی کو ردّ روح سے تعبیر فرمایا۔ (نشر الطیب ۲۱۱ و ۲۱۲)

شیخ الاسلام وقطب الارشاد حضرت سید حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں: ''حاضری روضۂ مبارک کے وقت میں آنحضرت ﷺ کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی جاننے والی غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جائے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۱۲)

اور نیز فرماتے ہیں کہ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین وشہداء کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ آپ ﷺ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانے میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہئے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ﷺ ہی کے ذریعے اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج کے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہئے اور آپ ﷺ کے توسل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۱۲۰)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''مامنْ أحدٍ يسلّم عليّ إلا ردّ الله عليّ روحي'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے۔ اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن اتنی صحیح بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے۔''

اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے روح ڈال دیتا ہے۔

اسی بناء پر اکثر شارحین نے ردّ روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ پھر جب کوئی امتی سلام پیش کرتا ہے اور وہ فرشتے کے ذریعے یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ کے اذن سے آپ ﷺ کی روح اس طرف متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ بس اسی روحانی توجہ والتفات کو ردّ روح سے تعبیر کیا گیا۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۸)

اشکالات کے جواب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ہر سلام کرنے والے کے سلام کے موقع پر ردّ روح اور عود روح یعنی روح کا لوٹانا علمی طور پر خاصا اشکال وارد ہوتا ہے کہ بار بار نزع روح اور عود روح تو اچھا، بھلا سوہان روح ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے۔''

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان تمام اشکال کا جواب لکھتے ہیں: ''اس میں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف عود اس کو چاہتا ہے کہ پہلے روح جسم سے الگ ہو اور یہی موت ہے۔ (حالانکہ آپ قبر مبارک میں مستمر طور پر زندہ ہیں) علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ آپ ﷺ کے دفن کے بعد ہی آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوٹا دی ہے، یہ نہیں کہ لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے پھر لوٹائی جاتی ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ایسا ہی ہے لیکن یہ نزع موت کا سا نہیں بلکہ اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد یہ (درود شریف پہنچانے کا) کام ہوتا ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد مجازی طور پر نطق ہے اس کو اس طریقہ پر اس لئے تعبیر کیا تاکہ ہم سمجھ سکیں۔

(۵) پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ ملأ اعلیٰ کے معاملات میں مستغرق رہتے ہیں، سو جب بھی کوئی شخص سلام کہتا ہے آپ کی توجہ اور فہم آپ کی طرف لوٹ آتا ہے، تاکہ آپ ﷺ کہنے والے کے سلام کا جواب دے سکیں اور اس حدیث میں ایک اور وجہ سے بھی اشکال وارد ہوا ہے وہ یہ کہ اس سے لازم آتا ہے آپ ﷺ کا سارا وقت سلام کا جواب لوٹانے میں ہی صرف ہوجائے گا، کیونکہ زمین کے بیشتر اطراف سے صلاۃ وسلام اس کثرت سے آپ ﷺ کو پہنچتا ہے جو احصاء وشمار سے باہر ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آخرت کے معاملات عقل سے نہیں پہچانے جاسکتے اور برزخ کے معاملات احوال آخرت سے مشابہ ہیں۔ واللہ اعلم!'' (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲، فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

(۱) ''وَأَجابَ البَيهقيُ بما حَاصِلُهُ أَنَّ المعنى إِلَّا وَقَدْ رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحي يَعْنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عقب مَا دُفِنَ رَدَّ اللهُ عَلَيهِ رُوحَهُ لأَجلِ سَلامِ مَنْ يُسلِّمُ عَلَيهِ، اسْتَمَرَّتْ فِي جَسَدِهِ ﷺ لا أَنَّهَا تُعَادُ ثُمَّ تُنزَعُ ثُمَّ تُعَادُ''

امام بیہقی نے جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ پر دفن کے بعد آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ کی طرف لوٹادی ہے۔ تاکہ آپ ﷺ سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیں اور پھر وہ روح آپ ﷺ کے جسد اطہر میں مستمر ہے نہ یہ کہ لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور پھر لوٹائی جاتی ہے۔

دوسرا جواب امام فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا: ''قَالَ الْفَاكِهَانِيُّ وَغَيْرُهُ أَنْ نَقُولَ الْمُرَادُ بِالرُّوحِ النُّطْقُ مَجَازًا فَكَأَنَّهُ ﷺ قَالَ إِلَّا رَدَّ اللهُ إِلَيَّ نُطْقِي وَهُوَ ﷺ حَيٌّ عَلَى الدَّوَامِ، لٰكِنْ لَا يَلْزَمُ مِنْ حَيَاتِهِ النُّطْقُ فَاللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يَرُدُّ عَلَيْهِ النُّطْقَ عِنْدَ سَلَامِ كُلِّ مُسْلِمٍ عَلَيْهِ''

امام فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ روح سے مجازاً نطق مراد ہے۔ پس گویا کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری طرف میرا نطق لوٹا دیتا ہے اور حضور خاتم النبیین ﷺ اگرچہ دوامی طور پر زندہ ہیں لیکن حیات سے نطق لازم نہیں آتا۔ سو اللہ تعالیٰ ہر سلام کہنے والے کے سلام کے وقت نطق کی طاقت آپ ﷺ کو عطاء کردیتا ہے۔

یعنی روح کے ردّ سے ردّ معنوی مراد ہے بایں طور کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک اِس جہان سے بے نیاز ہوکر درگاہِ الٰہی اور ملاء اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے سو جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ پر سلام کہتا ہے تو آپ ﷺ کی روح مبارک اِس جہان کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے تاکہ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک کرکے اس کا جواب دے سکیں۔

تیسرا جواب امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا: ''وَأَجَابَ السُّبْكِيُّ الْكَبِيرُ بِجَوَابٍ آخَرَ حَسَنٍ جِدًّا، فَقَالَ: يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ رَدًّا مَعْنَوِيًّا وَأَنْ تَكُونَ رُوحُهُ الشَّرِيفَةُ مُشْتَغِلَةً بِشُهُودِ الْحَضْرَةِ الْإِلٰهِيَّةِ وَالْمَلَإِ الْأَعْلَى عَنْ هٰذَا الْعَالَمِ، فَإِذَا سُلِّمَ عَلَيْهِ أَقْبَلَتْ رُوحُهُ الشَّرِيفَةُ عَلَى هٰذَا الْعَالَمِ لِيُدْرِكَ سَلَامَ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَيَرُدَّ عَلَيْهِ''

(القول البدیع ص ۱۲۷)

علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جواب دیا ہے جو بہت عمدہ ہے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ روح کے رد سے رد معنوی مراد ہے۔ بایں طور کے حضرت ﷺ کی روح مبارک اس جہاں سے بے نیاز ہوکر درگاہ الٰہی اور ملاعلی میں مشغول ہوتی ہے، سو جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ پر سلام کہتا ہے آپ کی روح مبارک اس جہاں کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے تاکہ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک کرکے اس کا جواب دے سکے۔

حافظ ابن الملقن تحریر فرماتے ہیں: ''اَلْمُرَادُ بِرَدِّ الرُّوحِ النُّطْقُ: لِأَنَّهُ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ وَرُوحُهُ لَا تُفَارِقُهُ لِمَا صَحَّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ'' (تحفۃ الذاکرین ص ۸۲ للشوکانی ودلیل الطالب ص ۸۴۳ لنواب صدیق حسن خان)

ردروح سے مراد نطق ہے کیونکہ حضرت خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

علامہ عزیزی لکھتے ہیں: ''إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي أَيْ رَدَّ عَلَيَّ نُطْقِي لِأَنَّهُ حَيٌّ دَائِمًا وَرُوحُهُ لَا تُفَارِقُهُ، لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ'' (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۸)

ردروح یعنی روح کے لوٹانے سے مراد نطق ہے، کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں، آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ سے الگ نہیں ہوتی، کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (السراج المنیر)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پندرہ جوابات دیئے ہیں:

ایک جواب یہ ہے: ''مَامِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ قَبْلَ ذٰلِكَ وَأَرُدُّ عَلَيْهِ''

(انباہ الاذکیاء ص ۱۰)

معنی حدیث یوں ہے کہ کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح اس سے پہلے ہی لوٹادی ہوتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہوں۔

علامہ احمد بن محمد الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ ﷺ حَيٌّ حَيَاةً مُسْتَمِرَّةً، لِأَنَّ الْكَوْنَ لَا يَخْلُوْ مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ فِيْ كُلِّ لَحْظَةٍ، وَقَدْ ثَبَتَ بِالْأَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ أَنَّهُ ﷺ وَسَائِرَ الْأَنْبِيَاءِ أَحْيَاءٌ حَيَاةً حَقِيْقِيَّةً كَالشُّهَدَاءِ وَأَنْ كَانَ حَالُ الْبَرْزَخِ لَا يُقَاسُ عَلٰى حَالِ الدُّنْيَا'' (نسیم الریاض ۴۹۹)

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ دوامی طور پر زندہ ہیں۔ کیونکہ کوئی علاقہ آنحضرت ﷺ پر ہر لحظہ سلام کہنے والوں سے خالی نہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ اور اسی طرح باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام شہداء کی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں۔ اگرچہ برزخ کی حالت کو دنیا کی حالت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی اگر کسی شخص کو برزخ کی زندگی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ اس کو محسوس نہیں کرسکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی ہی ثابت نہیں ہے، کیونکہ برزخ کا معاملہ دنیا کے معاملہ سے الگ ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۰۵)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں: ''اَلْمُرَادُ بِالسَّلَامِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْقَبْرِ وَقْتَ حُضُوْرِهٖ لِلزِّيَارَةِ، إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ، قَالَ ابْنُ حَجَرٍ: نُطْقِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ أَيْ أَقُوْلُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، قَالَ الْقَاضِيْ لَعَلَّ مَعْنَاهُ أَنَّ رُوْحَهُ الْمُقَدَّسَةَ فِيْ شَانٍ مَا فِي الْحَضْرَةِ الْإِلٰهِيَّةِ، فَإِذَا بَلَغَهٗ سَلَامُ أَحَدٍ مِنَ الْأُمَّةِ رَدَّ اللّٰهُ تَعَالٰى رُوْحَهُ الْمُطَهَّرَةَ مِنْ تِلْكَ الْحَالَةِ إِلٰى رَدِّ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ'' (بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۷، تسکین الصدور ص ۳۰۵)

اس سے مراد زیارت کے وقت قبر مبارک کے پاس سلام کہنا ہے۔ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ کا معنی حافظ ابن حجر یہ لکھتے ہیں کہ مجھے قوت گویائی دی جاتی ہے اور حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ کا معنی یہ ہے کہ میں کہوں گا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید اس کا معنی یہ ہو کہ آپ ﷺ کی روح مقدس اللہ تعالیٰ کے جلال اور مشاہدہ کے نظارہ میں مشغول ہوتی ہے۔ پس جب آپ ﷺ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح مبارک کو اس طرف سے سلام کہنے والے کے سلام کے جواب دینے کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ (بذل المجہود)

ایک شبہ اور اس کا جواب

ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ ہوسکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر میں حیات سے مراد روحانی حیات ہو۔ یعنی روح کی حیات اور اسی طرح ردّ سلام بھی صرف روح کی وساطت سے ہو۔ اس لئے اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ اور مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ والی حدیثیں جسمانی حیات پر دلیل نہیں بن سکتی اور محل نزاع تو یہ حیات ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۰۵)

جواب میں علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں: ''وَلَعَلَّ الْمُرَادُ بِحَدِيْثِ: اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ أَنَّهُمْ ابْقَوْا عَلٰى هٰذِهِ الْحَالَةِ وَلَمْ تُسْلَبْ عَنْهُمْ فَلَا يَرِدُ أَنَّ الرُّوْحَ بِنَفْسِهٖ يَسْتَطِيْعُ الصَّلَاةَ وَرَدَّ السَّلَامِ،

فَكَيفَ وَجهَ فِي الحَدِيثِ بَقَاءُ الحَيَاةِ بِفِعلِ الصَّلَاةِ وَكَذَا رَدُّ السَّلَامِ بِرَدِّ الرُّوحِ وَاللهُ أَعلَمُ بِهٰذِهِ الحقائقِ ''

(تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

اور شاید یہ کہ: ''الأَنبِيَاءُ أَحيَاءٌ فِي قُبُورِهِم يُصَلُّونَ '' کی حدیث سے مراد یہ ہو کہ وہ اسی دنیوی حالت پر باقی رکھے گئے ہیں اور یہ حالت ان سے سلب نہیں کی گئی۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ روح خود بھی تو نماز پڑھنے اور سلام کا جواب دینے پر قادر ہے، سو حدیث میں نماز کی ادائیگی اور اسی طرح رد سلام کے لئے زندگی کو رد روح کے ساتھ کیوں وابستہ کیا گیا ہے؟ اور ان حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز کا پڑھنا اور سلام کا سننا اور جواب دینا عقلی طور پر روح سے بھی متحقق ہو سکتا ہے۔ مگر ''الأَنبِيَاءُ أَحيَاءٌ فِي قُبُورِهِم يُصَلُّونَ '' اور ردّ سلام کی حدیثوں سے روح کی نماز اور روح کا ردّ سلام نہیں، بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دنیا میں تھی، جس میں جسم و روح دونوں کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے اور پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

حیات سے مراد افعال و اعمال کا صادر ہونا ہے نہ کہ صرف بقاء روح

''وَالأَحَادِيثُ أَرَادَتْ أَفعَالَ الحَيَاةِ وَأَعمَالَهَا لِإِبقَاءِ الرُّوحِ وَهُوَ قَولُهُ فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرزَقُ، وَأَحيَاءٌ فِي قُبُورِهِم يُصَلُّونَ، تَرِدُ فِي ذِكرِ الحَيَاةِ أَفعَالِهَا لا أَصلِهَا أَو أَرَادَ مَعَ الأَجسَادِ فَإِنَّ أَجسَادَهُم حَرُمَت عَلَى الأَرضِ '' (تحیۃ الاسلام ۳۶)

اور یہ احادیث بتلاتی ہیں کہ حیات سے ایسی حیات مراد ہے جس سے زندگی کے افعال و اعمال صادر ہوں صرف بقاء روح ہی مراد نہیں ہے۔

اور اسی سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ''فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرزَق '' اور یہ ارشاد بھی کہ: ''الأَنبِيَاءُ أَحيَاءٌ فِي قُبُورِهِم يُصَلُّونَ ''

یہ حدیثیں حیات کے افعال کے ذکر میں بیان کی گئی ہیں، نفس حیات کے بیان کے لئے نہیں ذکر کی گئیں یا یہ مراد ہو کہ حیات اجسام کے ساتھ ہے، کیونکہ ان کے اجسام زمین پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی حیات سے مراد بقاء روح کی حیات نہیں بلکہ اعمال و افعال والی اور اجسام والی حیات مراد ہے۔

حیات النبی پر حدیث سے ساتویں دلیل

(۷) ''عَن أَوسِ بنِ أَوسٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ مِن أَفضَلِ أَيَّامِكُم يَومَ الجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفخَةُ وَفِيهِ الصَّعقَةُ، فَأَكثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلوٰةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلوٰتَكُم مَعرُوضَةٌ عَلَيَّ، قَالَ: قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ وَكَيفَ تُعرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيكَ وَقَد أَرِمتَ؟ قَالَ: يَقُولُونَ بَلِيتَ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الأَرضِ أَجسَادَ الأَنبِيَاءِ '' حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا جمعہ کا دن تمام دنوں سے افضل ترین ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن ان کی وفات ہوئی۔ اسی دن قیامت کا پہلا صور اور اسی دن آخری صور پھونکا جائے گا تو تم جمعہ کے دن میرے اوپر زیادہ درود

شریف پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے فوت ہو جانے کے بعد ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا، جب کہ آپ ﷺ ریزہ ریزہ، مٹی مٹی ہو چکے ہوں گے؟ تو حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کو حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کو کھا سکے۔ یعنی زمین پر پابندی ہے اور زمین کو انبیاء علیہم السلام کے اس اجساد مبارکہ کھانے کی قدرت ہی نہیں۔ (ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب تفریع ابواب الجمعۃ ج ۱ ص ۱۵۰، ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۳، ۱۰۶۶)

یہ حدیث صحیح سے چند امور بلا کسی تردد کے ایمان ویقین کا فائدہ دیتے ہیں:

(۱) حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر جس طرح زندگی میں درود شریف پیش ہوتا رہا خود ہمارے حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ بروز جمعہ مجھ پر درود شریف پیش کر کے ربط وتعلق زندگی والا اتم بحال کرو اور درود شریف سے حیات والی برکت حاصل کرلو۔

(۲) اور جس طرح زندگی والا درود تمہارا پیش کیا جاتا تھا، اسی طرح جمعہ کے دن کا درود شریف مجھ پر پیش ہوتا رہے گا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ: "اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّوْنَ"

(۳) نبی یا رسول کا لفظ جب بھی بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نہ صرف روح ہوتی ہے بلکہ روح اور جسم مبارک واطہر بھی مراد ہوتا ہے یعنی دونوں ہی ساتھ ساتھ درود وسلام میں یا تلاوت حدیث میں روایت میں یا جو بھی شریعت کا قانون حضور خاتم النبیین ﷺ کی جانب سے یا ان کی نسبت سے نقل کیا جائے اس سے ذات اقدس ابھی بھی مراد لی جاتی ہے۔ اس لئے حدیث میں صراحت کے ساتھ اور کھول کر امت کو حضور ﷺ نے ہدایت دی کہ: "فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ" کہ تم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہاں مجھ پر سے مراد ذات اقدس ﷺ کی مکمل ہے نہ یہ کہ روح فقط، یا جسم فقط۔ جب بھی صلاۃ وسلام کہنے والا: "اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ ﷺ" کہتا ہے یا پڑھتا ہے تو حضور ﷺ کی مکمل ذات روح مع الجسد مراد ہوتی ہے۔ کہیں کسی روایت میں نہیں ہے کہ صرف روح پر درود پیش کیا جاتا ہے بغیر جسم کے۔

حاصل یہ کہ درود شریف کا آغاز یعنی پیش ہونا جسم اطہر اور روح مبارک دونوں سے وابستہ اور مربوط ہے۔ نہ تنہا روح، لفظ نبی سے اور نہ ہی فقط جسم بغیر روح کے لفظ نبی سے امت میں بولا جاتا ہے نہ ہی پہچانا جاتا ہے۔ اس کو خوب یاد رکھیں۔

شب معراج اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" یا قرآن میں ہے: "إِنَّ اللهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" کیا کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ کہے کہ یہاں فقط روح نبی مراد ہے نہ کہ جسم نبی۔ سبھی جانتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے کلام میں ذات اقدس خاتم النبیین ﷺ کی روح مع الجسم مراد ہے اور رہے گی اور یہی تو ہماری دلیل ہے کہ ہمارے حضور ﷺ کو حیات مع الجسد حاصل ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔

اور اس عرض اور درود پیش کئے جانے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی تردد یا شک نہیں آیا، رہی کیفیت تو اس کو جناب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں اور ہم اس کے مکلف بھی نہیں اور ہماری ناقص سمجھ میں

آجائے یہ بھی ضروری نہیں۔ بس اتنا ضروری ہے کہ اپنے رسول و نبی خاتم النبیین ﷺ پر یقین کر کے درود پیش کرتے رہیں اور قوت ایمانی کو عرض درود سے یعنی درود پیش کر کے شرح صدر کی نعمت تک لے جائیں۔ یہاں تک کہ مشاہدہ اور فیض صلاۃ وسلام سے حجابات اٹھ جائیں۔ پھر کوئی سوال ہی باقی نہ رہے گا۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(ترجمہ) آپ ﷺ کی زیارت ہی ہر سوال کا جواب ہے، آپ ﷺ سے بلا شک وشبہ مشکل حل ہوتی ہے۔ ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا الْمُشَاھَدَۃَ فَیْضَ الصَّلَاۃِ وَالسَّلَامِ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ ﷺ''

(۴) اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی حیات وزندگی میں تو درود شریف کا تعلق روح اور جسد اطہر دونوں سے تھا جس میں کسی شک وتردد کو قطعاً دخل نہیں ہے مگر صحابہ نے سوال کیا کہ حضرت ﷺ وفات کے بعد ہمارا درود شریف کیا صرف روح پر پیش ہوگا؟ کیونکہ آپ ﷺ: ''قَدْ اَرِمْتَ'' ؟ تو مٹی ہو چکے ہوں گے؟

قربان جائے صحابہ کے سوال پر اور، فِدَاہُ أَبِي وَأُمِّي رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین کے جواب پر کے بات صاف کردی کہ نہیں تمہارا درود جس طرح دنیا میں روح اور جسد اطہر دونوں پر پیش ہوتا تھا، جب میں تم سے اوجھل ہو کر رفیق اعلی میں آجاؤں گا تو بھی تمہارا صلاۃ وسلام روح اور جسد دونوں پر پیش ہوگا اور غور سے سنوں گا: ''إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَی الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ''

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد حرام کردیئے ہیں۔ لہٰذا تمہارا درود میں بذات خود سنوں گا، جواب دوں گا اور اسی جسدِ اطہر سے تمہارا درود وابستہ رہے گا کہ جسدِ اطہر محفوظ اور حیات سے متصف ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت خاتم النبیین ﷺ کے جسد اطہر کو بھی صلاۃ وسلام کا مرکزی اولین درجہ حاصل تھا۔ جبھی تو سوال کیا کہ ہمارا صلاۃ وسلام کیسے پیش ہوگا؟ جب کہ آپ تو مٹی مٹی ہو چکے ہوں گے؟

گویا کہ صحابہ بھی جانتے تھے کہ صلاۃ وسلام کا پیش ہونا تو جسد اطہر پر ہوگا نہ کہ تنہا روح پر، اور جسد اطہر پر کیسے ہوگا؟ تو حضور خاتم النبیین ﷺ نے بھی صحابہ کی تائید فرمادی کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ درود جسم پر پیش ہوگا نہ کہ تنہا روح پر صحیح اور درست ہے۔ مگر سن لو انبیاء علیہم السلام کا جسد اطہر بوسیدہ یا کسی بھی طرح کی تخریب سے پاک ہوتا ہے اور روح کے ساتھ جسد انبیاء علیہم السلام کو بھی بقا وحیات حاصل ہے۔ لہٰذا تم جس طرح دنیاوی زندگی میں درود پیش کرتے تھے اور وہ مجھ پر روح مع الجسد پیش ہوتا تھا اسی طرح پیش ہوتا رہے گا اور تمہارا ربط وتعلق ہم سے درود کے ذریعہ رہے گا۔

بہرحال حضور خاتم النبیین ﷺ کی روح مبارک کا جسد اطہر کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور اسی نسبت وتعلق کی وجہ سے حضور خاتم النبیین ﷺ پر درود شریف پیش کیا جاتا ہے اور اسی گہرے تعلق کی وجہ سے حضرت ﷺ بھی جواب دیتے ہیں اور ضرور دیتے ہیں۔ جواب کا دینا حیات النبی ﷺ کی واضح دلیل ہے۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: ''وَمَعْلُوم بِالضَّرُورَةِ أَن جسده (ﷺ) فِي الأَرْض طرِيٌ مَطرا وَقد سَأَلَه الصَّحابة كَيف تعرض صَلَاتنا عَلَيك وَقد أرمت فَقَالَ إِن الله حرم على الأَرْض أَن تَأْكُل أجساد الأَنْبِيَاء وَلَو لم

يَكُنْ جَسَدُهٗ فِيْ ضَرِيْحِهٖ لَمَا أَجَابَ بِهٰذَا الْجَوَابِ'' اور بداہۃً معلوم ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کا جسم مبارک بالکل تر و تازہ زمین میں موجود ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے (معاذ اللہ) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام کو کھائے۔ اگر آپ ﷺ کا جسم مبارک قبر میں نہ ہوتا تو آپ ﷺ یہ جواب ہرگز نہ دیتے۔ (کتاب الروح ۵۴)

یعنی صلاۃ و سلام پیش کرنے والے حضور اقدس ﷺ کے جسد اطہر کو سامنے رکھ کر ہی سلام پیش کرتے ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے بھی جواب میں فرمایا کہ اجساد انبیاء روح کے ساتھ موجود ہیں اور جسم مبارک بالکل اسی طرح موجود ہے۔

شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''إِنَّ الصَّحَابَةَ سَأَلُوْا بَيَانَ كَيْفِيَةِ الْعَرْضِ بَعْدَ اِعْتِقَادِهِمْ بِأَنَّهٗ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ، يَقُوْلُ الصَّادِقِ رَفْعًا لِلْإِشْتِبَاهِ أَنَّ الْعَرْضَ هَلْ هُوَ عَلَى الرُّوْحِ الْمُجَرَّدِ أَوْ عَلَى الْمُتَصِلِ بِالْجَسَدِ؟ حَسِبُوْا أَنَّ جَسَدَ النَّبِيِّ ﷺ كَجَسَدِ كُلِّ أَحَدٍ فَكَفَى بِالْجَوَابِ مَا قَالَهٗ عَلَى وَجْهِ الصَّوَابِ''

(ابوداؤد حاشیہ ج ۱ ص ۱۵۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس یقین کے بعد کہ لامحالہ آپ ﷺ پر درود پیش کیا جاتا ہے، کیونکہ صادق ﷺ کا فرمان ہے۔ محض اپنے شک کو دور کرنے کے لئے اس عرض صلوۃ کی کیفیت دریافت کی کہ آیا وہ صرف روح مبارک پر پیش کیا جاتا ہے یا اس روح پر جو جسم سے متصل ہے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ہم لوگوں کی طرح آپ ﷺ کے جسد اطہر کو بھی مٹی کھا جائے گی۔ اس سوال کا جواب آپ ﷺ نے زیادہ معقول اور درست طریقہ سے ان کے شبہ کے ازالے کے لئے کافی تھا۔

اس عبارت کا مطلب بھی واضح ہے کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اور صلاۃ و سلام پیش کیا جاتا ہے وہ جسم مبارک اور جسد اطہر دونوں پر پیش ہوتا ہے۔ اسی لئے وضاحت کر دی حضور خاتم النبیین ﷺ نے کہ جسد اطہر محفوظ ہے۔

حضور ﷺ پر موت کا ورود آنی تھا زمانی نہیں

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ پر موت کا ورود آنی تھا زمانی نہیں۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ کی وفات عام لوگوں کی طرح تھی۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب ہی عالم برزخ میں دنیاوی حیات سے مشرف ہوتے ہیں اور ان کی حیات شہداء کی حیات سے بھی زیادہ اقوی و اکمل ہے۔ ان دونوں کے بعد درجہ اولیائے امت اور صالحین کا ہے اور یوں ارواح تو نہ صرف مومنین بلکہ کفار و مشرکین کی بھی زندہ رہتی ہیں ان کے لئے موت نہیں ہے۔

البتہ عام انسانوں کے اجسام محفوظ نہیں رہتے جب کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام محفوظ بھی رہتے ہیں، زمین ان میں کوئی تغیر نہیں کر سکتی: ''إِنَّ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ''

علمائے امت نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر موت کا ورود آنی تھا زمانی نہیں۔ یعنی آن واحد کا وقفہ ہوا جو زمانے کا کم سے کم درجہ ہے اس کے بعد پھر حیات مستمرہ حاصل ہے۔ جو دنیا کی حیات سے بھی کہیں زیادہ اقوی، اعلیٰ اور اکمل ہے۔ (انوار الباری ج۱۹ ص ۳۰۲)

مولانا ابو عتیق عبد الہادی تحریر فرماتے ہیں: ”ظَاهِرُهُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ رُوحَهُ ﷺ لَيْسَ فِي الْجَسَدِ الْأَطْهَرِ بَلْ إِذَا سَلَّمَ عَلَيْهِ أَحَدٌ عِنْدَ الْقَبْرِ وَقْتَ حُضُورِهِ لِلزِّيَارَةِ رَدَّ اللهُ رُوحَهُ فِيهِ وَهُوَ يُنَافِي حَيَاتَهُ ﷺ مَعَ أَنَّهُمُ اتَّفَقُوا عَلَى حَيَاتِهِ ﷺ۔ بَلْ حَيَاةُ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهَا لَا خِلَافَ لِأَحَدٍ فِيهِ۔ فَقَالَ الْحَافِظُ: مَعْنَاهُ: رَدَّ اللهُ عَلَيَّ نُطْقِي“ (انوار المحمود ج۱ ص ۶۱۰)

یہ حدیث بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی روح مبارک جسد اطہر میں نہیں ہوتی۔ بلکہ جب بھی کوئی شخص آپ ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہو کر قبر مبارک کے پاس سلام کہتا ہے تو اس وقت آپ ﷺ کی روح مبارک حضور ﷺ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ مطلب تو حضور ﷺ کی حیات کے منافی ہے۔ حالانکہ سب کا اتفاق ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں۔ بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ایک اتفاقی امر ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس اشکال کے جواب میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ رد روح سے مراد رد نطق ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قَالَ أَيْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَيْ مَنَعَهَا، فِيهِ مُبَالَغَةٌ لَطِيفَةٌ أَجْسَامَ الْأَنْبِيَاءِ، أَيْ أَنْ تَأْكُلَهَا، فَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ فَيُمْكِنُ لَهُمْ سَمَاعٌ مَنْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ“

حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے یعنی اس کو روک دیا ہے اور اس میں لطیف مبالغہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو وہ کھائے، کیونکہ وہ زندہ ہیں۔ پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو ان کے لئے ممکن ہے کہ جو شخص بھی سلام عرض کرے وہ اس کو سنیں۔ (مرقات ج۲ ص ۲۰۹)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”حضور خاتم النبیین ﷺ نے صحابہ کے جواب میں ارشاد فرمایا: ”إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ لُحُومَ الْأَنْبِيَاءِ فَأَخْبَرَ أَنَّهُ يَسْمَعُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ مِنَ الْقَرِيبِ وَأَنَّهُ يَبْلُغُ ذٰلِكَ مِنَ الْبَعِيدِ“ (مناسک الحج ص ۸۴، تسکین الصدور ص ۳۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا گوشت کھائے۔ پس حضور ﷺ نے خبر دی ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ قریب سے صلاۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے حضور خاتم النبیین ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔

ان تمام محدثین کبار کے اقتباسات سے بخوبی واضح ہو گیا اور صراحت سامنے آ گئی کہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اپنے جسد مبارک کے ساتھ قبر شریف میں زندہ ہیں اور ان پر جو صلاۃ وسلام قریب سے پیش کیا جاتا ہے بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور آپ ﷺ نطق مبارک سے جواب عنایت فرماتے ہیں۔ محدثین میں سے ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق خوب سے خوب تر جواب دیا ہے۔

حاصل سب کا یہ ہے کہ ہمارے خاتم النبیین ﷺ حیات مستمرہ کے ساتھ اپنے روضہ میں تشریف فرما ہیں، زندہ ہیں، سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جو دور سے سلام عرض کرتا ہے وہ خاتم النبیین ﷺ کی جناب میں پہنچا دیا جاتا ہے۔

حیات النبی ﷺ پر حدیث سے آٹھویں دلیل

"عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ، قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ"

(سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب الذکر وفاتہ ودفنہ ص ۱۱۸)

(ترجمہ) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میرے اوپر خوب درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ وہ حاضری کا دن ہے، یہ فرشتوں کی حاضری کا دن ہے۔ تم میں سے جو آدمی بھی درود شریف پڑھے گا جیسے ہی پڑھنے سے فارغ ہوگا اس کا درود مجھ تک پہنچا دیا جائے گا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا کیا وفات کے بعد بھی درود پہنچے گا؟ اور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا جی ہاں وفات کے بعد بھی ضرور پہنچے گا؟ کیونکہ اللہ پاک نے زمین پر حرام کر دیا کہ نبی کے جسم مبارک کو کھائے۔ اس لئے وفات کے بعد بھی نبی کو زندگی حاصل ہوتی ہے اور رزق ملتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۱۱۹ ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۱۰، حدیث نمبر ۱۰۷۲)

اس حدیث سے اور دوسری احادیث سے انبیاء علیہم السلام کو اہل جنت کی حیات حاصل ہے اور اس کا ثبوت ملتا ہے۔

دوسرے انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی دائمی عبادات اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے۔

تیسرے امت کے درود و سلام ان کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور وہ بنفس نفیس قریب سے پیش کرنے والوں کا سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ یہ سننا بھی گوش مبارک سے ہوتا ہے اور جواب بھی لسان مبارک سے دیتے ہیں۔ جس میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں ہے۔ یہ سننا اور جواب دینا کیا حیات کی دلیل نہیں ہے۔

چوتھے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد واجسام مبارک بھی محفوظ ہی نہیں تر و تازہ ہیں اور ان مقدس حضرات کے اجسام مبارک کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی۔ یہی تو حیات کی دلیل ہے۔

پانچویں حضرات انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے رزق بھی ملتا ہے۔

چھٹے ان کی موت بھی عام انسانوں جیسی نہیں، آنی ہے زمانی نہیں۔ ان کو حیات مستمرہ حاصل ہے، اسی لئے ان کے غسل، ان کے دفن، بعد از وفات ان پر درود وسلام کی صورت میں نماز، ان کے ترکہ کا صدقہ ہونا، ان کی بیویوں سے حرمت نکاح کا ہونا، ان تمام حیات کی خصوصیات کی وجہ سے امت کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ زندہ ہیں اور ہمارے حضور کو جملہ صفات حیات حاصل ہیں، اور حضرت ﷺ زندگی سے جو مقصود اعمال قرب الٰہی ہیں اس میں ہمہ تن مشغول ہیں۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں: وَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ" (ہدایۃ الشیعہ ۳۶)

حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں: ''آپ ﷺ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے، مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقوی ہے۔'' (نشر الطیب ص ۲۲۰)

ان تمام وضاحتوں سے بخوبی معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں، اور یہی ہمارا اور جملہ اکابر علمائے دیوبند کا مسلک اور عقیدۂ راسخ ہے۔

حیات النبی ﷺ پر حدیث سے نویں دلیل

''عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ أُمَّتِيَ السَّلَامَ'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی فرشتے مقرر کئے ہیں۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے متعین اور مقرر کئے گئے ہیں) جو زمین پر گھومتے ہیں (یعنی جن کی ذمہ داری ہے کہ) میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

(نسائی باب التسلیم علی النبی ﷺ ج ۱ ص ۱۸۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱، ترجمان السنہ رقم ۱۰۷۴ ج ۳ ص ۳۰۲)

حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ ترجمان السنہ میں لکھتے ہیں: ''جو لوگ خود حاضر ہو کر آپ ﷺ پر درود وسلام پیش کرتے ہیں وہ تو آپ بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود وسلام پڑھتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے متعین فرمادیئے ہیں، وہ اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیتے ہیں۔

یہی طریقہ دنیا میں ہے اپنی موجودگی میں سلام کی سنت آپ خود ادا کرتے ہیں اور غائب ہو کر کسی دوسرے شخص کی معرفت اپنا سلام بھیجتے ہیں۔ کیونکہ وفات کے بعد یہ طریقہ قائم نہیں رہ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس خدمت کے لئے یہاں ملائکۃ اللہ مقرر فرمادیئے ہیں جو اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں آثار حیات نہیں، تو پھر یہ کس لئے ہوتا ہے؟ اور اگر حضور وغیبت کا کچھ فرق نہیں تو پھر فرشتوں کا یہ تقرر کس لئے ہے؟ اس لئے نہ یہ صحیح ہے کہ ان کی حیات کو عام لوگوں کی حیات کے برابر سمجھا جائے اور نہ اس کو بڑھاتے بڑھاتے اتنے مبالغہ کی ضرورت ہے کہ العیاذ باللہ حاضر وناظر کی صفت ان کے لئے ثابت کردی جائے، دین میں افراط وتفریط کی گنجائش کہیں نہیں۔ اعتدال کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ! (ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۰۳)

(۱) ''عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچادیتے ہیں۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، ترجمان السنہ ج ۲ ص ۴۳۶ رقم ۸۰۷)

یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی، وہ جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں، اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہوتا ہے۔ البتہ قریب وبعید کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی حیات میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود

سنا کرتے تھے اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفس نفیس خود سنتے ہیں، اور جس طرح دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بھی وہی نظم ونسق قائم رہتا ہے۔

(ترجمان السنہ ج ۲ ص ۴۳۶)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''امام احمد اور نسائی کی روایت میں ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون متواتر طور پر ثابت ہے۔'' (فتاوی عزیزی ج ۲ ص ۶۹، تسکین الصدور ص ۳۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو امت کا سلام پہنچنا تواتر سے ثابت ہے۔

امام سخاوی اور امام دارقطنی رحمہما اللہ روایت نقل کرتے ہیں: ''عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَسِيحُوْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِي صَلَاةَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ أُمَّتِي'' حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین پر پھرتے ہیں۔ میری امت میں سے جو شخص مجھ پر صلوٰۃ و درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچاتے ہیں۔ (اخرجہ الدارقطني، القول البدیع ص ۱۴۸، شفاء السقام ص ۳۴)

روایت سے واضح ہو گیا کہ صلوٰۃ و درود اور سلام دونوں ہی حضرت خاتم النبیین ﷺ کی جناب میں پیش کیا جاتا ہے۔ امت کے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ ہم نالائقوں کا صلاۃ وسلام آقا خاتم النبیین ﷺ کی جناب میں پیش ہو۔ لوٹ لو سعادت جتنی چاہو۔

علامہ عزیزی فرماتے ہیں کہ جس طرح سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اسی طرح صلوٰۃ اور درود بھی پیش کیا جاتا ہے۔ (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۸)

علامہ شہاب الدین محمد بن احمد الاشبیہی روایت نقل کرتے ہیں: ''إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِي الصَّلَاةَ عَلَيَّ مِنْ أُمَّتِي فَأَسْتَغْفِرُ لَهُمْ'' بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے ہیں، میری امت کی طرف سے مجھے درود پہنچاتے ہیں، پس میں ان کے لئے استغفار کرتا ہوں۔

(المستطرف فی کل فن مستظرف ج ۲ ص ۳۱۷)

''عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَكْثِرُوْا الصَّلَاةَ عَلَيَّ فِي اللَّيْلَةِ الزَّهْرَاءِ وَالْيَوْمِ الْأَغَرِّ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ فَأَدْعُوْ لَكُمْ وَأَسْتَغْفِرُ'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا شب جمعہ میں اور جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، پس تمہارے لئے میں دعا اور استغفار کرتا ہوں۔ (القول البدیع ص ۱۵۴)

ذات اقدس ﷺ جسد اطہر اور روح مبارک دونوں کے مجموعہ کا نام ہے

فرشتے مجھے صلاۃ وسلام پہنچاتے ہیں اور کلمہ ''نی'' جو واحد متکلم کی ضمیر ہے ذات پر دلالت کرتی ہے۔ (علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے) اور حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی نہ تو صرف جسد اطہر کا نام ہے اور نہ محض روح مبارک کا، بلکہ دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔

اگر صرف روح مبارک پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا تو آپ فرما دیتے کہ میری روح پر اس کا عرض ہوتا ہے

اور اگر محض بدن اطہر پر یہ عرض ہوتا تو صرف بدن اطہر کا ذکر فرمادیتے۔ مگر حضور خاتم النبیین ﷺ نے تو اپنی ذات اقدس کا ذکر فرمایا ہے، جو روح اور جسم دونوں کے مرکب کا نام ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات کی دلیل ہے۔

اور اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دور دراز سے جو لوگ درود وسلام پڑھتے ہیں وہ آپ تک بتوسط ملائکہ پہنچایا جاتا ہے، آپ خود اس کی سماعت نہیں فرماتے۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان وخیال ہے۔

مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی کہ فرشتوں کے ذریعے آپ ﷺ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ ﷺ بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

حیات النبی ﷺ پر حدیث سے دسویں دلیل

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِنْ بَعِيْدٍ أُعْلِمْتُهُ'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے دور پڑھتا ہے تو وہ مجھے فرشتوں کے ذریعے بتلا دیا جاتا ہے۔ (جلاء الافہام لحافظ ابن القیم ۹۲)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کوئی شخص اہل السنت والجماعت میں ایسا نہیں گزرا جو کہتا ہو کہ حضور خاتم النبیین ﷺ عند القبر صلاۃ وسلام کا سامع نہیں فرماتے۔ تمام اہل السنت والجماعت کا حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ کے سماع عند القبر پر اتفاق ہے، کوئی اس کا مخالف نہیں گزرا اور کتب اہل اسلام میں اس کے خلاف ایک بھی صریح حوالہ موجود نہیں ہے۔ (تسکین الصدور ۲۳۱)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وَقَدْ رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالدَّارَقُطْنِي عَنْهُ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُعْلِمْتُهُ، وَفِيْ إِسْنَادِهِ لِيْنٌ، لٰكِنْ لَهٗ شَوَاهِدُ ثَابِتَةٌ، فَإِنَّ إِبْلَاغَ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَيْهِ مِنَ الْبُعْدِ'' قد رواه اهل السنن من غير وجه (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۶۱، طبع جدید ج ۲۷ ص ۱۱۶)

ابن ابی شیبہ اور دار قطنی نے حضور خاتم النبیین ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس صلاۃ وسلام کہا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ اس کی سند کمزور ہے، لیکن اس کے کئی شواہد ثابت ہیں، کیونکہ دور سے حضور خاتم النبیین ﷺ کو صلاۃ وسلام پہنچانے کی روایت متعدد طرق سے اہل السنن نے بیان کی ہے۔

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں۔ روضہ پر جو سلام عرض کرتا ہے خود اپنے گوش جسم سے سنتے ہیں اور لسان جسم سے جواب دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے حضور پرنور ﷺ کو حیات اقوی واکمل اور اعلیٰ درجے کی حاصل ہے۔ سلام کا سننا اور جواب دینا، نماز ادا کرنا وغیرہ یہ تمام صفات حیات ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ

حیات النبی ﷺ پر حدیث سے گیارھویں دلیل

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: وَالَّذِيْ نَفْسُ أَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيْبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ، وَلَيُصْلِحَنَّ ذَاتَ الْبَيْنِ وَلَيُذْهِبَنَّ الشَّحْنَاءَ وَلَيَعْرِضَنَّ عَلَيْهِ الْمَالَ فَلَا يَقْبَلُهُ، ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، لَأُجِيْبَنَّهٗ"

(اصح البخاری باختصار، وابویعلی ورجالہ رجال الصحیح، ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۵۹۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت بھی اسی معنی کی ہے: "لَيَهْبِطَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا وَإِمَامًا مُقْسِطًا وَلَيَسْلُكَنَّ فَجًّا، حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا، وَلَيَأْتِيَنَّ قَبْرِيْ حَتّٰى يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَلَأَرُدَّنَّ عَلَيْهِ" (مسلم)

البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے انصاف کرنے والے حاکم ہوکر اور امام عادل ہوکر اور البتہ وہ ضرور فج (جگہ کا نام ہے) کے راستے پر حج یا عمرہ کے لئے جائیں گے، اور بلاشبہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔ (رواہ الحاکم ج ۲ ص ۵۹۵۔ احمد ج ۲ ص ۲۹۰، درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵)

حیات عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام

سب سے پہلی بات جو حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی حیات اور ان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھالیا اور وہ قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور یہود اور منکرین توحید و مشرکین سے جہاد کریں گے اور زمین پر قرآن وحدیث کے مطابق حکومت جاری فرمائیں گے اور حضرت خاتم النبیین، امام الانبیاء، سید المرسلین ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری دیں گے اور حضور ﷺ کو سلام پیش کریں گے اور حضور خاتم النبیین ﷺ سلام کا جواب دیں گے۔

اب آپ ذرا غور کریں کہ بات کتنی صاف ستھری اور خوب روشن ہے کہ حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ پر حضرت عیسیٰ کے نزول اور روضہ پر حاضری کے بعد کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوگی۔ بلکہ جو حالت آپ ﷺ کی ہے اور رفیق اعلیٰ میں تشریف لے جانے کے بعد آج تک ہے، وہی اب بھی ہے کہ تمام سعادت مند لوگوں کا جو قبر مبارک پر حاضری دیتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں تو حضور خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس جو روح اور جسد اطہر سے جانی پہچانی جاتی ہے، وہی ذات اقدس ﷺ کی سلام سنتی ہے اور جواب بھی دیتی ہے وہی بعینہ ذات اقدس حضرت عیسیٰ ابن مریم کو بھی جواب دے گی۔

اور اس عقیدۂ حیات النبی ﷺ کو لفظ عِنْدَ قَبْرِيْ کہہ کر خوب مضبوط اور مستحکم خود ہمارے حضور ﷺ نے ہی مؤکد کردیا، ورنہ عِنْدَ قَبْرِيْ کیوں کہا جاتا ہے؟! بذات خود سننا اور جو جسم مع الروح ہے وہی تو قبر شریف میں موجود ہے اور اسی کو حیات اقوی واکمل اور اعلیٰ ترین حاصل ہے اور وہی ذات اقدس جو جسم و روح سے جانی جاتی ہے سلام کا جواب بھی دیتی ہے۔

لہٰذا نہ تو ذات اقدس ﷺ تنہا روح کا نام ہے نہ ہی تنہا جسد اطہر کا نام ہے بلکہ ذات اقدس ﷺ سے مراد حضور خاتم النبیین ﷺ کی مکمل ذات جسد مع الروح ہی کا نام ہے اور وہ زندہ ہے، ان کی جناب قدسی میں جو سلام

عرض کرتا ہے حاضر ہو کر جواب بذات خود حضرت ﷺ ہی دیتے ہیں۔ بلا شک وشبہ اور بنی اسرائیل کا آخری نبی کائنات عالم کے تمام نبیوں کے آخری نبی کی خدمت میں حاضری دیں گے اور سلام عرض کریں گے اور ہمارے حضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمائیں گے: یَا مُحَمَّدُ، تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا۔

نکتہ اگر صحیح ہے تو الحمدللہ

اگر کوئی سلام عرض کرتا ہے مثلاً: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ • تو اس کے اس سلام کے رد و واپسی میں وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہنا ہی شریعت میں آیا ہے۔

اور اگر کوئی کسی کو مخاطب بنا کر نام مبارک لے کر جیسے حضرت عیسی علیہ السلام کے لئے حضور ﷺ نے خود فرما دیا کہ وہ آ کر میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے کہ یَا مُحَمَّدُ (ﷺ) تو میں ضرور جواب دوں گا۔ ردسلام اور جواب میں ذوقی لطیف فرق ہے، جو اہل ذوق ہیں ان پر مخفی نہیں۔ اسی کو حضرت ﷺ نے لَأُجِیْبَنَّهٗ سے واضح فرمایا کہ ایک بنی اسرائیل کے آخری نبی خاتم الانبیاء ﷺ کو مخاطب کر کے آواز دیں گے تو ان کے تخاطب کا جواب حضرت ﷺ ضرور دیں گے۔

ایک زندہ نبی آسمان سے نازل ہونے کے بعد خاتم الانبیاء علیہم السلام کے روضہ پر حاضری دے کر یَا مُحَمَّدُ کہہ کر آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرمائے گا تو ان کو جواب دے کر یہ ثابت کر دیا جائے گا کہ دونوں ہی کو حیات و زندگی حاصل ہے اور جو حیات کے قائل نہیں ہیں ان کے اس فتنے کی تردید بھی ہو جائے گی کہ ایک دنیوی زندگی والے عیسی ابن مریم علیہ السلام نے ایک برزخی حیات و زندگی والے نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کی قبر پر یَا مُحَمَّدُ کہہ کر مخاطب کیا تو جواب دے کر ثابت کر دیا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی دونوں زندگی بھی حیات کے تمام شعبوں میں اقویٰ واکمل اور اعلی ترین حیات سے متصف حیات والی صفات سے ہی زندہ ہیں۔ تبھی تو اپنے مخاطب کا جواب دے رہی ہے اور نبی علیہ السلام کی دونوں زندگی یکساں ہیں حیات اور صفات حیات میں۔ خواہ وہ یہاں تھے تو وہاں ہیں تو وہ ہی حیات والی زندگی ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ بہت ہی پر لطف اور مزید ارحلاوت بخش بات ہے کہ ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ نے خود ہی ارشاد فرما دیا اور قسم کھا کر فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد مختلف امور انجام دیں گے جو منجانب اللہ ان کے سپرد ہیں اور یہ بھی کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر شریف پر بھی بلا شک وریب وہ حاضر ہوں گے۔

''وَلَیَأْتِیَنَّ قَبْرِیْ حَتّٰی یُسَلِّمَ عَلَیَّ وَلَأَرُدَّنَّ عَلَیْهِ'''' بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے حتیٰ کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلا شک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔''

گویا کہ من جملہ امور کے حضرت عیسی علیہ السلام کا روضہ رسول خاتم النبیین ﷺ کی حاضری بھی ایک امر مہتم بالذات اور مقصود ومطلوب ہے۔

اور گویا کہ ہمارے حضرت ﷺ بھی ان کی آمد کے منتظر ہیں، کیونکہ ان کی آمد کے بعد دجالی وشیطانی تمام قوتوں کا خاتمہ ہو جائے گا، اور دجال کے قتل سے تمام طاغوتی طاقتوں کا فتنہ زمین سے مٹ کر اس کے ساتھ دفن ہو جائے گا۔ ان تمام جھمیلوں سے نمٹ کر حضور خاتم النبیین ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاتم النبیین ﷺ کو سلام کہنا، یہ

اطلاع ہوگی کہ زمین پر جو طاغوتی طاقتیں مرکز معصیت یا نفسانی وشہوانی اور شیطانی، جس مرکز سے مدد لیتی تھی اب اس کا صفایا ہوگیا ہے، شر کا مرکز اور دجال اور اس کے تمام تانے بانے مکڑی کے جالے کی طرح صاف کردیئے گئے ہیں۔

اس لئے لوگوں کے دلوں سے بغض وعداوت، حسد وکینہ اور وہ تمام غل وغش جو ایمان ویقین میں تذبذب کا سبب تھا یکسر ختم ہوجائے گا اور نور قرآن وسنت سے قلوب منور ہوکر انابت واطاعت اختیار کرلیں گے اور منیب ہوجائیں گے۔ لوگوں میں صلاح وتقوی اور ہر طرح کی فکر آخرت کی شان نمایاں طور پر ظاہر ہوجائے گی، دنیا کی بے ثباتی اور مال سے اعراض جو اصل سبب ہے کدورت وحسد کا بُعد اور نفرت پیدا ہوجائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں خواہ ان کی دنیوی زندگی ہو یا برزخی، اس لئے وہ برزخی زندگی میں بھی اعمال میں مشغول ہوتے ہیں۔ پہلے ہی لکھا جاچکا ہے ان پر موت تو آتی ہے مگر آنی ہوتی ہے یعنی لمحہ بھر کے لئے، زمانی نہیں ہوتی اور مقصودِ حیات اعمال صالحہ میں مشغولیت بدرجۂ اتم ان کو حاصل ہے یہی حیات کی دلیل ہے۔

مگر ان کی حیات برزخی کا دنیوی لوگوں کو اتنہ پتہ نہیں چلتا اور جن لوگوں کو علماء اہل السنت والجماعت کے عقیدہ سے وابستگی ہے ان کو ذرہ شک بھی نہیں کہ خود حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو قبر پر سلام عرض کرتا ہے حضرت ﷺ خود بنفس نفیس سنتے ہیں، جواب دیتے ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں اور سننا خود حیات کی دلیل ہے۔

علامہ مناوی حدیث مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ کا مطلب لکھتے ہیں: ''مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَيَّ نَائِيًا أَيْ بَعِيْدًا عَنِّي أُبْلِغْتُهٗ، أَيْ أُخْبِرْتُ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، وَذٰلِكَ لِأَنَّ لِرُوْحِهٖ تَعَلُّقًا بِمَقَرِّ بَدَنِهِ الشَّرِيْفِ وَحَرَامٌ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَحَالُهٗ كَحَالِ النَّائِمِ'' (فیض القدیر رقم ۸۸۱۲ ج ۶ ص ۲۲۰)

جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ میرے پاس وہ پہنچایا جاتا ہے یعنی کسی فرشتے کے ذریعے مجھے اس کی خبر دی جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ آپ کی روح مبارک کا حضور اقدس ﷺ کے بدن شریف سے تعلق ہے اور زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک حرام کردیئے گئے ہیں اور حضور خاتم النبیین ﷺ گویا کہ آرام فرمارہے ہیں۔ (اور یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سوتی، دل بیدار اور باشعور رہتا ہے)

ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''مَنْ صَلّٰی عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ سَمَاعًا حَقِيْقِيًّا بِلَا وَاسِطَةٍ''

(مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰، شرح الشفاء ج ۳ ص ۵۰۰)

جس شخص نے مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں خود اس کو سنتا ہوں یعنی حقیقی طور پر، فرشتوں کے توسط کے بغیر میں خود سنتا ہوں۔ اس عبارت سے وضاحت مکمل کرآ گئی کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کا قبر کے پاس سلام پیش کرنے والوں کا درود وسلام سننا حقیقی سماع ہے جو مکمل حیات اور زندگی کی روشن دلیل ہے۔

مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''سمعًا حقيقيًا بلا واسطة'' یعنی میں حقیقی طور پر، میری ذات گرامی ہی سنتی ہے۔ ذات گرامی روح مع الجسد کو کہتے ہیں نہ کہ فقط روح کو اور عِندَ قبرِيْ سے جسم مبارک جس کو حیات حقیقی حاصل ہے وہی مراد ہے۔

علامہ سید احمد طحطاوی لکھتے ہیں: ''فَإِنَّهُ يَسْمَعُهَا أَيْ إِذَا كَانَتْ بِالْقُرْبِ مِنْهُ ﷺ وَتُبَلَّغُ إِلَيْهِ أَيْ يُبَلِّغُهَا الْمَلَكُ إِلَيْهِ إِذَا كَانَ الْمُصَلِّيْ بَعِيْدًا'' (طحطاوی ص ۴۰۵)

بے شک رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ درود شریف سنتے ہیں جب کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کے پاس پڑھا جائے، اور فرشتہ آپ کو پہنچاتا ہے جب کہ درود شریف پڑھنے والا دور سے پڑھتا ہے۔

حضور خاتم النبیین ﷺ اپنے زائرین کی دعاء بھی سنتے ہیں

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''آنحضرت ﷺ حیات ہیں، لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے، مسجد نبوی ﷺ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۶)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعۂ ملائکہ اور سلام کا جواب دینا تو دائماً ثابت ہیں۔ (نشر الطیب ص ۲۱۲)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: ''حضرات انبیاء علیہم السلام سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، جو شخص اس کا منکر ہو وہ اجماع کا منکر ہے۔''

حضرات انبیاء علیہم السلام کی نبوت و رسالت جس طرح وفات کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتی حیات بھی دائمی طور پر مستمر رہتی ہے اور ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت و رسالت تو قیامت اور مابعد قیامت محشر میں شفاعت تک جاری و ساری ہے اور صاحب شفاعت کو حیات مستمرہ حاصل ہے۔

حیات النبی ﷺ پر دلیل و شہادت

(۱) ''عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ: لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثًا وَلَمْ يُقَمْ، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ'' سعید بن عبد العزیز کہتے ہیں کہ حرہ کا واقعہ پیش آیا ہے تو تین دن تک آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی مسجد میں اذان نہیں دی گئی اور سعید بن مسیب ان ایام میں بھی مسجد سے نہیں نکلے اور نماز کے اوقات صرف ایک گنگناہٹ کی آواز سے پہچانا کرتے جو وہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک سے سنا کرتے تھے۔ (رواہ الدارمي ج ۱ ص ۴۴)

(۲) ''عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَمْ أَزَلْ أَسْمَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ فِيْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَيَّامَ الْحَرَّةِ حَتّٰى عَادَ النَّاسُ'' سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانے میں میں اذان اور اقامت ہمیشہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک سے سنا کرتا تھا یہاں تک کہ لوگ پھر جماعت میں آنے لگے تھے۔ (کذا في الخصائص ج ۱ ص ۲۸۱، رواہ ابن سعد في الطبقات ج ۵ ص ۱۳۲، اللالکائي في کرامات الاولیاء ج ۱ ص ۱۶۶، الرأمل في حقیقۃ التوسل ص ۲۵۵)

(۳) ''عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ لَيَالِيَ الْحَرَّةِ، وَمَا فِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَيْرِيْ، وَمَا يَأْتِيْ وَقْتُ صَلَاةٍ إِلَّا سَمِعْتُ الْأَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ'' سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانے میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی مسجد شریف میں میرے سواء اور کوئی نہ تھا جب نماز کا وقت آتا ہے تو میں ہر نماز کے لئے قبر مبارک سے اذان کی آواز سنا کرتا۔ (رواہ ابو نعیم کذا في الخصائص ج ۲ ص ۲۸۰، ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۳۰۴)

جنگ حرہ کے موقع پر مسجد نبوی میں قیام اور روضہ رسول ﷺ سے اذان کی آواز

جنگ حرہ کا واقعہ ایک تاریخی المناک واقعہ ہے کہ مدینۃ الرسول میں بھی نماز کے لئے آنے کی ہمت لوگوں کو نہ ہو سکی تھی، مگر ایسے وقت میں سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ مشہور تابعی مسجد نبوی سے جدا نہ ہوئے اور خیر البقا مسجد نبوی ﷺ میں ہی مقیم رہے اور نماز کے اوقات جاننے کا واقعہ وہ خود ہی بیان فرمارہے ہیں کہ جب بھی نماز کا وقت ہوتا تو وہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی آرام گاہ سے اذان کی آواز سنا کرتے تھے اور اسی کے مطابق اپنی نماز ادا کرتے رہے اسی طرح کئی دن تک مسلسل ٹھیک وقت پر اذان سنتے تھے اور نماز پڑھا کرتے تھے اور جب حالات درست ہو گئے اہل مدینہ کی مسجد نبوی میں آمد و رفت شروع ہو گئی تو آواز اذان کی بند ہو گئی۔

اس واقعہ سے بخوبی عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور زندگی والے اعمال بھی ثابت ہیں۔

شروع میں ہی حدیث شریف گزر چکی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے "اَلْأَنْبِیَاءُ أَحْیَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ" کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

اذان کی آواز آنا روح مع الجسد کا عمل ہے

قبر و روضہ شریف سے اذان کی آواز آنا یہ روح کا عمل نہیں ہے پھر ایک مسجد میں مقیم شخص کو ایک وقت نہیں کئی دنوں تک مسلسل ہر نماز کے وقت اذان کی آواز سے وقت کی خبر دینا اور متنبہ کرنا اقامت نماز کے لئے یہ بھی روحانی عمل نہیں بلکہ صاحب قبر حضرت خاتم النبیین ﷺ کی مکمل حیات اور اعمال حیات کی واضح بلا شک و ریب کھلی ہوئی غیر معمولی واضح ترین دلیل ہے۔

اور اس بات کی بھی کہ آپ ﷺ امت کے افراد کے اعمال صالحہ اور نماز جیسے فریضے کی ادائیگی کے نگراں ہیں۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: "یَا أَیُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا إِلَی اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (الاحزاب)"

آپ ﷺ یقیناً شاہد، بشیر و نذیر، اور اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کو ہر نماز کے وقت اذان کی سماعت کرا کر حیات النبی ﷺ کی شہادت ثبت ہو گئی، اور کتنا انوکھا طریقہ ہے کہ اذان سنوائی گئی جو حیات کی بھی دعوت تام کے ساتھ حیات تام کی بھی دلیل بن گئی۔ الحمد للہ! ہم تو پہلے سے ہی خاتم النبیین ﷺ کو حیات و زندہ یقین بالجزم کے ساتھ مانتے ہیں۔

ان جیسے واقعات سے قوت یقین میں رسوخ اور استحکام و استقلال کی طمانیت ثبت ہوتی ہے۔ لاکھ لاکھ صلاۃ و سلام ہو اس نبی امی خاتم النبیین پر جو اپنی امت کا فکر مند ہے۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک پر شفاعت کی درخواست درست ہے

ہمارے حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کا یقینی علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے آج تک تواتر سے امت کو معلوم ہے اور قبر شریف کی جگہ ثابت ہے۔ اس لئے قبر شریف کے پاس

باادب، پوری یکسوئی اور جمع خاطر کے ساتھ حاضر ہو کر دعا کرنا یعنی یہ کہنا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے دعا مغفرت کر دیں یا اللہ تعالیٰ سے میرے لئے مغفرت طلب کر دیں۔ میری شفاعت فرمادیں جائز اور بلا شک وریب درست ہے اور یہ بالکل بھی شرک نہیں جیسا کہ بعض کم فہم وکم علم لوگوں کا وہم وخیال ہے۔

علامہ سمہودی لکھتے ہیں: ''وَقَدْ يَكُوْنُ التَّوَسُّلُ بِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْوَفَاةِ بِمَعْنٰى طَلَبِ أَنْ يَدْعُوَ كَمَا كَانَ فِيْ حَيَاتِهٖ وَذٰلِكَ فِيْمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ بِسَنَدٍ صَحِيْحٍ'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۱)

اور حضور خاتم النبیین ﷺ سے وفات کے بعد توسل (یعنی دعا کی درخواست کرنا) کبھی اس معنی میں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے دعا طلب کرے جیسا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات میں تھا۔ جیسا کہ امام بیہقی نے اور ابن ابی شیبہ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ مالک الدار سے روایت کیا ہے۔

آداب حاضری بدرگاہ خاتم النبیین ﷺ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

''رَوَى أَبُوْ حَنِيْفَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَأْتِيَ قَبْرَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ''

(المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ۳۴۱۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۵۹۰۔ وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۴)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ تم حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آؤ اور اپنا رخ قبر شریف کی طرف کرو اور پھر کہو۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ''

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے جائے تو مسجد نبوی میں اپنی آواز بلند نہ کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یہ ادب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو حضرت خاتم النبیین ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو۔'' (الآیۃ)

اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ جناب رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں۔ ''يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ (الآية)''

اور ایک قوم کی مذمت کی ہے سو فرمایا ہے کہ جو لوگ حضور ﷺ کو حجروں کے سامنے سے پکارتے ہیں۔

''إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (الحجرات: ۴)'' جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے۔

بے شک وفات کے بعد بھی حضور خاتم النبیین ﷺ کی عزت وحرمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی۔

امیر المومنین ابوجعفر نے امام مالک سے سوال کیا کہ اے ابوعبداللہ کیا میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا حضور خاتم النبیین ﷺ کی طرف رخ کروں؟

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو اپنا رخ حضرت خاتم النبیین ﷺ سے پھیرتا ہے حالانکہ حضور خاتم النبیین ﷺ ہی شفاعت کبریٰ کے ذریعے تیرے اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں وسیلہ ہوں گے اور آگے فرمایا: ''بَلِ اسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهٖ فَيُشَفِّعُهُ اللّٰهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيْمًا'' (الشفاء ج ۲ ص ۳۲، ۳۳، آیت النساء ۶۴)

بلکہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی طرف متوجہ ہو اور حضور خاتم النبیین ﷺ کو سفارشی بنا۔ اللہ تعالیٰ خاتم النبیین ﷺ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ''اگر جس وقت وہ اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے۔''

حیات النبی پر قرآن مجید سے تیسری دلیل کے عنوان پر تفصیل سے ایک اعرابی یعنی دیہاتی کا واقعہ لکھ دیا گیا ہے اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ بعد از وفات بھی امت کی فریاد سن کر بارگاہ رب العزت میں مغفرت کی درخواست کو پیش کرنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت طلب کرنا اور حق تعالیٰ کی جانب سے دعا کی قبولیت کی بشارت کا بھی آنا: قَدْ غَفِرَ لَکَ سے آگاہ کر دینا۔ یہی تو حیات اور اعمال حیات کی دلیل ہے۔ تفصیل (ابن کثیر ج ۱ ص ۵۰۳ اور معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰) میں دیکھ لیں اور اس واقعہ کو (شفاء السقام ص ۱۱۵) اور (علامہ سمہودی وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۲) میں نقل کیا ہے اور سند کو جید کہا ہے۔

الغرض امام مالک رحمۃ اللہ علیہ استشفاء عند القبر کے قائل ہیں اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس طرح حیات دنیوی میں یہ درست اور حق اور صحیح تھا بعد از وصال و وفات بھی آیت: ''وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُ وْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا'' سے حضرت خاتم النبیین ﷺ سے مغفرت کی دعا کرانا ثابت ہے اور مذکورہ آیت سے استدلال بالکل واضح اور حق ہے اس میں کوئی ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

صلوٰۃ وسلام اور دعا میں قبر شریف کی طرف ہی رخ رکھنا چاہیے

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''فَقَالَ الأَكْثَرُونَ كَمَالِكٍ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ مُسْتَقْبِلَ الْقَبْرِ، وَهُوَ الَّذِي ذَكَرَهُ أَصْحَابُ الشَّافِعِيِّ وَأَظُنُّهُ مَنْقُولاً عَنْهُ'' (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۱۱۷ طبع جدید)

اکثر حضرات جیسے امام مالک اور امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے روضہ پر قبر مبارک کی طرف رخ کر کے سلام و دعا کرنا چاہئے اور اسی کو حضرات شوافع نے ذکر کیا ہے اور میرے خیال میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''فَإِنَّ مَذْهَبَ مَالِكٍ وَأَحْمَدَ وَالشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ اِسْتِحْبَابُ اِسْتِقْبَالِ الْقَبْرِ الشَّرِيفِ فِي الصَّلَاةِ وَالدُّعَاءِ وَهُوَ مُسْتَطَرٌ فِي كُتُبِهِمْ۔'' بے شک امام مالک اور امام احمد اور امام شافعی علیہم الرحمۃ اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ سلام اور دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف رخ کرنا مستحب ہے جیسا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب رؤس المسائل میں لکھتے ہیں: ''وَرُوِيَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ الإِمَامِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى أَنَّهُ قَالَ: إِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَأْتِيَ قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ فَيَسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةَ وَيَسْتَقْبِلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُصَلِّي عَلَيْهِ وَيَدْعُو'' حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب آدمی

آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آئے تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر لے اور حضور خاتم النبیین ﷺ کی طرف رخ کر کے حضور خاتم النبیین ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھی پڑھے اور جی بھر کر دعا بھی کرے۔ (شفاء السقام ص ۱۱۹)

نیز امام مالک باہر سے آنے والوں یا سفر پر جانے والوں کے لئے حضور خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک کے پاس وقوف یعنی ٹھہر کر سلام اور دعا کو درست فرماتے ہیں۔ البتہ اہل مدینہ پر ایسا ضروری نہیں ہے۔

یعنی وہ لوگ جو اصل مدینہ کے نہیں ہیں جب بھی باہر سے مدینہ منورہ میں داخل ہوں یا پھر سفر میں مدینہ منورہ سے باہر کا ارادہ کریں تو ان کو چاہئے کہ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں روضہ اقدس پر حاضری دیں اور صلاۃ وسلام عرض کر کے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو بھی سلام پیش کر کے ان کے لئے دعائے خیر کریں۔

بہرحال جو سفر کر کے باہر جائے یا باہر سے آئے تو اس کے لئے ادب یہی ہے کہ حاضر خدمت ہو اور صلاۃ وسلام پیش کرے اور آداب کا خیال رکھے۔

''لِمَنْ جَاءَ مِنْ سَفَرٍ أَوْ أَرَادَهُ'' ہاں جو سفر سے آئے یا سفر کا ارادہ کرتا ہو۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۱۱۲، شفاء السقام ص ۲۵)

پھر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عدم کراہت کی وجہ لکھتے ہیں: ''لِأَنَّ ذٰلِكَ تَحِيَّةٌ لَهُ وَالْمَحْيَا لَا يَقْصِدُ بَيْتَهُ كُلَّ وَقْتٍ بِخِلَافِ لِلْقَادِمِينَ مِنَ السَّفَرِ۔'' (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۱۱۸)

کیونکہ یہ حضور خاتم النبیین ﷺ کو سلام کہنا ہے اور جس کو سلام کہا جاتا ہے ہر وقت اس کے گھر کا قصد نہیں کیا جاتا بخلاف ان کے جو سفر سے آئیں۔

اس سے واضح ہو گیا کہ اہل مدینہ منورہ ہر وقت آنحضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک پر برائے سلام ودعا حاضر نہ ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔

حضور خاتم النبیین ﷺ سے سفارش پیش کرنے کا طریقہ

''عَنِ الْعُتْبِيِّ قَالَ: كُنْتُ جَالِساً عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ، سَمِعْتُ اللهَ يَقُوْلُ: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّاباً رَحِيمًا، قَدْ جِئْتُكَ مُسْتَغْفِرِ الذَّنْبِيْ مُسْتَشْفِعاً بِكَ إِلَىٰ رَبِّيْ'' (ابن کثیر تفسیر آیت ۶۴ ص ۵۰۳)

(ترجمہ) عتبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دیہاتی آیا اور اس نے کہا: ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ''

میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے اور اگر بے شک وہ لوگ جب کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لئے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ اس لئے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں اس کے بعد اس نے دل سے چند اشعار پڑھے اور اظہار عقیدت اور جذبہ محبت کے پھول نچھاور کر کے چلا گیا۔ حضور خاتم النبیین ﷺ نے عتبی سے خواب میں فرمایا اے عتبی جا کر اس اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ اس واقعہ کو متعدد لوگوں نے نقل کیا ہے۔ (ابن کثیر)

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ: ''کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ ﷺ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو، آپ ﷺ کا وجود تو تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جبھی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں۔'' (آب حیات ص ۴۰)

حضرت مولانا ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ واقعہ ذکر کرکے تحریر فرماتے ہیں: ''فَثَبَتَ أَنَّ حُكْمَ الْآيَةِ بَاقٍ بَعْدَ وَفَاتِهِ ﷺ'' پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم حضرت خاتم النبیین ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وَالْعُلَمَاءُ فَهِمُوْا مِنَ الْآيَةِ الْعُمُوْمَ لِحَالَتَيِ الْمَوْتِ وَالْحَيَاةِ وَاسْتَحَبُّوْا لِمَنْ أَتَى الْقَبْرَ أَنْ يَّتْلُوْهَا وَيَسْتَغْفِرَ اللهَ تَعَالٰى وَحِكَايَةُ الْأَعْرَابِيِّ فِيْ ذٰلِكَ نَقَلَهَا جَمَاعَةٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ عَنِ الْعُتْبِيِّ'' علماء نے اس آیت کریمہ سے آپ ﷺ کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے مستحب قرار دیا ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی قبر مبارک پر جائے وہ اس کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اعرابی کی حکایت اس سلسلے میں ائمہ کرام کی ایک جماعت نے عتبی سے نقل کی ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۱)

ان تمام اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پر حاضر ہوکر شفاعت و مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے اور حق ہے۔

اس لئے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت عالی میں حاضری جیسے حضور ﷺ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہوتی تھی یا ہوسکتی تھی بعینہٖ اسی طرح آج بھی روضہ اقدس ﷺ پر حاضری اسی حکم میں ہے اور اعرابی کا واقعہ حضرت ﷺ کے دفن کے تین دن بعد کا ہے جب کہ ابوبکر و عمر اور تمام حضرات صحابہ کا عہد اور خیر القرون کا زمانہ ہے، مگر کسی صحابی نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی جو اس کے صحیح ہونے کی واضح اور کھلی دلیل ہے اور اس واقعہ کو اتنی کثرت کے ساتھ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے یہ بھی صحت اور قبولیت کی دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قحط سالی اور حضور ﷺ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ

''عَنْ مَالِكِ الدَّارِ (وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى الطَّعَامِ) قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ إِلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِسْتَسْقِ اللهَ تَعَالٰى لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا، فَأَتَاهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي الْمَنَامِ، فَقَالَ ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْقَوْنَ، وَقُلْ لَهٗ، عَلَيْكَ الْكَيْسَ، الْكَيْسَ۔ فَأَتٰى عُمَرَ فَأَخْبَرَهٗ، فَبَكٰى عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ يَا رَبِّ لَا آلُوْ إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ''

(رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف ج ۷ ص ۴۸۲، الاصابۃ ابن حجر ج ۱۰ ص ۹ / ۸، البیہقی فی دلائل النبوۃ ج ۷ ص ۴۷، مصباح الزجاجۃ ص ۳۶، الخلیلی فی الارشاد ج ۱ ص ۳۱۳ و ۳۱۴، الاستیعاب ج ۲ ص ۲۶۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۱)

(ترجمہ) مالک الدار (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے وزیر غذا تھے) سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لوگ قحط میں مبتلاء ہوئے۔ ایک شخص (بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ) حضرت خاتم النبیین ﷺ کی قبر مبارک کے پاس (حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں) گئے اور خاتم النبیین ﷺ سے عرض کیا، کہا: یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے اپنے امتیوں کے لئے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چلے ہیں تو خواب میں اس شخص سے حضور خاتم النبیین ﷺ نے ملاقات کی اور فرمایا کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جا، اس کو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ ان پر بارش نازل کی جائے گی اور عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہہ دے کہ دانائی پر قائم رہے، دانائی پر قائم رہے تو وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے پھر فرمایا اے میرے رب میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی، مگر جس عمل سے میں عاجز ہو گیا۔

پھر آگے لکھتے ہیں: "وَرَوَى سَيف فِي الْفُتُوحِ إِنَّ الَّذِي رَأَى الْمَنَامَ الْمَذْكُورَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيّ أَحَدُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ" علامہ سیف نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے خواب دیکھا تھا، وہ حضرت بلال بن الحارث المزنی صحابی تھے رضی اللہ عنہ۔

واقعہ سے حیات خاتم النبیین ﷺ پر استدلال

"وَمَحَلُّ الْاِسْتِشْهَادِ طَلَبُ الْاِسْتِسْقَاءِ مِنْهُ ﷺ، وَهُوَ فِي الْبَرْزَخِ وَدُعَاءُهُ لِرَبِّهِ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ، وَعِلْمِهِ بِسُؤَالِ مَنْ يَسْأَلُهُ قَدْ وَرَدَ. فَلَا مَانِعَ مِنْ سُؤَالِ الْاِسْتِسْقَاءِ وَغَيْرِهِ مِنْهُ كَمَا كَانَ فِي الدُّنْيَا"

اور اس سے استدلال یوں ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ برزخ (اور قبر) میں تھے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے بارش طلب کرنے کی دعا کی التجاء ہوئی اور اس حالت میں حضور خاتم النبیین ﷺ کا رب تبارک وتعالیٰ سے دعا کرنا کوئی ممتنع امر نہیں ہے اور سوال کرنے والے کے سوال کے علم کے بارے میں دلیل وارد ہوئی ہے۔

لہٰذا آپ ﷺ سے بارش وغیرہ کے طلب کرنے کے سوال میں کوئی مانع نہیں ہیں جیسا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے دنیا میں سوال کیا جاتا تھا۔

(حوالہ بالا۔ تسکین الصدور ص ۳۴۸۔ شفاء السقام ص ۱۳۰۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲۔ فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور امام طبری رحمہ اللہ نے اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے: "حَتَّى أَقْبَلَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِيُّ فَاسْتَأْذَنَ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللهِ إِلَيْكَ، يَقُوْلُ لَكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ عَهِدْتُكَ كَيِّسًا وَمَا زِلْتَ عَلَى ذٰلِكَ فَمَا شَأْنُكَ؟ قَالَ: مَتَى رَأَيْتَ هٰذَا؟ قَالَ: اَلْبَارِحَةَ، فَخَرَجَ فَنَادَى فِي النَّاسِ اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ" یہاں تک کہ بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی اور فرمایا کہ میں تمہاری طرف حضور خاتم النبیین ﷺ کا قاصد ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ عمر میں تو تجھے دانا ہی سمجھتا رہا اور تم اسی پر قائم رہے مگر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے دعا اور صلاۃ استسقاء ادا نہیں کی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے کب دیکھا: حضرت بلال نے فرمایا کہ گزشتہ شب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز استسقاء کے لئے نکلے اور لوگوں میں بھی نماز کے لئے جمع ہونے کا اعلان کیا۔ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۷۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واقعہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بیان فرمایا: فَإِنَّ بِلَالَ بنَ الْحَارِثِ يَزْعَمُ ذَيْةَ ذَيْةَ فَقَالُوا صَدَقَ بِلَالٌ" کہ بلال بلاشبہ ایسا اور ایسا خیال کرتا ہے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ بلال بن الحارث (رضی اللہ عنہ) سچ کہتا ہے۔ (ابن اثیر الکامل ج ۲ ص ۵۵۴، بدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۰، تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۶، تسکین الصدور ص ۳۵۰)

واقعہ سے چند بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں

(۱) یہ واقعہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کی وفات حسرت آیات سے تقریباً سات آٹھ سال بعد پیش آیا۔ اس وقت بکثرت صحابہ کرام موجود تھے۔

(۲) خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرنے کی التجاء کی تھی وہ ایک جلیل القدر صحابی اور قحط میں امت رحمت ﷺ کی سلامتی و عافیت کے فکر مند تھے۔ نام ان کا بلال بن الحارث ہے۔

(۳) حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ کا عمل قبر شریف پر بخدمت خاتم النبیین ﷺ: "يَا رَسُوْلَ اللهِ اِسْتَسْقِ اللهَ تَعَالىٰ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا" یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے امتیوں کے لئے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چلے ہیں۔

ایک صحابی نے حضرت ﷺ کو مخاطب کر کے یہ ثابت کر دیا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ حیات سے ہیں اور درخواست سنتے ہیں اور اس عمل پر کسی ایک صحابی نے نکیر نہیں کی بلکہ صحابہ سے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بلال بن حارث ایسا ایسا خیال کرتا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ صَدَقَ بِلَالٌ بلال نے سچ کہا۔ اس میں تمام باتوں کی تصدیق ہوگئی:

(۱) "اِسْتِشْفَاعٌ عِنْدَ الْقَبْرِ"

(۲) "سِمَاعُ النَّبِيِّ الْخَاتَمِ ﷺ"

(۳) "حَيَاةُ النَّبِيِّ الْخَاتَمِ ﷺ"

(۴) "عَدَمُ النَّكِيْرِ مِنَ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ"

(۵) "تَصْدِيْقُ الْوَاقِعَةِ"

(۶) "وَالْقَبُوْلُ عِنْدَ جَمَاهِيْرِ الصَّحَابَةِ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ"

(۷) "وَعَمَلُ الصَّحَابَةِ الْجَلِيْلِ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَرِيْءٌ مِنَ الشِّرْكِ"

(۸) "بَلْ هُوَ حُجَّةُ حَيٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ"

(۴) اس واقعے کے بعد حضرت خاتم النبیین ﷺ کو بلال بن الحارث نے جو کہا تھا: "يَا رَسُوْلَ اللهِ اِسْتَسْقِ اللهَ تَعَالىٰ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوْا"

خاتم النبیین ﷺ نے خواب میں آ کر حضرت بلال بن الحارث کو ہدایت دی کہ عمر کے پاس جاؤ میرا اسلام کہو (قربان ہزار جان عمر پر نبی کا سلام آیا تم پر) اور بشارت دو کہ: "إِنَّهُمْ مُسْقَوْنَ" ان پر بارش نازل کی جائے گی۔

بہت ہی آسان اور سہل سی بات ہے کہ ہمارے حضور حیات سے اقویٰ و اعلیٰ و اکمل و اتم متصف ہیں۔ اس لئے بلال رضی اللہ عنہ کی بارش طلب کرنے کی درخواست سنی بھی اور خواب میں جواب بھی عنایت فرما دیا کہ بارش ہوگی۔

کیا یہ تمام باتیں بغیر حیات اور عدم حیات کے ہوئیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلیٰ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دانائی سے کام لینے کی ہدایت یعنی نماز استسقاء اور تضرع و دعا کی طرف رہنمائی فرمانا یہ تمام امور خود حیات النبی ﷺ کی دلیل ہیں۔

(۵) خواب کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو ہدایات ملی تھیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح عمل کیا جس طرح کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ اپنی حیات طیبہ میں ہدایات وارشادات دیتے تھے۔ اس سچے خواب پر اسی طرح عمل خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا جس طرح حیات میں عمل کرتے تھے اور صحابہ کرام کے سامنے پیش کر کے صاحب خواب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پرزور تائید وتصدیق ہوگئی۔

عارف زمانہ محقق ومحدث رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی واں بھچروان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وَرَوَی الْبَیْھَقِیُّ وَابْنُ أَبِیْ شَیْبَۃَ أَنَّ بِلَالَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جَاءَ إِلیٰ قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللہِ اِسْتَسْقِ لِأُمَّتِکَ فَإِنَّھُمْ ھَلَکُوْا، فَأَتَاہُ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ فِی الْمَنَامِ وَأَخْبَرَہٗ أَنَّھُمْ یُسْقَوْنَ'' امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی قبر مبارک پر آئے اور فرمایا یا رسول اللہ (ﷺ) اپنی امت کے لئے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چلی ہے۔ آنحضرت خاتم النبیین ﷺ ان کو خواب میں ملے اور ان کو خبر دی کے بارش برسے گی۔ ان شاء اللہ! (تحریرات حدیث ص ۲۵۵)

اس واقعے کو علماء اسلام کے محتاط فقہاء اپنی اپنی مستند کتابوں میں بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ مناسک حج میں، زیارت قبر مبارک اور اِستِشْفَاع عِنْدَ الْقَبْر اور آنحضرت ﷺ سے طلب مغفرت اور سوال شفاعت کے سلسلہ میں بلا رد وکد اور بلا نکیر نقل کرتے ہیں اور عہد صحابہ سے آج تک اولیاء، عرفاء، اتقیاء، صلحاء، ابرار، اخیار، علماء، محدثین وفقہاء اور تمام اہل ایمان کا اس پر عمل ہے اور قیامت تک اس پر عمل رہے گا اور ہر شخص اپنے عقیدت ومحبت کے بقدر اِستِشْفَاع عِنْدَ الْقَبْر سے اپنے نصیب کا حصہ ضرور پائے گا۔ واللہ اعلم اور جو منکر ہیں وہ سخت غلطی میں ہیں۔

محقق علامہ محمد السندی رحمۃ اللہ علیہ وسلم استاذ شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حیات متفقہ علیہ است ہیچ کس را ردوے خلافت نیست۔ حضور ﷺ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے کسی کا (اہل حق میں سے) اس میں اختلاف نہیں۔'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

صاحب مظاہر الحق نواب قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی، جسمانی دنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

قطب الارشاد حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قبر کے پاس'' انبیاء علیہم السلام کی سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ: ''إِنَّ حَیَاۃَ ﷺ فِی الْقَبْرِ لَا یَعْقِبُھَا مَوْتٌ بَلْ یَسْتَمِرُّ حَیًّا'' حضور خاتم النبیین ﷺ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور خاتم الانبیاء ﷺ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۲ طبع مصر)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند: ''جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسد عنصری زندہ ہیں۔ جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صاحب بذل المجہود میں فرماتے ہیں: ''إِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ كَمَا أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُوْنَ فَوْقَ الْأَرْضِ أَوْ تَحْتَ حِجَابِهَا كَمَا لَا فَرْقَ فِي حُضُوْرِهِ وَغَيْبَتِهِ فِي زَمَانِ حَيَاتِهِ، وَلِهٰذِهِ الْعِلَّةِ لَمْ يَذْهَبْ إِلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ۔ یقیناً نبی کریم خاتم النبیین ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ زمین کے اوپر دکھائی دیں یا زمین میں آرام فرما ہوں (وہ یقیناً زندہ ہیں) جیسا آپ ﷺ کی دنیا کی زندگی میں حضور خاتم النبیین ﷺ کے حاضر ہونے یا غائب ہونے میں (زندہ ہونے کے اعتبار سے) کوئی فرق نہ تھا۔

(بذل المجہود شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۷)

حضور ﷺ حیات ہیں۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔ مسجد نبوی ﷺ میں چاہے کتنی ہی پست آواز میں سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خاتم النبیین ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۰۶)

محدث عظیم علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''يُرِيْدُ بِقَوْلِهِ الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ مَجْمُوْعَ الْأَشْخَاصِ لَا الْأَرْوَاحَ فَقَطْ''

حضور خاتم النبیین ﷺ کے ارشاد کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام روح و بدن کے مجموعہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ السلام کی زیارت اور آپ ﷺ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہئے، آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین کو حاصل ہے، بلکہ جسمانی بھی ہے، اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۱۹)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری فرماتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر کے بارے میں میرا وہی عقیدہ ہے جو اکابر علمائے دیوبند کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی جسد عنصری سے زندہ ہیں جو اس دنیا میں تھا، وہ حیات باعتبار ابدان دنیوی، دنیوی بھی ہے اور بے اعتبار عالم برزخ برزخی بھی ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ابدان دنیوی کے ساتھ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہونا اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے، ہمارے اکابر دیوبند نے اس پر مفصل اور مدلل ارشادات ثبت فرمائے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے یہ مسئلہ اکابر دیوبند میں بھی کبھی مختلف فیہ نہیں رہا ہے۔ میرے خیال میں ہر صاحب بصیرت اس عقیدہ حیات النبی ﷺ کا منکر نہیں ہو سکتا۔ جن کی باطن کی آنکھیں کھلی ہیں ان کے نزدیک تو حضور نبی اکرم ﷺ کے روضہ کی حیات بدیہات میں سے ہے۔ (احقر الانام احمد علی عفی عنہ۔ بحوالہ مقام حیات صفحہ ۲۷۰ از علامہ خالد محمود)

حکیم الامت حضرت تھانوی نشر الطیب میں لکھتے ہیں: ''حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسد کو کھا سکے، پس اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں، اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔'' (ابن ماجہ)

برزخی طاعات تکلیفی نہیں تلذذ کے لئے ہیں

فائدہ: پس آپ ﷺ کا زندہ رہنا قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے۔ گو شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقوی ہے۔

بیہقی وغیرہ نے حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لئے ہے اور اس حیات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ ﷺ کو ہر جگہ سے پکارنا جائز ہے۔ (نشر الطیب ص ۳۵۰)

مزید فرماتے ہیں: ''آپ ﷺ بنص حدیث قبر مبارک میں زندہ ہیں۔'' (التکشف ص ۴۴۶)

مزید فرماتے ہیں: ''مدینہ منورہ جانے۔۔۔ والا یوں کہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔'' (وعظ التبلیغ نمبر ۳ جمادی الاولی ۱۳۲۷ھ)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ صاحب فتح الملہم فرماتے ہیں: ''اَلْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔'' انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے یہاں سے رزق ملتا ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

پھر فرماتے ہیں: ''أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَيٌّ كَمَا تَقَرَّرَ وَأَنَّهُ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ۔'' بے شک حضور اکرم خاتم النبیین ﷺ زندہ ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں اذان واقامت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگر چہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے، اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عام مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے۔''

(سیرۃ المصطفی ج ۳ ص ۳۸۸، حیات نبوی ﷺ ص ۲ مولانا کاندھلوی)

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا عارفانہ کلام

حاصل یہ ہوا کہ سرور عالم ﷺ ہر آن مشاہدۂ جمال الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں اور امت کی طرف بھی آپ ﷺ کی توجہ مبذول رہتی ہے۔ نہ استغراق توجہ میں مانع ہوتا ہے اور نہ توجہ استغراق میں۔ یہی وجہ ہے کہ جب امت کا ایک عارف کامل حالت کشف میں محبوب کے جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہوا تو اس نے سرور عالم ﷺ کو اس حال میں پایا: ''وَرَأَيْتُهُ مُسْتَقِرًّا عَلٰى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ، مُتَوَجِّهًا إِلَى الْخَلْقِ لَابِسًا لِبَاسَ الْعَظَمَةِ، فَإِذَا تَوَجَّهَ إِلَيْهِ الْإِنْسَانُ الْعَالِي الْهِمَّةِ فَقَطْ، بَلْ كُلُّ ذِيْ كَبِدٍ يَشْتَاقُ إِلٰى شَيْءٍ وَيَتَوَجَّهُ إِلَيْهِ بِقَصْدِهِ وَشَوْقِهِ فَإِنَّهُ يَتَدَلّٰى إِلَيْهِ۔ وَرَأَيْتُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْشَرِحُ انْشِرَاحًا عَظِيْمًا لِمَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَدَحَهُ۔'' میں نے حضور ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ بندگان الٰہی کی طرف متوجہ تھے، پوری توجہ کے ساتھ، عظمت و بڑائی کا لباس آپ ﷺ کے زیب تن تھا۔ جب کوئی اللہ کا بندہ ذوق وشوق کے ساتھ آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا تو میں

نے دیکھا کہ سرورِ عالم ﷺ اس سے قریب ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ جس شخص نے حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجا اور آپ ﷺ کی تعریف کی تو آپ ﷺ اس سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔

یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو عارفوں کے امام اور محدثوں کے سردار ہیں ان کا کشف ہے۔ حضرت نے اپنی مشہور کتاب فیوض الحرمین میں ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ شارح بخاری فرماتے ہیں: ”وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّ فِي الْقَبْرِ حَيَاةً وَمَوْتًا فَلَابُدَّ مِنْ ذَوْقِ الْمَوْتَتَيْنِ لِكُلِّ أَحَدٍ غَيْرَ الْأَنْبِيَاءِ“ (عینی علی البخاری ج ۷ ص ۲۰۱)

پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں۔ پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسواء انبیاء علیہم السلام کے (وہ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)

یہ تو عقیدہ تمام اہل سنت والجماعت کا علامہ عینی رحمہ اللہ نے بتلا دیا اور اسی عقیدے پر امت کا اجماع ہے جیسا کہ پچھلے اوراق میں آپ نے پڑھ لیا اور ہر عہد میں اہل حق کا طبقہ اسی عقیدہ کے تحت حضرت خاتم النبیین علیہ السلام کے روضہ پر حاضری دے کر اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کر کے حضرت ﷺ سے فیضیاب ہوتی رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ ان شاء اللہ!

منکرین حیات النبی (ﷺ) آخر کون ہیں؟

علامہ عینی رحمہ اللہ شارح بخاری فرماتے ہیں: ”مَنْ أَنْكَرَ الْحَيَاةَ فِي الْقَبْرِ وَهُمُ الْمُعْتَزِلَةُ وَنَحْوُهُمْ وَأَجَابَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَنْ ذٰلِكَ“ (عینی علی البخاری ج ۷ ص ۲۰۱)

جن لوگوں نے حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے وہ معتزلہ ہیں اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔ اہل سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیے ہیں۔

آخری فیصلہ کن بات مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ

فخر المحدثین والفقہاء حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب اعلاء السنن تحریر فرماتے ہیں: ”مَنْ يُنْكِرُ حَيَاتَهُ ﷺ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلَّمَ فِي قَبْرِهٖ، كَانَ فُؤَادُهٗ فَارِغًا مِنْ حُبِّهٖ وَعَقْلُهٗ خَالِيًا مِنْ لُبِّهٖ“ (اعلاء السنن ج ۱ ص ۳۴۹)

جو شخص حضور خاتم النبیین ﷺ کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے، اس کا دل حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ کی محبت سے فارغ ہے اور اس کی عقل بصیرت سے خالی ہے۔

بلا خوف و تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ۱۴۴۱ھ سے اہل سنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ ہو، دنیا کے کسی خطے میں اس کا قائل نہیں رہا کہ حضور اقدس خاتم النبیین ﷺ (اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق نہیں اور حضور خاتم النبیین ﷺ عند القبر صلاۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ کسی اسلامی کتاب میں۔ عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث و تفسیر کی ہو یا شرح حدیث یا فقہ کی ہو یا علم کلام کی ہو یا علم تصوف و سلوک کی ہو یا سیرت کی ہو یا تاریخ کی ہو کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر

نہیں کہ حضور خاتم النّبیین ﷺ کی روح مبارک کا جسم اطہر کے ساتھ کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ حضور ﷺ عند القبر صلاۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ایک دلیل بھی نہیں لا سکتے۔ (تسکین الصدور ص ۲۸۲)

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب مجدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وَالَّذِي نَعْتَقِدُ أَنَّ رُتْبَةَ نَبِيِّنَا ﷺ عَلَى مَرَاتِبِ الْمَخْلُوقِينَ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَأَنَّهُ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ حَيَاةً مُسْتَقِرَّةً أَبْلَغَ مِنْ حَيَاةِ الشُّهَدَاءِ الْمَنْصُوصِ عَلَيْهَا فِي التَّنْزِيلِ، إِذْهُوَ أَفْضَلُ مِنْهُمْ بِلَارَيْبٍ، وَأَنَّهُ يَسْمَعُ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ'' (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور)

ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور ﷺ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے۔کیونکہ حضور خاتم النّبیین ﷺ ان سے بلا ریب افضل ہیں اور حضور خاتم النّبیین ﷺ اپنے روضہ اطہر میں سلام کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

روضہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی سعادت

یہ واقعہ مدینہ منورہ کی تاریخ کی تقریبا تمام کتب میں موجود ہے، اس کا ذکر شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب تاریخ مدینہ میں تین بڑی سازشوں کے ساتھ کیا ہے، جس میں سے یہ واقعہ سب سے مشہور ہے، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ وفاء الوفاء میں واقعہ تحریر فرماتے ہیں: ''ایک رات نماز تہجد کے بعد سلطان نور الدین زنگی نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم خاتم النّبیین ﷺ کی دو سرخی مائل رنگت کے آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے سلطان سے کہہ رہے ہیں کہ أَنْجِدْنِي، أَنْقِذْنِي مِنْ هٰذَيْنِ۔ مجھے ان کے شر سے بچاؤ، سلطان گھبرا کر اٹھا، وضو کیا، نفل ادا کئے اور پھر اس کی آنکھ لگ گئی۔ پھر حضرت خاتم النّبیین ﷺ کی زیارت ہوئی اور وہی حکم ملا۔اس طرح ایک رات میں تین بار ہدایت ملی کہ ان دونوں کے شر سے بچاؤ۔

سلطان نے اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو جو نہایت نیک وصالح تھا تذکرہ کیا تو وزیر صالح نے کہا پھر آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ اس خواب کا کسی سے ذکر نہ کریں اور فوراً مدینہ منورہ روانہ ہو جائیں۔اگلے روز سلطان نے بیس مخصوص افراد اور بہت سے تحائف کے ساتھ مدینہ منورہ کے لئے کوچ کیا اور سولہویں روز شام کے وقت مدینۃ النبی ﷺ میں پہنچ گیا۔سلطان نے روضہ رسول پر خدمت اقدس ﷺ میں حاضری دی اور مسجد نبوی خاتم النّبیین ﷺ میں بیٹھ گیا۔اعلان کیا کہ اہل مدینہ منورہ مسجد نبوی ﷺ میں پہنچ جائیں۔جہاں سلطان ان میں تحائف تقسیم کرے گا۔اہل مدینہ آتے گئے اور سلطان ہر آنے والے کو باری باری تحفہ دیتا رہا۔اس دوران وہ ہر شخص کو غور سے دیکھتا رہا، لیکن وہ چہرے نظر نہ آئے جو ایک رات میں تین بار خواب میں حضرت خاتم النّبیین ﷺ نے دکھلائے تھے۔سلطان نے پوچھا کیا مدینہ منورہ کا ہر باشندہ ومقیم مجھ سے مل چکا ہے؟ جواب ملا ہاں مل چکا ہے۔سلطان کو یقین تھا کہ کچھ لوگ نہیں ملے اس لئے پھر شدت سے پوچھا کیا آپ حضرات کو یقین ہے کہ ہر شخص جو اہل مدینہ ہے یا مدینہ منورہ میں مقیم ہیں، مجھ سے مل چکے ہیں؟ اس بار حاضرین نے جواب میں کہا، سوائے دو آدمیوں کے۔راز فاش ہو چکا تھا۔سلطان نے پوچھا وہ کون ہیں؟ اور اپنا تحفہ لینے کیوں نہیں آئے۔جواب ملا کہ وہ لوگ مراکش کے ہیں، صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند ہیں، وہ دو متقی و پرہیزگار باشندے ہیں۔دن رات رسول کریم خاتم النّبیین ﷺ پر درود

وسلام بھیجتے ہیں اور ہر ہفتے مسجد قباء جاتے ہیں۔ فیاض اور مہمان نواز ہیں کسی کا دیا نہیں لیتے۔ سلطان نے کہا سبحان اللہ! اور حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی اپنے تحائف وصول کرنے کے لئے فوراً بلایا جائے۔ جب انہیں خصوصی پیغام ملا تو کہا الحمدللہ! ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور ہمیں کسی تحفے تحائف یا خیر وخیرات کی حاجت نہیں یہ جواب سلطان تک پہنچایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ ان دونوں کو فوراً حاضر کیا جائے۔ حکم کی فوری تعمیل ہوئی۔ ایک جھلک ان کی شناخت کے لئے کافی تھی۔ تاہم سلطان نے اپنا غصہ قابو میں رکھا اور پوچھا۔ تم کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو؟ اس دشمن رسول ﷺ نے کہا ہم مراکش کے رہنے والے ہیں، حج کے لئے آئے تھے اور اب روضہ رسول ﷺ کے سائے میں زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ سلطان نے سختی سے کہا۔ کیا تم نے جھوٹ بولنے کی قسم کھا رکھی ہے؟ اب وہ چپ رہے، سلطان نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کہاں رہ رہے ہیں؟

بتایا گیا کہ یہ روضہ نبوی ﷺ کے بالکل قریب ایک مکان میں جو مسجد نبوی ﷺ کے جنوب مغرب میں دیوار کے ساتھ تھا، سلطان فوراً اٹھا اور انہیں ساتھ لے کر اس مکان میں داخل ہو گیا۔ سلطان مکان میں گھومتا پھرتا رہا، اچانک نئے اور قیمتی سامان سے بھرے ہوئے اس مکان میں اس کی نظر فرش پر پڑی ہوئی ایک چٹائی پر پڑی، نظر پڑنی تھی کہ دونوں مراکشی باشندوں کی ہوائیاں اڑ گئیں، سلطان نے چٹائی اٹھائی، اس کے نیچے ایک تازہ کھدی ہوئی سرنگ تھی، سلطان نے گرج کر کہا کیا اب بھی سچ نہ بولو گے؟

ان کے پاس سچ کے سواء کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ مسیحی ونصرانی ہیں اور ان کے حکمراں نے انہیں بہت سامان وزر اور ساز وسامان دے کر حاجیوں کے روپ میں مراکش سے اس منصوبے پر حجاز بھیجا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح رسول کریم خاتم النبیین ﷺ کا جسد اقدس روضہ مبارک سے نکال کر لے آئیں۔

اس ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لئے انہوں نے حج کا بہانہ کیا اور اس کے بعد روضہ رسول ﷺ سے نزدیک ترین جو مکان کرائے پر مل سکتا تھا۔ وہ لے کر اپنا مذموم کام شروع کر دیا، ہر رات وہ سرنگ کھودتے جس کا رخ روضہ مبارک کی طرف تھا اور ہر صبح خود ہی مٹی چمڑے کے تھیلے میں بھر کر جنت البقیع لے جاتے اور اسے قبروں پر بکھیر دیتے، انہوں نے بتایا کہ ان کی ناپاک مہم بالکل آخری مراحل میں تھی کہ ایک رات موسلا دھار بارش کے ساتھ ایسی گرج چمک ہوئی جیسے زلزلہ آ گیا ہو اور جب کہ ان کا کام پایہ تکمیل کو پہنچنے والا تھا تو سلطان نہ جانے کیسے مدینے پہنچ گئے، سلطان ان کی گفتگو سنتے جاتے اور روتے جاتے اور ساتھ ہی فرماتے جاتے کہ میرا نصیب!!! کہ پوری دنیا میں سے اس خدمت کے لئے اس غلام کو چنا گیا۔

سلطان نور الدین زنگی نے حکم دیا کہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے اور روضہ مبارک کے گرد ایک خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے تا کہ آئندہ کوئی بدبخت ایسی مذموم حرکت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ مذکورہ بالا واقعہ ۵۵۸ھ مطابق ۱۱۴۲ء کا ہے۔

اس واقعہ کو علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف وفاء الوفا باخبار دار المصطفی ﷺ میں تفصیل سے لکھا ہے، وہاں مراجعت کی جا سکتی ہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۸۷-۱۸۵)

مسجد نبوی میں بدعقیدہ لوگوں کو دھنسانے کا واقعہ

خدام النبی ﷺ شیخ شمس الدین صواب اللمطی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ کو بھی علامہ سمہودی وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ﷺ میں بیان کرتے ہیں۔ شیخ شمس الدین صواب ایک متقی پرہیزگار اور رحم دل، فقراء مساکین پر بے حد خرچ کرنے والے اور رقیق القلب اور شفیق و مہربان شخص تھے۔ روضہ اقدس کے خدام میں سے تھے۔ واقعہ یوں بیان کرتے ہیں: ”روافض وشیعہ، حلب کی ایک جماعت والیٔ مدینہ منورہ کے پاس آئی اور اسے بہت زیادہ مال و دولت دے کر اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرہ شریف تک بازیابی دے۔ تاکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجساد مطہرہ کو وہاں سے نکال لے جائے۔ امیر مدینہ منورہ نے دربان کو طلب کر کے حکم دے دیا کہ رات میں جب کوئی آئے اور مسجد کا دروازہ کھولنے کو کہے تو کھول دینا اور وہ لوگ جو بھی کریں تم اس میں رکاوٹ نہ ڈالنا، نہ ہی کسی طرح کی مزاحمت اور مداخلت کرنا۔ خدام النبی ﷺ سمع وطاعت بجالائے کہ جب وہ لوگ آئیں گے اور حرم نبوی ﷺ کا دروازہ کھلوائیں گے تو کھول دیں گے اور انہیں کسی بات سے منع نہ کریں گے۔

شمس الدین صواب کا کہنا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے مسجد کا وہ دروازہ جو امیر کے دروازے کے سامنے تھا باب السلام کے قریب کھٹکھٹانے کی آواز آئی تو میں نے دروازہ کھول دیا تو یکے بعد ایک چالیس افراد مسجد خاتم النبیین ﷺ میں داخل ہو گئے اور ان کے ساتھ کھودے۔ گرانے کے تمام سامان اور روشنی کے لئے شمع وچراغ بھی تھے۔ میں دروازہ کھول کر حجرہ انور کے خلف میں بیٹھ کر رونے لگا اور میرے آنسو تھمتے نہ تھے۔

”فَوَ اللهِ مَا وَصَلُوا الْمِنبَرَ حَتَّى ابْتَلَعَتْهُمُ الْأَرْضُ جَمِيعَهُمْ بِجَمِيعِ مَا كَانَ مَعَهُمْ مِنَ الْآلَاتِ وَلَمْ يَبْقَ لَهُمْ أَثَرٌ“

اللہ کی قدرت۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کے وہ ابھی منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے کہ تمام کے تمام کو زمین نگل گئی یعنی زمین میں دھنس گئے اپنے سب آلات وسامان کے ساتھ اور ان کا نام ونشان بھی نہ رہا۔

والیٔ مدینہ منورہ جو بدعقیدہ اور منافق تھا انجام کار کا منتظر تھا۔ جب ان کی سازش اور خبر ملنے میں تاخیر ہوئی تو اس نے مجھے بلایا اور حال احوال معلوم کیا کہ کیا وہ لوگ نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا آئے تھے۔ مگر زمین پھٹی اور سب کے سب نوالہ بن گئے۔ جو میں نے دیکھا سب سچ سچ سنا دیا۔ امیر نے کہا کہ کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے کہا: ”قُمْ، فَانظُرْ، هَلْ تَرَىٰ مِنْهُمْ بَاقِيَةً أَوْ لَهُمْ أَثَرًا؟ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۸۹)

امیر خود جا کر دیکھ لیں کیا ان میں کا کوئی باقی ہے یا ان کے آثار۔ یعنی سامان جو لائے تھے کھودنے وغیرہ کے ان کے ساتھ ساتھ ان کو زمین نے لقمہ عذاب و عقاب بنالیا۔ البتہ ان کے دھسنے کے کچھ آثار اور ان کے کپڑوں کے بعض نشان ابھی بھی باقی ہیں۔

ایک حقیقت جو یاد رکھنی چاہئے

قرآن مجید یا احادیث مبارکہ میں حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے مناقب و مراتب امتیازات وخصوصیات یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو ممیزات حضرت ﷺ کی ذات و صفات کو عطاء ہوئے ہیں وہ تمام کی تمام اکمل واعلی، اتم واولی، جس طرح حیات میں حاصل تھیں وہ سب کی سب ارفع اور اقوی تر ابھی بھی حاصل ہیں، ان میں سے کوئی بھی صفت صفات کمال سے آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوئی ہیں اور نہ کبھی ہوں گی بلکہ ان کمالات کا بدرجہ

اتم اب حضور خاتم النبیین ﷺ کو مشاہدات کا مقام حاصل ہے اور یہی ہمارا ذوق ایمان ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اس حقیقت کو نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں کو مختلف سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو قرآن میں فرمایا:

(۱) ''وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدة:٦٧) '' اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

(۲) ''وَإِن یُرِیدُوا أَن یَخْدَعُوکَ فَإِنَّ حَسْبَکَ اللّٰہُ هُوَ الَّذِي أَیَّدَکَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِینَ (الانفال:٦٢) '' اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے اور وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی غیبی امداد (ملائکہ) اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی۔

(۳) ''یَاأَیُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ (الانفال:٦٤) '' اے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور جن مومنین نے آپ کا اتباع کیا ہے (وہ کافی ہے)

(۴) ''اِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّکَ، إِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا (بنی اسرائیل:٨٧) '' مگر آپ کے رب ہی کی رحمت ہے۔ بے شک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔

(۵) ''وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیلًا (بنی اسرائیل:٦٥) '' اور آپ کا رب کافی کارساز ہے۔

(٦) ''وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیلًا (الاحزاب:٣، ٤٨) '' اور اللہ کافی کارساز ہے۔

(۷) ''یَاأَیُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِیرًا (الاحزاب:٤٥) '' اے نبی! ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔

(۸) ''إِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَهٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِيِّ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا (الاحزاب:٥٦) '' بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی پر، اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

(۹) ''وَمَن یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیمًا (الاحزاب:٧١) '' اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

(۱۰) ''یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللّٰہَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ (محمد:٣٣، النساء:٥٩) ''

(۱۱) ''قُلْ أَطِیعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُولَ (آل عمران:٣٢، ١٣٢) ''

(۱۲) ''وَأَطِیعُوا اللّٰہَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ (المائدة:٩٢) ''

(۱۳) ''وَأَطِیعُوا اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ (الانفال:١، ٢٠، ٤٦، المجادله:٥٨) '' اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو۔

(۱۴) ''إِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِینَ (یٰسین:٣) ''

(۱۵) ''وَمَن یَعْصِ اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ (النساء:١٦، الاحزاب:٣٦، الجن:٢٣) ''

(۱٦) ''إِنَّ الَّذِینَ یُؤْذُونَ اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰہُ فِي الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِینًا (الاحزاب:٥٧) '' بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۱۷)" مَن يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا (التوبہ:۶۳) " جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو ایسے شخص کو دوزخ کی آگ نصیب ہوگی وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

(۱۸)" إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (المجادلہ:۵، ۲۰) " بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یہ لوگ سخت ذلیل لوگوں میں ہیں۔

(۱۹)" إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (المائدۃ:۳۳) " جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں۔

(۲۰)" فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (البقرۃ:۲۷) " تو (اشتہار) سن لو جنگ اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے۔

یہ چند مثالیں قرآن مجید سے آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں کیا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان اور خواہ کتنا ہی کمزور ہو اعمال میں یہ جرأت وجسارت کرسکتا ہے کہ یہ کہہ دے کہ مذکورہ مثالوں میں ایک آیت بھی ایسی ہو جو حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات طیبہ میں تو صحیح تھی اور اب حضور خاتم النبیین ﷺ نے رفیق اعلیٰ میں تشریف فرما ہیں۔ لہٰذا جو حکم حضور ﷺ کی حرمت وعظمت یا اطاعت واتباع کا آپ ﷺ کی حیات میں تھا نہ رہا۔ معاذ اللہ! اللہ کی امان وپناہ۔

موت سے صفت نبوت اور حیات سلب نہیں ہوتی

اس لئے پہلے عرض کر دیا گیا تھا کہ موت ووفات سے صفت نبوت زائل وختم نہیں ہوتی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی موت ووفات سے حیات سلب نہیں ہوتی۔ عام لوگوں کی موت حیات کو ختم کر دیتی ہے زائل کر دیتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی وفات حیات کو چھپا لیتی ہے۔ ساتر حیات ہے جب کہ عام لوگوں کی موت مزیل حیات ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی وفات اور موت ظاہری ہے۔ جس کے اندر باطن میں ان کی حیات چھپی ہوتی ہے۔ اسی طرح جس طرح سورج نکلا ہو اور بادل سامنے آکر پورے سورج کو چھپا لیتا ہے۔ ظاہر بینوں کو حیات نظر نہیں آتی۔ نظر نہ آنا یہ ہماری کمزوری ہے۔ جس کا باطن روشن اور اہل بصیرت ہیں ان پر واضح ہے۔ حاصل یہ کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی وفات یا موت ان کی حیات وزندگی کے لئے ساتر ہے۔ رافع حیات اور دافع حیات نہیں۔ بلکہ موت کے وقت انبیاء کرام کی حیات اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہے جیسا کہ شمع یا سر چراغ کو کسی ہنڈیا میں رکھ کر اوپر سر پوش رکھ دینے میں اور شمع اور چراغ گل ہو جانے میں فرق ہے، گل ہو جانے میں نور زائل ہو جاتا ہے اور ہنڈیا میں رکھ کر سر پوش رکھ دینے سے نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ سر پوش رکھ دینے سے تمام شعاعیں باہر سے سمٹ کر اس ظرف میں آجاتی ہیں۔ بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتا ہے۔ جس سے وہ نور اور شدید ہو جاتا ہے، بس عام مومنین کی موت سے ان کی حیات کا نور بالکل زائل ہو جاتا ہے۔

اور انبیاء کرام علیہم السلام کی موت سے ان کی حیات کا نور مستور ہو جاتا ہے زائل نہیں ہوتا اگرچہ ظاہر نظر میں فرق نہ معلوم ہو۔ شمع اور چراغ گل ہو جانے یا کسی ظرف میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا نور مستور ہو جائے باعتبار مکان کے اندھیرا دونوں صورتوں میں برابر ہے۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۳ ص ۱۵۰)

اصل کی طرف واپسی

قارئین! آپ کے سامنے قرآن مجید سے بیس (۲۰) آیات پیش کی گئی ہیں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کا حکم بندوں کو دیا ہے۔ تو جس طرح وہ حکم حضرت خاتم النبیین ﷺ کی حیات مبارک میں تھا اب بھی ہے اور قیامت تک وہ حکم باقی رہے گا۔ ایسا قطعاً نہیں ہے کہ کوئی حکم اطاعت ختم ہو گیا ہو یا معصیت کی اجازت مل گئی ہو۔ آخر اس کی حکمت کیا ہے۔

شروع میں ہی اشارہ کر دیا گیا تھا اور وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ بعد میں اس کی تفصیل بیان کر دی جائے گی۔ اس وقت آپ کے سامنے بس ایک واقعہ بطور شہادت کے پیش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کو (المائدہ:۱) پر جو لکھی گئی ہے فرمایا: "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ"

یہ عصمت آپ ﷺ کی جس طرح پوری حیات میں ہوئی اور کتب سیرت میں بے شمار واقعات موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت وحراست اور عصمت، نگاہ ربوبیت میں کی، اور رفیق اعلیٰ میں تشریف لے جانے کے بعد جسد اطہر، انور، اقدس، اطیب، اجلی، اعلی، احسن کی حفاظت کے لئے نور الدین زنگی کو شام سے بلوایا گیا۔ جس کو علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں لکھا ہے، جو حیات کی کھلی دلیل ہے۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی محبت میں زبان کٹنا اور خاتم النبیین ﷺ کا جوڑ دینا

حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے صحیح سند کے ساتھ پہنچا ہے اور اس زمانے میں بہت مشہور ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عارف باللہ شیخ ابن الزغب یمنی کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے وطن سے سفر کر کے اوّل حج ادا کرتے اور پھر زیارت روضۂ اقدس ﷺ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ دربار نبوی ﷺ کی حاضری کے وقت والہانہ اشعار و قصیدہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ اور صاحبین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھ کر روضۂ اقدس ﷺ کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حسب عادت قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک رافضی بدعقیدہ ان کے پاس آیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آج میری دعوت قبول کیجئے۔

حضرت شیخ ابن الزغب رحمۃ اللہ علیہ نے از روئے تواضع اور احترام مدینہ منورہ ﷺ اور اتباع سنت رسول خاتم النبیین ﷺ دعوت قبول فرمالی۔

شیخ کو اس بات کا بالکل وہم وگمان اور قطعاً اس کا علم نہ تھا کہ دعوت دینے والا بدعقیدہ رافضی ہے اور حضرات شیخین ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی میری زبان سے روضۂ اقدس پر مدح وتعریف سے ناراض ہے اور اس کے دل میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے بغض وعداوت کی آگ جل رہی ہے، شیخ حسب وعدہ اس کے مکان پر تشریف لے گئے، مکان میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے دو حبشی غلاموں کو اشارہ کیا، جن کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا اور ساری منافقانہ حرکت سمجھا رکھی تھی۔

وہ دونوں حبشی غلام اس اللہ کے ولی کو لپٹ گئے اور زمین پر پٹخ کر منہ سے زبان نکال کر کاٹ ڈالی، جس کام پر حبشی غلام متعین تھے اور اس رافضی نے دعوت بھی اسی مقصد کے لئے کی ہوئی تھی، اس کے بعد اس رافضی بدعقیدہ کمبخت نے شیخ سے کہا: جاؤ یہ زبان ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس لے جاؤ جن کی مدح وثنا میں تمہاری زبان گنگناتی تھی اور ترنم کے ساتھ زمزلہ سے لذت لیتی تھی، جاؤ وہ تمہاری زبان جوڑ دیں گے؟ شیخ اپنی کٹی ہوئی زبان ہاتھ میں لئے ہوئے، خون سے منہ بھرا ہوا ہے، روضہ اقدس پر خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنسوؤں کے نذرانہ عقیدت کے ساتھ حال دل، داستان غم کہہ سنایا، نڈھال تو تھے ہی، اسی حال میں آنکھ لگ گئی، نصیب و بخت بیدار ہو گیا۔

رحمت دو عالم، فخر کائنات، خاتم النبیین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور سید دو عالم ﷺ کے ہمراہ وساتھ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی بھی زیارت نصیب ہوئی اور کیوں نہ ہوتی کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح وثنا میں یہ سب کچھ ہوا تھا اور ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اس واقعہ کی وجہ سے غمگین نظر آئے۔ حضرت فخر کائنات، رحمۃ للعالمین، سید عالم، شفیع اعظم ﷺ نے شیخ کے ہاتھ سے کٹی ہوئی زبان اپنے دست اقدس، اطہر وانور، اطیب ومبارک میں لے لی اور شیخ کو قریب کر کے منہ کھول کر زبان ان کے جہاں سے کٹی ہوئی تھی وہیں پر لگا دی، رکھ دی۔

شیخ جب خواب سے بیدار ہوئے تو زبان بالکل صحیح سالم اور درست وسلامت اپنی جگہ لگی ہوئی تھی اور کسی بھی طرح یہ محسوس نہ ہوا کہ حادثہ ہوا تھا۔

زندہ نبی ﷺ کے دست مبارک سے شفاء نہ ملے گی تو اور کہاں امید کی جا سکتی ہے؟

حیات النبی کا عقیدہ یہی تو ہے کہ جو بے جان چیز بھی ان کے دست مبارک میں اور ان کی جناب میں پہنچ جاتی ہے اس کو حیات ہی حیات مل جاتی ہے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ جس ذات عالی وگرامی ﷺ سے دوسروں کی بے جان چیز کو حیات وزندگی نصیب ہوتی ہے، وہ ذات اقدس واطہر خود حیات کے کس اعلیٰ واقویٰ مراتب بالاتر پر ہوگی۔ صلّی اللہ علیہ وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا کثیرًا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ عَدَدَ خَلْقِکَ وَمِدَادَ کَلِمَاتِکَ وَزِنَةَ عَرْشِکَ وَرِضَا نَفْسِکَ وَعَدَدَ تَنَفُّسِ کُلِّ نَفْسٍ وَعَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی بِعَدَدِ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی کُلَّ آنٍ وَزَمَانٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ، آمین!

شیخ کی زبان کا صحیح وسلامت ہو جانا، دربار نبوت سے زبان کو حیات مل جانے کا یہ کھلا ہوا معجزہ دیکھ کر اپنے وطن واپس چلے گئے۔

شیخ ابن الرغب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان تراشنے والا بندر بنا دیا گیا

دوسرے سال پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حسب معمول وعادت، ذوق وشوق اور وفور محبت وعقیدت، انبساط وانشراح کے ساتھ روضہ اقدس پر حضرت خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ قدسی میں حاضر ہو کر قصیدہ مرثیہ خاتم النبیین ﷺ کی جناب میں پیش کر کے فارغ ہوئے تو ایک شخص نے دعوت طعام قبول کرنے کی درخواست پیش کی۔ شیخ نے پھر تَوَکُّلًا عَلَی اللّٰہِ قبول فرمالی اور اس کے ساتھ ساتھ تشریف لے گئے، وہی راستہ وہی پرانی گلی ومحلہ اور

وہی مکان، جس میں سال گزشتہ ان کے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا، دل ہی دل میں نا معلوم کیا کیا باتیں آتی ہوں گی۔

تاہم مدینۃ الرسول اور النبی الخاتم ﷺ میں حق تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کر کے مکان میں داخل ہو گئے، اس شخص نے نہایت عزت واحترام کے ساتھ استقبال کیا اور بٹھایا اور پر تکلف کھانے کھلائے، کھانے کے بعد یہ نوجوان شیخ کو ایک کوٹھری میں لے گیا، جو مکان کے اندر تھا، شیخ نے دیکھا کہ وہاں ایک بندر بیٹھا ہوا ہے۔

صاحب خانہ داعی نوجوان شیخ سے پوچھنے لگا کہ آپ جانتے ہیں یہ بندر کون ہے؟ شیخ نے جواب دیا نہیں مجھے کیا معلوم کون سا بندر ہے؟ نوجوان نے عرض کیا یہ وہی بد بخت و کمبخت، بدعقیدہ رافضی ہے جس نے آپ کو دعوت کے بہانے تقیہ کر کے کھانے پر مدعو کیا تھا اور پھر حبشی غلام کی مدد سے آپ کی زبان کو جو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شان میں مدحیہ قصیدہ پڑھتی تھی، اس کو تراشا تھا اور قطع کر کے آپ کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ حق تعالیٰ نے اسے بندر کی صورت میں مسخ کر کے اس ذلت ورسوائی میں ڈال دیا ہے اور یہ میرا باپ ہے اور میں اس کا بیٹا ہوں۔

اس واقعہ سے واضح طور پر حیات رحمت کائنات ﷺ پر روشنی پڑتی ہے کہ شیخ روضہ اقدس ﷺ پر حاضر ہوئے۔ کیونکہ حضرت ﷺ کا جسد مبارک روح کے ساتھ قبر شریف میں حیات کی لازوال صفت سے متصف ہے اور شیخ نے اپنے غم کی داستاں بھی بزبان حال حضرت کی ذات عالی وگرامی ﷺ کو سنائی، جو روح مع الجسد ہے اور حضرت کی ذات اقدس نے اپنے دست مبارک سے ان کی زبان کو منہ میں جوڑ دیا۔ یہ عمل بھی روح کا تنہا نہیں اسی جسد اطہر ﷺ کے دست مبارک کا ہے جو روح مع الجسد ہے۔

اس واقعہ اور اِس جیسے بے شمار واقعات سے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی حیات وزندگی جو روضہ اقدس میں آپ کو حاصل ہے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو برا کہنے والا مسخ ہو کر بندر ہو گیا

امام مستغفری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کیا کہ ایک ثقہ آدمی نے بیان کیا کہ ہم تین آدمی یمن جا رہے تھے اور ہمارے ساتھ ایک شخص کوفہ کا تھا وہ بدعقیدہ رافضی تھا جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتا تھا۔ ہم ہر چند کہ اسے اس گندی حرکت سے منع کرتے تھے مگر وہ بدعقیدہ وبد باطن رافضی نہ مانتا تھا۔ نا ہی اس بدکلامی سے باز آتا تھا، جب ہم یمن کے نزدیک پہنچے تو ایک جگہ ہم نے پڑاؤ ڈالا اور سو گئے اور جب کوچ وروانگی کا وقت آیا تو ہم سب نے اٹھ کر وضو کیا اور اس شخص کو بھی جگایا۔

وہ اٹھ کر کہنے لگا افسوس میں تم سے جدا ہو کر اسی منزل میں رہ جاؤں گا۔ ابھی میں نے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے کہ سید عالم خاتم النبیین ﷺ فرما رہے ہیں کہ اے فاسق تو اس منزل میں مسخ ہو جائے گا۔ ہم نے کہا کہ وضو کر، اس نے اپنے پاؤں سمیٹے تو ہم نے دیکھا کہ انگلیوں سے اس کا مسخ ہونا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے دونوں پاؤں بندر کے سے ہو گئے، پھر گھٹنوں تک، پھر کمر تک، پھر سینہ تک، پھر منہ تک مسخ پہنچا اور وہ بالکل بندر بن گیا۔

ہم نے اس کو پکڑ کر اونٹ پر باندھ لیا اور وہاں سے روانہ ہوئے اور غروب آفتاب کے وقت ایک جنگل

میں پہنچے، وہاں چند بندر پہلے سے جمع تھے اس نے جب ان بندروں کو دیکھا تو رسی تڑوا کر ان بندروں میں جا ملا۔ نعوذ باللہ۔ الصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین ﷺ والسلام علی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ (دینی دسترخوان ج ۳ ص ۱۶۱)

خاتم النبیین ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والے کے لئے قتل کا حکم فرمایا

امام مستغفری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بیان کیا ہے کہ ایک نہایت نیک و صالح آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور تمام لوگ حساب و کتاب کے لئے بلائے جا رہے ہیں، میں پل صراط کے قریب پہنچا اور گزر گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ حوض کوثر پر کھڑے ہیں، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما لوگوں کو آب کوثر پلا رہے ہیں میں نے بھی پانی مانگا تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے انکار کر دیا۔ پس میں حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ انہوں نے مجھے آب کوثر نہیں پلایا۔ حضور ﷺ آپ ارشاد فرما دیجئے کہ وہ مجھے پانی پلا دیں، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تیرا ایک پڑوسی اور ہمسایہ ہے جو علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا، سب و شتم کرتا ہے اور تو اس کو منع نہیں کرتا۔

میں نے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کو روک سکوں، وہ قوی ہے مجھ کو مار ڈالے گا۔ اس پر حضرت محمد ﷺ نے مجھ کو ایک چھری عنایت فرمائی اور فرمایا کہ جا اس کو اس سے ذبح کر دے، میں نے خواب میں ہی اس کو ذبح کر دیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اس کو قتل کر ڈالا ہے۔ تب حضور خاتم النبیین ﷺ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اس کو پانی پلا دو۔

حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: اُخْرُجْ یَا کَلْبُ، تو وہ کتا ہو گیا

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار فی اسرار الابرار میں اپنے ساتھ بیتا ہوا ایک واقعہ لکھے ہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی جب مدینہ منورہ میں علم حدیث سے فارغ ہوئے تو حضرت خاتم النبیین ﷺ نے خواب میں ارشاد فرمایا۔ ہندوستان چلے جاؤ اور وہیں علم حدیث کی اشاعت کرو، تاکہ وہاں کے لوگوں کو فیض پہنچے۔ شیخ نے حضرت ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ بغیر حضوری آستانہ مبارک میری زندگی کیسے کٹے گی۔ حکم ہوا پریشان مت ہو، رات کو مراقب ہو کر بیٹھا کرو، ہمارے پاس پہنچ جایا کرو گے، تم کو ہر رات زیارت ہوا کرے گی۔ شیخ اس ارشاد کے بعد مطمئن ہو گئے۔

جب ہندوستان آنے لگے تو حضرت خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ خاکساران ہند پر نظر رکھنا، اس کا شیخ پر بڑا اثر ہوا، شیخ جب ہندوستان تشریف لے آئے تو ان کا معمول بن گیا جہاں بھی جاتے تو معلوم کرتے کہ یہاں کوئی اللہ والا ہے تو اس کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک بار دکن تشریف لئے، اور وہاں شیخ عبد الوہاب منڈوی رحمۃ اللہ علیہ سے استدراج کے موضوع پر گفتگو ہوئی کہ گمراہ اور بددین اور بدعتیوں کو بھی بسا اوقات ایسی چیز حاصل ہو جاتی ہے، جس سے وہ اہل حق کو دھوکہ دے کر گمراہ کرتے ہیں اور اپنی طرف مائل کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد دکن کے ایک اور شہر میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں شہر کے قاضی عبد العزیز نامی شافعی المذہب سے معلوم کیا کہ یہاں کوئی درویش اللہ والا ہے تو ملوں۔

قاضی صاحب نے بتلایا کہ فلاں جگہ ایک شخص اہل باطن فقیر سے مشہور ہے ان کے مریدین بھی ہیں مگر میں ان کی خلاف شرع باتوں سے خوش نہیں ہوں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ظہر کے وقت اس فقیر کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھتے ہی اس نے کہا مولوی عبدالحق آپ کا بڑا انتظار تھا میں بیٹھ گیا مزاج پرسی کے بعد فقیر نے صراحی سے جام یعنی شراب نکالا اور خود پیا اور ایک پیالہ مجھے دیا۔ میں نے کہا میں آپ کو منع نہیں کرتا مگر میں نہیں پی سکتا کہ یہ حرام ہے اس معمولی استدراج والے فقیر نے تین بار پیالہ میری طرف بڑھایا اور کہا پی لو ورنہ پچھتاؤ گے۔

جب رات کو مراقب ہوا تو دیکھا کہ جہاں خیمہ دربار رسول خاتم النبیین ﷺ نصب ہے اس سے سو قدم پہلے وہ فقیر لٹھ لئے کھڑا ہے۔ ہر چند میں آگے جانا چاہتا ہوں لیکن اس فقیر نے نہ جانے دیا۔ مجبوراً واپس آ گیا۔ صبح پھر اس فقیر کے پاس چلا گیا، پھر اس نے جام و شراب پیش کیا، میں نے کہا میرے لئے حرام ہے اور تیرے حکم سے اللہ اور رسول ﷺ کا حکم ماننا افضل ہے۔ فقیر نے کہا پی لے ورنہ پچھتائے گا۔ رات میں پھر وہی فقیر لٹھ لئے مراقبے میں رکاوٹ بنا رہا، اس طرح تین راتیں گزر گئیں، ہر صبح میں اس کے پاس جاتا اور وہ شراب پیش کرتا، میں انکار کرتا رہا وہ کہتا پی لے ورنہ پچھتائے گا، چوتھی شب جب مراقب ہوا تو پھر وہی فقیر رکاوٹ بنا رہا، اور وہ لٹھ لے کر میری طرف دوڑا کہ خبردار جو اس طرف قدم بڑھایا، اس وقت حالت اضطراب میں میری زبان سے نکلا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ الْغِیَاثُ، اسی وقت حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ عبدالحق چار راتوں سے حاضر نہیں ہوا، دیکھو تو باہر کون پکارتا ہے، بلا لاؤ۔ انہوں نے ہم دونوں کو حاضر کیا، حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا عبدالحق چار راتوں سے کہاں تھا۔ میں نے سارا قصہ بیان فرما دیا۔ اس پر محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے اس فقیر کی نسبت فرمایا: أُخْرُجْ يَا كَلْبُ "نکل جا اے کتا۔"

صبح کے وقت میں پھر فقیر کی طرف گیا تو دیکھا کہ اس کا حجرہ بند ہے باہر دو چار مرید بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا کہ دن چڑھ آیا ہے اور دروازہ نہیں کھلا آخر کیا بات ہے دیکھیں کہ وہ ہے بھی یا نہیں۔ جب دروازہ کھولا تو پیر ندارد۔ سب حیران ہوئے۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ دھلوی نے فرمایا کہ کوئی جانور یہاں سے نکلا تھا تو مریدین بولے کہ ایک کالا کتا تو ہم نے یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا وہی تمہارا پیر تھا۔ رات یہ معاملہ پیش آیا اور ان کے مریدوں کو پوری تفصیل بتلا دی، اب تم اس کی بیعت کو برقرار رکھو یا توبہ کرو تمہارا پیر تو کتا بن چکا ہے۔ وہ مریدین بھی حیران رہ گئے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ہاتھ بیعت ہو گئے۔

شیخ ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ کو حضور خاتم النبیین ﷺ نے روٹی دی جو ان کے ہاتھ میں تھی

شیخ ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ میں آیا پانچ دن وہاں قیام کیا اور مجھے ان دنوں میں کوئی چیز چکھنے کو بھی نہ ملی، میں قبر شریف کے پاس حاضر ہوا اور حضرت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ آج میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں، پھر وہاں سے ہٹ کر ممبر کے پیچھے سو رہا۔

خواب میں حضور سرور عالم خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی داہنی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بائیں جانب تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے آگے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ کو ہلایا اور فرمایا کہ اٹھ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں، میں اٹھا اور حضرت محمد ﷺ کے دونوں آنکھوں کے درمیان چوما، حضور ﷺ نے ایک روٹی مجھ کو عنایت فرمائی میں نے آدھی کھائی اور جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

(قول البدیع، فضائل درود ص ۷۶۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

(۱) ایک روز مجھے بہت ہی بھوک لگی (نہ معلوم کئی دن کا فاقہ ہوگا) میں نے اللہ جل شانہٗ سے دعا کی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی روح اقدس آسمان سے اتری ہے اور حضور ﷺ کے ساتھ ایک روٹی تھی گویا اللہ جل شانہٗ نے حضور ﷺ سے ارشاد فرمایا تھا کے روٹی مجھے مرحمت فرمائیں۔

(۲) ایک دن مجھے رات کو کھانے کو کچھ نہیں ملا تو میرے دوستوں میں سے ایک شخص دودھ کا پیالہ لایا جس کو میں نے پیا اور سو گیا، خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دودھ میں نے ہی بھیجا تھا۔

(۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں میرے والد نے مجھ سے بتایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو خواب میں نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی زیارت ہوئی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے بیٹے کیسی طبیعت ہے؟ اس کے بعد شفا کی بشارت عطاء فرمائی اور اپنی داڑھی مبارک میں سے دو بال مرحمت فرمائے، مجھے اسی وقت صحت ہو گئی اور جب میری آنکھ کھلی تو وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے ان دو بالوں میں سے ایک مجھے مرحمت فرمایا تھا۔ (فیوض الحرمین)

رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے چند درہم عطا فرمائے بیداری کے بعد ہاتھ میں موجود تھے

احمد بن محمد صوفی فرماتے ہیں کہ میں تین مہینوں تک جنگلوں میں پھرتا رہا یہاں تک کہ میرے جسم کی کھال گل گئی تو مدینہ منورہ آیا اور خدمت اقدس ﷺ میں حاضری دی اور حضور خاتم النبیین ﷺ کو سلام عرض کیا اور روضہ اقدس کے پاس سو گیا۔ میں نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا احمد تو آ گیا، دیکھ تیرا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا ہاتھ کھول، جب میں نے ہاتھ کھولا تو رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے اس میں چند درہم رکھ دیئے، جب میں بیدار ہوا تو درہم میرے ہاتھ میں موجود تھے، بازار گیا اور کھانا خرید کر کھایا۔ (دینی دسترخوان ج ا ص ۲۲۸)

خاتم النبیین ﷺ کا خواب میں روٹی عنایت فرمانا

ابو عبد اللہ الحملا فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا دو روز کے فاقے سے تھا، روضۂ اطہر ﷺ پر حاضر

ہو کر سلام پیش کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ پھر مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی ہے، آدھی روٹی تو میں نے بحالت خواب ہی کھالی اور جب بیدار ہوا تو باقی آدھی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔ آپ بغداد کے رہنے والے تھے۔ (دینی دسترخوان ج ۱ ص ۴۴۲)

خاتم النبیین ﷺ کے دست رحمت کے پھیرنے سے نابینا بینا ہو گیا

مرادح بن معقل ایک سید حسنی قاہرہ میں رہتے تھے، ان کی آنکھوں میں بادشاہ وقت نے سلائی پھروا دی تھی، جس کے صدمے سے دماغ پک گیا تھا اور پھول گیا، اور بدبو دے اٹھا تھا۔ آنکھیں بہہ گئی تھیں اور بے چارے اندھے ہو گئے تھے، ایک عرصے بعد ان کا جانا مدینہ منورہ ہوا۔ روضہ اطہر پر صلوٰۃ وسلام پیش کر کے قریب کھڑے ہو کر اپنا حالِ زار دربار نبوت ﷺ میں سنایا اور بیان کیا، رات میں جب سوئے تو خواب میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ تشریف لائے اور ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک ورحمت پھیرا۔ بیدار ہوئے تو دونوں آنکھیں بالکل درست وسلامت تھیں۔ تمام مدینے میں اس واقعے کی خبر پھیل گئی اور وہ صحیح وتندرست آنکھوں سے قاہرہ واپس گئے۔ بادشاہ بھی اس واقعے کے بعد نادم وپشیمان ہوا۔ (دینی دسترخوان ج ۱ ص ۴۴۱)

خاتم النبیین ﷺ نے عید کے کپڑوں کا انتظام کرا دیا

ابوالحسن تمیمی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خرچ سے بہت تنگ تھا، عید الفطر کی وجہ سے سخت اضطراب میں تھا کہ کل عید ہے خرچ وغیرہ کہاں سے آئے گا۔ بظاہر کوئی سبب نظر نہ آ رہا تھا۔ بچوں کا کپڑا وغیرہ کا انتظام کیسے ہوگا اسی سوچ میں تھا کہ اچانک کسی نے دروازے سے آواز دی۔ میں باہر آیا تو ابن ابی عمر تھے، انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں ابھی حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو دیکھا ہے، اور حضور خاتم النبیین ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ ابوالحسن تمیمی اور ان کی اولاد بڑی تنگی میں ہے، اسی وقت ان کی کچھ مدد کر کہ انکی بھی عید ہو جائے۔ میں نے بیدار ہو کر فوراً کپڑے وغیرہ خریدے اور وہ لے کر اب آپ کے پاس آیا ہوں اور اس طرح ابوالحسن تمیمی اور ان کے گھر والوں کا پورا انتظام ہو گیا۔ (دینی دسترخوان ج ۱ ص ۴۵۱)

مدینہ منورہ میں سخت قحط اور گنبد خضراء کے کلس میں سوراخ کا قصہ

ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا تو اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں سید عالم ﷺ کو دیکھا اور حضور خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا کہ حجرے کی چھت میں سوراخ کر دو۔ پس آرام گاہ نبوی ﷺ۔ عَلٰی صَاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفِ صَلَوَاتٍ وَ اَلْفُ اَلْفِ سَلَامٍ کے محاذ میں ایک سوراخ اس طرح بنایا گیا کہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہی۔ ایسا کرتے ہی خوب بارش ہوئی، چارہ خوب اگا اور ہر طرح کی شادابی کی فراوانی ہو گی۔ اس طرح اس سال کا نام ہی۔ الفتق۔ سرسبزی والا سال پڑ گیا۔ گنبد خضراء کے کلس کی جڑ میں غربی پہلو میں قبر شریف کے محاذ میں آج بھی جالی لگا ہوا سوراخ موجود ہے۔ (دینی دسترخوان ج ۱ ص ۴۴۵)

خاتم النبیین ﷺ نے جہاز ڈوبنے سے بچنے کے لئے درود تُنَجِّینَا تعلیم فرمائی

منہاج الحسنات میں ابن فاکہانی کی کتاب فجر منیر سے نقل کیا ہے کہ ایک بزرگ نیک صالح موسیٰ ضریر بھی تھے انہوں نے اپنا گزرا ہوا قصہ نقل کیا ہے کہ ایک جہاز ڈوبنے لگا اور میں اس میں موجود تھا، اس وقت مجھ کو غنودگی سی ہوئی اس حالت میں رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے مجھ کو یہ درود تعلیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ جہاز والے اس کو ہزار بار پڑھیں۔ ابھی ۳۰۰ مرتبہ ہی نوبت پہنچی تھی کہ جہاز نے نجات پائی۔ وہ درود شریف یہ ہے: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیَاۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ'' (فضائل درود شریف ص ۲۴۶)

خاتم النبیین ﷺ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کا نشان لگایا جو صبح میں موجود تھا

دارالعلوم دیوبند اہل حق، اہل سنت والجماعت، کتاب وسنت کی اشاعت کا ایک الہامی مدرسہ ہے۔ جس کی بنیاد ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو رکھی گئی اور دارالعلوم دیوبند کا آغاز ہوا۔ زمین مل جانے کے بعد مدرسے کی عمارت کے لئے بنیاد رکھ دی گئی، جب وقت آیا کہ بنیاد بھری جائے اور اس پر عمارت تعمیر کی جائے تو مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ وسلم مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند نے خواب میں دیکھا اس بنیاد والی زمین پر حضرت محمد رسول اللہ نبی آخر الزماں ﷺ تشریف فرما ہیں، ہاتھ مبارک میں عصا ہے، رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے مولانا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔ شمالی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے اس سے صحن مدرسہ چھوٹا اور تنگ رہے گا اور حضور خاتم النبیین ﷺ نے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال کی جانب ہٹا کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہئے تاکہ مدرسہ کا صحن وسیع رہے۔ (جہاں تک اب صحن کی لمبائی ہے) خواب دیکھنے کے بعد مولانا علی الصبح بنیادوں کے معائنے کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا لگایا ہوا نشان بدستور موجود تھا اسی نشان پر بنیاد کھدوائی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہوگئی۔

اس طرح دارالعلوم دیوبند حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ علم کی قائم کردہ بنیاد پر قائم ودائم ہے اور اہل حق اور کتاب وسنت اور دین کی اشاعت کا ذریعہ ہے۔ اللہ اپنی نگاہ ربوبیت میں بجاہ خاتم النبیین ﷺ اس ادارہ کو ہر طرح کی حفاظت وحراست میں رکھ کر قائم ودائم رکھے۔ آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ!

خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا مولانا نانوتوی اور شاہ ولی اللہ نے میرے دین کی اشاعت کی ہے

حضرت خواجہ محمد فضل علی قریشی ہاشمی عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جہاں تک میں نے غور کیا دیوبند والوں کو حق پر پایا۔ حاسدوں نے جھوٹے الزامات لگا کر ان کو بدنام کر رکھا ہے، ایک بار دیوبند تشریف لائے اور سب سے پہلے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے فاتحہ خوانی کے بعد معاً مراقب ہو گئے، مراقبے سے فراغت کے بعد سیدھے دارالحدیث دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے اور طلباء سے خطاب فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی روح پرفتوح ظاہر ہوئی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی روح بھی وہیں موجود تھی۔

تو حضور خاتم النبیین ﷺ نے مولانا قاسم نانوتوی اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں نے ہندوستان میں میرے دین کی اشاعت و تبلیغ کی ہے۔ (دینی دسترخوان ج ۱ ص ۳۶۵)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پچھتر مرتبہ زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے

علامہ حافظ عبدالرحمن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک فریادی نے درخواست کی کہ میں سلطان قاتیبائی کے پاس جا کر ان کی سفارش کروں میں نے ان کو جواب دیا کہ میرے بھائی میں ۷۵ مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں، سوتے اور جاگتے یعنی نیند اور بیداری دونوں میں، حضور ﷺ سے بعض احادیث کی صحت کے بارے میں دریافت کر چکا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں سفارشی بن کر آپ کے ساتھ سلطان کے پاس جاؤں تو پھر مجھے زیارت نصیب نہ ہو، میں اس شرف کو شرف سلطان پر ترجیح دیتا ہوں۔ (دینی دسترخوان ج ۱ ص ۴۴۷)

نیند یا بیداری میں زیارت خاتم النبیین ﷺ

(۱) "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي" "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب و نیند میں دیکھا سو وہ عنقریب مجھے دیکھے گا بیداری و ہوش میں کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (اخرجہ البخاری رقم ۶۹۹۳، مسلم ۲۲۶۶، فیض القدیر رقم ۸۶۹۰، ابوداؤد ۵۰۲۳)

(۲) "مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَزَيَّى بِي" "جس نے مجھے دیکھا (یعنی خواب میں) تو مجھے ہی یقیناً دیکھا، بے شک شیطان میری شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

(فیض القدیر رقم ۸۶۸۹، بخاری، مسلم، مسند احمد عن ابی قتادۃ)

(۳) "مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي" "جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان میری شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (بخاری، ترمذی، مسند احمد، فیض القدیر ۸۶۸۸)

زیارت رسول اللہ ﷺ کی پہلی بنیادی اساس

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بنیادی بات یہ جان لینی چاہئے کہ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی بے شمار خصوصیات ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ خواب میں حضور سید دو عالم ﷺ کو دیکھنا حق و سچ ہے، اور جس نے بھی دیکھا، صحیح دیکھا، اس نے حقیقتاً حضور خاتم النبیین ﷺ کو ہی دیکھا اور حضور خاتم النبیین ﷺ اس کے ساتھ خاص کئے گئے ہیں کہ خواب میں آپ ﷺ کو دیکھنا صحیح، درست، حق، سچ اور حقیقت و صداقت کے سواء کچھ بھی نہیں۔ ذرہ برابر تردد یا اس میں کسی شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

شیطان کو نبی ﷺ کی شکل وصورت اختیار کرنے کی قدرت نہیں

دوسری ایک اہم خصوصیت خاتم النبیین ﷺ کی عصمت وحراست اور منجانب اللہ پر عظمت حفاظت ہے کہ شیطان لعین کو ہر اعتبار و جہت سے روک دیا گیا ہے کہ وہ ہمارے سراپا رحمت، خاتم النبیین ﷺ کی مبارک صورت میں، اپنے کو بدل لے یا تصور ہو سکے یا ہیئت اختیار کرلے۔

دوسری تعبیر آپ یوں بھی کر سکتے ہیں کہ ہمارے حضرت ﷺ سراپا رشد وہدایت کے پیکر ہیں، رحمت وبرکت کے منبع ومخزن ہیں اور قیامت تک ختم نبوت ورسالت کے تخت وتاج کی زینت وبہجت ہیں۔

دین وایمان کو شرور وطغیان سے نکھار کر کمال اور اکمال واتمام تک پہنچا چکے ہیں۔ حق وباطل، رطب ویابس، طیب وخبیث میں تمیز وفرق کو واضح کر چکے ہیں اور "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ" سے، بارگاہ حق میں استغاثہ واستعاذہ کر چکے ہیں اور آپ ﷺ کو تمام تر ہر جہت سے عصمت منجانب اللہ عطاء کی جا چکی ہے۔

جب کہ شیطان مکمل ہی شر ہی شر اور مرکز فساد وافساد ہے۔ کفر وطغیان ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی جانب سے عصمت رسول خاتم النبیین ﷺ کی حفاظت وحراست کے سبب۔ شیطان کو ہر طرح کی ابن آدم کو گمراہی کی شیطنت ومعصیت میں کید ودھوکہ اور اغواء کی تدبیر کی اجازت ہے، کچھ بھی شکل وصورت اختیار کر سکتا ہے اور وہ کرتا بھی ہے۔

مگر حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی مبارک ورحمت والی شکل وصورت اختیار کرنے کی اس کو قدرت نے قوت وطاقت ہی نہ دی اور شیطان لعین ورجیم، حضور خاتم النبیین ﷺ جو رؤف ورحیم ہیں ان کی مبارک ومنور صورت میں متصور ہو کر یا متشکل ہو کر یا ظاہر ہو کر کذب وجھوٹ۔ آپ ﷺ کی جانب نسبت کرے یا منسوب کرے ناممکن ومحال ہے۔

(۳) تیسری بات اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوگئی کہ شیطان کو جس طرح خواب میں اس سے روک دیا گیا، قدرت ہی نہیں، استطاعت ہی نہیں کہ وہ ہمارے سراپا رحمت سید دو عالم ﷺ کی صورت میں متشکل ہو، اسی طرح بیداری میں بھی رحمت خاتم النبیین کے اکرام واعزاز کے خاطر شیطان ہمارے پرنور خاتم النبیین ﷺ کی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَتَمَثَّلُ لَهُ الشَّیْطَانُ فِی النَّوْمِ وَالْیَقْظَةِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَدَدَ خَلْقِکَ وَمِدَادَ کَلِمَاتِکَ وَزِنَةَ عَرْشِکَ وَرِضَا نَفْسِکَ وَعَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى کُلَّ یَوْمٍ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّةٍ اِلٰى یَوْمِ الْقِیَامَةِ، آمِیْن یَا مُجِیْب"

حاصل کلام یہ ہے کہ بیداری میں یا خواب میں شیطان کو روک دیا گیا ہے، منع ہے یا یوں کہئے کہ استطاعت ہی نہیں، قدرت وطاقت ہی نہیں کہ وہ ذات نبوی جو روح وجسم سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں، جن پر مومنین درود وسلام پیش کرتے ہیں نزدیک وقریب سے یا دور وبعید سے، شیطان دھوکہ وفریب دے کر ہمارے حضور خاتم النبیین ﷺ کے روپ میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ یہی عصمت نبوی اور حفاظت وحراست ختم نبوت ہے اور اسی طرح

نہ ہی کسی بات کو نبی کی طرف نسبت کر کے بول سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور ﷺ کو شیطانی دجل سے ظاہری اور معنوی دونوں طرح کی، نیز خواب میں یا بیداری میں ہر طرح کی عصمت عطاء فرمائی ہے۔

اور یہ بھی حضور ﷺ کی رحمت بشکل نعمت ہے امت خیر پر کہ قیامت تک جن نفوس زکیہ، طاہرہ، قدسیہ کو ہمارے حضور ﷺ کی مبارک ومیمون رؤیت وزیارت ہوگی وہ لاتعداد حق وصداقت کے ساتھ حق ہوگی سچ ہوگی اور حق وصداقت والے نبی کی رؤیت وزیارت حق وسچ ہے اور صداقت کے ساتھ ہوتی رہے گی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات نبی صادق ومصدوق نے خود ہی مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَزَى بِيْ (بخاری ومسلم) ارشاد فرما کر، رؤیت نبی خاتم ﷺ کو صاف وواضح فرما دیا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے بغیر شک وشبہ کے یقیناً مجھے ہی دیکھا اور حق وصداقت کے ساتھ دیکھا، جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

صاحب تحفۃ الالمعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے تعلق سے دو متفق علیہ روایتیں ہیں:

پہلی حدیث مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِيْ فِي الْيَقْظَةِ، وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِيْ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب بیداری میں مجھے دیکھے گا اور شیطان میرا پیکر اختیار نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کا تعلق حیات نبوی ﷺ سے ہے، جب آپ ﷺ بقید حیات تھے، اس وقت اگر کوئی آپ ﷺ کو خواب میں دیکھتا تو اس کی تعبیر یہ تھی کہ وہ بیداری میں آپ ﷺ کو دیکھے گا اور خواب میں آپ ﷺ کو دیکھنا، آپ ﷺ کو دیکھنا تھا۔ کیونکہ شیطان خواب میں بھی آپ ﷺ کی شکل نہیں بنا سکتا۔

دوسری حدیث میں مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِيْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِيْ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میرا پیکر اختیار نہیں کر سکتا۔''

متقدمین اور متاخرین کی رائے

یہ حدیث بھی متفق علیہ ہے اور متقدمین میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو آخری زندگی والے حلیہ میں دیکھا، اس نے بالیقین آپ ﷺ کو دیکھا۔

چنانچہ وہ حضرات خواب دیکھنے والے سے حلیہ دریافت کیا کرتے تھے اگر خواب دیکھنے والا وہ حلیہ بیان کرتا جو آپ ﷺ کا آخری زندگی میں تھا تو وہ اس خواب کی تصدیق کرتے تھے، ورنہ کہتے کہ آپ نے نبی ﷺ کو خواب میں نہیں دیکھا۔

اور متقدمین کی دوسری رائے یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے حلیہ میں دیکھا خواہ وہ آخری زندگی کا حلیہ ہو یا پہلے کا اس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور اگر ایسی حالت میں دیکھا جو آپ ﷺ کا حلیہ کبھی نہیں رہا تو اس نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

اور متاخرین کی رائے یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے آپ ﷺ کو جس حلیہ میں بھی دیکھا ہو گرچہ نامناسب حلیہ میں دیکھا ہو اور خواب میں قرائن سے جانا کہ یہ نبی ﷺ ہیں تو وہ آپ ﷺ ہی ہوتے ہیں اور کوئی نہیں، خواہ روایات میں منقول حلیہ میں دیکھا ہو یا کسی اور حلیہ میں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے: ''اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ فرماتے ہیں یہی رائے برحق ہے۔ کیونکہ خواب دیکھنے والے کو جس شخص سے مناسبت ہوتی ہے اس کی شکل میں آپ نظر آتے ہیں، نیز خواب دیکھنے والے کی ایمانی حالت، نیت اور امور باطنہ کے اختلاف سے بھی آپ ﷺ کی زیارت مختلف صورتوں میں ہوتی ہے۔'' (تحفۃ الالمعی ج ۶ ص ۶۱ حدیث نمبر ۲۲۷۴)

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرا نام شوق سے رکھا کرو، مگر میری کنیت نہ رکھا کرو، جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا بلاشبہ اس نے مجھ کو ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کو چاہئے کہ اپنی جگہ دوزخ میں تیار کر لے۔

(انوار الباری ج ۶ ص ۲۱۵ رواہ البخاری فی کتاب العلم رقم ۱۱۰ ترجمان السنۃ رقم الحدیث ۱۱۰۹)

محدث عظیم حضرت مولانا بدر عالم مدنی قدس سرہ لکھتے ہیں: ''سبحان اللہ، آپ ﷺ کا مقام بھی کتنا بلند مقام تھا اور آپ ﷺ کی شکل مبارک بھی کتنی مطہر شکل تھی کہ شیطان کو تمثل بشری کی طاقت کے باوجود یہ طاقت نہ تھی کہ وہ آپ ﷺ کی صورت میں متمثل ہو سکے، بے شک جو ابد الآباد کے لئے ملعون ہو، اس کی کیا مجال کہ وہ ان کی صورت اختیار کر سکے جو کونین کے حق میں مجسم رحمت ہوں۔ نہ اللہ کی لعنت اس کی رحمت کی صورت بن سکتی ہے، نہ شیطان کی یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی صورت اختیار کر سکے۔''

سبحان اللہ، جس کی صورت اتنی مبارک ہو اس کی سیرت کا بھلا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ حدیث مذکور سے ثابت ہوتا ہے کہ شیطان کو آنحضرت ﷺ کی ذات پاک پر تو کوئی دسترس کیا ہوتی اس کو یہ قدرت بھی نہیں کہ وہ خارجی طور پر اپنی شکل، آپ ﷺ کی شکل بنا سکے، پھر جب وہ خواب میں آپ ﷺ کی شکل بنانے پر قادر نہیں تو یقیناً بیداری میں بھی کسی کے سامنے آپ ﷺ کی صورت بنانے پر قادر نہ ہوگا، لہٰذا جس طرح خواب کی زیارت میں شیطانی رؤیت کا شبہ نہیں ہو سکتا اسی طرح عالم بیداری کی زیارت میں بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا۔

یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ عام طور پر خواب کی صرف دو قسمیں ہی مذکور ہوتی ہیں:

(۱) بُشْرَىٰ مِنَ اللهِ۔ یعنی اللہ کی طرف سے بشارت۔

(۲) تَحْزِيْنٌ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ یعنی شیطان کی طرف سے مومن کا جی برا کرنے کی بات۔

لیکن بعض مقامات سے ایک تیسری قسم بھی ثابت ہوتی ہے۔ تَحْدِيْثُ النَّفْسِ۔ نفس کے خیالات۔

اس تقسیم کی بنا پر حدیث مذکور میں خواب کی حالت کی زیارت میں صرف شیطانی مداخلت کی نفی ہوگی مگر تیسری قسم کا احتمال پھر باقی رہے گا، کیونکہ وہاں نفی صرف شیطانی تمثل کی فرمائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نفسی محبت کی وجہ سے خیالی بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خواب کی ہر زیارت پر قطعیت کے ساتھ حقیقی زیارت کا حکم لگایا نہیں جا سکتا اس میں خیالی زیارت کا احتمال ہو سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ زیارت میں کوئی بات ظاہر شریعت کے مخالف بھی نظر آئے۔

علامہ سیوطی قدس سرہ لکھتے ہیں: ''إنَّ جَمَاعَةً مِنْ ائِمَةِ الشَّرِيعَةِ نَصُّوا علىٰ أنَّ مِنْ كَرَامَةِ الوَلِيِّ أنَّهُ يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَجْتَمِعُ بِهِ فِي الْيَقَظَةِ وَيَأْخُذُ عَنْهُ مَا قُسِمَ لَهُ مِنْ مَعَارِفَ وَمَوَاهِبَ، وَمِمَّنْ نَصَّ عَلَى ذَلِكَ مِنْ أَئِمَّةِ الشَّافِعِيَّةِ، الْغَزَالِيُّ، وَالْبَارِزِيُّ، وَالتَّاجُ بْنُ السُّبْكِيِّ، وَالْعَفِيفُ الْيَافِعِيُّ، وَمِنْ أَئِمَّةِ الْمَالِكِيَّةِ، الْقُرْطُبِيُّ، وَ ابْنُ أَبِي جَمْرَةَ، وَابْنُ الْحَاجِ فِي الْمَدْخَلِ، وَقَدْ حُكِيَ عَنْ بَعْضِ الْأَوْلِيَاءِ أَنَّهُ حَضَرَ مَجْلِسَ فَقِيهٍ، فَرَوَى ذَلِكَ الْفَقِيهُ حَدِيثًا فَقَالَ لَهُ الْوَلِيُّ: هَذَا الْحَدِيثُ بَاطِلٌ، فَقَالَ الْفَقِيهُ: مِنْ أَيْنَ لَكَ هَذَا؟ فَقَالَ هَذَا النَّبِيُّ ﷺ وَاقِفٌ عَلَى رَأْسِكَ، يَقُولُ إِنِّي لَمْ أَقُلْ هَذَا الْحَدِيثَ وَكُشِفَ لِلْفَقِيهِ فَرَآهُ، وَقَالَ الشَّيْخُ أَبُو الْحَسَنِ الشَّاذِلِيُّ: لَوْ حُجِبْتُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ طَرْفَةَ عَيْنٍ مَا عَدَدْتُ نَفْسِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ'' (الحاوی ج ۲ ص ۱۶۲)

ائمہ شریعت کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ کرامت کے طور پر آنحضرت ﷺ کی زیارت بحالت بیداری بھی کرسکتا ہے اور آپ ﷺ کی محفل میں حاضر بھی ہوسکتا ہے، بلکہ اپنی استعداد کے مناسب کچھ علوم و معارف کا استفادہ بھی کرسکتا ہے۔ اس کی تصریح کرنے والے ائمہ شافعیہ میں غزالی، بارزی، ابن السبکی اور یافعی جیسے حضرات ہیں اور ائمہ مالکیہ میں سے امام قرطبی حافظ ابن ابی جمرہ، ابن الحاج وغیرہ حضرات ہیں۔ بعض اولیاء کے حالات میں نقل کیا ہے کہ وہ کسی فقیہ کی مجلس میں تشریف لے گئے تو اس فقیہ نے کوئی روایت بیان کی تو یہ ولی بولے یہ حدیث تو باطل ہے۔ اس فقیہ نے کہا تم نے یہ حکم کیسے لگا دیا۔ اس ولی اللہ نے کہا کہ یہ آنحضرت ﷺ تیرے سامنے کھڑے ہوئے فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث میں نے بیان نہیں کی۔ اس فقیہ کو بھی اس کا انکشاف ہوگیا، اس نے بھی آپ کو دیکھ لیا۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ کا مقولہ تو یہ ہے کہ اگر میرے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی حجاب پڑ جائے تو میں اپنے آپ کو زمرہ مسلمین میں شمار نہ کروں۔

ابن العربی رحمہ اللہ کی رائے

''ثُمَّ قَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ مِنْ عِنْدِهِ رُؤْيَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ وَسِمَاعُ كَلَامِهِمْ مُمْكِنٌ لِلْمُؤْمِنِ كَرَامَةً وَلِلْكَافِرِ عُقُوبَةً'' اس کے بعد ابن العربی اپنی رائے بیان کرتے ہیں کہ میرے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کی زیارت اور ان کے کلام کا سننا بھی ممکن ہے، مومن اور کافر دونوں کے لئے، مگر مومن کے لئے کرامت کے طور پر اور کافر کے لئے عقوبت کے طور پر۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام لکھتے ہیں: ''وَقَالَ الشَّيْخُ عِزُّ الدِّينِ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ فِي الْقَوَاعِدِ الْكُبْرَى، وَقَالَ ابْنُ الْحَاجِ فِي الْمَدْخَلِ: رُؤْيَةُ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْيَقَظَةِ بَابٌ ضَيِّقٌ، مَعَ أَنَّنَا لَا نُنْكِرُ مَنْ يَقَعُ لَهُ هَذَا مِنَ الْأَكَابِرِ الَّذِينَ حَفِظَهُمُ اللهُ فِي ظَوَاهِرِهِمْ وَبَوَاطِنِهِمْ، فَقَالَ: وَقَدْ أَنْكَرَ بَعْضُ عُلَمَاءِ الظَّاهِرِ رُؤْيَةَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْيَقَظَةِ''

شیخ عزالدین عبدالسلام قواعد کبریٰ لکھتے ہیں کہ ابن الحاج نے المدخل میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بحالت بیداری زیارت کا مسئلہ بہت ہی دقیق ہے، بایں ہمہ جو اکابر اس مرتبہ کے ہوں ان کے حق میں ہم اس کے منکر نہیں ہیں، لیکن بعض علماء ظاہر نے اس کا انکار کیا ہے۔ (الحاوی ج ۲ ص ۲۵۸)

قاضی شرف الدین البارزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وَقَالَ الْقَاضِيْ شَرَفُ الدِّيْنِ هِبَةُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيْمِ الْبَارِزِيْ وَقَدْ سَمِعَ مِنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ فِيْ زَمَانِنَا وَقَبْلَهُ أَنَّهُمْ رَأَوُا النَّبِيَّ ﷺ فِي الْيَقْظَةِ حَيًّا بَعْدَ وَفَاتِهِ'' قاضی شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے کے اولیاء اور گزشتہ دور کے اولیاء کے متعلق بھی سنا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زیارت کی ہے۔

پھر علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کی ایک فہرست پیش کی ہے جن کو یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) ابو عبداللہ قرشی۔ (۲) سراج الدین بن الملقن۔ (۳) شیخ عبدالقادر جیلانی۔ (۴) شیخ خلیفہ بن موصلی۔ (۵) شیخ محمد بن یحییٰ۔ (۶) شیخ عبدالغفار۔ یہ صاحب ہمہ وقت آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف رہا کرتے تھے۔ (۷) شیخ ابو العباس۔ یہ صاحب وہی ہیں جن کا مقولہ آپ نے پڑھا کہ اگر میں آنحضرت ﷺ کے شرف زیارت سے ایک لحہ کے لئے بھی محروم رہوں تو میں زمرہ مسلمین میں اپنا شمار نہ کروں۔ (۸) شیخ عبداللہ الدلاصی۔ (۹) شیخ ابو العباس الحرار۔ (۱۰) سید احمد الرفاعی۔ (۱۱) سید نور الدین۔ (۱۲) ابو نصر کرخی۔ (۱۳) یوسف بن علی۔ (۱۴) محمد بن سمعون۔ (۱۵) ابن ثابت رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (الحاوی ص ۱۳ و ۲۶۲ ج ۲)

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے علامہ سیوطی سے نقل کیا ہے کہ خود علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ شرف حاصل تھا: ''قَالَ الشَّيْخُ جَلَالُ الدِّيْنِ السُّيُوْطِيْ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِي الْيَقْظَةِ بِضْعًا وَسَبْعِيْنَ مَرَّةً، وَقُلْتُ لَهُ فِيْ مَرَّةٍ مِنْهَا: هَلْ أَنَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. فَقُلْتُ مِنْ غَيْرِ عَذَابٍ يَسْبِقُ، فَقَالَ: لَكَ ذٰلِكَ. قَالَ الشَّيْخُ عَطِيَّةُ سَأَلْتُ الشَّيْخَ جَلَالَ الدِّيْنِ مَرَّةً أَنْ يَجْتَمِعَ بِالسُّلْطَانِ الْغَوْرِيِّ فِيْ ضَرُوْرَةٍ وَقَعَتْ لِيْ، فَقَالَ لِيْ: يَا عَطِيَّةُ! أَمَا أَجْتَمِعُ بِالنَّبِيِّ ﷺ يَقْظَةً وَأَخْشٰى إِنِ اجْتَمَعْتُ بِالْغَوْرِيِّ أَنْ يَحْتَجِبَ صَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَنِّيْ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ فُلَانًا مِنَ الصَّحَابَةِ كَانَتِ الْمَلَائِكَةُ تُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَاكْتَوٰى فِيْ جَسَدِهٖ لِضَرُوْرَةٍ فَلَمْ يَرَ الْمَلَائِكَةَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُقُوْبَةً لَهُ'' شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو بحالت بیداری ستر مرتبہ سے بھی زیادہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا میں جنتی ہوں؟ فرمایا ہاں! میں نے کہا کیا عذاب کے بغیر؟ فرمایا جاؤ تمہارے لئے یہ بھی سہی۔ شیخ عطیہ کہتے ہیں میں نے شیخ سیوطی سے ایک مرتبہ درخواست کی کہ میری ایک ضرورت کے متعلق سلطان غوری کے پاس جا کر سفارش فرما دیں تو انہوں نے جواب دیا عطیہ میں بحالت بیداری آنحضرت ﷺ کی محفل میں حاضر ہوتا ہوں، مجھے خطرہ ہے اگر میں سلطان غوری کی محفل میں جاؤں تو اس سعادت سے محروم نہ ہو جاؤں، اس کے بعد فرمایا بعض صحابہ (عمران بن حصین رضی اللہ عنہ) کو ملائکہ سلام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک مرض کی وجہ سے اپنے جسم پر لوہے کا داغ دے کر علاج کیا تو وہ اس سعادت سے محروم ہو گئے۔ (کیونکہ داغ کے ذریعے علاج سنت نبوی ﷺ کے خلاف ایک عمل ہے جس کی وجہ سے یہ حجاب بن گیا۔ واللہ اعلم، شمین) (الیواقیت والجواہر ص ۲۳۳ ج ۲)

''ثُمَّ قَالَ الشَّعْرَانِيْ: إِنَّ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ الشَّيْخَ جَلَالَ الدِّيْنِ ذَكَرَهُ الْأَشْيَاخُ الثَّلَاثَةُ الْعُدُوْلُ الَّذِيْنَ لَا يَتَّهِمُوْنَ فِيْ مِثْلِ ذٰلِكَ، يَعْنِي الشَّيْخَ الصَّالِحَ عَطِيَّةَ وَالشَّيْخَ صَالِحَ قَاسِمَ الْمَغْرِلِيَّ وَالْقَاضِيْ زَكَرِيَّا

الشَّافِعِيَ'' شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ شیخ سیوطی سے اس واقعہ کو نقل کرنے والے تین بڑے بڑے مشائخ ہیں جن کی نسبت غلط بیانی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ بالخصوص ایسے نازک معاملے میں (ہوسکتا ہے، شیخ سیوطی نے جب اس قسم کے اشخاص کی فہرست شمار کرائی ہو تو اولیاء کے دستور کے موافق اپنے نام کے اظہار سے قصداً سکوت فرمالیا ہو)

بیداری میں زیارت رسول اللہ ﷺ کے ادراک کی قوت وکیفیت

''قَالَ السُّيُوْطِيُ فِيْ فَتَاوَاهُ: إِنَّ أَكْثَرَ مَا تَقَعُ رُؤْيَةُ النَّبِيِّ ﷺ بِالْقَلْبِ، ثُمَّ يَتَرَقَّى إِلَى أَنْ يَرَى بِالْبَصَرِ۔۔۔۔ لٰكِنْ لَيْسَتِ الرُّؤْيَةُ الْبَصَرِيَّةُ كَالرُّؤْيَةِ الْمُتَعَارَفَةِ عِنْدَ النَّاسِ مِنْ رُؤْيَةِ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ، وَإِنَّمَا هِيَ جَمْعِيَةٌ حَالِيَةٌ وَ حَالَةٌ بَرْزَخِيَةٌ وَأَمْرٌ وِجْدَانِيٌ لَا يُدْرِكُ حَقِيقَتَهُ إِلَّا مَنْ بَاشَرَهُ، وَقَدْ تَقَدَّمَ عَنِ الشَّيْخِ عَبْدِ اللهِ الدلاصي، فَلَمَّا أَحْرَمَ الْإِمَامُ وَأَحْرَمْتُ أَخَذَتْنِيْ أَخْذَةٌ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، فَأَشَارَ بِقَوْلِهِ: أَخْذَةٌ إِلَى هٰذِهِ الْحَالَةِ'' (الحاوي ۲۶۲ و ۲۶۳ ج ۲)

اس زیارت کی حقیقت ٹھیک وہ نہیں سمجھنی چاہئے جو لوگوں کے درمیان متعارف ہے بلکہ اس زیارت کا ادراک پہلے قلب سے شروع ہوتا ہے پھر وہ حاسہ بصر تک بھی سرایت کر جاتا ہے، درحقیقت یہ ایک برزخی کیفیت ہوتی ہے جس کا صحیح اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس کو یہ کیفیت حاصل ہو۔

شیخ اکمل الدین بابرتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

شیخ اکمل الدین بابرتی حنفی علیہ الرحمہ شرح المشارق میں حدیث مَنْ رَآنِي کے تحت لکھتے ہیں: ''اس قسم کی زیارت کا مدار انسان کی اندرونی مناسبت ہوتی ہے، جس شخص میں یہ مناسبت جتنی زیادہ ہوتی ہے اسی کے مناسب اس کو یہ زیارت بھی میسر آتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کو گزشتہ بزرگوں کی ارواح کے ساتھ اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ وہ جب ارادہ کرتے ہیں ان سے روحانی ملاقات کر لیتے ہیں۔'' (الحاوی ص ۲۶۱ تا ۲۶۳ ج ۲۔ ترجمان السنہ ج ۳ ص ۳۸۲)

شیخ اکمل الدین کے نزدیک دو شخصوں کا عالم خواب یا بیداری میں اتحاد یا معیت کے حصول کے لئے اجتماع کے پانچ بنیادی اصول ہیں:

(۱) ''اِشْتِرَاکٌ فِي الذَّاتِ'' (۲) ''اِشْتِرَاکٌ فِي الصِّفَاتِ'' (۳) ''اِشْتِرَاکٌ فِي الحال''
(۴) ''اِشْتِرَاکٌ فِي الْأَفْعَالِ'' (۵) ''اِشْتِرَاکٌ فِي الْمَرَاتِبِ''

پھر دو شخصوں کے درمیان محبت کی قوت وضعف اور مناسبت دو کامل روح کے درمیان جب چاہتی ہے اجتماع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ثمین۔

حضور اکرم ﷺ کی حالت بیداری میں زیارت ممکن ہے یا نہیں؟

نبی اکرم ﷺ کو اگر خواب میں کسی نے دیکھا تو آپ ﷺ کو ہی دیکھا، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو بیداری میں دیکھا ہے تو کیا اس کی بات معتبر ہوگی؟ اور آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھنا ممکن ہے یا نہیں؟ بعض حضرات نے اس کی نفی کی ہے اور کہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے رؤیت منامی تو ثابت ہے، بلکہ علامہ سیوطی

رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ متواتر ہے۔ جب کہ رُؤيَةٌ فِي الْيَقَظَةِ بیداری کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے کچھ ثابت نہیں ہے۔ البتہ مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ کے احتمالات میں سے ایک احتمال کے طور پر اشارہ ملتا ہے۔

اسی طرح حضرات صحابہ تابعین میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے شدت تعلق کے باوجود حضور اکرم ﷺ کو بیداری کے عالم میں دیکھا ہو۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم ﷺ کے فراق کی وجہ سے جو صدمہ لاحق ہوا تھا ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور حضور اکرم ﷺ کے وصال کے صرف چھ ماہ بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کا گھر روضہ مبارک سے ملا ہوا تھا۔ تاہم ان سے بھی منقول نہیں کے اس پورے عرصے میں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھا ہو۔

اس کے مقابلے میں بہت سے محققین نے اس کا اثبات کیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے اثبات کے لئے ایک مستقل رسالہ: تنویر الحلک فی رؤیۃ النبي و الملک۔ لکھا ہے۔

علامہ بارزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب: توثیق عرَی الاسلام میں علامہ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے، بھجۃ النفوس میں علامہ عفیف یافعی نے روضۃ الریاحین میں علامہ شیخ صفی الدین بن ابی المنصور نے اپنے رسالے میں سلف صالحین سے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔

علامہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

علامہ ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا پھر پھر بمصداق حدیث: مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ انہوں نے حضور خاتم النبیین ﷺ کو بیداری کے عالم میں بھی دیکھا۔ آپ ﷺ سے ان حضرات نے اپنی بعض مشکلات ومسائل کا حل بھی پوچھا، آپ ﷺ نے ان کا حل بتایا۔

بیداری میں خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کا انکار آخر کیوں؟

علامہ ابن ابی جمرۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا منکر یا تو کرامات اولیاء کا ماننے والا ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر وہ کرامات اولیاء کا منکر ہے تو ہماری اس سے بحث ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو سنت سے واضح اور دلائل کے ساتھ ثابت ہے اور اگر وہ کرامات اولیاء کو برحق سمجھتا ہے تو یہاں بھی یہ تسلیم کرلے کہ حضور اکرم ﷺ کی رؤیت ﷺ بحالت بیداری دیدار نبی ﷺ بطور کرامت ہے۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا دلوں کو شفا بخشنے والا عارفانہ کلام

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بیداری کی حالت میں نہ دیکھنے اور بعد والوں کے دیکھنے میں توجیہ کی ضرورت ہے، جس سے اطمینان ہو سکے۔ یہ کہنا بھی ممکن نہیں جن حضرات صالحین سے دیکھنا منقول ہے یہ سب جھوٹ اور بے اصل ہے، کیونکہ اس کے ناقلین بھی بہت زیادہ ہیں اور یہ دعویٰ کرنے والے بڑے جلیل القدر اللہ والے لوگ ہیں، اسی طرح یہ بھی نہیں

کہا جاسکتا کہ ان حضرات نے دیکھا تو واقعی ہے لیکن یہ رؤیت منامی ہے، بیداری کے عالم میں نہیں۔ کیونکہ اس محمل پر حمل کرنا ایک تو بعید ہے دوسرے بعض واقعات کو منام پر محمول کیا ہی نہیں جاسکتا۔

البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ از قبیل خوارق عادت ہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامتیں۔

عہد صحابہ میں بحالت بیداری زیارت نہ ہونے کی وجہ

جہاں تک صدر اول میں نہ دیکھنے کا تعلق ہے تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا حالت بیداری میں دیکھنا خارق عادت کے طور پر ہے اور صدر اول میں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں خوارق کا صدور بہت کم ظاہر ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ جو آسمان رسالت کے آفتاب ہیں۔ آپ ﷺ کا زمانہ بہت قریب ہے۔ ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی میں ستارے دکھائی نہیں دیتے۔

لہٰذا عین ممکن ہے کہ ان حضرات کے دور میں بعض حضرات نے آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھا ہو، لیکن انہوں نے خلاف مصلحت سمجھ کر اس کو ظاہر نہ کیا ہو۔

ان حضرات کے نہ دیکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے فراق سے ان کی ابتلاء وآزمائش مقصود ہو۔

یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس وقت کوئی حضور اکرم ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھ لیتا تو دوسروں کے لئے فتنہ وآزمائش کا دروازہ کھل جاتا۔

ایک مصلحت یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت کیونکہ بہت سے حضرات ایسے تھے جو حضور اکرم ﷺ کے بعینہ (یعنی ہوبہو) عکس (مشابہ) تھے، اس لئے آپ ﷺ کو کسی نے بیداری دیکھنے میں نہیں دیکھا۔

نیز اس کا بھی قوی امکان ہے کہ آپ ﷺ کو بیداری میں کثرت سے دیکھتے تو آپ ﷺ سے اس موقع پر براہ راست استفادہ کیا جاتا۔ اس طرح کتاب وسنت میں اجتہاد کا دروازہ نہ کھلتا۔ اب جب کہ حضور اکرم ﷺ موجود نہیں اور نہ ہی عالم بیداری میں کوئی آپ ﷺ کو دیکھ رہا تھا۔ اس لئے اجتہاد کا دروازہ کھل گیا۔ اس طرح امت کے لئے آسانی پیدا ہوگئی۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر روح المعانی صفحہ ۳۹ جلد ۱۲) زیر آیت: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب)"

خواب وبیداری دونوں میں رسول اللہ ﷺ کی عصمت ہے

جہاں تک منکرین کا یہ کہنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خواب کی صحت کی ضمانت دی ہے، بیداری میں نہیں۔ لہٰذا بیداری میں ممکن ہے کہ جنات وشیاطین متمثل ہوکر اپنے آپ کو نبی کریم ﷺ کردیں اور رائی یعنی دیکھنے والے کو دھوکہ میں ڈال دیں۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری کی حالت خواب کی حالت سے اقوی ہے، جب حالت خواب میں تمثل شیطانی نہیں ہوسکتا تو بیداری میں بھی نہیں ہوسکتا۔

ممکن ہے منکرین یہ کہیں کہ: "فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِيْ" کا تعلق خواب سے ہے بیداری سے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ: "فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِيْ" کا تعلق خواب سے ہے، تاہم اس کی علت میں غور کریں کہ کس علت کی بناء پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا؟ وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ ہدایت محض ہیں، اور شیطان ضلال محض ہے۔ ضلال محض ہدایت محض کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔

لہٰذا جس طرح یہ علت حالت خواب میں ہے بعینہٖ یہی علت بیداری کی حالت میں بھی ہے۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں ہے کہ حالت بیداری میں شیطان متمثل ہوکر دھوکے میں ڈال دے۔ واللہ اعلم!

(کشف الباری ص ۲۰۵ کتاب العلم باب اثم من کذب ج ۴۔ حدیث نمبر بخاری ۱۱۰)

حضرت علامہ سلیم اللہ خان صاحب نے کشف الباری میں اس حدیث پر خوب ہی تمام گوشوں پر محدثانہ، فقیہانہ، عارفانہ دلکش کلام کیا ہے جن حضرات کو علمی ذوق ہو کشف الباری صفحہ ۱۸۸ سے ۲۱۴ تک مطالعہ کرلیں یہ رسالہ تفصیل کا متحمل نہیں ہے۔ ثمین)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اصولی بات

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انسان کا قلب، غضب وشہوت اور اخلاق ردیہ ورذیلہ سے بالکل پاک صاف ہوجاتا ہے اور اس کے قلب سے اس فانی دنیا کی تمام حرص وہوس بالکل خالی ہوجاتی ہے اور ہمہ وقت اس کا قلب، اللہ، اللہ، اللہ، کہنے لگتا ہے اور بندہ فنافی اللہ اور باقی باللہ کی کیفیت میں زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو اس کو اسی فانی دنیا میں رہتے ہوئے عالم ملکوت سے مناسبت تام پیدا ہوجاتی ہے تو اس سے پردہ اور حجاب بقدر طہارت قلب اور طہارت طینت اٹھ جاتا ہے۔ پھر ایمانی بصیرت وبصارت دونوں ہی ان چیزوں کو دیکھنے کی استعداد منجانب اللہ عطاء ہوتی ہے جو عام لوگ خواب میں دیکھتے ہیں وہ یہ بحالت بیداری دیکھتا ہے اور پھر وہ فرشتوں کو عیاناً حسی طور پر دیکھتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو بھی دیکھتا ہے ان سے استفادہ کرتا ہے اور بعض امور انبیاء علیہم السلام سے مدد بھی لیتا ہے اور پھر وہ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ کا مشاہدہ کرتا ہے اور بھی بے شمار بڑی بڑی عظیم چیزیں اس پر عیاں ہوتی ہیں، جن کو حس وخیال میں بھی نہ سوچا جاسکتا ہے، نہ ہی بیان کیا جاسکتا ہے، مگر اس کی شرط اول ہے نظافت ظاہر وباطن، اور حضور اکرم ﷺ کی فکر ونظر میں اتباع واتحاد کا پیدا کرنا اور قلب وسوچ وفکر اور دیگر دنیاوی تمام خرخشوں سے باطن کا صاف وشفاف ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (الانعام: ۷۵)" اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں۔ (تھانوی)

"إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا" بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی تو میں نے مشرق ومغرب کو دیکھا۔ (مسلم رقم ۲۸۸۹)

یعنی حضرت خاتم النبیین ﷺ کے سامنے اللہ تعالیٰ نے زمین کو سمیٹ کر پیش کردیا تو خاتم النبیین حضور ﷺ نے مشرق ومغرب کی تمام چیزوں کا مشاہدہ کرلیا۔

پھر جس طرح انبیاء علیہم السلام کے لئے معجزات ہیں اولیاء کرام کے لئے کرامات ہیں اور کرامات درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی ہی اتباع سے اور اتحاد فکر ونظر سے اللہ تعالیٰ عطاء کرتے ہیں۔

تو جس طرح ہم انبیاء کے معجزات کو خارج ہونے کے باوجود مانتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ دلیل نبوت ہے، اولیاء کرام کی کرامات کو دلیل ولایت جانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں، نہ اس میں تردد ہے نہ اس میں تعجب، دونوں ہی اپنی اپنی جگہ حق ہی حق ہیں۔ واللہ اعلم! (الکواکب الزاهر في اجتماع الاولياء يقظة بسيد الدنيا والآخرة ﷺ ص ۲۵)

حاصل کلام

حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام یا دیگر انبیاء علیہم السلام کی حالت بیداری رؤیت وزیارت کے واقعات، اولیاء امت کی سیرت اور سوانح میں اتنی کثرت سے ملتے ہیں کہ نہ تو ان نفوس قدسیہ کی طرف کذب وجھوٹ اور غلط بیانی کا وہم وگمان کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان حضرات کی بحالت بیداری رؤیت وزیارت کا انکار کیا جا سکتا ہے، کورچشم واندھا آنکھ والوں کی دید اور رؤیت کا انکار کر دے تو قابل تعجب اور مضحکہ خیز ہے، آسان وسہل بات ہے نہ دیکھنے والے دیکھنے والوں کی باتوں کا یقین کر لیں اور ان قدسی صفات اولیاء کرام کی طرح تزکیہ قلوب، تہذیب نفوس اور نفس کی آمادگی سے طمانینت کی جانب مجاہدہ کی راہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ گامزن ہوں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ ''إِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ''

ہمارے ہندوستان میں ایک بزرگ دہلی میں گزرے ہیں، یہ عاجز وراقم بھی ایک مجذوب کی ہدایت ومعیت میں ان کی قبر پر حاضری کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ الحمد للہ!

وہ کچھ شرائط کے ساتھ لوگوں کو عیاناً یعنی سر کی آنکھوں سے حضرت خاتم النبیین ﷺ کی زیارت کرا دیتے تھے۔ ان کا نام بھی پڑ گیا تھا۔ رسول نما۔

ہمارے قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک عرصہ وزمانہ ایسا گزرا ہے کہ کوئی تحریر اس وقت تک نہیں لکھتے تھے جب تک کہ اس کی تصدیق وتوثیق حضرت خاتم النبیین ﷺ سے نہیں مل جاتی، اتنے اونچے مقام پر فائز تھے۔

امام انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے فیض الباری میں موجود ہے: ''ثُمَّ قَدْ تَكُوْنُ يَقْظَةً أَيْضًا كَمَا أَنَّهَا قَدْ تَكُوْنُ مَنَامًا وَيُمْكِنُ عِنْدِيْ رُؤْيَتُهُ ﷺ يَقْظَةً لِمَنْ رَزَقَهُ اللهُ سُبْحَانَهُ كَمَا نُقِلَ عَنِ السُّيُوْطِيْ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى، وَكَانَ زَاهِدًا مُتَشَدِّدًا فِي الْكَلَامِ عَلٰى بَعْضِ مَفَاخِرِهِ مِمَّنْ لَهُ شَأْنٌ، أَنَّهُ رَآهُ النَّبِيَّ ﷺ اِثْنَيْنِ وَعِشْرِيْنَ مَرَّةً وَسَأَلَهُ عَنْ أَحَادِيْثَ ثُمَّ صَحَّحَهَا بَعْدَ تَصْحِيْحِهِ ﷺ'' (فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴)

پھر آگے لکھتے ہیں: ''فَالرُّؤيَةُ يَقَظَةً مُتَحَقِّقَةٌ وَإِنكَارُهَا جَهلٌ'' رسول اللہ ﷺ کی زیارت جس طرح خواب میں نصیب ہوتی ہے اسی طرح کبھی بحالت بیداری بھی ہوتی ہے۔

اور میرا رجحان بھی یہی ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ کی بحالت بیداری رؤیت وزیارت ممکن ہے، اللہ تعالیٰ جس شخص کے لئے آسان کردے۔

اور یہی رائے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے انہوں نے رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی ۲۲ مرتبہ زیارت بحالت بیداری کی ہے اور بعض احادیث کے متعلق استفسار کیا، جن کی نبی کریم خاتم النبیین ﷺ نے درستگی فرمائی، چنانچہ انہوں نے بھی ان احادیث کی ویسے ہی تصحیح کرلی۔

پھر آگے لکھتے ہیں: لہٰذا بحالت بیداری خاتم النبیین ﷺ کی رؤیت وزیارت امر محقق اور ثابت شدہ معاملہ ہے اور اس کا انکار ناواقفیت ولاعلمی کی دلیل ہے، جہل ہے۔ (فیض الباری)

بہت ہی سیدھی سادی بات ہے نہ دیکھنے والے دیکھنے والے کی رؤیت وزیارت کا انکار نہ کریں، دیکھنے والے کی تصدیق کرکے ہی دید کی لذت کے ساتھ دیکھنے والوں کو دیکھ لیں یہ بھی ایک سعادت ہے کہ آپ کی آنکھ نے دیکھنے والوں کو دیکھ لیا اور یہ بات بھی علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ معراج میں لکھی ہے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ جب حق تعالیٰ کا دیدار کرکے واپس آرہے تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جمال انور مصطفی ﷺ کو دیکھ کر محسوس کرلیا کہ بار بار خاتم النبیین ﷺ کی زیارت ہی ہوجائے جنہوں نے رب العزت کو دیکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصد کیا کہ حضور خاتم النبیین ﷺ بار بار لوٹ کر بارگاہ قدس میں حاضر ہوں اور بار بار ان کو دیدار الٰہی حاصل ہو، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کو بار بار دیکھ کر اپنے قلب کو تسکین دیں اور بار بار خاتم النبیین ﷺ کے چہرہ انور پر انوار وبرکات قدسیہ الٰہیہ کا مشاہدہ کریں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے: ''لَعَلِّي أَرَاهُمْ أَوْ أَرَى مَنْ رَآهُمْ'' میری تمنا ہے کہ محبوب کو دیکھوں ایسا نہ ہوسکے تو کم از کم ان لوگوں کو دیکھ کر اپنے دل کی تسلی وتسکین کرلوں، جنہوں نے میرے محبوب کو دیکھا ہے۔ (دیدار الٰہی کا شوق صفحہ ۱۰۷)

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام طلباء کو مشاہدہ کرادیا

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ مسجد نبوی میں بخاری کا درس دے رہے تھے، حیات انبیاء کی بات آگئی، حضرت نے حیات النبی ﷺ پر جم کر دلیل دی۔ طلباء نے حضرت کی دلیل میں ردوکد کیا۔ پھر حضرت نے جواب دیا طلباء نے پھر تردد کا اظہار کیا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ رسول اللہ خاتم النبیین کی جانب اشارہ فرما کر۔ طلباء سے کہا۔ دیکھ لو۔ دیکھ لو۔ دیکھ لو۔ پھر فرمایا اپنے خاص موج ومستی کے انداز میں۔ کیا مشاہدہ کے بعد بھی دلیل کی ضرورت پڑتی ہے اور تین بار اس جملہ کو دہرایا۔ تمام طلباء آہ وگریہ میں مبتلاء ہوگئے اور سب کو حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی رؤیت وزیارت ہوش وحواس اور بحالت بیداری میں ہوگئی۔ کیا یہ حیات وزندگی کی دلیل نہیں ہے؟

ہمارے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تو کتنوں کو بیداری میں زیارت کرائی اور خوش نصیب حضرات دیدار جمال انور خاتم النبیین ﷺ سے شرف یاب ہو گئے۔ (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تقریر میں تقریباً نوے ہزار کا مجمع تھا۔ اللہ پاک نے ان کی برکت سے سارے مجمع والوں کو اسٹیج پر (بحالت بیداری) نبی علیہ السلام کی زیارت کرادی۔ (دیکھئے دکان عشق صفحہ ۲۲۲ مکتبہ لدھیانوی۔کراچی)

ہمارے والد حاجی محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد تھے حضرت مولانا احمد حسن منورواشریف، ضلع بستی پور۔ حضرت مدنی قدس سرہ نے ان کو بھی عیاناً بحالت بیداری حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ تفصیل الاکلیل صفحہ ۳۱۶ میں دیکھ لیں۔ عبارت یوں ہے: ''جس وقت مصافحہ کے لئے ہاتھ ملایا تو درجہ بدرجہ سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک نظر آئے۔ فرمایا اسی کو بیعت ارشاد کہتے ہیں۔

شاہ عبدالغفور عباسی، خواجہ فضل علی قریشی کے خلفاء میں ہیں، دارالعلوم دیوبند کے شوریٰ کے ممبر بھی تھے۔ آپ مدینہ منورہ کے قطب الارشاد تھے اور جب مزار مقدس ﷺ پر اپنی مرزاپوری لاٹھی کے سہارے حاضر ہوتے تو مصافحہ کے لئے خود سرکار دو عالم ﷺ کے دست مبارک باہر آجاتے، حضرت ممدوح (یعنی حضرت حاجی منظور احمد مصرولیا) نے فرمایا کہ میں نے اپنی آنکھ سے یہ مبارک منظر دیکھا ہے۔ (الاکلیل ص ۳۷۴)

میرے مرشد حضرت حاجی منظور احمد مصرولیا کا بحالتِ بیداری حضور ﷺ کا مشاہدہ و رؤیت

ہمارے والد محترم جناب حاجی محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بادشاہ شاہ بشارت کریم قدس سرہ کے صحبت یافتہ تھے، پھر شاہ نور اللہ پنڈت جی سے باضابطہ بیعت ہو گئے، حضرت کے ہجرت کرنے کے بعد حضرت مولانا احمد حسن منوروا سے ربط و تعلق رکھا اور حضرت کے مجاز بھی تھے اور کبھی کبھی منوروا جانے اور پھر قیام اور حضرت مولانا احمد حسن قدس سرہ کی توجہ و عنایت کا تذکرہ بھی کرتے تھے، جس کا یہ مقام نہیں۔ پھر حضرت حاجی منظور احمد قدس سرہ سے بہت ہی گہرا ربط و تعلق رہا اور حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ بھی والد رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی قدر کرتے تھے، والد رحمۃ اللہ علیہ میں استقامت بھی پکی پختہ تھی۔ یہ راقم وعاجز ثمین اشرف بھی والد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مصرولیا حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کبھی کبھی آیا کرو، حضرت کی سادگی اور بے لوث والد رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق کی بنیاد پر اس عاجز کی زبان سے نکل گیا حضرت کے یہاں کیا ملے گا؟

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے ایک نگاہ دیکھا اور کہا...... خیر عاجز ایک روز وہیں رات میں قیام کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ بہت پر لطف اور باذوق صاحب تصرف اور صاحب حال اہل بصیرت اولیاء کاملین میں سے تھے اور سادگی کا مجسم نمونہ تھے، بہت ہی بے تکلف، تصور سے بالاتر، عجز و نیاز اور ہمہ وقت چہرے پر ابتسام انبساط کا مظہر اتم، ہمہ وقت فیض ختم نبوت سے اخذ فیض اور القاء فیض کے لئے طالب صادق اور سالک مخلص کی جستجو میں رہتے تھے۔ اس معاملے میں اس عاجز نے ان کو سخاوت کا بحر رواں پایا۔ ایسا پیر، مرشد، مخلص، صاحب حال، صاحب تصرف، صاحب جذب، صاحب انس، نرم و سبک گفتگو، فقہی مسائل سے بھرپور واقفیت، بزرگوں کے حالات واقعات سے شناسا، رموز و اسرار شریعت پر نور بصیرت کے ساتھ مطلع اور واقف، الغرض حضرت

حاجی صاحب سلف وصالحین کے صحیح اور سچے جانشین تھے۔ مگر صاحب مشاہدہ اور حضوری کی صفات سے متصف تھے۔ ان کے بعد نگاہ ترس گئی، دل کو قرار نہ ملا، سکون وسرور بخشنے والے کی آج بھی تلاش ہے۔ اپنی حرماں نصیبی کہ ان کے آخری ایام میں صحیح مقام ومکان پر پہنچا تھا، قبل اس کے کہ کوئی سیرابی کا گھونٹ پیتا حضرت خلد بریں کے مکین ہو گئے۔ یہ چند سطور جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگئیں۔ قارئین سے معذرت اور صد معذرت ہے۔

مسجد نبوی میں اعتکاف اور مسلسل بحالت بیداری خاتم النبیین ﷺ کی رؤیت

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ، جب کبھی تنہا ہوتے تو اس عاجز سے، بہت سارے مشاہدات یا فتوحات ربانیہ کا ذکر کرتے، عاجز حیرت وتعجب کے ساتھ سنتا اور ان کی مجلس سے واپسی کے بعد ان واقعات کو شریعت کی روشنی میں ڈھونڈتا اور تلاشتا۔ الحمد للہ کہ اس طرح ان سے ربط اور تعلق عقیدت کے ساتھ مستحکم ومضبوط ہوتا گیا۔ شعر

مریض عشق پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ایک روز حضرت نے اپنا مشاہدہ سنایا کہ مسجد نبوی میں رمضان المبارک کے ایام میں معتکف تھا اور ان ایام میں مسلسل وپیہم بحالتِ بیداری حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی عنایت سے رؤیت رہی، اور میں بغیر آنکھ کے پلک مارے ٹکٹکی باندھ کر بغور سید دوعالم، فخر الرسل، ختم الرسل، دانائے سبل، مولائے کل ﷺ کو دیکھتا تھا اور یہ نعمت وعنایت پورے اعتکاف کے تقریباً بیس دنوں تک رہی۔

یہ تمام واقعات قارئین اس لئے لکھے گئے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حیات سے ہیں اور حضور ﷺ کی اَب جو حیات ہے وہ دنیوی حیات سے اَعلیٰ، اَقویٰ، اَکمَلْ، اَتَمْ، اَفْضَلْ، اَطْہَرْ، اَنْوَرْ، اَزْکیٰ، اَجْلیٰ، اَحْلیٰ، اَوْضَحْ، اَحْسَنْ، اَطْوَلْ، اَجْوَدْ، اَرْجَحْ، اَفْصَحْ، اَشْمَخْ، اَوْفیٰ، اَصْفیٰ، اَظْہَرْ، اَنْجَمْ، اَبْہَجْ، اَطْلَعْ، اَنْزَہْ، اَقْدَسْ، اَصْدَقْ، اَقْرَبْ، اَکْرَمْ، اَرْفَعْ، حیات ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ عَدَدَ خَلْقِکَ وَمِدَادِ کَلِمَاتِکَ وَزِنَۃَ عَرْشِکَ وَرِضَا نَفْسِکَ وَمَبْلَغَ رِضَاکَ وَمُنْتَھٰی رَحْمَتِکَ وَمِلْءَ اللَّوْحِ وَالْفَضَاءِ وَمِثْلَ نُجُوْمِ السَّمَاءِ وَمِدَادَ الْقَطْرِ وَالْحَصٰی وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ صَلٰوۃً وَسَلَامًا لَا تُعَدُّ وَتُحْصٰی إِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ... اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی بَدْرِ التَّمَامِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی نُوْرِ الظَّلَامِ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مِفْتَاحِ دَارِ السَّلَامِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَی الشَّفِیْعِ فِیْ جَمِیْعِ الْأَنَامِ

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ أَشْھَدُ أَنْ لَّا إِلٰہَ إِلَّا أَنْتَ وَأَسْتَغْفِرُکَ وَأَتُوْبُ إِلَیْکَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا إِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

۱۴/ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ — العبد محمد ثمین اشرف قاسمی

۴/اگست ۲۰۲۰ء بروز منگل قبیل الظہر — حال مقیم الحستور بلڈنگ دبئی

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَآءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

اشاعت التوحید والسنۃ کے مشہور عالم مولانا عمر خان بادشاہ کا مولانا سرفراز خان صفدرؒ کی کتب پر اعتراضات اور شبہات کا ازالہ
دارالعلوم دیوبند کے علماء سے تصدیق شدہ

امام اہل السنۃ کا

عادلانہ دفاع

پسند فرمودہ:
محقق العصر شیخ سجاد الحجابی حفظہ اللہ

تصنیف لطیف: ترجمان اہل السنۃ والجماعۃ
حضرت مولانا رسال محمد حفظہ اللہ
مدرس جامعہ حدیقۃ العلوم باجاصوابی

اشاعت التوحید والسنہ کے مشہور عالم علامہ خان بادشاہ کا مولانا سرفراز خان صفدرؒ
کے کتب پر اعتراضات اور شبہات کا ازالہ

دار العلوم دیوبند کے علماء سے تصدیق شدہ

امامِ اہل السُنّۃ کا

عادلانہ دفاع

پسند فرمودہ:

محقق العصر شیخ سجاد الحجابی حفظہ اللہ

تصنیف لطیف:

ترجمان اہل السنۃ والجماعۃ

حضرت مولانا رسال محمد حفظہ اللہ
مدرس جامعہ حدیقۃ العلوم باجا صوابی

ناشر:
مکتبہ رحمۃ للعالمین پشاور
0314-5529329 / 0340-7496534

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

بندہ اپنی اس کاوش کو امام اہل السنۃ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ عبدالقدوس خان قارن صاحب دامت فیوضہم کے نام کرتا ہوں جنہوں نے مجذوبانہ واویلا، تصویر بڑی صاف ہے، اظہار الغرور، ایضاح سنت اور انکشاف حقیقت وغیرہ کتابیں لکھ کر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے دفاع اور مسلک اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کو مدلل انداز میں بیان کرنے کے ساتھ مخالفین کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ (رسال محمد)

رائے گرامی مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی دامت فیوضہم

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

بندہ کا دارالعلوم دیوبند میں بسلسلہ تعلیم شوال المکرم ۱۳۸۲ھ میں داخلہ ہوا اور شوال ۱۳۸۸ھ تک قائم رہا۔ اس وقت جماعت کے جن اکابر کی تصانیف سے شغف رہا۔ ان میں شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست تھا۔

دارالعلوم میں زیر تعلیم ایک افریقی طالب علم مولانا محمد یوسف تو تلا افریقی پاکستان سے حضرت مولانا کی کتابیں منگواتے تھے ان سے میرا یہ معاہدہ تھا کہ وہ حضرت مولانا کی ہر نئی کتاب کا ایک نسخہ میرے لئے محفوظ کرلیں۔ اس طرح حضرت کی اکثر کتابیں بندہ کو حاصل ہوتی گئیں، جن میں احسن الکلام، ازالۃ الریب، راہ سنت اور مقام امام اعظم ابوحنیفہ جیسی بڑی کتابیں بھی شامل تھیں اور چھوٹے سائز کی مختصر کتابیں۔ مختار کل، نور و بشر، طلقات ثلاثہ اور تکملہ احسن الکلام جیسی کتابیں شامل تھیں۔ بعد میں طبع ہونے والی کتابیں "تسکین الصدور" اور بعض دوسری کتابیں بھی حاصل ہوتی گئیں۔ پھر ان میں سے بہت سی کتابیں ہندستان میں بھی طبع ہوگئیں۔ مولانا مرحوم کی متعدد کتابوں (بشمول تسکین الصدور) پر اکابر علماء دیوبند کی وقیع تقریظات وتائیدات بھی شامل اشاعت تھیں۔

اس پس منظر میں بندہ کا یہ احساس قوی سے قوی تر ہوگیا کہ حضرت مولانا صفدر رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف اکابر علماء دیوبند کے علم، نظریات اور عقائد کے حامل ہیں، بلکہ ان کے ترجمان اور شارح بھی ہیں۔

اس لئے رد بدعت اور رد غیر مقلدیت سمیت تمام مختلف فیہ مسائل میں مولانا کی مکمل مدلل تحریریں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ "عادلانہ دفاع" میں درج تفصیلات سے براہ راست بندہ کی واقفیت نہیں ہے، لیکن زیر بحث تین مسائل میں حضرت مولانا کی تحریرات سے مکمل اتفاق کیا جاسکتا ہے عادلانہ دفاع اسی سلسلہ کی تصنیف ہے۔

اللہ مصنف کتاب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مقبولیت سے نوازے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ ...... مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۸/ مارچ ۲۰۱۸ء

رائے گرامی مفتی دارالعلوم دیوبند مولانا حبیب الرحمن خیرآبادی دامت فیوضہم

الحمد للہ رب العالمین

والصلوۃ والسلام علی أشرف الانبیاء سیدنا محمد و علی الہ و صحبہ أجمعین۔ اما بعد!

ہم نے اپنے اساتذہ کرام سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنا تھا کہ: ''دنیا میں سب سے مشکل کام فتویٰ نویسی ہے اور سب سے آسان کام تنقید کرنا ہے۔'' مسائل تلاش کرنے میں ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کے اقوال مختلفہ میں اصح، راجح اور مفتی بہ قول معلوم کرنے کے لئے پچاسوں کتابیں دیکھنی پڑتی ہیں لیکن تنقید کے لئے کسی علم و تحقیق کی یا محنت و مشقت کی ضرورت نہیں جیسے چاہے اپنی زبان وقلم کو حرکت میں لائے اور جو کچھ چاہے کہے یا لکھے، اپنے اساتذہ کرام سے یہ بھی سنا ہے کہ اعتراض تین وجوں سے ہوتا ہے، کبھی کم علمی سے، کبھی کج علمی سے اور کبھی لاعلمی سے، اپنی ۸۸ سالہ عمر میں یہ بات بھی تجربے میں آئی کہ جب آدمی میں ضد اور عناد پیدا ہو جاتا ہے تو اسے حق بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، وہ صراط مستقیم سے ہٹ کر ضلالت وگمراہی کے گھڑے میں جا گرتا ہے۔

''عادلانہ دفاع'' نامی کتاب پڑھ کر یہ تینوں باتیں میرے سامنے گھومنے لگیں، جماعت ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے بارے میں اس سے قبل یہاں سے فتوی دیا گیا تھا کہ اس کے نظریات وافکار اہل سنت والجماعت کے خلاف اور علمائے دیوبند کے عقیدہ وموقف کے بھی خلاف ہیں اس کے نظریات وخیالات میں اعتزال اور غیر مقلدیت کی بو آرہی ہے۔ اسی جماعت سے تعلق رکھنے والے عالم ''خان بادشاہ'' نے کچھ اعتراضات شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز صاحب صفدر رحمۃ اللہ علیہ پر کئے ہیں۔ حضرت مولانا سرفراز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی مسلک اور اہل سنت والجماعت کے انتہائی مستند عالم ہیں اور اہل سنت والجماعت کے امام تسلیم کئے جاتے ہیں۔

پاکستان میں ایک گروہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی قبر شریف میں حیات جسمانی کا قائل نہیں ہے اسی طرح سماع موتی عند القبر کا بھی قائل نہیں ہے۔ حضرت مولانا سرفراز صفدر صاحب نے اپنی کتاب ''تسکین الصدور'' میں ان دونوں مسئلوں کو بڑی تحقیق و وضاحت کے ساتھ نہایت مدلل انداز میں بہت کافی وشافی طریقے پر لکھا ہے، اپنے موضوع پر یہ بے مثال اور تحقیقی کتاب ہے اہل سنت والجماعت اور علمائے دیوبند کی صحیح ترجمانی فرمائی ہے اس پر ہمارے تمام ہی اکابر نے اتفاق کیا اور اسے خوب سراہا ہے مگر اختلاف کرنے والوں نے اپنا اختلاف جاری رکھا، یہاں تک کہ ہر فریق ایک دوسرے کی تضلیل کرنے لگا، تو ان دونوں کے درمیان صلح مصالحت کے لئے ۱۹۶۲ء میں حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) پاکستان تشریف لے گئے اور دونوں کے درمیان مصالحت کرائی، دونوں آپ کے فیصلے پر متفق ہو گئے۔

لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر وہی اختلاف شروع ہو گیا اور آج تک چل رہا ہے انہی اختلاف کرنے والوں میں علامہ خان بادشاہ بھی ہیں جنہوں نے پھر اختلاف کو ہوا دی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز صفدر صاحب کی کتاب ''تسکین الصدور'' پر نکتہ چینی کی اور بہت سے اعتراضات کئے اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ترجمان اہل سنت

والجماعت مناظر اسلام مولانا رسال محمد صاحب (مہتمم جامعہ حدیقۃ العلوم باجا صوابی) حفظہ اللہ کو، انہوں نے ان اعتراضات کے بہت معقول ومسکت علمی اور مدلل جوابات دیئے ہیں اور دفاع کا صحیح حق ادا کیا ہے وہ اپنے دفاع میں سو فیصد کامیاب ہیں ان کا علم تحقیقی ہے اور علوم شرعیہ میں ماشاء اللہ گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے گم گشتہ راہ کو ہدایت عطاء فرمائے اور خود مؤلف کو بہت جزائے خیر عطاء فرمائے اوران کے لئے اس کتاب کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

حبیب الرحمن خیر آبادی عفا اللہ عنہ

مفتی دار العلوم دیو بند

۸/رجب ۱۴۳۹ھ

رائے گرامی استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا منیر احمد منور صاحب مدظلہم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ محمد و علی آلہ و اصحابہ

و اتباعہ من المحدثین المجتہدین الصالحین الی یوم الدین، اما بعد!

ہر باطل مذہب کی بنیاد دو فاسد اصولوں پر ہوتی ہے ایک یہ کہ قرآن وحدیث میں تحریف معنوی کر کے اپنے مزعومہ فاسد عقائد ونظریات پر اس کو فٹ کرنا دوسرا سلف صالحین اور اکابرین امت پر طعن وتشنیع اور الزام تراشی کر کے ان سے متنفر و بدظن کرنا کیونکہ سب اہل باطل جانتے ہیں کہ جب تک امت مسلمہ کو سلف صالحین اور اکابر امت کے ساتھ عقیدت ومحبت کا رشتہ استوار ہے، ان پر اعتماد قائم ہے اور خلف نے اپنے سلف کا دامن مظبوطی کے ساتھ پکڑا ہوا ہے، تب تک ان کے تحریفی عقائد ونظریات جو سلف صالحین کے عقائد ونظریات سے متصادم ہیں وہ اہل حق کے مذہبی طبقہ میں نہ چل سکتے ہیں نہ ان میں مقبولیت حاصل کر سکتے ہیں۔ پس اعتماد علی السلف اور ان کے ساتھ حسن ظن اہل باطل کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے بلکہ سد سکندری ہے وہ اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے سب سے پہلے سلف صالحین اور اکابر پر تبرا، الزام تراشی اور طعن وتشنیع کر کے ان سے بد اعتمادی، بدظنی اور بغض ونفرت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ پس جس پر ان کا یہ جادو چل گیا نتیجۃً وہ اپنے اسلاف واکابر سے متنفر ہو گیا۔ ان سے سوءظنی اور بداعتمادی کے مہلک مرض میں مبتلاء ہو گیا وہ ان کا تر نوالہ ہے وہ جب چاہیں اس کو نگل کر ہڑپ کر لیں وہ ان کا شکار ہے جس وقت چاہیں اس کو اپنے جال میں پھنسا کر شکار کر لیں قریب زمانہ کے اکابرین میں امام اہل السنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اہل السنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہمارے مربی ومشفق استاذ محترم حکیم العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ سابق امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سے میں نے بارہا سنا انہوں نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجمالی ایمان معتبر ہے تو میرا ایمان اور میرا عقیدہ وہی ہے جو مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

جمعیۃ اشاعت توحید والسنہ کی ایک عجیب شخصیت علامہ خان بادشاہ نے امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف موضوعات پر تصنیف کردہ کتب کا مطالعہ کر کے بزعم خویش تقریباً (۶۱) اعتراضات کئے ہیں (حضرت نے اندازہ بتایا ہے۔ رسال محمد) اور اصل مقصد حیات النبی ﷺ، سماع موتی، توسل بالذات، عرض اعمال، سماع صلوۃ وسلام عند قبر النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مشکوک بنانے کی سعی مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے دوست مناظر اسلام محقق عالم حضرت قاری رسال محمد کو کہ انہوں نے اپنی علالت کے باوجود بڑا وسیع مطالعہ اور سعی بلیغ کر کے خان بادشاہ صاحب کے (۶۱) اعتراضات کے بہت ہی محقق مدلل عام فہم انداز میں اور نہایت شستہ وسنجیدہ طریقہ سے جوابات دئے ہیں۔ حضرت قاری صاحب مدظلہ نے ایک طرف امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ کیا دوسری طرف خان بادشاہ صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔

نیز کتب حدیث اور فن اسماء الرجال اور اکابرین دیوبند کی کتب کو سامنے رکھ کر اکثر جوابات میں تین انداز اختیار کئے ہیں تحقیقی جواب، قائد اہل سنت پر کئے گئے اعتراضات کا قائد اہل سنت کی کتب سے جواب اور خود خان بادشاہ کی اپنی کتابوں کی روشنی میں الزامی جواب یعنی خان بادشاہ صاحب اپنی کتب کے حوالہ سے اپنے اعتراضات کی زد میں خود آجاتے ہیں۔ درحقیقت خان بادشاہ صاحب اعتراضات کر کے امام اہل سنت کی شخصیت کو مجروح کر کے ان سے اور ان کی کتب سے اعتماد ختم کرنا چاہتے تھے لیکن امید ہے کہ: ''امام اہل سنت کا عادلانہ دفاع'' کے مطالعہ سے امام اہل سنت اور ان کی کتب پر اعتماد بڑھ جائے گا اور جن عقائد کو خان بادشاہ صاحب مشکوک بنانا چاہتے تھے ان پر عقیدہ ویقین اور بھی پختہ ہو جائے گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر خان بادشاہ موصوف ضد وتعصب کو چھوڑ کر بنظر انصاف عادلانہ دفاع کا مطالعہ کریں گے تو اپنے اعتراضات کی نامعقولیت اور بودے پن پر خود ان کا سر بھی ندامت سے جھک جائے گا اور ''ثم نکسوا علی رؤسھم'' کی کیفیت ہویدا ہو جائے گی اور ان کے تحت الشعور میں یہ احساس بیدار ہوگا کہ ایک علمی قدآور شخصیت کی پگڑی کو ایک علمی بونے نے کود کود کر، اچھل اچھل کر اچھالنا چاہا تھا لیکن اس نے کود کود کر، اچھل اچھل کر اپنا ستیاناس کر لیا مگر ان کی پگڑی تک بونے کا ہاتھ نہ پہنچ سکا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مدظلہ کے دین وایمان، علم وعمل صحت وعمر اور مال واولاد میں برکتیں عطاء فرمائے اور عادلانہ دفاع کو قبولیت تامہ عامہ کی نعمت سے سرفراز فرما کر دنیا میں ہدایت کا اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائیں۔

منیر احمد منور

خادم الاساتذہ والطلبہ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

۲۳/اکتوبر ۲۰۱۸ء

سبب تالیف

علامہ خان بادشاہ صاحب جماعت اشاعت التوحید والسنۃ سے تعلق رکھنے والے ایک جید عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ اپنے حلقہ میں فن اسماء الرجال کے حوالہ سے کافی شہرت رکھتے ہیں۔ علامہ صاحب کی کتابوں سے مناسبت رکھنے والوں کو بخوبی اندازہ ہوگا کہ ان کی کتب کی نمایاں باتوں میں ایک امام اہل السنۃ مولانا

سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ پر بے جا تنقید اور بلاضرورت حد سے زیادہ غصہ پایا جاتا ہے، علامہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو یا تو ان غلطیوں پر تنقید کا نشانہ بنایا ہے جن کی اصلاح بعد کی طباعتوں میں ہو چکی ہے اور علامہ صاحب مسلسل اس کو نظر انداز کر کے ہر نئی تصنیف میں دہراتے ہیں اور یا ان مخصوص مسائل کی وجہ سے جس میں علامہ صاحب اور ان کی جماعت اہل سنت والجماعت علماء دیوبند سے الگ اور جداگانہ مؤقف رکھتی ہے۔ علامہ صاحب کے ان بے جا اعتراضات کے جوابات کی تو چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ پہلے ہی سے ایسی قسم کے اعتراضات کے جوابات میں کئی کتابیں منظر عام پر آچکی تھی مثلاً (مجذوبانہ واویلا، تصویر بڑی صاف ہے سبھی جان گئے، اظہار الغرور، قہر حق بر صاحب ندائے حق وغیرہ) لیکن جب علامہ صاحب اپنی ہر نئی تصنیف انہی اعتراضات سے مزین کرنے لگے اور جواب کا مطالبہ چیلنج کی حد تک بڑھنے لگا تو اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ علامہ صاحب کا یہ مطالبہ اور چیلنج پر مبنی کلام اس میدان اور خصوصاً امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب سے ناواقف و نابلد نیز طالب علمانہ اذہان کے شکوک وشبہات کا سبب بن سکتا ہے۔

پس ایسے حالات میں ضروری تھا کہ علامہ صاحب کے اشکالات وشبہات کا جائزہ لیا جائے، سب سے پہلے اس اہم کام کا آغاز بندہ کے ایک معتمد شاگرد اور برصغیر پاک وہند کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے مولانا رومان حکیم صفدر متعنا اللہ بطول حیاتہ نے کیا لیکن علمی مصروفیات کی بناء پر وہ یہ کام پورا نہ کر سکے اور یہ بارگراں بندہ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ اگر چہ بظاہر یہ علامہ صاحب کے اعتراضات واشکالات کے جوابات ہیں، لیکن درحقیقت یہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے کتب کے ساتھ ان کے اور علماء دیوبند کے عقائد ونظریات کا دفاع تھا، جو ایک مشکل مرحلہ ہونے کے ساتھ بے حد ضروری بھی تھا۔ بالآخر بندہ نے اللہ کا نام لے کر کام کو آگے بڑھایا، ہم نے اعتراضات کے جوابات میں زیادہ تر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند ارجمند حافظ عبدالقدوس خان قارن صاحب دامت برکاتہم کے تحریرات کو بنیاد بنایا ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف خصوصاً مسئلہ عرض الاعمال کو مزید دلائل اہل سنت سے مزین فرمایا۔ علامہ خان بادشاہ صاحب نے ایک ایک اعتراض کو کئی مرتبہ اور کئی کتابوں میں دہرایا ہے اس لئے کتاب میں تکرار سے بچنے کی کوشش کے باوجود تکرار کے لئے معذرت خواہ ہیں، کتاب میں ادب واحترام کی کافی کوشش کی گئی ہے اس کے باوجود بھی اگر کہیں تیزی نظر آ رہی ہو تو عمل نہیں بلکہ ردعمل ہوگا۔

ہم نے کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلا باب ''غلط فہمیوں کا ازالہ'' اس باب کے تحت علامہ صاحب کے ۲۸ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ دوسرا باب احادیث ''حیات الانبیاء پر اعتراضات کا جائزہ'' تیسرا باب عبارات ''تسکین الصدور پر اعتراضات کا جائزہ'' اس باب میں ۱۶ عبارات پر اعتراضات کے جوابات ہیں ان ابواب کے اندر علامہ صاحب کے زیادہ تر وہ اشکالات شامل کتاب کر دیئے گئے ہیں جو حیات الانبیاء، توسل، عرض الاعمال اور قدر مختصر سماع موتی سے متعلق تھیں۔

بقیہ اشکالات خصوصاً جو عقیدہ عذاب قبر، حیات فی القبر اور احادیث عذاب قبر سے متعلق ہیں اس کو ہم نے کتاب کے حصہ دوم میں شامل کی ہیں۔ ہم ان تمام ساتھیوں خصوصاً مولانا مشتاق احمد صاحب اور مولانا عرفان اللہ النعمانی صاحب (مردان) کے بے حد ممنون ہیں جنہوں نے کتاب کی تیاری میں بھر پور تعاون کیا۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتبعاہ، آمین بجاہ سید المرسلین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

امام اہل السنۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء اور رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے ۱۹۵۷ء میں جب حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور خلفاء نے قرآن وسنت کی تعلیمات کو فکر حسینی کے طرز پر عام کرنے کے لئے ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' کے نام سے جماعت کی بنیاد رکھی تو مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذانہ نسبت کی بنیاد پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ اس کا حصہ بنے بلکہ دستور ساز کمیٹی کا رکن بھی قرار پائے ،فکر حسینی کی نشر واشاعت کے لئے بنی اس جماعت کو بہت جلد نظر لگ گئی اور بدقسمتی سے بعض جماعتی احباب نے چند مخصوص مسائل (حیات الانبیاء علیہم السلام وغیرہ) میں ایسی راہ اپنائی جو کہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی مؤقف کے خلاف ہونے کے ساتھ جماعتی دستور کے بھی خلاف تھی کیونکہ جماعت کے دستور میں ''اشاعت سنت'' کی وضاحت بایں الفاظ موجود ہے ''جملہ مسائل اہل سنت والجماعت کو حق سمجھتے ہوئے مسائل فقہ میں مسلک سراج الامت امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی اور ترویج کرنا۔''
(ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی ۱۹۸۷ء ص ۳۰)

جماعتی احباب کی اسی روش اور اہل سنت والجماعت کے اجماعی مؤقف سے انحراف نے بالآخر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو جماعت سے علحدگی کے فیصلہ پر مجبور کیا تاہم اس کی وجہ سے فکر حسینی میں کوئی تزلزل نہیں آیا جس پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی سمیت فرق باطلہ کے تعاقب میں لکھی گئی کتابیں شاہد ہیں جو اکابر دیوبند سے بھی داد تحسین وصول کر چکے ہیں لیکن اس کے برعکس مخالفین نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو فکر حسینی اور علماء دیوبند سے منحرف اور خارج تو کیا بریلویوں اور مشرکین کا معاون قرار دے دیا جس کا نمونہ آپ اس کتاب میں دیکھ سکتے ہیں حالانکہ بات چند مخصوص مسائل کی تھی جس کا اعتراف خود مؤرخ اشاعت میاں محمد الیاس بھی کرتے ہیں لکھتے ہیں: ''اور اس کا اعتراف نہ کرنا بخل ہوگا کہ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مدظلہ العالی کی ۱۹۶۰ء سے پہلے کی تصانیف مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کی بہترین ترجمان ہیں واحسرتا، انہوں نے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف انداز فکر اختیار کیا۔'' (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۵۴)

اب میاں صاحب نے اس بات کا کھلا اعتراف کیا کہ سبب اختلاف مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور ۱۹۶۰ء کی قید بھی میاں صاحب نے اسی تناظر میں لکھا ہے۔ باقی آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہے کہ جس طرح ۱۹۶۰ء سے پہلے کی کتابیں فکر حسینی کی ترجمان ہے۔ بعد کی کتابیں بھی اسی تسلسل کی کڑی ہے جس کا خاکہ ہم کتاب میں پیش کر چکے ہیں لیکن امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا جرم صرف یہ تھا کہ بعد کی کتابوں میں ان مخصوص مسائل کو مدلل بیان کیا اور انکار کرنے والوں کا آخر دم تک تعاقب کیا جس کا اظہار میاں صاحب نے ''واحسرتاہ'' کے الفاظ سے کیا۔

جب کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا وہی موقف تھا جو جماہیر اہل سنت والجماعت کا ہے جس کی تائید ۱۹۶۲ء میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ اور قدر مشترک عبارت پر اکابر اشاعت کے دستخط سے ہوئی کیونکہ اکابر اشاعت نے اس فیصلہ اور قدر مشترک عبارت پر دستخط کسی مصلحت کی بناء پر نہیں بلکہ اکابر دیوبند کا متفقہ موقف سمجھ کر کے کئے تھے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن میں اظہار حقیقت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''چنانچہ مولانا غلام اللہ خان صاحب نے محترم قاضی نور محمد صاحب سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ اس پر دستخط کر دیئے جائیں کیونکہ سماع صلوٰۃ عند القبر الشریف پر تو تمام اکابرین علماء دیوبند متفق ہیں۔''

(ماہنامہ تعلیم القرآن اگست ۱۹۶۲ء ص ۵۴)

اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے حق ہونے کی دوسری تائید جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کا یہ جماعتی موقف ہے کہ: ''سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی ﷺ ثابت نہیں لیکن جو لوگ قبر شریف کے پاس یعنی عند قبر النبی ﷺ صرف صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں ہم ان کو کافر نہیں کہتے بلکہ ہم ان کو اہل سنت والجماعت سے خارج بھی نہیں قرار دیتے۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن اکتوبر ۱۹۸۴ء ص ۱۷)

ایک طرف اتنی شدت کہ اسی مسئلہ کی بنیاد پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو نہ دیوبندی ماننے کے لئے تیار ہیں اور نہ فکر حسینی پر کاربند جب کہ دوسری طرف ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو اہل سنت والجماعت سے خارج قرار نہیں دیتے، کیا یہ دبی زبان میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید اور جو حضرات اس عقیدہ کو فکر حسینی سے انحراف قرار دیتے ہیں ان کے منہ پر طمانچہ نہیں؟

نیز ان مخصوص مسائل میں اہل سنت والجماعت سے الگ موقف جماعت کے بعض احباب کا تھا اکثر احباب کا اسی جماعت میں رہ کر بھی وہی موقف تھا جو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا تھا اس بات کو تفصیل سے جاننے کے لئے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام، ہیئت ترکیبی، اغراض ومقاصد، مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء وتلامذہ میں سے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نظریہ حضرات اور اکابر اشاعت کے چند مشہور اساتذہ اکابر دیوبند کا تذکرہ چار وجوہ سے ضروری سمجھتے ہیں:

(۱) رئیس المفسرین مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ان کی اپنی تحریرات کے علاوہ ان کے خلفاء وتلامذہ کے نظریات کی روشنی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

(۲) جو مسائل امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت سے علیحدگی کا سبب بنے ان مسائل میں مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ، خلفاء اور اشاعت التوحید کے اکابر میں سے کون کون امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمنوا تھے؟

(۳) تاکہ انصاف سے غور کرنے کا موقع مل جائے کہ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے اغراض ومقاصد سے انحراف کس نے کیا ہے؟

(۴) امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو فکر حسینی سے انحراف کا تو الزام دیا جا رہا ہے لیکن جو حضرات اپنے تمام اساتذہ اکابر دیوبند کے خلاف الگ راہ پر جا رہے ہیں ان کو کس نام سے موسوم کیا جائے۔

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام

نومبر ۱۹۵۷ء کو جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کی اجلاس میں شرکت کرنے والے حضرات کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ ''شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، استاذ العلماء مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انہی والے، شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ خطیب گکھڑ، شیخ التفسیر مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد امیر صاحب بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القران مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ سرحدی (پنج پیر)، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القران مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔'' (ماہنامہ تعلیم القران راولپنڈی جولائی ۱۹۸۷ء ص ۲۳)

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کی پہلی ہیئت ترکیبی

جب پہلی مرتبہ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام عمل میں آیا تو اس کی ہیئت ترکیبی اور تنظیمی ڈھانچہ یوں تھا:

(الف) سرپرست:

(۱) شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ ضلع کیمبل پور۔
(۲) استاذ العلماء مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضلع گجرات۔
(۳) صاحبزادہ مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں۔
(۴) حضرت مولانا شیخ الحدیث سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(ب) امیر:

حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ محمدیہ قلعہ دیدار سنگھ گجرانوالہ۔

(ت) نائب امیر:

(۱) حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری گجرات۔
(۲) حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ گجرانوالہ۔
(۳) حضرت مولانا محمد طاہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مردان۔

ناظم اعلیٰ:

شیخ القران مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

نائب ناظم:

مولوی محمد یوسف خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ راولپنڈی۔

خازن:

حاجی فیروز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ راولپنڈی۔ (ماہنامہ تعلیم القران جولائی ۱۹۸۷ء ص ۲۹،۲۸)

جماعت کا دستور رقم کرنے کے لئے دستور ساز کمیٹی

جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کا دستور رقم کرنے کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی وہ مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھی: (۱) شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، (۲) مولانا قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ، (۳) مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ، (۴) مولانا عبدالستار رحمۃ اللہ علیہ، (۵) شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ، (۶) شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ، (۷) مولانا نور احمد یزدانی رحمۃ اللہ علیہ۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی ۱۹۸۷ء ص ۲۳)

۱۹۶۲ء کے تنظیمی ڈھانچہ کی تفصیل

جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے امیر اوّل مولانا قاضی نور محمد صاحب ۱۹۶۲ء میں وفات پا گئے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بتاریخ ۲۲/جولائی ۱۹۶۲ء کو جمعیت اشاعت التوحید کے چوراسی (۸۴) علماء کا اجتماع ہوا اور مندرجہ ذیل حضرات کا انتخاب کیا گیا۔

سرپرست:

(۱) شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتی رحمۃ اللہ علیہ ضلع کیمبل پور۔

(۲) شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مدرس مظاہر العلوم سہارنپور۔

(۳) استاذ العلماء حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میانوال۔

(۴) صاحبزادہ مولانا عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں ضلع میانوالی۔

(۵) مولانا میاں خدا بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرو۔

(۶) مولانا محمد عرفان صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقام ڈاگری مانسہرہ ضلع ہزارہ۔

امیر (صدر):

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری۔ رحمۃ اللہ علیہ

نائب امیر (نائب صدر):

(۱) حضرت مولانا شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ گوجرانوالہ۔

(۲) حضرت مولانا محمد امیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرگودھا۔

ناظم اعلیٰ:

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ راولپنڈی۔

نائب ناظم اعلیٰ:

مولانا سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔

معاون نائب ناظم:

حاجی محمد یوسف خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن ۱۹۶۲ء بابت ماہ اگست، ص ۴۹)

مزید تفصیل کے لئے سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶۴ مؤلف میاں محمد الیاس۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کا پہلا سرپرست بھی مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور پھر ۱۹۶۲ء میں دوبارہ سرپرست مقرر کئے گئے۔ علامہ غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات جنوری ۱۹۶۹ء میں ہوئی ماہنامہ تعلیم القرآن کی فائلیں اس پر شاہد ہیں کہ تادم وفات علامہ غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ اس منصب پر فائز رہے۔ مثلاً علامہ غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کے بعد جمعیت اشاعت التوحید والسنہ نے ایک تعزیتی اجلاس مقرر کیا جس کی کارروائی کو بایں الفاظ درج کیا گیا: ''جمعیت اشاعت توحید وسنت پاکستان کا یہ نمائندہ اجلاس شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ماذون رئیس الموحدین سلطان العارفین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ وسرپرست جمعیت اشاعت توحید وسنت پاکستان کی وفات کو ملت اسلامیہ کے لئے سانحہ فاجعہ سمجھتے ہوئے دلی حزن وملال کا اظہار کرتا ہے۔'' (ادارہ ماہنامہ تعلیم القران جنوری، فروری ۱۹۶۹ء بحوالہ پٹھانوں کے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲۸)

اسی طرح اشاعت التوحید والسنہ قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ نے مؤرخہ ۱۲ رفروری ۱۹۶۹ء کو قاضی عصمت اللہ صاحب کے زیر صدارت ایک اجلاس میں حسب ذیل قرارداد پاس کی: ''جمعیت اشاعت التوحید والسنہ قلعہ دیدار سنگھ کا یہ اجلاس شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ماذون رئیس الموحدین، سلطان العارفین، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ وسرپرست جمعیت مرکزیہ کی وفات حسرت آیات پر اپنے دلی جذبات رنج والم کا اظہار کرتا ہے۔'' (ادارہ ماہنامہ تعلیم القرآن جنوری، فروری ۱۹۶۹ء بحوالہ پٹھانوں کے شاہ ولی اللہ ص ۱۲۷)

مذکورہ اجلاسوں کی کارروائی سے واضح ہے کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ وفات تک جمعیت کے سرپرست رہ چکے ہیں اور ساتھ رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔

مولانا قاری سعید الرحمن علوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداء واں بھچراں اپنے پیر خانہ میں خاصا قیام کیا اور پھر بقول آپ کے صاحبزادگان کے ۳۵ برس مسلسل حاضری دیتے رہے۔ پیر کامل کو مرید باصفا سے بڑا انس تھا اور یہاں تک فرمایا کہ: ''اگر خدا نے پوچھا کہ اپنے ساتھ کون سا سرمایہ لائے تو نصیر الدین کو پیش کروں گا۔'' (پٹھانوں کے شاہ ولی اللہ ص ۴۸)

مندرجہ بالا عبارات سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے وفات تک سرپرست رہے۔

(۲) رئیس الموحدین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔

(۳) مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا ان پر بڑا اعتماد تھا۔

اس تفصیل کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام'' کے بارے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ذکر کیا جائے جس کی وجہ سے اشاعت التوحید والسنہ قائلین حیات اور خصوصا امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کو مطعون قرار دیتے ہیں ملاحظہ کریں:

جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے پہلے سرپرست کا عقیدہ

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں (نصیر الدین) اور مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ عقائد میں متفق ہیں، میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ”برزخی حیات“ کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں، میں بھی یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قریب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب غلام اللہ خان صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ میں یہ لکھا ہے“ اور نبی علیہ السلام اور سب اموات میں حیات برزخی ہے اور نبی علیہ السلام میں سب سے اکمل اور احسن ہے اس واسطے وہ قبر کے پاس درود وسلام سنتے ہیں۔“ (ماہنامہ تعلیم القرآن ستمبر ۱۹۶۰ء ص ۲۵، پٹھانوں کے شاہ ولی اللہ ص ۵۰)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ”میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ کا کبھی اختلاف نہیں سنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل السنۃ والجماعت کا متفقہ حق مسئلہ ہے۔“ (بحوالہ مقام حیات ص ۶۹۶)

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نظریہ ”مشکوۃ شریف“ کے حواشی میں بھی واضح اور تفصیل سے لکھا ہے، لیکن ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ کے حوالے سے زیادہ مناسب سمجھا تاکہ انکار کی گنجائش نہ رہے۔ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واضح عقیدہ اور اعلان اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ”حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کے قطعاً منکر نہ تھے، ورنہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کے خلاف کیسے جاسکتے ہیں؟ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ابتداء سے اشاعت التوحید والسنہ اس عقیدے کی منکر تھی اور نہ اس کے تمام اکابر اس کے منکر تھے جیسا کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے خود جماعت کے ناظم اعلی شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ واضح طور بیان کیا باقی تفصیل آرہی ہے۔

جماعت کے دوسرے سرپرست کا عقیدہ

جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے دوسرے سرپرست شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن بہبودی رحمۃ اللہ علیہ ہیں وہ فرماتے ہیں: ”میرے نزدیک مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون جو مختلف رسائل میں طبع وشائع ہو چکا ہے اس باب میں بہترین مضمون ہے۔“ (ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی واگست ۱۹۶۰ء)

اور مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مضمون لکھا ہے اس میں عقیدہ حیات الانبیاء بایں الفاظ موجود ہے: ”بہرحال ”حیات انبیاء علیہم السلام“ کا یہ مطلب کسی کے نزدیک بھی نہیں کہ ان پر موت قطعاً طاری ہی نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وفات کے بعد ان حضرات کو پھر حیات (مع الجسد) بخش دی جاتی ہے اور وہ صحیح وسالم قبروں میں رہتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ ھذا الجواب ویتوب اللہ علی من تاب“ (ماہنامہ تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء ص ۳۲)

علامہ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اسی مضمون میں لکھتے ہیں: ”ایک دوسرا مطلب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگرچہ عوام الناس کے لئے دو موتیں ہیں پہلی دفعہ اس دنیا میں ان پر موت وارد ہوتی ہے، پھر قبر میں نکیرین کے سوال وجواب کے وقت ان کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور اس سے فراغت کے بعد دوبارہ ان پر موت طاری کر دی جاتی ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف اسی دنیا کی ایک موت مقدر تھی جو آپ پر وارد ہوگئی، اس کے بعد جب قبر مبارک میں آپ کو پھر حیات بخشی جائے گی تو وہ برابر قائم رہے گی اور عوام الناس کی طرح ان پر دوبارہ موت طاری نہیں ہوگی۔“ (ماہنامہ تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۹ء)

علامہ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات سے صاف واضح ہے کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے اور انبیاء علیہم السلام کو وفات کے بعد قبر میں جو حیات ملتی ہے وہ برابر قائم رہے گی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن بہودی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ مضمون پسندیدہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اشاعت التوحید والسنہ کا دوسرا سرپرست بھی حیات جسمانی کا عقیدہ رکھتے تھے۔

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ، خلفاء اور اکابر اشاعت کا عقیدہ

(۱) مولانا قاضی غلام مصطفی مرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء اور اشاعت التوحید والسنہ کے اکابر میں سے ایک مولانا قاضی غلام مصطفی تھے میاں محمد الیاس صاحب لکھتے ہیں: ''شیخ الادب مولانا قاضی غلام مصطفی مرجانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باصفا، مجاز صحبت اور جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے اکابرین سے تھے۔''

(سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۲۹)

وفات ۲۹ رجون ۱۹۷۷ء کو ہوئی اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (ایضا)

مولانا غلام مصطفی مرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے دو کتابیں بطور یادگار چھوڑیں جس میں ایک ''الوصایا فی المزایا'' (وصیت نامہ) کے نام سے ہے۔ میاں محمد الیاس صاحب اس کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جس میں نہایت مؤثر انداز میں بنیادی عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔'' (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۳۰)

مولانا غلام مصطفی مرجانی رحمۃ اللہ علیہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں: ''ہاں! صلوۃ وسلام خطاب کے صیغہ سے عندقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور پڑھے اس میں برکات ہیں اور احقر سماع صلوۃ وسلام عندقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قائل ہے۔''

(حاشیہ وصیت نامہ ص ۱۱۶ ربحوالہ ضرب المہند ص ۴۵، ۴۶)

۱۹۷۷ء تک بقید حیات جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کا یہ جید عالم جو جماعت کے اکابر میں سے تھے سماع عندقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔

(۲) مولانا قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

مولانا قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے برادر محترم ہونے کے ساتھ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ (فیوضات حسینی ص ۳۶)

قاضی نور محمد صاحب ۱۹۵۷ء میں جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے امیر مقرر ہوئے اور ۱۹۶۲ء میں ان کی وفات ہوئی اور تادم وفات ''حیات جسمانی اور سماع عندقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عقیدہ پر قائم رہے۔ ۱۹۶۲ء میں عقیدہ حیات الانبیاء پر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جو قدر مشترک عقیدہ و مضمون لکھا گیا اس پر حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط ہیں اور اس فیصلہ کے غالباً تین دن بعد حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دارفانی سے رخصت ہوئے۔ حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کی مزید وضاحت کتاب میں موجود ہے۔

(۴) مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے اکابر، دارالعلوم دیوبند کے فضلاء، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے اور قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کے بعد اپنی جماعت کے نائب امیر رہے اور آخر دم تک اس منصب پر فائز رہے۔ (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۱۵)

اور جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کی دستور ساز کمیٹی کا ایک رکن امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی ۱۹۸۷ء ص ۲۳)

قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے بھائی کی طرح حیات وسماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں مصالحتی مذاکرات میں مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فریقین بلکہ علمائے دیوبند کے مشترکہ مؤقف کو ضابطہ تحریر میں لانے کی ذمہ داری بھی آپ کو سونپی۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن اگست ۱۹۶۲ء ص ۵۴)

۱۹۶۲ء میں علماء دیوبند کا مشترکہ مؤقف مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر کا خلاصہ ہے۔ (ایضاً)

قاضی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: ’’بل احیاء ولکن لا تشعرون‘‘ سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ ہیں۔ (مسالک العلماء ص ۲۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ’’عزیزان من! حیات الانبیاء میں نزاع نہیں، وہ تو بالاتفاق زندہ ہیں۔ (ایضاً ص ۵۶)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ’’سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز ہی کے قائل نہیں، بلکہ اس کو باعث ہزار سعادت سمجھتے ہیں، رزقنا اللہ وایاہ اور سماع سلام عند القبر جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، اس کو تسلیم کرتے ہیں مگر سماع روحانی ہے جیسے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے۔‘‘ (ایضاً ص ۲۴۷)

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے ہم صرف جواب پر اکتفاء کرتے ہیں ملاحظہ کریں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’انبیاء علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں یعنی ان کو ایک برزخی زندگی حاصل ہوتی ہے ان کی قبر مطہر کے قریب کھڑے ہو کر ان کو سلام عرض کرنا جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے سواء اور کسی ولی کی قبر پر سلام کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ سنتے ہیں درست نہیں کسی قبر پر میت کو اس خیال سے پکارنا کہ یہ متصرف ہے جائز نہیں۔ ان سے حاجتیں طلب کرنا شرک ہے یہ سمجھنا کہ جیسے دنیا کے افسر بغیر وسیلے کے نہیں ملتے ایسے ہی خدا تعالیٰ بغیر وسیلے کے نہیں ملتا جہالت ہے وہ حی قیوم ہر بندے کی حاجت سنتا اور دیکھتا ہے اور حاجت روائی کرتا ہے قبر پر جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور یہ کہنا کہ یا اللہ اس بزرگ کے طفیل میرا فلاں کام پورا کردے یہ مباح ہے...... انتھی موضع الحاجۃ‘‘

(ایضاً ص ۲۱۴، ۲۱۵)

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ فتویٰ سے دو باتیں بالکل واضح ہیں: (۱) انبیاء علیہم السلام کے قبر کے پاس اس نیت سے سلام کرنا کہ وہ سنتے ہیں جائز ہے۔ (۲) توسل بالذات جائز ہے اور قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ کو اپنی تائید میں نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے قائل تھے۔

(۴) حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے۔

(سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۳۵، از میاں محمد الیاس، ناشر القرآن ص ۱۳۲، ۱۳۳۱)

تسکین الصدور پر تقریظ کرتے ہوئے حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''تسکین الصدور کے اکثر حصے دیکھے اپنے موضوع میں مسلک اہل السنہ والجماعۃ کے بیان میں کافی وشافی ہے اور پچھلی تصنیفات سے مغنی ہے۔''

(تسکین الصدور ص ۲۷)

نیز فرماتے ہیں: ''صلوٰۃ وسلام اونچی آواز سے نہ پڑھے بلکہ نہایت ہی دھیمی آواز میں پڑھے اور دل میں یہ دھیان رکھے کہ میرے آقا میرا سلام سن رہے ہیں اور مجھے جواب مرحمت فرما رہے ہیں اور خوب جی بھر کر اپنے لئے اور اپنے اہل خانہ اور پورے عالم اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگے۔ یقیناً ایسی پاکیزہ جگہوں پر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔'' (حافظ الحدیث نمبر ص ۵۰)

(۵) حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

پیر طریقت اور مرشد کامل، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔ (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۳۸، از میاں محمد الیاس، ناشر القرآن ص ۱۳۴)

علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''تصوف وسلوک میں ان کا قدم بہت راسخ تھا نقشبندی سلسلہ کے ممتاز شیخ طریقت تھے، نیک طبع اور متقی اور عارف باللہ تھے۔'' (ناشر القرآن ص ۱۳۵)

علامہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (۱): ''ہمارے اکابر دیوبند وغیرہم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات برزخی جسمانی کے اس طور پر قائل تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجود پاک کے ساتھ زندہ تشریف فرما ہیں روضہ مبارکہ میں، جس طرح کہ اس دنیا میں تشریف فرما تھے جیسا کہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند نومبر ۱۹۵۷ء ص ۸ میں اور آب حیات از مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے اور ''المہند علی المفند'' ص ۱۳ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند میں ہے۔

(القول النقی فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۸)

(۲) پہلی روایت ''ابن المبارک'' نے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ (ایضاً ص ۸)

(۳) تیسری روایت۔۔۔ بیہقی وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔ (ایضاً ص ۸)

(۶) مناظر اہل سنت مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

مناظر اہل سنت مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ بھی مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔

(ناشر القرآن ص ۱۳۹)

علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''بڑی وضع دار اور علمی شخصیت تھے، علمی مسائل کی جزئیات سے گریزاں رہتے تھے، مسئلہ حیات النبی ﷺ کے زمانہ شدت (۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۰ء) میں اگرچہ ان کا ذاتی رجحان مختلف تھا، مگر جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے اکابرین بالخصوص شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے تعلقات میں فرق نہ آنے دیا۔ (ایضاً ص ۱۴۰، ۱۴۱)

علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ ''تسکین الصدور'' پر تقریظ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''سلام مسنون جناب کی تصنیف شدہ تسکین الصدور بوساطت مولانا عبدالعزیز صاحب پنچی اس عاجز نے اس سے پہلے اس کے اہم مقامات کا مطالعہ کر لیا تھا جناب نے اس کتاب میں ہمارے اسلاف کی صحیح ترجمانی اور تشریح فرمائی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور مسلمانوں کے لئے اسے مشعل راہ بنائے۔'' (تسکین الصدور ص ۳۴)

ویسے علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ بھی اس پر شاہد ہے کہ علامہ دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل تھے۔

(۷) مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق میاں محمد الیاس لکھتے ہیں: ''حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق ترین شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گوں ناگوں خوبیوں اور اوصاف سے ان کو مالا مال فرمایا تھا، ان کی تصانیف قابل دید ہیں۔'' (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۲۱ از میاں محمد الیاس)

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لائق ترین شاگرد بھی حیات جسمانی، سماع عند قبر النبی ﷺ اور عرض الاعمال کا قائل تھا تفصیل آگے کتاب میں ملاحظہ کریں:

(۸) مولانا سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

میاں محمد الیاس صاحب لکھتے ہیں: ''مشہور محدث، متبحر عالم دین، باکمال شیخ طریقت اور مورخ مولانا سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ اور خلفائے کبار میں سے ہیں۔''
(ایضاً ص ۳۳۱، وناشر القران ص ۱۴۵)

مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''یہ تو حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تسلیم ہے کہ مسند احمد وابوداؤد وغیرہ کی احادیث پکی ہیں جن سے ثابت ہوا کہ حاضر قبر شریف ہو کر سلام پڑھنے کے وقت حضور علیہ السلام خود جواب دیتے ہیں اور قریب کا سلام خود سنتے ہیں اور علماء امت کا اگرچہ سماع موتی کے بارے میں اختلاف ہے کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں لیکن اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام ضرور سنتے ہیں۔'' (انوار الباری ج ۱۳ ص ۲۱۷)

(۹) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

مولانا مفتی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ امام الموحدین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے، مورخ اشاعت میاں محمد الیاس لکھتے ہیں: ''حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں جس شخص نے علم فقہ اور تفقہ فی الدین میں ان سے خصوصی فیض پایا اور جسے بجا طور پر حسینی فکر کا فقیہ کہلانے کا استحقاق تھا، وہ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ انہیں بجا طور پر مفتی اشاعت التوحید والسنہ کہا جا سکتا ہے۔'' (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۵۰)

مفتی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی ''ماہنامہ تعلیم القرآن میں شائع ہوتے تھے، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ حیات الانبیاء، سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عذاب قبر کے بارے وہی عقیدہ رکھتے تھے جو دیگر اکابر دیوبند کا ہے، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مسائل میں کئی استفتاؤں کے جوابات دیئے ہیں چند جوابات ملاحظہ کریں:

۱...... ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''کئی اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم السلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے، خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔'' مفتی عبدالرشید ۲۷/صفر ۱۳۷۹ھ/ستمبر ۱۹۵۹ء

''الجواب صحیح'' لاشی غلام اللہ خان

۲...... کتب فقہ حنفیہ اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ عند القبر بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام سنتے ہیں سلف اہل سنت والجماعت میں اس کے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے ایسے عقیدے والے کو کافر اور مشرک کہنا بہت بڑی دلیری ہے۔ العیاذ باللہ! اللہ تعالیٰ ایسی جہالت سے ہر ایک کو محفوظ رکھے اور سلف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔'' ہذا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

۲۲/صفر ۱۳۹۶ھ/ ۲۲/فروری ۱۹۷۶ء

''الجواب صحیح'' لاشی غلام اللہ خان

جواب درست ہے۔ ناکارہ خلائق غلام ربانی (خیر الفتاوی ج ۱ ص ۱۲۷)

۳...... روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود سنتے ہیں جمہور امت اس پر متفق ہے اور سادات دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے، اس کا انکار بھی جہالت ہے اور قائل پر کفر کا فتویٰ جاہلانہ جسارت رکھتا ہے۔''

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی ...... اپریل ۱۹۷۸ء

(عقیدہ شیخ القرآن ص ۶۰، ۶۱ مؤلف مولانا عبدالمعبود)

(۱۰) حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور خلیفہ مجاز تھے، تسکین الصدور پر تقریظ کرتے ہوئے مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''میں کمترین عبدالخالق مظفر گڑھی تلمیذ و خلیفہ مجاز حضرت قبلہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔'' (تسکین الصدور ص ۲۹)

مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ''اعادۃ الروح الی الجسد، حیات جسمانی، سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور توسل بالذات کے قائل تھے۔ تسکین الصدور پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں: ''(۱) قبر کے ثواب وعقاب کے مسئلہ کو چند آیات واحادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی مسئلہ مانا گیا ہے۔ (۲) اور اعادۃ الروح الی الجسد کو صریح حدیثوں اور جمہور علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال سے ثابت کیا ہے۔ (۳) اور جس طرح ہر ذی روح کی موت قطعی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی وفات کو قطعی مانا گیا ہے اور کتاب وسنت سے اس کا ثبوت

پیش کیا گیا ہے اور اس کو اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ (۴) حیوۃ الانبیاء فی القبور کو متواتر احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اس کو بھی اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ (۵) سماع الانبیاء عند القبور بلا واسطہ کو بھی احادیث سے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقریر سے اور جمہور علماء اہل السنۃ کے اقوال سے ثابت مانا گیا ہے۔ (۶) توسل فی الدعاء کے مسئلہ کو بھی نہایت احسن طریق سے بیان کیا گیا ہے اور توسل بصالح الاعمال کے جواز بلکہ استحباب کو متفق علیہ اور توسل بالذات کو متنازع فیہ بنزاع لفظی مانا گیا ہے فللہ درّ المولف بارک اللہ تعالیٰ فی حیاتہ وفی حسناتہ مجھے ان کی تحقیقات سے کلی اتفاق ہے۔'' (ایضاً ص ۲۹)

(۱۱) شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے امتیازی حیثیت رکھتے تھے، میاں محمد الیاس لکھتے ہیں: ''حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کو جو امتیاز وخصوصیت حاصل ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی، وہ اپنے شیخ کی زندگی میں ہی جماعت حسینی کے قائد تسلیم کئے جاتے تھے، شیخ کو ان پر نہ صرف بھر پور اعتماد تھا بلکہ ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔'' (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۷۱)

حضرت شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ بھی سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے دیگر علماء دیوبند کی طرح ایک غیر متزلزل عقیدہ رکھتے تھے حضرت شیخ القرآن کے زیر نگرانی شائع ہونے والا رسالہ ''تعلیم القرآن'' اس پر شاہد ہے غالباً ماہنامہ تعلیم القرآن میں پہلا فتوی ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا اور پھر فروری ۱۹۷۶ء میں شیخ القران رحمۃ اللہ علیہ کے دستخط سے شائع ہوا اور شیخ القران رحمۃ اللہ علیہ کے وفات سے دو سال پہلے اپریل ۱۹۷۸ء میں پھر شائع ہوا جو کہ مفتی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کے تحت ذکر کیا گیا۔ ماہنامہ تعلیم القرآن میں ۱۹۵۹ء سے ۱۹۷۸ء تک سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تسلسل کے ساتھ یہ فتاوی اس بات کی بین ثبوت ہے کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں عقیدہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۸ تا ۶۳ مؤلف مولانا عبدالمعبود صاحب تلمیذ شیخ القرآن)

بلکہ شیخ القرآن کی وفات کے کئی سال بعد ۲۰۱۲ء کو پھر اسی عقیدہ پر مہر تصدیق ثبت کر کے شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے تسلسل کو برقرار رکھا۔ (ملاحظہ ہو عقیدہ شیخ القرآن ص ۸۲)

(۱۲) امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۵۲)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ان مسائل میں بالکل وہی ہے جو اکابر علمائے دیوبند کا ہے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک اور علمائے دیوبند کے مسلک میں بال برابر فرق نہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام علماء دیوبند متفق ہیں یہی مسلک امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا اور ماقبل میں مذکور رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ اور خلفاء کا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا

نظریہ منسوب کرنا غلط ہے، ورنہ پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ مذکورہ تلامذہ اور خلفاء اپنے شیخ اور مرشد کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے اور ایسا کہنا سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں۔

(۲) جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے سرپرست سمیت جماعت کے کئی اکابر علماء دیوبند کی طرح حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اشاعت التوحید والسنۃ کا ان مسائل میں اختلاف امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ساتھ اپنے جماعت کے اکابر سے بھی ہے لیکن معلوم نہیں اکیلے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ زیر عتاب کیسے آئے؟

اکابر اشاعت کے اساتذہ اور ان کا عقیدہ

(۱) قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ: جو جمعیت التوحید والسنۃ کے امیر اوّل تھے علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶۸)

(۲) شیخ القران مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ: علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ (ایضاً ص ۲۷۱)

(۳) علامہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ: مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی سید مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (ایضاً ص ۲۹۱)

(۴) مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (ایضاً ص ۳۱۳)

(۵) شیخ القران مولانا طاہر رحمۃ اللہ علیہ: شیخ عمر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (ایضاً ص ۳۱۷)

(۶) مولانا سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ: مولانا سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶۸)

(۷) مفتی عبد الواحد رحمۃ اللہ علیہ: علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (چمنستان اشاعت ص ۱۱۳)

(۸) مولانا غلام یٰسین واں بھچروی رحمۃ اللہ علیہ: شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (ایضاً ص ۱۴۷)

(۹) قاضی غلام مصطفی مرجانی رحمۃ اللہ علیہ: مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (ایضاً ص ۱۵۰)

(۱۰) مولانا سید نذر شاہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ: علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (ایضاً ص ۱۵۲)

(۱۱) حضرت مولانا محمد منظور صاحب رحمۃ اللہ علیہ: مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (ایضاً ص ۱۵۵)

(۱۲) مولانا عبد الحنان بیلیانی رحمۃ اللہ علیہ: شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الرحمن بہودی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (چمنستان اشاعت ص ۱۰۷)

(۱۳) مولانا سید محمد شاہ جہلمی رحمۃ اللہ علیہ: علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ (ایضاً ص ۱۶۸)

(۱۴) مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ: مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ (سوانح مولانا حسین علی ص ۳۵۴)

مذکورہ اکابر اشاعت کے مشہور اساتذہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، (۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، (۳) مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، (۴) مفتی سید مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ، (۵) مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، (۶) شیخ عمر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ، (۷) علامہ نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ، (۸) مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، (۹) علامہ سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ، (۱۰) قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، (۱۱) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۲) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، (۱۳) مولانا عبدالرحمن بہبودی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۴) علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۵) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اب اگر غور سے دیکھا جائے تو اکابر اشاعت کو جن حضرات سے تلمذ کا شرف حاصل ہے وہ سب ان کے ہاں اہل سنت والجماعت دیوبندی اور صحیح العقیدہ ہیں لیکن مذکورہ تمام اکابر میں سے کوئی بھی حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر نہیں تھا اور............

جو عقیدہ انہی کا تھا وہی عقیدہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے ان حضرات میں سے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ توسل کتاب میں پیش کر چکے ہیں۔ مزید ملاحظہ کریں:

مفتی سید مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تسکین الصدور پر جو عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مستند کتاب ہے تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جناب والا نے کتاب کے ہر مبحث کو تشنہ نہیں چھوڑا مسائل کو دلائل صحیحہ اور نقول معتبرہ سے باحسن وجوہ ثابت کر دیا اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو بطریق صحیح ثابت کرنے میں کسی قسم کا فتور واقع نہیں ہوا اثبات عذاب قبر اور اثبات حیات الانبیاء فی القبور کو جن دلائل حقہ سے ثابت کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے...... میں اس کے ساتھ متفق ہوں کہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۱۹)

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے جس کا عقیدہ پہلے گزر چکا ہے۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ قاضی محمد زاہد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''آپ نے رحمت کائنات میں رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار اقدس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد عنصری میں بعینہٖ دنیاوی زندگی کی طرح روح کا موجود ہونا ثابت کیا ہے اور اس پاکیزہ مقصد کے ثبوت میں آپ نے احادیث، آثار، اقوال سلف اور خلف اور برزخی واقعات کا ایک عجیب مجموعہ جمع کر کے بے نظیر گلدستہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ اس مسئلہ میں

حق تلاش کرنے والے کو اس گلدستہ سے یقین کامل ہو جائے گا کہ حضور انور ﷺ کی حیات طیبہ جیسی سطح پر تھی ویسی ہی مزار اقدس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس سعی بلیغ کی دارین میں جزاء خیر عطاء فرمائے۔

آمین یا الٰہ العلمین!

احقر الانام احمد علی عفی عنہ ...... ۲۶ / رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ

(رحمت کائنات ص ۲۹)

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ علامہ عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے اس خط میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ کا نظریہ واضح موجود ہے۔

شیخ عمر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

شیخ عمر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی میں شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ رہ چکے ہیں اور شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بخاری شریف پڑھی ہے، شیخ عمر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کے ''المہند علی المفند'' پر تصدیقی دستخط موجود ہیں جس سے ان کا نظریہ بھی واضح ہے۔

علامہ سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

علامہ سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے اور مولانا سجاد بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے تسکین الصدور پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں: ''کتاب تسکین الصدور کا دو مرتبہ مطالعہ کیا پہلی مرتبہ سرسری طور پر اور دوسری مرتبہ کافی غور کے ساتھ مطالعہ میں کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بے مثل ہے اور واقعی اسم بامسمیٰ تسکین الصدور ہی سے ہر مسئلہ نہایت واضح طریق پر دلائل سے آراستہ پیراستہ اور مخالفین کے دلائل کا صحیح رد جس سے دیکھنے والے کو حق معلوم کرنے میں زبردست امداد ہو سکے اور بشرط انصاف انکار کی گنجائش باقی نہ رہے.....'' (تسکین الصدور ص ۱۸)

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا غلام یٰسین واں بھچروی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی دیگر اکابر دیوبند کی طرح حیات الانبیاء، سماع الاموات اور اموات پر عرض اعمال کے قائل ہیں۔

(حاشیہ ابوداؤد ج ۱ / ۵۸ باب تفریع ابواب الجمعۃ)

مولانا عبد الرحمن بہبودی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

علامہ بہبودی رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبد الحنان بیلیانی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے اور جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے سرپرست تھے ان کا عقیدہ ''دوسرے سرپرست کا عقیدہ'' کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اور اشاعت التوحید کے اغراض و مقاصد

اشاعت التوحید والسنۃ کے اغراض و مقاصد جو ''ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی ۱۹۸۷ء ص ۲۹'' پر درج ہیں، اس میں کوئی شق ایسی نہیں جس کے ساتھ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ متفق نہ ہو، بلکہ جب خود اشاعت التوحید والسنۃ کے بعض

افراد نے اس کی اہم شق کہ (جملہ مسائل اہل سنت والجماعت کو حق سمجھتے ہوئے مسائل فقہ میں مسلک سراج الامت امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی اور ترویج کرنا) کی مخالفت کی اور عقیدہ حیات النبی ﷺ وغیرہ میں اہل سنت کی تحقیقات سے الگ راہ متعین کر لی تو یہاں بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت والجماعت کی تحقیقات کو حق سمجھتے ہوئے اس کے دفاع کی یہاں تک ہر ممکن کوشش کی کہ خود ہم عصر علماء نے ''امام اہل السنۃ'' کے لقب سے نوازا، جس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ دراصل اغراض ومقاصد کو ان حضرات نے نظر انداز کیا جس نے ''حیات الانبیاء'' وغیرہ مسائل میں اہل سنت سے الگ مؤقف اختیار کیا نہ کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے لیکن پھر بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر الزام لگانا کہ انہوں نے مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو چھوڑ کر بریلویوں کا ساتھ دیا ایک مجرمانہ حرکت ہے۔

فیصلہ قارئین پر

قارئین گزشتہ تفصیل کی روشنی میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ، خلفاء اور اکابر اشاعت اکثر حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل تھے اور اکابر اشاعت کو جن اکابر دیوبند سے تلمذ کا شرف حاصل ہے وہ سب حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل تھے۔ اس کے بعد بھی مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف حیات جسمانی وسماع عند قبر النبی ﷺ کے انکار کا نظریہ منسوب کرنا بڑی جسارت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو بریلویوں اور مشرکین کا معاون قرار دینا سرفراز دشمنی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

فریقین میں شدت کم کرنے اور اتفاق کی ممکنہ صورت

عقیدہ حیات النبی ﷺ میں اتفاق کی ممکنہ صورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب عقیدہ حیات الانبیاء سے انکار کا پہلو سامنے آیا ہے اور اہل سنت کے اجماعی مؤقف کو نظر انداز کیا گیا اور حیات جسمانی وسماع عند قبر النبی ﷺ کے قائلین کو بے جا طعن وتنقید کا نشانہ بنایا گیا اور نوبت مناظروں تک جا پہنچی تو علمی حلقوں میں تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی اور آخر کار دار العلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پاکستان آنا پڑا اور فریقین کے درمیان اس اہم عقیدے کی قدر مشترک اور مسلم عند الفریقین عبارت لکھ کر دستخط کروائے گئے اور فریقین کو اس کا پابند بنایا گیا کہ عوام کے سامنے بوقت ضرورت مزید تفصیلات میں جاتے بغیر اس قدر مشترک کو پیش کیا جائے گا اور ''چار سالہ نزاع کا خاتمہ'' کے عنوان سے ''ماہنامہ تعلیم القران'' میں یہ ساری تفصیل درج کی گئی، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ فضاء زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور علامہ عنایت اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تو اس فیصلہ سے پہلے دن سے اختلاف تھا لیکن رفتہ رفتہ پوری جماعت شاہ صاحب کی ہمنوا بن گئی اور یوں اس فیصلے کو قرآن وسنت سے متصادم قرار دے کر ٹھکرا دیا گیا اور فضاء پھر مکدر کی گئی اور فریقین کے درمیان شدت بڑھتا گیا، یہاں تک کہ کچھ عرصہ پہلے اشاعت التوحید والسنۃ کے مشہور عالم شیخ القران والحدیث مولانا عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرو نے قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ کو کئی علماء کرام کے دستخطوں کے ساتھ پھر ''نزاع کا خاتمہ'' کے عنوان سے شائع کیا اور یوں فریقین کے درمیان شدت دور کرنے اور اتفاق پیدا کرنے کی ایک اچھی کوشش کی گئی۔ اسی طرح جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے ایک اور عالم دین

ومناظر مولانا قاری چن محمد صاحب دامت برکاتہم نے حافظ نثار احمد الحسینی صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ اسی فیصلہ پر اتفاق کیا اور قاری چن محمد صاحب نے اپنی طرف سے اسی فیصلہ کو ''ضابطہ اخلاق'' کے نام سے شائع کیا۔

خلاصہ کلام: مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء، تلامذہ اور جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے اکابر میں سے شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن بہبودی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی غلام مصطفی صاحب مرجانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبداللہ بہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ دوست محمد قریشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی عبدالرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حیات جسمانی وسماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے مزید اشاعت التوحید والسنۃ نے ۱۹۶۲ء میں قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ کو بھی قبول کیا تھا اور فریقین کے درمیان فضاء کو ہموار کرنے کے لئے شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب آف حضرو اور قاری چن محمد صاحب نے اسی فیصلہ کو دوبارہ شائع کیا۔ لہٰذا اگر فریقین سنجیدگی کا مظاہرہ کر کے اسی فیصلہ اور قدر مشترک عبارت پر اتفاق کر کے اپنے کارکنوں کو اسی کا پابند بنائے تو امید قوی ہے کہ باقی مسائل میں نہ صرف یہ کہ اس کا حل آسان ہو جائے گا بلکہ فریقین کا ایک دوسرے کے قریب آنا ممکن ہو جائے گا۔

مسئلہ سماع موتی میں اتفاق کی ممکنہ صورت

رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ہمارے شیخ حضرت مولانا علامہ حسین علی صاحب مرحوم ومغفور مسئلہ سماع موتی کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس میں زیادہ شدت اور بحث وتمحیص نہ کی جائے اور زیادہ کوشش توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید میں کی جائے۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی، اگست ۱۹۸۴ء ص ۴۶)

اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر جواہر القرآن میں بھی یہی لکھا ہے کہ مسئلہ سماع موتی قرن اوّل سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے اور جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے امیر شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ سماع موتی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک انکار سماع کا قول راجح ہے اور سماع کا قول مرجوح ہے لیکن اس کے باوجود میں سماع موتی کے قائلین کو کافر تو درکنار گمراہ بھی نہیں کہتا ہوں۔ (ایضاً ص ۱۲)

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب، مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ جب خود اس بات کے قائل ہیں کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے تو اس بات پر اتفاق ہو سکتا ہے کہ فریقین اس مسئلہ کو اہل سنت والجماعت کا مختلف فیہ تسلیم کریں اور فریقین میں سے جو بھی جس پہلو کو راجح سمجھتا ہے اختیار کرے لیکن دوسرے فریق کی تجہیل وتفسیق نہ کرے جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اور چونکہ مسئلہ فرعی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہر دو فریق کا مخصوص طبقہ (علماء کرام) یہ اعتقاد رکھے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور عوام کے سامنے ان کے نظریات کی حفاظت کی خاطر قائلین کی طرف غلط نسبت کئے بغیر عدم سماع کو مدلل بیان کیا جائے فریقین کی سنجیدگی اس مسئلہ میں بھی نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔ ان شاء اللہ!

مسئلہ توسل بالذات میں اتفاق کی ممکنہ صورت

توسل بالذات میں اگر غور سے دیکھا جائے تو فریقین میں اختلاف اس نوعیت کا نہیں جس کا کوئی حل ممکن نہ ہو رئیس المفسرین مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ ان سب حضرات کے نزدیک لفظ ''حرمت'' سے دعا کرنے میں کوئی کلام نہیں مثلاً:

حاجی دوست محمد قندہاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلیفہ خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد تھے کو اجازت نامہ میں تحریر کرتے ہیں: ''والالتجاء الی اللہ سبحانہ بتوسل مشائخ الکرام قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارھم الاقدس فی حل المشکلات والمعضلات......'' (بلغۃ الحیران ص ۳)

آخر میں فرماتے ہیں: ''آمین یارب العلمین بجاہ سید المرسلین......'' (ایضاً ص ۳)

مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجاست وعین رضاء است۔'' (ایضاً ص ۳۵۴)

اور خود لفظ ''بتوجہ بزرگان'' کی وضاحت نکتہ میں ''بتوسل'' سے موجود ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''بدان اے برادر گفتن یارسول اللہ بطریق تعشق وتوسل خارج از مبحث است''
(بلغۃ الحیران ص ۳۵۴)

مکتوبات کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''آن سہ دعائے ماثورہ نیست یکی الٰہی بحرمت الحسن الخ دوم بشیخ عبدالقادر الخ سوم نادعلیا الخ دو اوّل گنجائش دارند کہ بخوانند منع نمیکنم دعا سوم از شعار اہل سنت نیست موقوف باشد انتہی از جواز بشیخ جواز یا شیخ فہمیدن بعید است۔'' (ایضاً ص ۳۵۴)

اور مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تحفہ ابراہیمیہ کے آخر میں جو سلاسل انہوں نے نقل کئے ہیں، تمام سلاسل میں ''بحرمت'' کے الفاظ کے ساتھ توسل نمایاں ہیں۔

ماہنامہ تعلیم القرآن میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''لفظ طفیل اور وسیلہ مقام توسل میں جب استعمال ہوں تو عرفاً ان میں کوئی فرق نہیں ہے، جو آدمی عقیدہ درست رکھتا ہو اور یہ یقین رکھتا ہو کہ میری پکار کو سننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کی مرضی ہوئی تو قبول کرے گا اور میری حاجت برلائے گا ورنہ توسل کا کوئی اثر نہیں ہے تو وہ ان الفاظ کو کہہ سکتا ہے......'' (ماہنامہ تعلیم القرآن اگست ۱۹۶۲ء ص ۳۵)

جب لفظ طفیل اور وسیلہ مقام توسل میں ایک معنی پر مستعمل ہوتے ہیں اور مقام توسل میں ان کے لغوی معنی کا اعتبار نہیں کیا جاتا بالکل اسی طرح لفظ ''ببرکت فلاں، بجاہ فلاں، بحرمت فلاں اور بحق فلاں کو مقام توسل میں ایک معنی پر لیا جائے اور جب لفظ ''حرمت'' سے دعا کرنا اکابر اشاعت کے نزدیک جائز ہے جو کہ درحقیقت توسل بالذات ہے تو اسی طرح باقی تمام الفاظ برکت، طفیل، بحق فلاں اور بجاہ فلاں وغیرہ کے الفاظ سے بھی جائز قرار دیا جائے اور جو تاویل ''بحرمت فلاں'' میں کی جاتی ہے (جیسا کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے) وہی تاویل دیگر الفاظ میں بھی کی جائے کیونکہ مقام توسل میں ان الفاظ کے اندر کوئی فرق نہیں اور تاویل کی جو وجہ (مشائخ سے منقول ہونا) ان حضرات نے لفظ ''حرمت'' کی بیان کی ہے وہی دیگر الفاظ میں بھی بعینہٖ موجود ہے۔

قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ توسل بالذات پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''اب ایک صورت رہ گئی ''بحرمت فلاں'' سے دعا کرنا تو نہ اس میں شک ہے کہ سلف صالحین قرون ثلثہ میں اس کا رواج نہ تھا اور نہ اس میں شک ہے کہ متاخرین کافۃ (الا ماشاء اللہ) اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ یہ طریق ان کے ادعیہ میں بھی عام مذکور ہے اور نہ اس میں شک ہے کہ ہماری ساری جماعت بلا استثناء واحد اور بلا استثنا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اس کے جواز کے قائل ہیں مگر اس تاویل سے جو بزرگوں نے کی ہے۔'' (تحفہ ابراہیمیہ مع تسکین القلوب ص ۲۸۷)

قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس تاویل کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ہم نے آگے اس کتاب میں توسل کی بحث میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں: ''سواتی برادران نے یہاں دو خیانتوں کا ارتکاب کیا ایک یہ کہ ناظرین کو یہ تاثر دلایا کہ ہماری جماعت سرے سے ''بحرمت فلاں'' کے ساتھ دعا کے قائل ہی نہیں اور یہ سراسر بہتان ہے ہماری جماعت پر'' (ایضاً)

''بحرمت فلاں'' سے دعا کرنا اگرچہ علامہ خان بادشاہ صاحب نے شیعوں کا مسلک قرار دیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے لیکن قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور ایک دو کے علاوہ ''بحرمت فلاں'' سے دعا کرنا اشاعت التوحید والسنۃ کا متفقہ مسلک قرار دیا ہے اور ان کی جماعت کی طرف اس کے انکار کی نسبت کو افتراء قرار دیا ہے اور جب اشاعت التوحید اولسنۃ کے اکابر ''بحرمت فلاں'' سے توسل کو اس تاویل سے جائز سمجھتے ہیں جو اکابر دیوبند سے منقول ہے تو باقی الفاظ توسل کو بھی اس تاویل سے جائز سمجھا جائے۔

نیز ''توسل بجاہ الصالحین'' کو فریق مخالف بھی جائز مانتا ہے، لہٰذا ان تمام الفاظ کی اکابر سے منقول ایسی متفقہ عبارت سے تشریح کی جائے جس کو ''توسل بجاہ الصالحین'' کا نام دیا جائے اور ان تمام الفاظ سے دعا کو ''توسل بالذات'' کی بجائے متفقہ طور پر ''توسل بجاہ الصالحین'' کے نام سے پکارا جائے۔ مثلاً شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ توسل بالذات کی وضاحت ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ: ''جو شخص یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فلاں بندے کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے۔ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں اور اس کی پاکدامنی فضیلت کا معتقد ہوں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ آپ کے ہاں محبوب ہے تو میرا اس کے ساتھ جو تعلق ہے میں اس تعلق کے وسیلے سے آپ کی رحمت طلب کرتا ہوں۔ یہ درحقیقت کسی نیک بندے کے ساتھ اپنے تعلق اور محبت کے وسیلے سے رحمت الٰہی طلب کرنا ہے۔'' (مجموعہ رسائل توسل ص ۲۶۰)

اور کتاب کے اندر ہم نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہی وضاحت نقل کی ہے اگر اس عبارت میں غور کیا جائے تو صاف واضح ہے کہ یہ درحقیقت اس محبت سے توسل کرنا ہے جو نیک لوگوں سے کیا جاتا ہے اور محبت بندہ کا نیک عمل ہی ہے اب اگر اس مفہوم کو تسلیم کر کے اس توسل کو ''توسل بجاہ الصالحین'' کے نام سے موسوم کیا جائے تو اتفاق و اتحاد کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعصب اور نفسانیت سے بچائے اور تادم مرگ اہل سنت والجماعت سے وابستہ رکھے اور موت بھی اسی پر ہو۔

آمین بجاہ النبی الکریم!

خادم اہل سنت والجماعت ...... رسال محمد

پہلا باب ...... غلط فہمیوں کا ازالہ

غلط فہمی نمبر ۱

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''نام نہاد جمعیت علماء اسلام، کراچی سے لے کر پاڑا چنار تک، بلکہ کابل تک، کسی عالم اور ملا کے پاس ان تین مسائل (حیات النبی ﷺ، سماع الموتی اور توسل (بندہ)) کے لئے کوئی دلیل، نہ کتاب اللہ سے ہے اور نہ صحیح احادیث رسول اللہ سے اور نہ اجماع امت سے، بلکہ ہر ایک کے پاس مولوی سرفراز کی تصنیف تسکین الصدور (تشویش الصدور) ہے۔'' (التقعید الجوہری ص۱، البرہان الجلی ص ۱۹)

ازالہ: (اوّلاً) علامہ صاحب کا مسائل مذکورہ میں جمعیت علماء اسلام کو مخاطب کرنا بڑی غلط فہمی ہے، کیونکہ عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں اشاعت التوحید والسنہ کا تمام اہل السنۃ والجماعۃ سے اختلاف ہے، نہ کہ محض جمعیت علماء اسلام سے اور مسئلہ ''توسل بالذوات'' میں بھی اشاعت التوحید والسنۃ کا تمام علماء دیوبند سے اختلاف ہے۔ علماء دیوبند اس کے جواز کے قائل ہیں، جب کہ علامہ خان بادشاہ صاحب اور اس کی تمام جماعت عدم جواز کے قائل ہے۔ لہٰذا مسئلہ ''توسل'' میں بھی جمعیت علماء اسلام کی تخصیص غلط ہے۔ اسی طرح مسئلہ ''سماع الموتی'' میں تو قرن صحابہ سے اختلاف چلا آرہا ہے، جیسا کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر جواہر القرآن میں اس کی تصریح کر کے طرفین کو مدلل تسلیم کیا ہے، یہاں بھی جمعیت کو مخاطب کرنا غلط فہمی کے سواء کچھ نہیں۔

ثانیاً: علامہ صاحب کا کراچی سے پاڑا چنار تک بلکہ کابل تک کی قید لگانا بھی فضول اور پہلے کی طرح غلط فہمی ہے۔ کیونکہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ خواہ کسی بھی علاقے کے ہیں یہ مسائل مشہور و معروف اور مدلل ہیں اور علامہ صاحب کا اختلاف بھی کسی خاص علاقے سے تعلق نہیں رکھتا۔

باقی رہی علامہ صاحب کی یہ بات کہ ان تین مسائل پر جمعیت والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں تسکین الصدور کے علاوہ، تو یہ بھی تجاہل عارفانہ ہے، کیونکہ عقیدہ حیات الانبیاء ایسا عقیدہ ہے کہ قریباً ۱۹۵۷ء سے پہلے تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا بلا اختلاف ''حیات جسمانی'' اور ''سماع عند قبر النبی ﷺ'' پر اتفاق رہا ہے تو ایسا عقیدہ بلا دلیل کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ حدیث وغیرہ نے اپنی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ ایک مسئلہ پر متفق ہوں، لیکن اس پر دلیل کوئی نہ ہو!! امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تسکین الصدور میں اس مسئلہ پر وہ دلائل ذکر کئے ہیں، جن دلائل سے دیگر علماء اسلام نے بھی استدلال کیا ہے۔

علامہ صاحب کی خدمت میں

علامہ صاحب نے کراچی سے لے کر پاڑا چنار اور کابل کے جمعیت علماء اسلام کو چیلنج کیا ہے۔ شاید موصوف کا علم جغرافیہ کراچی سے کابل تک ہی محدود ہے اور انہیں خبر ہی نہیں کہ اس سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ ہم بھی چیلنج کرتے ہیں کہ ۱۹۵۷ء سے پہلے پورے اہل السنۃ والجماعۃ میں خواہ دنیا کے کسی خطے سے تعلق رکھتا ہو، کسی ایک عالم کی نشاندہی کریں جو عقیدہ حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی ﷺ کا منکر ہو؟

غلط فہمی نمبر ۲

علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''مولوی سرفراز نے آخری عمر میں تسکین الصدور اور رسالہ سماع الموتی لکھ کر ان لوگوں کو خوش کیا، جنہیں یہ خود پہلے مشرک کہا کرتے تھے جیسا کہ دیگر کتابوں میں اس نے لکھا ہے۔''

(التقید الجوہری ص ۱، البرہان الجلی ص ۱۹)

ازالہ: یہ دراصل علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے، کیونکہ اگر تسکین الصدور اور سماع الموتی سے باطل کی تائید ہوتی تو اکابر علماء دیوبند اس پر کبھی بھی تقریظات ثبت نہ فرماتے، کیونکہ دیوبندیت اور بریلویت دو متضاد نظریوں کا نام ہے، جب اکابر علماء دیوبند نے بریلویت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تو پھر ایسی کتابوں کی تصدیق کیونکر کر سکتے ہیں جس سے بریلویت کی تائید ہوتی ہے۔ کیا اکابر علماء دیوبند ایسا کر سکتے ہیں؟ درحقیقت علامہ صاحب کا اعتراض ان اکابر علماء دیوبند ہی پر ہے، جس نے ان کتابوں پر تصدیقات لکھے ہیں، جب کہ دوسری طرف یہ بھی واضح ہے کہ عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام وغیرہ میں علماء دیوبند اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا بریلویت سے واضح اختلاف ہے تو پھر بریلویت کی تائید کا الزام غلط فہمی نہیں تو کیا ہے؟ علامہ صاحب اسی غلط فہمی کو ایک عجیب انداز سے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فلا بد من التنبیہ، علی زلۃ بعض الناس بانہ کان موحدا، ثم صار معاونا للمبتدعین، بل للمشرکین بل رد بلسانہ علی جمیع تالیفاتہ التی الفہا قبل تسکین الصدور، و وقع فی قعر عمیق بحیث لا یری'' (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۱)

بعض لوگوں کی غلطی پر تنبیہ کرنا ضروری ہے کہ پہلے موحد تھا، پھر مبتدعین بلکہ مشرکین کا معاون بنا، بلکہ تسکین الصدور سے پہلے اپنے تمام تصنیفات میں اپنی زبان سے رد کیا اور بہت گہرے کھائی میں اس طرح گر گیا جو کہ دیکھا نہیں جا سکتا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ علامہ صاحب کے اس الزام کی بنیاد بھی غلط فہمی ہے۔ اس لئے کہ الحمد للہ! امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ آخر دم تک پکے موحد اور سچے متبع سنت تھے، ان کی پوری زندگی کا ایک لمحہ بھی کوئی مائی کا لال ثابت نہیں کر سکتا جس میں انہوں نے (نعوذ باللہ) مشرکین اور مبتدعین کی ہمنوائی کی ہو، یہ الگ بات ہے کہ جب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے گلدستہ توحید، ازالۃ الریب، راہ سنت وغیرہ کتابیں لکھیں جو مسئلہ توحید اور رد بدعات وغیرہ پر مشتمل ہیں تو جماعت اشاعت التوحید بھی ان پر فخر کرتے تھے، لیکن احقاق حق کی خاطر جب امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ان مسائل پر قلم اٹھایا جن میں اشاعت التوحید، علماء دیوبند سے ایک الگ موقف رکھتے ہیں تو جماعت اشاعت التوحید والسنۃ اور علامہ خان بادشاہ صاحب نے ان پر یہ الزام لگایا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ان مسائل میں مشرکین ومبتدعین کے معاون بن گئے حاشا وکلا۔ بلکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا جرم صرف یہ تھا کہ ان مسائل میں اشاعت التوحید والسنۃ کا اہل السنۃ والجماعۃ سے الگ اور جداگانہ نظریہ کو واضح کر کے اس کا مدلل انداز میں تعاقب کیا۔ اگر علامہ صاحب کے اس الزام کی ذرہ بھر بھی حقیقت ہوتی تو نہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں پر علماء دیوبند کی تصدیقات ہوتیں اور نہ خود یہ مسائل علماء دیوبند کی کتابوں میں موجود ہوتے۔ بقول شاعر:

بس اس خطاء پر چھن گئی رہبری ہم سے   کہ ہم سے قافلے منزلوں پر لٹوائے نہیں جاتے

اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے بریلویوں کی تائید ہوتی ہے تو پھر یہ الزام اکابر

علماء دیو بند پر بھی ہے، جن کی کتابوں میں یہی مسائل اس تفصیل سے موجود ہیں جس تفصیل سے تسکین الصدور میں ہیں۔

اگر علامہ صاحب اس پر بھی کچھ تبصرہ کریں تو بہتر رہے گا باقی رہا معاملہ تسکین الصدور (جو مخالفین کے لئے تشویش الصدور ہے) اور سماع الموتی کا تو علامہ صاحب کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ: ''تسکین الصدور ۱۹۷۸ء میں مکمل ہوئی، لیکن منکرین حیات النبی ﷺ پر تحقیقی مواد جمع کرنے کی ذمہ داری ۱۹۶۲ء میں جمعیت علماء اسلام کے مرکزی اجلاس لاہور میں سپرد کی گئی تھی۔'' (ماہنامہ نصرۃ العلوم ۲۰۰۹ء جون ص ۲۷، ۲۸)

اب ۱۹۶۲ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک عرصہ ایام میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے باطل کو خصوصاً بریلوی حضرات کو خوب ناکوں چنے چبوائے اور بریلویت سے کسی قسم کی غفلت نہیں برتی۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء میں آپ کی مایہ ناز کتاب ''عیسائیت کا پس منظر'' شائع ہوئی۔ ۱۹۶۳ء میں آپ نے ''بانی دارالعلوم دیو بند'' نامی کتاب لکھی۔ ۱۹۶۴ء میں آپ نے ''تبلیغ اسلام'' کتاب تصنیف فرمائی اور اسی سال آپ نے فتنہ بریلویت کے خلاف ''باب جنت بجواب راہ جنت'' نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ ۱۹۶۵ء میں بریلوی تفسیر ''تفسیر نعیم الدین'' کا پوسٹ مارٹم کر کے ''تنقید متین'' تصنیف کی۔ ۱۹۶۶ء میں ''مرزائی کا جنازہ اور مسلمان'' اور بریلویوں کے خلاف ''درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ'' ۱۹۶۷ء میں بریلویت کے خلاف آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''حضرت ملا علی القاری اور علم غیب و حاضر و ناظر'' اور اسی سال بریلویت کے خلاف مولانا محمد کریم بخش رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''چہل مسئلہ حضرات بریلویہ'' اپنے ابتدائیہ کے ساتھ طبع کرایا اور ۱۹۶۸ء میں آپ نے مولانا غلام رسول کی تالیف رسالہ ''تراویح مع ترجمہ ینابیع'' کا بسیط مقدمہ لکھا۔ اسی سال ''مودودی صاحب کا غلط فتوی اور ان کے چند دیگر باطل نظریات'' تصنیف فرمائی۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے ''شوق حدیث'' کتاب مکمل کی۔ ۱۹۷۱ء میں آپ نے ''شوق جہاد'' کتاب تالیف کی۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے ''عبارات اکابر'' نامی کتاب لکھ کر ایک بار پھر بریلویوں کے نیندیں حرام کی۔ ۱۹۷۳ء میں پھر ''حکم الذکر بالجہر'' نامی کتاب تالیف فرمائی۔ ۱۹۷۵ء میں ''سماع الموتی'' لکھی۔ اس کتاب کے بعد ۱۹۷۶ء میں ''تفریح الخواطر'' تصنیف فرمائی ۱۹۷۸ء میں آپ نے مایہ ناز کتاب ''تسکین الصدور'' مکمل فرمائی۔

اب علامہ خان بادشاہ صاحب ذرا سوچیں کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو تسکین الصدور کی ذمہ داری ۱۹۶۲ء میں سپرد کی گئی تھی اور مکمل ہونے تک بریلویت کے خلاف قریباً سات جب کہ کل سولہ تصانیف کر چکے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں باطل اور خصوصاً بریلویوں کو تو سانس لینے کا موقع ہی نہیں دیا۔ لیکن اس کے باوجود علامہ صاحب ان کو مشرکین و مبتدعین کا معاون بتا رہے ہیں اور مزید یہ کہ کتاب ''تسکین الصدور'' مکمل ہونے کے بعد بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بریلویوں کا بے مثال تعاقب کیا۔ چنانچہ ۱۹۸۱ء میں آپ نے ''اتمام البرہان فی رد توضیح البیان'' تصنیف فرمائی جو علیحدہ علیحدہ چار حصوں میں تھی بعد میں ایک جلد میں شائع ہوئی اور اسی سال آپ نے پھر بریلویت کے خلاف ''اخفاء الذکر'' نامی کتاب تالیف فرمائی اور ۱۹۸۵ء میں آپ نے ''اظہار العیب فی کتاب اثبات علم الغیب'' تصنیف فرمائی۔

محترم قارئین! فتنہ بریلویت کے خلاف امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسلسل جدوجہد کو انصاف کی نظر سے دیکھیں۔ کیا یہ مبتدعین اور مشرکین کا تعاون ہے یا ان تمام مبتدعین و مشرکین کے عقائد فاسدہ کی کھیتیاں اجاڑ رہے ہیں؟ اللہ رب العزت امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام خدمات کو قبول فرما کر ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے۔

علامہ صاحب سے پہلا سوال

امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کی ''تسکین الصدور'' سے پہلے کتب میں وہ کون کون سے مسائل ہیں کہ ''تسکین الصدور'' لکھنے سے ان کی تردید ہوئی۔ ذرا اس کی تفصیل ذکر کریں، لیکن وہ مسائل بالکل پیش نہ کریں، جس کی وضاحت خود امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہو۔

بریلویوں کو کس نے خوش کیا؟

علامہ صاحب نے الزام لگایا کہ امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے بریلویوں کو خوش کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ بریلوی دنیا کے لئے خوف کی علامت بن چکے تھے اور الحمد للہ امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے بریلویت پر جو وار کئے ہیں تو اس سے آج تک بریلوی دنیا سنبھل نہ سکی اور نہ سنبھل سکے گی۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) البتہ جماعت اشاعت التوحید والسنہ کے نظریات سے اور قائلین حیات وسماع وغیرہ پر ان کے فتووں سے بریلوی دنیا میں خوشی کی جو لہر دوڑ گئی ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بطور مثال فاضل بریلوی کے ''حسام الحرمین'' کے خلاف علماء دیوبند نے ''المہند علی المفند'' لکھ کر اپنے نظریات واضح کر دیئے تو بریلویوں نے ''علماء دیوبند'' پر الزام لگا کر اس کو منافقت اور دفع الوقتی قرار دیا۔ لیکن جب اشاعت التوحید والسنہ نے بھی ''علماء دیوبند'' کی طرف وہی نظریہ منسوب کیا، جس کی تردید میں ''المہند'' لکھی گئی تھی اور جو نظریہ علماء دیوبند نے ''المہند'' میں لکھا۔ اس پر اشاعت التوحید کی طرف سے تبصرے اور طرح طرح کے فتوے لگنے شروع ہو گئے اور ساتھ ساتھ اشاعت التوحید والسنۃ نے ''القول المسند'' کے نام سے ''المہند'' کا رد بھی لکھا مثلاً: (۱) بعض نے قرآن وسنت کے خلاف کہا۔ (۲) بعض نے استہزاء کے طور پر دیوبندیوں کا قرآن کہا۔ (۳) بعض نے اس کو قادیانیوں کا موئد بتایا تو جب بریلویوں کا یہ بار گراں اشاعت التوحید نے اپنے سر لیا اور آئے دن ''المہند'' اور قائلین حیات پر نئے نئے تبصرے اور اعتراضات شروع کئے تو ایک بریلوی عالم پھولے نہ سماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہر مسئلہ کی طرح اس مسئلہ (حیات الانبیاء) میں بھی علماء دیوبند دو گروہوں میں ہیں...... آگے جا کر لکھتے ہیں: ''اصل میں یہ اللہ جل مجدہ الکریم کا ان لوگوں سے انتقام ہے کہ ان لوگوں نے عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اہل السنۃ کو ناروا طور پر مشرک کہا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگ (اشاعۃ التوحید والے) پیدا کر دئے جو ان کو مشرک کہے۔'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں واللہ ص ۱۵۹)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ: ''عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام میں اشاعت التوحید کا علماء دیوبند سے الگ موقف کو اور قائلین حیات پر اشاعت التوحید والسنۃ کے فتووں کو بریلوی دنیا کیسی خوشی سے خدائی انتقام قرار دیتی ہیں۔''

''تسکین الصدور'' یا ''تشویش الصدور''

علامہ خان بادشاہ نے، اپنی تحریرات میں تسکین الصدور کو ''تشویش الصدور'' قرار دیا ہے، جب کہ اکابر دیوبند اس کو ''اسم بامسمی'' اور حقیقتاً تسکین صدر قرار دیتے ہیں۔ اب یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر علامہ صاحب کے ہاں یہ ''تشویش الصدور'' کیوں ہے۔ البتہ ہمارے ذہن میں جو بات آرہی ہے وہ یہ ہے کہ علامہ صاحب کا اس کو ''تشویش الصدور''

اور علماء دیوبند کا اس کو "تسکین الصدور" کہنا، متضاد نظریوں کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔اب علماء دیوبند کے چند حوالہ جات ملاحظہ کریں:

(۱) دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین مولانا فخر الدین صاحب تسکین الصدور پر تقریظ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "کتاب "تسکین الصدور" کا دو مرتبہ مطالعہ کیا۔پہلی مرتبہ سرسری طور پر اور دوسری مرتبہ کافی غور کے ساتھ، مطالعہ میں کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بے مثل ہے اور واقعی "اسم بامسمی" الخ!
(تسکین الصدور ص ۱۸)

(۲) دارالعلوم دیوبند کے صدر المفتیین و رئیس المناظرین حضرت مولانا سید مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ تسکین الصدور پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں: "پڑھنے کے بعد مجھ جیسے نا اہل کے صدر کو تسکین اور دل میں سرور اور انکھوں میں نور پیدا کر دیا۔"
(تسکین الصدور ص ۱۹)

(۳) مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں: "تسکین الصدور حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کے مسائل میں "تسکین الصدور" ہی ہے جس سے روحی و قلبی "تسکین" ہوجاتی ہے۔"
(ایضاً ص ۲۰)

(۴) دارالعلوم دیوبند کے ایک عظیم فقیہ و محدث علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ تسکین الصدور پر اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں: "ہدیہ سنیہ، تسکین الصدور موجب سرور و "سکون" ہوا۔"
(تسکین الصدور ص ۲۸)

(۵) مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بحمد اللہ "تسکین الصدور" اہل انابت کے لئے "اسم بامسمی" ثابت ہوئی۔"
(تسکین الصدور ص ۳۵)

یہ ہے اکابر علماء دیوبند جو کہ تسکین الصدور کو بیک زبان قلم "اسم بامسمی" قرار دے رہیں ہیں لیکن معلوم نہیں کہ علامہ صاحب اس کو باعث تشویش کیوں قرار دے رہے ہیں؟ ہم علامہ صاحب کی خدمت میں یہ بھی عرض کریں کہ دارالعلوم دیوبند آج بھی موجود ہے۔علامہ صاحب آج ہی اس مسئلہ کو علماء دیوبند کی عدالت میں پیش کریں، ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔

غلط فہمی نمبر ۳

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "جمعیت علماء اسلام کے علماء سے مندرجہ ذیل امور کا مطالبہ کرتا ہوں اور اس کا صحیح جواب دے دیں بشرطیکہ اگر آپ کا قیامت اور یوم حساب پر ایمان ہو۔" (البرہان الجلی ص ۱۹، التنقید الجوہری ص ۲۰۱)

ازالہ: یہاں پر علامہ صاحب کا مطالبہ جمعیۃ علماء اسلام سے غلط فہمی ہے کیونکہ یہ سوالات درحقیقت علماء دیوبند کے نظریات پر ہیں تو اس میں علامہ صاحب کو مطالبہ علماء دیوبند سے کرنا چاہئے نہ کہ صرف جمعیت علماء اسلام سے۔

غلط فہمی نمبر ۴

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "مولوی سرفراز تسکین الصدور میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں اور اذان اور اقامت کے ساتھ نماز (اپنی قبر میں) پڑھتے ہیں، کیا کوئی جمعیت، کا کوئی عالم خوف خدا اور قیامت کو مدنظر رکھتے ہوئے، اس پر قرآن کریم سے یا صحیح احادیث سے یا اجماع امت سے کوئی دلیل پیش کرسکتا

ہے؟ ہرگز نہیں پیش کرسکتا اور نہ تو مولوی سرفراز کی طاقت ہے اور نہ کسی اور جمعیت علماء اسلام میں سے کسی عالم مفتی شیخ الحدیث کی طاقت ہے کہ اس پر کوئی ادلہ شرعیہ میں سے کوئی دلیل پیش کر سکے۔ لہٰذا آپ ان خرافات اور واہیات سے لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔'' (التنقید الجوہری ص ۲، ۷، الارشاد المفید ص ۷، ۲۱، ۲۳، البرہان الجلی ص ۲۰، الصواعق المرسلہ ص ۱۶۵، قلائد العقیان ص ۲۱۰ پر یہی اشکال دہرایا ہے)

ازالہ: عالم قبر و برزخ میں نماز پڑھنے پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے توصحیح روایات پیش کی ہیں جس کی تفصیل اور علامہ صاحب کے اشکالات اور جوابات آگے آرہے ہیں۔ باقی اذان، واقامت کے مسئلہ میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں۔ اکابر علماء دیوبند سے اگر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل میں کوئی غلطی کی ہے تو علامہ صاحب اعتراض کر سکتے ہیں۔ ورنہ علامہ صاحب کو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کا سرے سے حق نہیں۔ اس لئے کہ یہ نظریہ تو تمام علماء دیوبند کا ہے۔ اگر اعتراض نظریہ پر ہے تو پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو درمیان سے ہٹا کر بلاواسطہ کھل کر علماء دیوبند پر تبصرہ کریں، تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ یہ تو عجیب بات ہے کہ عبارت ''علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ'' اور ''علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ'' کی اور سارے اعتراضات امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر اور اگر یہی نظریہ ''ماہنامہ تعلیم القرآن'' میں چھپ جائے تو پھر کوئی اعتراض نہیں، لیکن اگر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نقل کرے تو پھر قابل اعتراض ''تلک اذا قسمة ضیزی''

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی، کما تقرر، وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامة'' (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، جیسا کہ اپنی جگہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ آگے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور، کالاذان والاقامة عند الدارمی، وقراءة القرآن، عند الترمذی...... الخ'' (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے، جیسے اذان، اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قراۃ قرآن کا ترمذی کی روایت میں، نیز امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: ''قد صحت الاحادیث، انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامة'' (منح المنہ ص ۹۲)

بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ اب علامہ خان بادشاہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اور جمعیت علماء اسلام کی بجائے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر تمام اہل السنۃ کو چیلنج کریں۔ ان شاء اللہ! اس سے پوری امت کو بڑا فائدہ ہوگا۔ نیز اگر مذکورہ عبارت خرافات اور واہیات ہیں اور لوگوں کی گمراہی کا ذریعہ ہے تو کیا علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ خرافات اور واہیات لکھتے تھے؟ تسکین الصدور تو بہت بعد میں لکھی گئی ہے اور یہ عبارات پہلے سے اکابر کی کتب میں موجود تھیں۔ کیا علامہ صاحب کو وہاں نظر نہیں آئیں؟ علامہ صاحب کو اگر اس کا علم امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حوالہ سے ہوا تو پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اور جمعیت علماء اسلام کے ساتھ چیلنج میں تمام اہل السنۃ کو شریک کرتے تاکہ انصاف کا حق ادا ہوتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور قبر میں اذان واقامت

علامہ خان بادشاہ صاحب نے جمعیت علماء اسلام اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو عالم قبر میں، اذان واقامت کے بارے چیلنج کیا ہے، جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں کہ اس میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ صرف ناقل ہیں اور اصل عبارت امام شعرانی، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب کا اعتراض امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر بے جا ہے۔ مزید علامہ صاحب کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ یہی نظریہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب چیلنج میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا اضافہ بھی کریں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”ثم ان تلک الحیاۃ فی القبر، وان کانت یترتب علیھابعض مایترتب علی الحیاۃ فی الدنیا المعروفۃ لنا، من الصلاۃ، والاذان والاقامۃ ورد السلام المسموع ونحو ذلک“ اور پھر یہ جو قبر کی زندگی ہے اس پر معروف دنیاوی زندگی کے بعض احکام مرتب ہوتے ہیں، جیسے نماز، اذان، اقامت اور سلام کو سن کر اس کا جواب دینا اور اس کے مثل۔ اب علامہ صاحب کو چاہئے کہ اگر چیلنج دینے کا اتنا ہی شوق ہے تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی چیلنج میں شامل کریں یا پھر ان کو بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے برابر سمجھ کر ایک ہی قسم کا فتوی ان سب حضرات پر لگایا جائے۔ (روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۱۷)

ایک قابل غور بات

علامہ خان بادشاہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے اس بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں، پر دلیل اور حوالہ کا مطالبہ کیا ہے۔ لیکن اگر علامہ خان بادشاہ صاحب علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر ذرا غور کرتے تو یقیناً وہاں سے دلیل کی رہنمائی ہو جاتی۔ کیونکہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کچھ یوں ہے:

”ان کثیرا من الاعمال، قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی......الخ“ (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تو انتہائی وثوق سے دلیل اور ماخذ کی نشاندہی کی جس پر ”عند الدارمی“ کے الفاظ واضح دلیل ہے۔ اب علامہ صاحب کو چاہئے کہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس حوالہ کو چیلنج کریں کہ یہ کہاں ہے؟ معلوم ہوا کہ علامہ صاحب کا جمعیت علماء اسلام سے دلیل کا مطالبہ کرنا بالکل غلط اور بے سود ہے۔ کیونکہ دلیل کی نشاندہی علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کر چکے ہیں۔ اب اگر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا دیا ہوا دارمی کا حوالہ علامہ صاحب کو نہیں مل رہا تو اس میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا کیا قصور؟

اکیلے جمعیت علماء اسلام تنقید کا نشانہ

علامہ خان بادشاہ صاحب کو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”تسکین الصدور“ تو نظر آ رہی ہے، لیکن شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان ماہنامہ ”تعلیم القرآن“ کیوں نظر نہیں آ رہا!! ملاحظہ فرمائیں:

ماہنامہ تعلیم القرآن میں مسئلہ حیات الانبیاء پر ایک مضمون چھپ چکا ہے، جس میں مضمون نگار لکھتے ہیں:

”علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں لکھا ہے: ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر، وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ“ یعنی جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے اور آپ قبر مبارک میں اذان واقامت سے نماز ادا کرتے ہیں اس سے بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ اب اگر اذان اور اقامت کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں عالم برزخ میں، تو کیا حرج ہے۔“ (ماہنامہ تعلیم القرآن ۱۹۵۹ء تمبر ۳۰)

اب علامہ صاحب کی خدمت میں بصد ادب عرض ہے کہ آپ نے اسی عبارت کو "تسکین الصدور" میں خرافات، واہیات اور لوگوں کی گمراہی کا ذریعہ قرار دیا ہے تو کیا اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماہنامہ "تعلیم القرآن" نامی اپنے رسالہ کو بھی خرافات و واہیات کی نسبت کرنا پسند کریں گے؟

بعد الوفات عالم قبر و برزخ میں اذان اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ صاحب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کتب کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ینبغی للمبلغ مؤلف فضائل الحج، ان یطالع کتب شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حتی لا یکون مذموما مخذولا......" کہ فضائل حج کے مولف اور مبلغ (شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) کے لئے مناسب ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کتب کا مطالعہ کرے تاکہ قابل ملامت اور بے یار و مددگار نہ ہو۔ (الصواعق المرسلہ ص۹۱ حاشیہ نمبر۱)

تو ہم بھی علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ علامہ صاحب کو پیش کرتے ہیں تاکہ علامہ موصوف بھی مذموما مخذولا نہ بنیں۔ دیکھتے ہیں اس بارے میں علامہ صاحب کا کیا موقف سامنے آتا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولا یدخل فی ھذا الباب، ما یروی من ان قوما سمعوا رد السلام من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم او غیرہ من الصالحین، وان سعید بن المسیب کان یسمع الاذان من القبر لیالی الحرۃ، "فھذا کلہ حق" لیس فیما نحن فیہ" (اقتضاء الصراط المستقیم ص۳۳۸ بیروت)

اور اس باب میں وہ داخل نہیں، جو روایت کیا گیا ہے کہ ایک قوم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک سے اور اس کے علاوہ دیگر صالحین کی قبروں سے سلام کا جواب سنا ہے اور یہ کہ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ واقعہ حرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے اذان سنتے تھے تو یہ سب کچھ حق ہے اور مانحن فیہ میں سے نہیں ہے۔ اب علامہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ جو تبصرہ علامہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پر کیا ہے تو کیا یہی تبصرہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کتب پر مناسب سمجھیں گے؟ کیونکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ: "فھذا کلہ حق"

علامہ صاحب سے ہمارا دوسرا سوال

علامہ صاحب سے ہمارا ایک سوال یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو ان سب کو حق قرار دیا ہے تو برائے مہربانی اس پر قرآن و سنت اور اجماع سے دلیل پیش کریں۔

غلط فہمی نمبر ۵

علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ: "مولوی سرفراز نے (تسکین الصدور طبع اوّل ص۱۹۱) پر ساتویں دلیل کا حوالہ "مسند احمد" پر دیا ہے۔ کیا کوئی جمعیت کا عالم مفتی شیخ الحدیث اور خود سرفراز یہ حدیث "مسند احمد" میں دکھا سکتا ہے، ہرگز نہیں یہ مولوی سرفراز نے جھوٹ اور بہتان اور افتراء کیا ہے مسند احمد پر اور پھر مولوی سرفراز نے جو دھوکہ دیا ہے کہ اس نے حدیث کی سند ذکر نہیں کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کی سند میں "محمد بن اسحاق" راوی ہے، جس کو خود سرفراز نے (احسن الکلام ج۲ ص۹۲، ۱۱۴ تا ۱۱۶) میں اہل حدیث کے مقابلہ میں کذاب دجال تک لکھا ہے۔ کیا اس خیانت اور دھوکے کا جواب جمعیت علماء اسلام کا کوئی عالم، مفتی شیخ الحدیث دے سکتا ہے۔" (التقید الجوہری ص۲، ۵، ۱۱، ۵۹، ۹۱، المسامیر الھدیہ ص۲۲۹، البرہان الجلی ص۲۰، ۲۵، ۳۱، ۳۳، ۷۵، قلائد العقیان ص۲۰۵، ۲۲۴، ۲۳۴، النقمۃ الحیۃ ص۳۳۹)

پھر (التنقید الجوھری ص ۱۹) پر لکھتے ہیں کہ افتراء کرنے والا دیوبندی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا مولوی سرفراز دیوبندی نہیں ہے۔

ازالہ: قارئین ذرا غور فرمائیں! ہمارے علم کے مطابق علامہ صاحب نے اسی ایک اشکال کی کم وبیش پندرہ مرتبہ جگالی کی ہے جو واقعتہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ خود وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ماخوذ حوالوں کے علاوہ بقیہ جتنے حوالہ جات ہیں، وہ سب اس ناچیز کی تلاش وتفحص اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہے، جس میں غلطی کا واقع ہونا غیر اغلب نہیں ہے، جو حضرات غلطیوں سے آگاہ فرمائیں گے وہ عند اللہ ماجور اور عند الحقیر مشکور ہوں گے۔ کیونکہ اوّل تو انسان (بجز انبیاء کرام علیہم السلام) کا کوئی کام وفعل بھی لغزش اور خطاء سے محفوظ نہیں اور پھر کام بھی اس بندہ عاجز کا جو سراپا تقصیر وخطا ہو، لہٰذا گزارش ہے کہ مجھے ہدف ملامت بنانے کی بجائے متانت اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری غلطیوں پر مجھے آگاہ کریں حق کے تسلیم کرنے میں کبھی تامل نہ کروں گا۔ ان شاء اللہ! (ازالۃ الریب ۳۶)

اور احسن الکلام میں ''ضروری التماس'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ: ''مجھ کو ہدف ملامت بنانے کی بجائے منصفانہ تنقید کے اصول پر میری راہنمائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو غلط بات کی تلافی کرنے اور حق کے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی تامل نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۶۳، ۶۴)

تیسری جگہ لکھتے ہیں: ''تاہم ان حضرات کا (خواہ ان کا نقطہ نظر کچھ بھی ہو) شکریہ ادا کریں گے جو ہمیں ہماری کوتاہیوں پر آگاہ کریں گے ہمیں معقول اغلاط کی درستی میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۵۲)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی اس فراخ دلی کے بعد اگر کسی صاحب کو ان کی واقعی غلطیوں پر آگاہی ہوئی ہو تو ان غلطیوں سے آگاہ کرنا ہی کافی تھا اور اگر آگاہی کے بعد بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اپنی غلطی کو تسلیم نہ کرتے تو پھر ان کو تنقید کا نشانہ بنانے میں حق بجانب ہوتا لیکن یہاں تو معاملہ ہی جدا ہے کہ جس غلطی پر علامہ صاحب بار بار چیلنج بازی کر رہے ہیں اس غلطی کی اصلاح بھی کر دی گئی ہے، لیکن پتہ نہیں کہ علامہ صاحب کیوں اس سے صرف نظر فرما رہے ہیں؟

کیا اس غلطی کی اصلاح نہیں ہوئی؟

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ دونوں غلطیوں کی جب ایک صاحب نے اپنے خط میں متوجہ کیا جو ''المسلک المنصور'' میں چھپ چکی ہے، جس پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا ہے وہ واقعی قابل تعریف وتقلید ہے، اس کو ملاحظہ کریں لکھتے ہیں: ''محترم ان غالیوں کے پاس مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے لئے صریح روایت صرف اور صرف ''محمد بن اسحاق'' کی ہے۔ گویا یہ روایت ان کے نزدیک اوّل درجہ میں ان کی دلیل ہے اور اسی پر ان کے استدلال کا مدار ہے۔ اس لئے راقم الحروف نے بھی کتب اسماء الرجال سے ''ابن اسحاق'' پر کڑی جرح نقل کی ہے جو احسن الکلام ج ۲ ص ۷۸، ۸۳ میں پھیلی ہوئی ہے۔ چونکہ غیر مقلدین حضرات کا دعویٰ انتہائی سنگین ہے اس لئے یہ جرح نقل کی گئی ہے۔'' (المسلک المنصور ص ۹۶)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: ''ہم نے تسکین الصدور ص ۳۲۹ میں ''محمد بن اسحاق'' کی جو روایت پیش کی ہے، وہ ساتویں دلیل ہے۔ جب کہ چھ دلیلیں اس کے علاوہ ہیں، جن میں ''محمد بن اسحاق'' نہیں اگر یہ روایت نہ بھی ہو تو ہمارا دعویٰ باقی چھ دلیلوں سے ثابت ہے، ان کی روایت پر ہمارا دعویٰ موقوف نہیں۔ جب کہ غیر مقلدین کا دعویٰ خلف الامام اور سورہ فاتحہ کی قید کے ساتھ ''ابن اسحاق'' کی روایت پر موقوف ہے اور ان کی یہ حدیث ان کی نمبر ایک

دلیل ہے۔ علاوہ ازیں ساتویں دلیل میں باحوالہ دو روایتیں نقل کی ہے ایک وہ ہے جس میں ''ابن اسحاق'' ہے اور دوسری مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱ کے حوالہ سے یہ روایت ہے: ''ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد ﷺ لاجیبنہ'' رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر البتہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر کھڑے ہو کر مجھے پکار کر کہیں یا محمد ﷺ تو میں ضرور ان کا جواب دوں گا اور اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، جن میں ''محمد بن اسحاق'' نہیں تو معترض کا دیانۃً یہ اخلاقی اور علمی فریضہ تھا کہ وہ اس صحیح روایت کا بھی حوالہ دیتے جس سے اہل علم یہ سمجھتے کہ استدلال کا مدار ''محمد بن اسحاق'' کی روایت پر نہیں بلکہ وہ صرف شاہد و تائید ہے دونوں حدیثیں مل کر ساتویں دلیل بنتی ہے۔ ہاں! البتہ یہ غلطی ضرور ہوئی ہے کہ اگر دوسری روایت کو پہلے نقل کر دیا جاتا اور ''ابن اسحاق'' کی روایت کو بعد نقل کر دیا جاتا تو شائد کسی مجذوب کو اعتراض کی جرأت نہ ہوتی۔ اب ان شاء اللہ العزیز! طبع دوم میں اس کی بھی اصلاح کر دی جائے گی۔'' (المسلک المنصور ص ۹۶،۹۵)

یہ تھا علامہ خان بادشاہ صاحب کے اعتراض کا جواب اس کے بعد امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ''مسند احمد'' کے حوالہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور نیز الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۵ کی بجائے مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰ غلط چھپ گیا ہے اور ان شاء اللہ العزیز! اس کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ غرض یہ کہ معترض نے ان تمام حقائق سے آنکھیں بند کر کے ''ابن اسحاق'' کی روایت کے بارے میں اعتراض کیا ہے۔'' (ایضاً ص ۹۶)

لیکن اس کے باوجود علامہ خان بادشاہ صاحب کی ہٹ دھرمی دیکھیے لکھتے ہیں: ''پھر مولوی سرفراز نے طبع دوم ص ۳۴۰ پر ''مسند احمد'' کی جگہ ''الدر المنثور'' لکھ دیا۔ حالانکہ اس کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ لکھ دیتا کہ مجھ سے طبع اوّل میں غلطی ہوئی ہے اور اب اس کی تصحیح کر رہا ہوں۔'' (التنقید الجوہری ص ۹)

یہ اعتراض علامہ صاحب کی عناد کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فراخدلی سے غلطی کا اقرار اور آئندہ اصلاح کا وعدہ کر لیا اور پھر اپنے وعدہ کو پورا کر کے طبع دوم میں اصلاح بھی کر دی اور اس کا اعلان بھی ''المسلک المنصور'' میں کیا تو آخر اعتراض کی اب کون سی وجہ باقی رہی، یعنی غلطی کی اصلاح تو ہو گئی ہے لیکن شائد علامہ صاحب اس کو ماننے کی بجائے انکار پر تلے ہوئے ہیں کہ اس کی معافی کے لئے مزید شرائط اور قیودات پر بضد ہیں جو محض تحکم اور سینہ زوری ہے۔

علامہ صاحب کے دوہرا اصول

مفتی سردار صاحب نے جب علامہ خان بادشاہ صاحب کے ایک حوالے کی غلطی پر تنبیہ کی تو اس کے جواب میں علامہ صاحب نے لکھا کہ: ''اس طرح غلطیاں اکثر کتابوں میں پائی جاتی ہیں، مگر اس کو خیانت تصور کرنا سردار جی جیسے جاہلوں کا کام ہے۔'' (البرہان الجلی ص ۴۷)

یہ علامہ صاحب کے عجیب اصول ہیں کہ جب خود ان سے غلطی ہوئی تو اس کو خیانت قرار دینا جہالت تصور کرتے ہیں اور اپنی دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''اس طرح غلطیاں کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔'' لیکن جب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ سے تسکین الصدور طبع اوّل میں غلطی سے ''الدر المنثور'' کی جگہ ''مسند احمد'' لکھا گیا تو اس کو غلطی کی بجائے افتراء سے اور کہیں تلبیس سے تعبیر کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے طبع دوم میں اس غلطی کی اصلاح کر لی تو علامہ صاحب کو یہ بھی منظور نہیں۔ حالانکہ ''تسکین الصدور'' طبع دوم علامہ صاحب کے پیش نظر ہے،

لیکن اس کے باوجود اسی اعتراض کو دہرانا اور ہر دفعہ طبع اوّل کا حوالہ چہ معنی دارد؟ نیز علامہ صاحب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے اس غلطی پر جس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ طبع دوم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور پھر مولوی سرفراز نے طبع دوم ص ۳۴۰ پر ''مسند احمد'' کی جگہ ''الدر المنثور'' لکھ دیا۔ حالانکہ اس کا علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ لکھ دیتا کہ مجھ سے طبع اوّل میں غلطی ہوئی اور اب اس کی تصحیح کر رہا ہوں مگر ایسا نہ کیا۔''

(۱) علامہ صاحب کے ہاں اپنوں اور بیگانوں کے لئے اصلاح کے اصول بھی الگ۔

علامہ صاحب آپ بھی اپنا فریضہ ادا کریں

علامہ خان بادشاہ صاحب نے جس چیز کو علمی اور اخلاقی فریضہ قرار دیا ہے تو الحمد للہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ یہ فریضہ ادا کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ''المسلک المنصور ص ۹۴'' کے حوالہ سے گزر چکا ہے، لیکن اب علامہ صاحب کا بھی علمی اور اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ اس بات کا واضح اعلان کریں کہ واقعی یہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا ''مسند احمد'' پر افتراء نہیں تھا بلکہ غلطی تھی جس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ ہم علامہ صاحب کے اس علمی فریضہ کے ادا کرنے کے منتظر رہیں گے!

پلا دے اوک سے ساقی! جو ہم سے نفرت ہے پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے، شراب تو دے

(غالب)

علامہ صاحب کے بدلتے اصول

علامہ صاحب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو اس ایک غلطی (جس کی اصلاح بھی ہو چکی ہے) کی وجہ سے بار بار موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں اور اس کے لئے عجیب وغریب اصول بھی وضع کئے ہیں کہ اس کو یہ اور وہ کرنا چاہئے تھا۔ وغیرہ وغیرہ! علامہ صاحب اگر بنظر انصاف اپنے گھر کی خبر لیں تو اس سے بڑی غلطی موجود پائیں گے لیکن وہاں مرعوبیت کا شکار ہو کر دوسرا پیمانہ استعمال کرتے ہیں۔ کاش! لیکن افسوس کہ وہاں پر علامہ صاحب کے حق پرکھنے کی کسوٹی بدل جاتی ہے۔ ملاحظہ کریں: شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''البصائر للمتوسلین باھل المقابر'' سے ایک اقتباس نقل کرتے ہوئے، علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''قال الشیخ فی روایۃ عائشہ ابن جریج، عن ابی ملیکہ وفی التھذیب عن ابی ملیکۃ مرسلاج ۲ ص ۲۲۴'' (مقدمہ البصائر ص ۱۷)

اس عبارت پر علامہ صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اعلم ایھا الاخ الکریم، ان ما قالہ الشیخ بحوالۃ التھذیب ابن جریج عن ابی ملیکۃ مرسلا ۲/۲۲۴ فی معرض الخفاء، لان ھذہ العبارۃ کما ھی لیست بموجود فی المجلد الثانی من التھذیب، کذالک لیست بموجود فی المجلد السادس من التھذیب'' (ایضاً ص ۱۷)

اے بھائی! شیخ نے تہذیب کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے کہ ابن جریج عن ابی ملیکۃ مرسلاج ۲ ص ۲۲۴ تو یہ معرض خفا میں ہے۔ کیونکہ یہ عبارت جس طرح تہذیب کے دوسرے جلد میں نہیں ہے تو اسی طرح تہذیب کی چھٹی جلد میں بھی نہیں۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب کا جو حوالہ دیا ہے۔ علامہ صاحب اس پر صرف یہی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ معرض خفا میں ہے۔'' اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے مسند احمد کے حوالہ کو جو غلطی سے لکھا گیا ہے اور اس کی اصلاح بھی کر دی گئی ہے۔ علامہ صاحب رائی کا پہاڑ بنا کر اس کو اب تک برابر افتراء سے تعبیر کر رہے ہیں۔ آخر یہ دوہرا پیمانہ کیوں؟ اگر کوئی اس غلطی سے اسی طرح تعبیر کرے جس طرح علامہ صاحب نے تعبیر کی ہے تو کیا علامہ صاحب یہ گوارا کریں گے؟

بدلتے اصول کا ایک اور نمونہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ مفتی رشید احمد نے کس طرح قرآن کریم پر افتراء کیا ہے کہ اس قبر میں زندہ ہونا قرآن کے نص سے ثابت ہے اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سدی اور ابن زید کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنا اور زندہ ہونا تین مرتبہ ہے اور یہ قرآن کریم کے نص سے خلاف ہے اور اس طرح حافظ ابن کثیر نے یہ واضح کیا کہ نکیرین کے سوال کے لئے قبر میں زندہ کرنا یہ سدی کا قول ہے اور اسی طرح مولوی سرفراز نے قرآن کریم پر افتراء کیا ہے۔'' (الارشاد المفید ص ۳۵)

یہاں علامہ صاحب نے سدی وابن زید کے قول کی وجہ سے مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر افتراء کا الزام لگایا۔ حالانکہ یہی تفسیر شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''کمانص اللہ سبحانہ فی القرآن حیث ذکر سبحانہ ...... قالو ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل۔ (المومن ۱۱) وبھذا احتج العلماء علی حیاۃ القبر، کمافی تفسیر کبیر فلو نثبت السماع یکون حینئذ، ثم یموت فی القبر'' (البصائر ص ۴۴) جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں ارشاد ہے: ''ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروج من سبیل'' کہ علماء نے اس سے حیات قبر پر استدلال کیا ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے تو اگر ہم سماع موتی کو ثابت کریں تو وہ اسی وقت ہوگا اور پھر قبر میں موت آجاتی ہے اور پھر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''مرۃ بقبض ارواحنا، و مرۃ بعد ماسالنا منکر و نکیر، ھکذا فی تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما ص ۳۴۰ وھکذافسرالا یہ ابو السعود، و الامام الرازی، رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم من المفسرین و ھکذا فی شرح المواقف، ثم الاحیاء فی القبر، ثم الاماتہ فیہ ایضا بعدمسالۃ منکر ونکیر، ثم الاحیاء للحشر، ھذا ھو الشائع المستفیض بین اصحاب التفسیر ص ۱۵۲ ج ۲ وھکذافی شرح عقائد عضدیہ'' کہ ایک مرتبہ موت ہمارے ارواح کے قبض ہونے سے اور دوسری مرتبہ جب ہم سے منکر نکیر سوال کریں۔ اسی طرح تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے اور اسی طرح ابوسعود، امام رازی وغیرہ مفسرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کی ہے اور اسی طرح شرح مواقف میں ہے کہ قبر میں زندہ کرنا اور پھر اسی میں اماتت منکر ونکیر کے سوال کے بعد پھر زندہ کرنا ہے حشر کے لئے اور یہ اصحاب تفسیر کے ہاں شائع اور مشہور ہے اور اسی طرح شرح عقائد میں ہے۔ (البصائر ص ۱۸۶)

اب آیت مذکورہ کی جو تفسیر شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے یہ وہی سدی والی تفسیر ہے، جس کو مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔ اسی تفسیر کی وجہ سے علامہ صاحب نے مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن پر افتراء کرنے والے قرار دے کر دین کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ جب کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ پر تبصرہ کا انداز یکسر الگ بلکہ عجیب بھی ہے۔ حالانکہ یہ تینوں حضرات ایک ہی تفسیر نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''واما الاحیاء فی القبور، فھو مروی عن السدی الکذاب، فلا یحتج بہ فالمسطور فی کتاب الشیخ، لیس مبنیا علی التحقیق'' اور جو قبر میں زندہ ہونا ہے تو یہ سدی کذاب سے مروی ہے، جس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا اور جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے، وہ مبنی بر تحقیق نہیں ہے۔ (حاشیہ البصائر ص ۱۸۶)

دیکھئے یہ تینوں علماء کرام ایک ہی تفسیر نقل کرتے ہیں، لیکن اس میں دو حضرات، علامہ صاحب کے ہاں

قرآن پر افتراء کرنے والے جب کہ ایک کی تفسیر صرف مبنی بر تحقیق نہیں۔ اگر اسی تفسیر کی بنیاد پر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ قرآن پر افتراء کرنے والے ہیں تو کیا شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قرآن پر افتراء کیا ہے؟ بصورت دیگر پھر مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ مفتری کیسے بن گئے؟ چہ فرق دارد؟

کیا علامہ صاحب کے ہاں مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی ہیں؟

علامہ خان بادشاہ صاحب نے فقیہ العصر مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی کتاب ''الارشاد المفید ص ۳۵'' میں قران پر افتراء باندھنے والا قرار دیا ہے اور خود دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ''افتراء باندھنے والے دیوبندی نہیں۔'' (العقید الجوہری ص ۱۹)

اب علامہ صاحب ہی کے اصول کے مطابق مفتی صاحب دیوبندی نہیں ہیں، لیکن افسوس کہ اپنے ہی خود ساختہ اصولوں کا خون کرتے ہوئے مفتی فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بریلوی ثابت کرنے کے لئے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبندیت میں داخل کیا۔ چنانچہ علامہ صاحب نے (البرھان الجلی ص ۹۳) اور (التنقید الجوھری ص ۲۴) پر تین خانے بنائے ہیں۔ پہلے خانہ میں مفتی فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ۔ دوسرے خانے میں بریلوی عقیدہ اور تیسرے خانہ میں لکھا علماء دیوبند کا عقیدہ، دونوں کتابوں کے تیسرے خانے میں جن علماء دیوبند کا ذکر ہے۔ ان میں مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ''احسن الفتاوی'' کا ذکر کیا ہے، جن کو پہلے علامہ صاحب قرآن پر افتراء باندھنے والے اور دیوبندیت سے خارج قرار دے چکے تھے۔

غلط فہمی نمبر ۶

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''تسکین الصدور طبع اوّل ص ۱۹۳ اور طبع ثانی ص ۳۴۳ پر مولوی سرفراز نے حدیث (من صلی علی عند قبری......الخ) ذکر کی ہے۔ حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کیا اس موضوع حدیث کو جمعیت علماء اسلام میں سے کوئی عالم مفتی شیخ الحدیث صحیح ثابت کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں کرسکتا بلکہ موضوع حدیث سے استدلال کرنا شیطانی کام ہے، نہ کسی عالم دین کا کام۔'' (العقید الجوہری ص ۳۰۲، البرہان الجلی ص ۲۱)

ازالہ: حدیث مذکورہ پر علامہ صاحب کا مطالبہ غلط فہمی ہے، کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ اس حدیث کی تصحیح کر چکے ہیں۔ اس لئے علامہ صاحب یہاں بھی مطالبہ اہل السنۃ والجماعۃ سے کریں نہ کہ محض جمعیت علماء اسلام سے، کیونکہ اس مسئلہ میں بھی علامہ صاحب کا اختلاف اہل السنۃ والجماعۃ سے ہے۔ بہر حال علامہ صاحب کی عبارت میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) یہ حدیث موضوع ہے۔ (۲) موضوع حدیث سے استدلال کرنا شیطانی کام ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ روایت دو سندوں سے مروی ہے ایک روایت وہ ہے جس کی سند میں ''محمد بن مروان السدی'' ہے جس پر علامہ خان بادشاہ صاحب نے ''البرھان الجلی ص ۱۸۷، ۱۸۸'' پر بحث کی ہے۔ یہی وہ طریق ہے جس پر علماء نے موضوع کا حکم لگایا اور یہ طریق ہمارا مستدل نہیں۔ تاہم جو طریق ہمارا مستدل ہے اس میں ''محمد بن مروان السدی'' نہیں ہے اور وہ ہے ''ابوالشیخ'' کی طریق جس کو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل میں پیش کیا ہے اور الحمد للہ! اس کی پوری سند ذکر کرکے اس کے رواۃ کی توثیق بھی کی ہے اور متعدد محدثین کا محمد بن مروان والی روایت کو موضوع کہنے سے ''ابوالشیخ'' والی روایت کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ علامہ صاحب ثابت فرمائیں کہ محدثین

حضرات نے "ابوالشیخ" والی سند ذکر کر کے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ اکیلے ابن عبدالہادی کی نہ سنیں۔ دوسرے محدثین کی رائے بھی معلوم کرنا چاہئے۔ علامہ صاحب کے بزعم اس حدیث سے استدلال کرنا شیطانی کام ہے جب کہ محدثین اس کو صحیح قرار دے کر استدلال کر چکے ہیں۔ اس لئے اوّلاً یہ حملہ ان تمام محدثین پر ہے پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر۔

اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے پہلے ایک اصول جو مسلم عندالمحدثین ہے، بطور تمہید ذکر کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں:

(۱) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "قد یحکم للحدیث بالصحۃ اذا تلقاہ الناس بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح" کبھی حدیث پر صحت کا حکم لگایا جائے گا، جب اس کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے۔ اگر چہ سند صحیح نہ ہو۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۶۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: "وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اہل العلم بہ، وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علی مثلہ" بہت سے حضرات نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اہل علم کا کسی حدیث کے موافق قول کرنا، اس حدیث کی صحت کی دلیل ہوتی ہے۔ اگر چہ اس کی ایسی سند نہ ہو جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ (ایضاً ص ۶۰)

تیسری جگہ لکھتے ہیں: "وقال السیوطی فی التعقبات الحدیث اخرجہ الترمذی، وقال حسین ضعفہ احمد وغیرہ، والعمل علیہ عند اہل العلم فاشار بذلک، ان الحدیث اعتضد بقول اہل العلم" امام سیوطی نے تعقبات میں حدیث ذکر کر کے فرمایا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور اہل علم کا اس پر عمل جاری ہے تو اس بات سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اہل علم کا عمل حدیث کو قوی کر دیتی ہے۔ (ایضاً ص ۶۱، ۶۲)

(۲) علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ومما یصحح الحدیث، عمل العلماء علی وفقہ" اور ان چیزوں میں سے جو حدیث کو صحیح قرار دیتی ہے، علماء کا اس کے موافق عمل کرنا ہے۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۴۳، الفصل الاوّل من فصول کتاب الطلاق)

(۳) علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ حدیث معاذ پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "علی ان اہل العلم قد نقلوہ، واحتجوا بہ، فوقفنا بذالک علی صحتہ عندہم، کما وقفنا علی صحۃ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا وصیۃ لوارث" وقولہ فی البحر ہو الطہور ماؤہ والحل میتتہ" وقولہ "اذا اختلف المتبائعان فی الثمن والسلعۃ قائمۃ تخالفا وترادا البیع" وقولہ "الدیۃ علی العاقلۃ" وان کانت ہذہ الاحادیث، لا تثبت من جہۃ الاسناد، ولکن لما تلقتہ الکافۃ عن الکافۃ غنوا عن طلب الاسناد لہ" مزید یہ کہ اہل علم نے اسے نقل کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔ پس علم ہو گیا ہمیں اس بات کا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لا وصیۃ لوارث" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اذا اختلف المتبائعان فی الثمن والسلعۃ قائمۃ تخالفا وترادا البیع" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الدیۃ علی العاقلۃ" کی صحت کا اگر چہ یہ احادیث سند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہیں، لیکن جب اس کو جماعت نے جماعت سے قبول کیا ہے تو مستغنی کر دیا ہے، اس کی صحت کو اس کی سند طلب کرنے سے۔ اسی طرح حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ہے جب دلیل پکڑی ہے تمام نے اس سے تو اس کی سند طلب کرنے سے مستغنی کر دیا ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۵۸، ۱۵۹)

(۴) علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وکذا اذا تلقت الامۃ الضعیف بالقبول، یعمل بہ علی

الصحیح، حتی انہ ینزل منزلۃ المتواتر فی انہ ینسخ المقطوع بہ، ولھذا قال الشافعی فی حدیث "لا وصیۃ لوارث" انہ لایثبتہ اھل الحدیث، ولکن العامۃ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ، حتی جعلوہ ناسخالایۃ الوصیۃ" اسی طرح جب امت ضعیف حدیث کو قبول کرے تو اس کے ساتھ صحیح والا معاملہ کیا جائے گا۔حتیٰ کہ وہ متواتر کے درجہ میں ہوجائے گی جس سے نص قطعی منسوخ ہوتا ہے اوراسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث "لا وصیۃ لوارث" کے متعلق فرماتے ہیں کہ محدثین اس کو صحیح نہیں قرار دیتے، لیکن جمہور علماء نے اس کو قبول کیا ہے اوراس پر عمل کیا ہے۔حتیٰ کہ آیت وصیت کے لئے ناسخ بنادیا ہے۔ (مجموعہ رسائل لکھنوی ج ۴ ص ۴۰۳)

(۵) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "قال ابن عبدالبر فی الاستذکار، لما حکی عن الترمذی ان البخاری صحح حدیث البحر "ھو الطھور ماؤہ" واھل الحدیث، لا یصححون مثل اسنادہ، لکن الحدیث عندی صحیح؟ لان العلماء تلقوہ بالقبول" علامہ ابن عبدالبر الاستذکار میں فرماتے ہیں امام ترمذی سے یہ بات نقل کرتے ہوئے کہ امام بخاری حدیث بحر "الطھور ماؤہ" کو صحیح قرار دیتے ہیں۔حالانکہ محدثین اس جیسی سند کو صحیح نہیں کہتے، لیکن حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔اس لئے کہ علماء نے اسے قبول کیا ہے۔آگے لکھتے ہیں: "قال ابن عبدالبر فی التمھید، روی جابر عن النبی ﷺ الدینار اربعۃ وعشرون قیراطا، قال وفی قول جماعۃ العلماء واجماع الناس علی معناہ، غنی عن الاسناد فیہ" ابن عبدالبر تمہید میں فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس ﷺ سے روایت کی ہے کہ دینار چوبیس قیراط کا ہوتا ہے۔فرمایا علماء کی جماعت کا قول اور لوگوں کا اس کے معنی پر اجماع اس کی سند سے مستغنی کردیتا ہے۔ (تدریب الراوی ص ۶۲)

(۶) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ومن جملۃ صفات القبول التی لم یتعرض لھا شیخنا، ان یتفق العلماء علی العمل بمدلول حدیث، فانہ یقبل حتی یجب العمل بہ، وقد صرح بذالک جماعۃ من الائمۃ الاصول" کہ من جملہ صفات قبولیت میں سے جس کی طرف ہمارے شیخ نے تعرض نہیں کیا یہ ہے کہ علماء مدلول حدیث پر عمل کرنے میں متفق ہوجائیں تو اس حدیث کو قبول کرلیا جائے گا۔یہاں تک کہ اس پر عمل واجب ہوگا۔اس بات کی تصریح ائمۃ اصول کی ایک جماعت نے کی ہے۔ (النکت ص ۱۷۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: "ثم حکم ابن عبد البر ذلک، لصحتہ لتلقی العلماء لہ بالقبول، فردہ من حیث الاسناد، وقبلہ من حیث المعنی" پھر ابن عبدالبر نے باوجود ضعف سند کے اس کی صحت کا حکم لگایا ہے، علماء کے اس کو قبول کرنے کی وجہ سے، سند کے اعتبار سے اس کو رد کردیا اور معنی کے اعتبار سے قبول کرلیا۔ (التلخیص ج ۱ ص ۱۵)

(۷) شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "من الحدیث الصحیح، ماتلقاہ المسلمون، بالقبول فعملوا بہ" حدیث صحیح میں سے وہ بھی ہے جس کو مسلمانوں کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہو اوراس پر عمل کریں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۹ ص ۳۰۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: "ومن الصحیح، ماتلقاہ بالقبول، والتصدیق اھل العلم بالحدیث" اورحدیث صحیح میں سے وہ بھی ہے، جس کو تلقی بالقبول حاصل ہوجائے اوراہل علم اس کی تصدیق کرے۔ (مجموعۃ الفتاوی ج ۹ ص ۳۰۱)

(۸) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وکذا اذاتلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ علی

الصحیح، حتی انہ ینزل منزلۃ المتواتر فی انہ ینسخ المقطوع بہ، ولھذا قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فی حدیث "لا وصیۃ لوارث" انہ لا یثبتہ اھل الحدیث، ولکن العامۃ تلقتہ بالقبول وعملوا بہ حتی جعلوہ ناسخا لآیۃ الوصیۃ" اسی طرح جب امت ضعیف حدیث کو قبول کرے تو اس کے ساتھ صحیح کا معاملہ کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ ایسے متواتر کے درجہ میں ہو جائے گا، جس سے نص قطعی منسوخ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث "لا وصیۃ لوارث" کے متعلق فرماتے ہیں کہ محدثین اس کو صحیح قرار نہیں دیتے لیکن جمہور علماء نے اس کو قبول کیا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس کو آیت وصیت کے لئے ناسخ بنا دیا۔ (فتح المغیث للسخاوی ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۳)

یہ چند حوالے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ذکر کئے گئے، ورنہ کتب اصول حدیث اور شروح ان اصول سے بھری پڑی ہیں۔ ان تمام تر تفصیل سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اگر کسی حدیث میں سند کے لحاظ سے کمزوری ہو اور علماء اسلام نے اس کی تضعیف کی ہو، لیکن اس کے معنی کو قبول کیا ہو تو اس سے یہ حدیث صحیح بن جاتی ہے اور اسی کو تلقی بالقبول کہا جاتا ہے۔

اور کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہونا دو طرح کا ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قلت والقبول یکون تارۃ بالقول، وتارۃ بالعمل علیہ" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۶۱)

میں کہتا ہوں قبولیت کبھی قول سے ہوتی ہے، کبھی اس پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ ان اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث "من صلی علی عند قبری...... الخ" کے متن کو اور اس کے معنی کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ کیونکہ اس حدیث مذکورہ کا جو معنی ہے (جو میرے قبر کے پاس درود شریف پڑھے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے) تمام اہل السنۃ والجماعۃ میں کوئی بھی اس حدیث سے ثابت شدہ مضمون کا منکر نہیں ہے اور اسی کو تلقی بالقبول کہتے ہیں اور جن حضرات نے حدیث مذکورہ پر سندا جرح کی ہے، وہ حضرات بھی اس کے معنی ومضمون کو ثابت اور صحیح مانتے ہیں تو علامہ صاحب کا اس حدیث کی سند پر محدثین کی جرح نقل کرنا اور اس کے معنی کو تلقی بالقبول کا جو درجہ حاصل ہے اس کو نظر انداز کرنا بڑی غلط فہمی ہی۔ علامہ خان بادشاہ صاحب "البرھان الجلی ص ۱۸۷" میں اسی حدیث پر بحث کرتے ہیں، لیکن یہاں پر تو "محمد بن مروان سدی صغیر" والی روایت پر وضع کا حکم لگایا گیا ہے۔ جب کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال میں "ابوالشیخ" والی سند ذکر کی ہے جس میں "محمد بن مروان" کا نام ونشان تک نہیں۔ علامہ صاحب کو چاہئے تھا کہ "ابوالشیخ" والی روایت پر تبصرہ کرتے۔ اس لئے کہ محدثین "محمد بن مروان" کی روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں جب کہ "ابوالشیخ" والی روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ موصوف "ابوالشیخ" کی روایت پر بھی تبصرہ کرتے۔ حالانکہ اس کو موصوف نے چھوا تک نہیں اور صرف ایک روایت "محمد بن مروان" پر تبصرہ کر کے تحقیق کا جھنڈا گاڑ دیا۔ تاہم پھر بھی یہاں ان حوالوں کا جائزہ لیتے ہیں، جن کے سہارے علامہ صاحب نے اس حدیث پر بحث کی ہے تاکہ ان کی بھی حقیقت آشکارا ہو جائے۔ ملاحظہ کریں:

(۱) علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "رواہ العقیلی، عن شیخ لہ عن العلاء بن عمرو وقال لا اصل لہ، من حدیث الاعمش ولیس بمحفوظ" (البرہان الجلی ص ۱۸۷)

اور پھر علامہ صاحب اسی صفحہ پر۔ آگے علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "ھذا

الحدیث موضوع، علی رسول اللہ ﷺ ولم یحدث بہ ابو ہریرۃ، ولا ابو صالح، ولا الاعمش، ومحمد بن مروان السدی متھم بالکذب والوضع" (البرہان الجلی ص ۱۸۷)

یہ دونوں حوالے علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، جس میں اس حدیث کی سند پر بحث کر کے اس پر وضع کا حکم لگایا گیا ہے، لیکن پھر بھی جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس نے بھی اس کی سند پر جرح کی ہے۔ اس نے اس کے معنی کو دوسرے شواہد سے ثابت مانا ہے۔

علامہ ابن عبدالہادی بھی اس کے معنی کو دوسری روایات سے ثابت مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "فاما ذاک الحدیث، وان کان معناہ صحیحا، فاسنادہ لایحتج بہ، وانما یثبت معناہ باحادیث اخر" (الصارم المنکی ص ۱۶۰)

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے۔ اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے، لیکن اس کی سند قابل احتجاج نہیں ہے۔ البتہ اس کا معنی دوسری احادیث کی روشنی میں ثابت ہے۔ اس عبارت سے واضح ہوا کہ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کو اعتراض صرف اس کی سند پر ہے۔ جب کہ اس کا معنی ان کے نزدیک ثابت ہے۔ باقی امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول "لا اصل لہ" تو اس کا جواب "تنزیہ الشریعۃ" کے حوالہ کے ضمن میں آرہا ہے۔

(۲) علامہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "اخرجہ الخطیب، من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، ولا یصح، فیہ محمد بن مروان وھو السدی الصغیر، وقال العقیلی لا اصل لھذا الحدیث" (البرہان الجلی ص ۱۸۷)

یہاں پر علامہ صاحب کو تنزیہ الشریعہ کے حوالہ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ علامہ صاحب اس حوالہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کو علامہ ابوالحسن ابن عراقی رحمۃ اللہ علیہ بھی موضوع کہتے ہیں اور اسی وجہ سے علامہ صاحب نے "وقال العقیلی لا اصل لھذا الحدیث" پر عبارت ختم کر دی۔ حالانکہ علامہ صاحب کا علمی اور اخلاقی فریضہ بنتا تھا کہ عبارت کو پورا ذکر کر کے علامہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے معلوم کرتے علامہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی رائے ملاحظہ کریں۔

علامہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "(تعقب) بان البیھقی اخرجہ فی الشعب من ھذا الطریق، وتابع السدی عن الاعمش فیہ ابو معاویہ اخرجہ ابو الشیخ فی الثواب، (قلت) وسندہ جید، کما نقلہ السخاوی عن شیخہ الحافظ ابن حجر واللہ اعلم، ولہ شواھد من حدیث ابن مسعود، وابن عباس، وابی ہریرۃ، اخرجہ البیھقی ومن حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اخرجہ الدیلمی" کہ عقیلی کی اس بات پر کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ گرفت کی گئی ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں اس طریق سے اس کی تخریج کی ہے اور ابو معاویہ اعمش سے روایت کرنے میں سدی کا تابع ہے۔ اس کی تخریج امام ابوالشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الثواب میں کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ "ابوالشیخ" کی سند "جید" ہے جیسا کہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ (واللہ اعلم) اور اس حدیث کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے شواہد موجود ہیں جن کی تخریج امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اس کا شاہد موجود ہے جس کی تخریج امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ (تنزیہ الشریعۃ ج ۱ ص ۳۳۵ بیروت)

علامہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو خوب غور سے دیکھا جائے۔ کیا علامہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ اس کو موضوع قرار دیتے ہیں یا اس کا دفاع کر رہے ہیں بلکہ "ابوالشیخ" کی سند کو "جید" قرار دے کر اس کے شواہد کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر علامہ صاحب تسکین

الصدور ہی میں یہ حوالہ غور سے دیکھتے تو شائد غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ کیونکہ یہ پورا حوالہ (ص ۳۲۶، ۳۲۷) پر موجود ہے۔

اسنی المطالب کا حوالہ اور اس کی حقیقت

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اسی طرح ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے اور اس کو اعمش سے روایت کرنے میں سدی صغیر کذاب متفرد ہے۔ اس کے سواء کوئی اس کو روایت نہیں کرتا اور امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو موضوع قرار دیا ہے: ''قال ابن دحیہ موضوع، تفرد به محمد بن مروان السدی و کان کذابا اوردہ ابن الجوزی فی الموضوع'' (اسنی المطالب ۲۱۶، البرہان الجلی ص ۸۵)

''تفرد به محمد بن مروان السدی و کان کذابا'' کے الفاظ نظر انداز نہ کریں۔

قارئین حضرات! یہاں پر بھی علامہ صاحب نے امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اسی طریق کو موضوع قرار دیا ہے، جس میں ''محمد بن مروان'' ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جس طریق سے حدیث ذکر کی ہے۔ اس میں ''محمد بن مروان'' سرے سے نہیں ہے۔ اس کے علاوہ صاحب اسنی المطالب ''سید درویش'' عقیدہ حیاۃ الانبیاء پر بحث کرتے ہوئے اسی روایت کے مضمون کو ثابت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''وقد وردت احادیث تدل علی ذلک، منها ان الصلوۃ من امته تعرض علیه، و فی بعضها ان اللہ تعالیٰ یرد علیه روحه لیرد علی من سلم علیه، و فی بعضها ان من سلم غائبا یبلغه بواسطة الملک، و ان من سلم علیه قریبا یسمعه . . . '' اور پھر آخر میں لکھتے ہیں: ''فهذہ الاخبار بمجموعها تدل علی حیاته، و حیات جمیع الانبیاء علیہم السلام'' اور بہت سی احادیث وارد ہیں، جو اس پر دلالت کرتیں ہیں۔ مثلاً ایک یہ ہے کہ امت کی طرف سے صلوۃ وسلام آپ علیہ السلام پر پیش کی جاتی ہے اور بعض میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی روح مبارک لوٹاتا ہے۔ تاکہ آپ سلام کہنے والے کا جواب دیں اور بعض میں آتا ہے جس نے دور سے سلام کہا تو اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں اور جس نے قریب سے سلام کیا تو اس کو آپ خود سنتے ہیں...... تو یہ سب احادیث آپ علیہ السلام کی اور دیگر تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات پر دلالت کرتیں ہیں۔ (اسنی المطالب ص ۳۸۳)

قارئین! یہاں بھی دیکھ لیں کہ صاحب اسنی المطالب ''محمد بن مروان'' کی روایت کو موضوع بتاتے ہیں، لیکن اس کے معنی کو تسلیم کرتے ہیں۔ جب کہ ''ابوالشیخ'' کی سند میں تو سرے سے یہ راوی نہیں ہے اور سید درویش صاحب نے موضوع ''محمد بن مروان'' کی سند کو کہا ہے نہ کہ ''ابوالشیخ'' والی کو۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلی

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب جزء ''حیات الانبیاء'' میں یہی روایت لا کر اس کی سند پر جرح کی ہے، لیکن اس کے مضمون کو دوسرے شواہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''وقد مضی ما یؤکدہ'' امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ ایک اہم اصول کی طرف اشارہ کرتا ہیں۔ (جزء حیات الانبیاء علیہم السلام بعد وفاتہم للبیہقی ص ۱۰۴)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلی

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مذکور کی سند پر کلام کرکے اس کے معنی کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وتعدد الطرق یفید القوۃ'' علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اہم اصول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۵۰۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلّی

شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''في اسناده لين، لكن له شواهد ثابتة'' اس حدیث کی سند کمزور ہے، لیکن اس کے کئی شواہد ہیں۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱۴ ص ۶۸)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلّی

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ علامہ عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''(قلت) اخرجه البيهقي في شعب الايمان من هذا الطريق، واخرج له شواهد، منها حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ...... الخ''

(اللآلي المصنوعة في الاحاديث الموضوعة ج ۱ ص ۲۵۹)

علامہ محمد طاہر الفتنی رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلّی

علامہ محمد طاہر الفتنی رحمۃ اللہ علیہ ''سدی صغیر'' پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''له شواهد، كحديث ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغون عن امتي السلام وغير ذلك'' اور اس کے کئی شواہد موجود ہیں جیسے حدیث: ''ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغون عن امتي السلام'' وغیرہ احادیث! (تذکرۃ الموضوعات ص ۹۵)

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلّی

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قال العقيلي لا اصل له، وقد اخرجه البيهقي في شعب الايمان من الطريق الاولى، في اسناده كذاب، وقد اخرج له البيهقي شواهد، من حديث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مرفوعا، ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني عن امتي السلام ومن حديث ابن عباس مرفوعا ليس احد من امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم الا وهي تبلغ، يقول الملك فلان يصلي عليك، واخرج ابو داود والبيهقي عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مامن احد يسلم علي الا رد الله الي روحي حتى ارد علیہ السلام، وقد ذكر له صاحب اللآلي شواهد كثيرة'' (الفوائد المجموع في الاحاديث الموضوع للعلامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۲۵ بیروت)

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جن حضرات نے بھی اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے۔ انہی حضرات نے اس کے معنی کو درست قرار دیا ہے اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھا ہے اور اسی کو تلقی بالقبول کہتے ہیں۔ لہٰذا محدثین کے ذکر کردہ اصول تلقی بالقبول کی رو سے یہ روایت بالکل صحیح اور قابل استدلال ہے۔

غلط فہمی نمبر ۷

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''تو یہ ہے وہ موضوع من گھڑت روایت، جس کے بناء پر سردار جی اور اس کے ہم خیال سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر الشریف کے قائل ہیں۔ اس موضوع حدیث کے بارے میں صرف یہ کہنا کہ بڑے بڑے محدثین نے ذکر کیا ہے، نا قابل التفات ہے اور سراسر اصول حدیث کے خلاف ہے۔'' (البرہان الجلی ص ۱۸۸)

ازالہ: یہ بات علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے، کیونکہ محدثین نے موضوع ''محمد بن مروان'' والی سند کو لکھا ہے نہ کہ ''ابو الشیخ'' والی سند کو جب کہ ''ابو الشیخ'' والی سند ''جید'' ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب کا مطلقاً اس روایت کو موضوع کہنا درست نہیں، کیونکہ موضوع روایت اور ہے مستدل اور۔

باقی علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ: ''صرف یہ کہنا کہ بڑے بڑے محدثین نے ذکر کیا ہے نا قابل التفات ہے۔'' محض تحکم اور سینہ زوری ہے۔ اس لئے کہ اگر محدثین اپنی کتب میں اس روایت کو صرف ذکر کرتے تو بھی کوئی بات تھی، لیکن محدثین نے محض ذکر پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ ''ابوالشیخ'' کی روایت کو صحیح اور جید بھی لکھا ہے۔ کیا محدثین کا اس روایت کو صحیح اور جید قرار دینا بھی نا قابل التفات ہے؟

آیئے! ان حضرات محدثین کا ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے محض ذکر ہی نہیں بلکہ جید اور صحیح بھی کہا۔ ہم امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ اور معروف ہیں اور محدثین کی خاصی جماعت اس حدیث کو صحیح مانتی اور کہتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''ابوالشیخ'' کی مذکورہ روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''بسند جید'' (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وسندہ جید'' (القول البدیع ص ۱۱۶)

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی سند کو ''جید'' جید کہتے ہیں۔ (مرقات ج ۴ ص ۱۰)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی سند کو ''جید'' فرماتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: ''سندہ جید'' (دلیل الطالب ص ۸۴۴)

نیز مندرجہ ذیل حضرات نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

(حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جلاء الافہام ۲۲، تفسیر مظہری ج ۷ ص ۳۷۲، امام المفسرین والموحدین نے تحریرات حدیث ص ۳۳۰ جدید)

قاضی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلّی

جماعت اشاعت التوحید والسنہ کے سابق امیر، حضرت مولانا قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''جس حدیث کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ صحیح ہے اگر ہم کہیں یہ صحیح نہیں، تو کوئی دانش مندی کی بات نہ ہوگی۔'' (دعوت الانصاف ص ۱۸۱)

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حدیث من صلّی

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مناظرہ میں اسی حدیث کو دلیل بنایا ہے، سوانح شیخ القران میں لکھا ہے کہ: ''چھچھ کے علاقہ میں حضرت مناظرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اس موقعہ پر انہوں نے تقریر فرمائی اور حدیث: ''من صلی علی عندقبری سمعته و من صلی علی نائیا ابلغته'' پڑھی۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو آدمی میرے قبر کے قریب درود شریف پڑھے میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور دراز جگہ میں پڑھے تو اللہ کے فرشتے مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس پر میاں عبدالحق غور غشتی والے نے بڑے درشت لہجہ میں کہا جھوٹ کہہ رہے ہو، غلط کہہ رہے ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر جگہ حاظر و ناظر ہیں اور ہر ایک آدمی کا درود شریف بنفس نفیس خود سنتے ہیں۔ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ قرآن مجید سے کوئی آیت یا احادیث مبارکہ سے کوئی حدیث دکھا دیں۔ جس میں لکھا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لوگوں کے درود شریف کو خود ان کے پاس جا کر سنتے ہیں۔

(سوانح شیخ القرآن ص ۳۲۶ طبع کتب خانہ رشیدیہ)

ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' اور حدیث من صلی

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی شائع ہونیوالے رسالے ماہنامہ تعلیم القرآن ۔ میں ہے کہ اس حدیث کی جو سند ''سدی صغیر'' پر مشتمل ہے۔ اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث ہذا کی دوسری سند بھی ہے، جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الحنفی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ''قال میرک نقلا عن الشیخ و رواہ ابو الشیخ و ابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال ''بسند جید'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۴۸، اکتوبر ۱۹۶۷ء بحوالہ تسکین الصدور)

علامہ خان بادشاہ صاحب سے تیسرا سوال

علامہ صاحب نے لکھا ہے کہ: ''موضوع حدیث سے استدلال کرنا شیطانی کام ہے نہ کہ عالم دین کا کام'' علامہ صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ تمام محدثین جس نے اس کی 'متن'' کو قبول کیا ہے اور جس نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔ کیا ان حضرات نے شیطانی کام کیا ہے؟ اور مزید جسارت کرتے ہوئے عرض گزار ہیں کہ کیا امام المفسرین، حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ بھی شیطانی کام کے مرتکب تھے یا ان کے لئے کوئی الگ پیمانہ بروئے کار لایا جائے گا؟

غلط فہمی نمبر ۸

علامہ صاحب حدیث مذکور پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''واما استدلاله السادس فهو ايضا مردود عليه، لان الخصم لا يقدر ان يبين توثيق عبدالرحمن بن احمد الاعرج'' کہ ان کا چھٹا استدلال بھی اسی طرح مردود ہے۔ اس لئے کہ خصم ''عبدالرحمن بن احمد الاعرج'' کی توثیق بیان کرنے پر قادر نہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲۸۴)

اور پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: ''فعلم منه ان برواية الاثنين، لا ترفع الجهالة مالم يوثق، فينبغى للخصم ان يبين توثيقه ثم يثبت رواية الاثنين منه، مع ان هذا كلاهما مفقودان، لانه قال ذكره ابو نعيم وما قال الخصم بانه روى عنه ابو نعيم، و بينهما فرق واضح، و ككـ ماثبت توثيقه'' (الصواعق المرسلہ ص ۲۸۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دو راویوں کی روایت سے جہالت رفع نہیں ہو سکتی۔ جب تک ان کی توثیق ثابت نہ ہو، تو خصم کے لئے مناسب ہے کہ ان کی توثیق بیان کرے اور پھر ان سے دو راویوں کی روایت ثابت کرے۔ حالانکہ یہ دونوں مفقود ہیں۔ کیونکہ اس نے یہ کہا کہ ابونعیم نے اس کو ذکر کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ ابونعیم ان سے روایت کرتے ہیں اور ان دونوں میں واضح فرق ہے اور اسی طرح اس کی توثیق بھی ثابت نہیں کی۔

__ازالہ:__ حسب سابق ''علامہ موصوف'' یہاں بھی غلط فہمی کا شکار ہیں، کیونکہ علامہ صاحب کے اعتراض کا خلاصہ دو باتیں ہیں: (۱) امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ''عبدالرحمن بن احمد الاعرج'' کی توثیق ثابت کریں۔ (۲) پھر ان سے دو راویوں کی روایت ثابت کرے۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو ''تسکین الصدور ص ۳۲۶'' کھولیں۔ اس میں صاف لکھا ہوا موجود ہیں: ''ان سے علاوہ، امام ابوالشیخ اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کے، القاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بھی روایت کرتے ہیں۔ (تاریخ اصفہان ج ۲ ص ۱۱۳)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تو واضح کر دیا کہ: ''عبدالرحمن بن احمد الاعرج'' سے روایت کرنے والے دو ہیں: (۱) امام ابوالشیخ اصفہانی۔ (۲) قاضی ابواحمد محمد بن احمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ۔

پھر بھی علامہ صاحب کا یہ اصرار کرنا کہ خصم نے عبدالرحمن سے دو راویوں کی روایت ثابت نہیں کی، بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ رہی پہلی بات کہ ''عبدالرحمن'' کی توثیق ثابت نہیں تو ہم نے پہلے اصول حدیث کا مسلم اصول ''تلقی بالقبول'' ذکر کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حدیث کی سند ضعیف ہو، تو تلقی بالقبول سے یہ ضعف ختم ہو جاتا ہے اور تلقی بالقبول سے درجہ تواتر تک پہنچ جاتی ہے۔

اور حدیث مذکور کو بھی تلقی بالقبول حاصل ہے، کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ اس کے مضمون کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر عبدالرحمن کی توثیق ثابت نہ بھی ہو، پھر بھی تلقی بالقبول کے اصول کے پیش نظر یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ جماعت اشاعت التوحید کے جید عالم، علامہ محمد حسین شاہ نیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر وہ حدیث جس کی سند میں کوئی ایک آدھ راوی ضعیف ہو، تو صرف اس بنیاد پر اس حدیث کو متن کے لحاظ سے بھی ضعیف اور نا قابل اعتبار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ بارہا ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک حدیث گو سند کے لحاظ سے تو ضعیف ہوتی ہے، مگر بلحاظ متن کے وہ صحیح ہوتی ہے۔ حضرت علامہ زکریا بن محمد انصاری رحمۃ اللہ علیہ فتح الباقی حاشیہ الفیہ العراقی ص ۱۵ میں تحریر فرمایا ہے: وقد یحسن المتن دون الاسناد، کروایۃ الترمذی عن عمران بن حصین مرفوعا من قرأ القرآن فلیسال اللہ بہ، وقال بعدہ ھذا حدیث حسن بغیر اسنادہ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلحاظ متن حدیث حسن ہوتی ہے، مگر باعتبار اسناد یہ حدیث حسن نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت جو کہ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے: ''من قرأ القرآن فلیسال اللہ بہ'' کہ جو شخص قرآن مجید کی قرأت کرتا ہے تو اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے اس کا اجر مانگنا چاہئے۔ اس کے بعد امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے، مگر اس کی اسناد حسن نہیں اور اسناد کے ضعیف ہونے سے متن کا ضعیف ہونا قطعی امر نہیں۔'' (مجموعہ رسائل نیلوی ج ۵ ص ۱۳۰، ۱۳۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ کسی راوی کے معمولی ضعف کی وجہ سے اس روایت کا متن بھی واجب الرد ہو جائے اور اس پر عمل کرنا حرام ہو جائے اور ایسی بہت احادیث ہیں جن کا راوی تو ضعیف ہوتا ہے، لیکن اہل علم اس پر عمل کرتے ہیں۔'' (ایضاً ج ۵ ص ۱۳۰، ۱۳۱)

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''اور تعامل امت سے اس کو مزید قوت حاصل ہو گئی۔'' (ایضاً ج ۶ ص ۱۶۵)

مولانا ثناء اللہ امرتسری سے اپنی تائید نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''بعض ضعف ایسے ہیں، جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔'' (ایضاً ج ۵ ص ۱۶۶)

مزید لکھتے ہیں: ''نیز کئی شرعی مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق سوائے ایک ضعیف حدیث کے کوئی ثبوت نہیں ہے، لیکن متفقہ طور پر امت کا عمل اسی پر ہے۔'' (ایضاً ص ۱۶۶)

حدیث: من صلی۔۔۔ الخ کے لئے جو اصول تلقی بالقبول ہم نے ذکر کیا ہے، اس کی تائید ہم نے علامہ خان بادشاہ صاحب ہی کے گھر سے پیش کی، جس سے واضح ہوا کہ حدیث مذکور متناً بالکل صحیح ہے۔ اگر محدثین حضرات نے اس کی سند پر بحث کی ہے تو ان کا مقصد یہ نہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یعنی محدثین کرام جہاں کہیں کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگاتے ہیں تو ان کا مقصد ظاہر سند کو دیکھ کر حکم

لگانا ہوتا ہے ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ نفس الامر میں بھی یہ بلا شبہ صحیح یا ضعیف ہے۔'' (مجموعہ رسائل نیلوی ج ۵ ص ۱۳۴)

بالکل اسی طرح جن حضرات نے اس روایت کی سند پر بحث کی ہے ان حضرات کا مقصد اس کے متن کو رد کرنا نہیں ہے، بلکہ سند کو واضح کر کے متن کو معمول بہا بتایا اور ''عبدالرحمن بن احمد الاعرج'' کی اس ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہی اصول نقل فرمایا کہ اگر بالفرض اس میں کچھ معمولی سا ضعف اور کمی بھی ہو تو امت مسلمہ کے اجماع اور اس پر تعامل سے وہ ضعف بھی رفع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے قابل احتجاج ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث مذکور کے تحت اسی اصول کو ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ: ''علامہ طاہر بن صالح الجزائری حافظ ابن حزم الظاہری کے حوالہ سے لکھتے ہیں: واذا ورد الحديث مرسل, او في احد ناقليه ضعف, فوجدنا ذالک الحديث مجمعا على اخذه والقول به, علمنا يقينا انه حديث صحيح لاشک فيه'' اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ (توجیہ النظر الی اصول الاثر طبع دوم ص ۵۰)

اور اس پیش کردہ حدیث کا مقام بھی یہی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کوئی شخص اہل السنۃ والجماعۃ میں ایسا نہیں گزرا، جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا آپ کے سماع عند القبر پر اتفاق ہے کوئی اس کا مخالف نہیں گزرا اور کتب اہل اسلام میں اس کے خلاف ایک بھی صریح حوالہ موجود نہیں ہے۔ ''من ادعی فعليه البيان'' (تسکین الصدور ص ۳۳۱)

علامہ صاحب سے چوتھا سوال

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے دعوی کے پیش نظر ہم علامہ صاحب سے مطالبہ کرتے ہیں کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے چیلنج کا جواب دے کر اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھنے والے کسی ایک فرد کا نام لیں، جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع اور حیات جسمانی کے انکار پر تصریح کی ہو؟

ایک اور اصولی جواب

اگر کسی حدیث کی سند میں ضعف ہو تو شواہد سے وہ رفع ہو جاتا ہے اور ماقبل میں علامہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں اور جب محدثین کے ہاں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں اور شواہد کی وجہ سے اس کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود علامہ صاحب کا اس کو موضوع قرار دینا قرین انصاف نہیں ہے بلکہ تحکم ہے۔

علامہ خان بادشاہ صاحب کا ''حسن بن صباح'' پر جرح اور اس کا جائزہ

قارئین حضرات! امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ حدیث ''من صلی......'' کے دوسرے راوی ''حسن بن صباح'' کی توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جن لوگوں نے اس راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر اس سند کو کمزور کرنے کی لاحاصل سعی کی ہے، وہ اسماء الرجال سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۳۲۹)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر گرفت کرتے ہوئے علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وما قال ان

الحسن بن الصباح ثقة لا اختلاف فيه، ومن قال به فليس له علم بالرجال فهو ايضا مردود عليه، لانه وان وثقه بعض العلماء، لكن قال العلامه ابن حجر "صدوق يهم" وقال قال النسائى اسماء شيوخه "بغدادى صالح" وقال فى الكنى "ليس بالقوى" قال الذهبى قال النسائى "ليس بالقوى" وقال مرة "صالح" هل هذه كتب اسماء الرجال او كتب فن آخر، اليس الاختلاف منقولة عن بعض الائمة فى هذا الراوى، وان كان منقولا كما هو الحقيقة فكلامك مردود وليس لك علم بكتب اسماء الرجال، ولذا تنقل التوثيق و تحذف الجرح الذى يقوله النقاد بلفظ لكن بعد التوثيق، لان هذا العلم مختص بجسدك الكريم " اور جو کہا ہے کہ حسن بن صباح ثقہ ہے اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں اور جس نے بھی اختلاف کا قول کیا ہے تو اس کو اسماء الرجال کا علم نہیں تو یہ بھی اسی طرح مردود ہے۔ کیونکہ اگرچہ بعض علماء نے ان کی توثیق کی ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے "صدوق یھم" کہا ہے اور نیز فرمایا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ نے اپنے شیوخ کے اسماء میں "بغدادی صالح" کہا ہے اور "کنی" میں "لیس بالقوی" کہا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ نے "لیس بالقوی" اور ایک مرتبہ "صالح" کہا ہے۔ کیا یہ اسماء الرجال کی کتب نہیں یا یہ کسی اور فن کی کتابیں ہیں اور کیا اس راوی کے بارے میں بعض ائمہ سے اختلاف منقول نہیں؟ اور اگر منقول ہے جیسا کہ یہ حقیقت بھی ہے تو پھر آپ کا کلام مردود ہے اور تجھے اسماء الرجال کی کتابوں کا کوئی علم نہیں اور اسی وجہ سے توثیق نقل کر کے اس جرح کو چھوڑتے ہو جو نقاد "لکن" کے لفظ سے توثیق کے بعد کہتے ہیں، کیونکہ یہ علم آپ کے ذات مکرم کے ساتھ خاص ہے۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲۸۵، ۲۸۶)

یہاں امام اہل السنہ رحمۃ اللہ کی بات اور علامہ خان بادشاہ صاحب کی بات میں زمین و آسمان کا فرق ہے علامہ صاحب کو بس امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ کی عبارت سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ پہلے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ کی عبارت

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: "جن لوگوں نے اس راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر اس سند کو کمزور کرنے کی لا حاصل سعی کی ہے، وہ اسماء الرجال سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔" (تسکین الصدور ص ۳۲۹)

عبارت مذکورہ پر علامہ صاحب کی گرفت

اب علامہ صاحب نے مذکورہ عبارت پر جو گرفت کی ہے وہ بھی ملاحظہ کریں لکھتے ہیں: "وما قال ان الحسن بن الصباح ثقه لا اختلاف فيه، ومن قال به فليس له علم بالرجال، فهو ايضا مردود عليه"

(الصواعق المرسلہ ص ۲۸۶)

قارئین! خود موازنہ کریں جو علامہ صاحب نے کہا ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ نے "حسن بن صباح" کو ثقہ بلا اختلاف لکھا ہے اور کہا ہے کہ جس نے بھی اختلاف کا قول کیا ہے اس کو اسماء الرجال کا علم نہیں۔

قارئین! یہ بات امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ کی کتاب میں کہاں ہے؟ علامہ صاحب اپنی بولی بول کر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ کے ذمے لگا رہے ہیں۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس راوی پر سرے سے جرح ہی موجود نہیں یا یہ راوی ثقہ بلا اختلاف ہے اور جس نے جرح کی ہے وہ اسماء الرجال سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ صاحب نے سمجھا ہے اور اندھا دھند اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی بلکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ کی عبارت کا مقصد یہ

ہے کہ جو حضرات ''حسن بن صباح'' کو مختلف فیہ قرار دے کر اس سند کو ''حسن بن صباح'' کی وجہ سے کمزور اور ضعیف قرار دیتے ہیں وہ اسماء الرجال سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ ''حسن بن صباح'' پر جو جرح موجود ہے۔ اس کی وجہ سے کسی طرح بھی سند مذکورہ کمزور وضعیف نہیں بن سکتی اگر علامہ صاحب کا دعوی ہے کہ ''حسن بن صباح'' کی وجہ سے مذکورہ سند کمزور وضعیف بنتی ہے تو ان کو چاہئے کہ اپنا یہ دعوی ثابت کریں۔

خلاصہ کلام کہ راوی کو مختلف فیہ کہہ کر سند کو ضعیف قرار دینا جیسا کہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے لکھا ہے اور بات ہے اور کسی راوی کے بارے میں کوئی جرحی کلمات کا منقول ہونا اور بات ہے۔ (وبینھما بون بعید)

اگر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ یہ لکھتے کہ جس نے اس راوی پر جرح کی ہے وہ اسماء الرجال سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں تو پھر علامہ صاحب کا یہ لمبا چوڑا تبصرہ بجا تھا، لیکن امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے نہ تو یہ لکھا ہے اور نہ دعوی کیا ہے، اس کے باوجود علامہ صاحب کا یہ تبصرہ کرنا غلط فہمی ہی ہے۔

حسن بن صباح پر علامہ صاحب کی جرح کا جائزہ

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی ایک عبارت پر علامہ صاحب نے بے جا اور بے محل اعتراض کیا اور بڑے شد و مد کے ساتھ ''حسن بن صباح'' راوی پر جرح نقل کی ہے جو علامہ صاحب کے لئے ذرہ بھی سودمند نہیں اور نہ ہی راوی ''حسن بن صباح'' کی ثقہ ہونے کو مضر۔

علامہ صاحب کی جرح کا جائزہ لیتے ہیں۔ ملاحظہ کریں:

پہلی جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے مذکورہ بالا تبصرہ میں ''حسن بن صباح'' پر پہلی جرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے ''صدوق یھم'' نقل کی ہے، لیکن علامہ صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اصول حدیث کی رو سے ''یھم'' کے لفظ سے جرح کوئی ایسی جرح نہیں، جس سے راوی کی ثقہ ہونے پر کچھ اثر پڑے ''یھم'' لفظ سے جرح کے باوجود راوی مذکور بدستور ثقہ ہے، علامہ ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اذا قالوا فی رجل لہ اوھام، او یھم فی حدیثہ، او یخطی فیہ، لا ینزل لہ عن درجۃ الثقۃ'' کہ جب ائمہ کسی راوی کے بارے میں ''لہ اوھام'' اور یا ''یھم فی حدیثہ'' اور یا ''یخطی فیہ'' جیسے الفاظ سے جرح کریں، تو یہ جرح اس راوی کو ثقہ کے درجہ سے نہیں گراتے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۵)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وقد یقع لثقۃ وھم، او اوھام یسیرۃ، فلا یخرج ذلک عن کونہ ثقہ'' کہ کبھی کبھی ثقہ راوی کو وہم یا اوہام یسیرہ ہو جاتے ہیں تو یہ ان کو ثقہ ہونے سے خارج نہیں کرتے اور پھر شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ رحمہ اللہ نے علامہ عثانی رحمہ اللہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ (حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۱۵۹)

دوسری جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے ''حسن بن صباح'' راوی پر دوسری جرح امام نسائی رحمہ اللہ سے نقل کی ہے امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لیس بالقوی'' اور دوسرا قول امام نسائی رحمہ اللہ سے ''صالح'' نقل کیا ہے۔ پہلی جرح اور دوسری تعدیل ہے، اصولی طور پر یہاں امام نسائی رحمہ اللہ کے دونوں اقوال میں سے تعدیل مقدم ہوگی۔ کیونکہ علامہ ظفر احمد عثانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قلت واذا اختلف قول الناقد فی رجل فضعفہ مرۃ وقواہ اخری فالذی یدل

علیہ صنیع الحافظ ان الترجیح للتعدیل ویحمل الجرح علی شیء بعینہ'' میں کہتا ہوں کہ ... کسی راوی کے بارے میں ناقد کے قول میں اختلاف پایا جائے۔ ایک مرتبہ اس کی تضعیف کرے اور دوسری مرتبہ توثیق تو جس پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار دلالت کر رہی ہے وہ ہے کہ ترجیح تعدیل کو ہوگی اور جرح کسی معین چیز پر حمل کیا جائے گا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۳۰)

اب اس اصول کے پیش نظر حسن بن صباح راوی کے بارے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''صالح'' کو ترجیح دی جائے گی اور ''لیس بالقوی'' جرح مرجوح قرار دی جائے گی۔ جس کا اس راوی پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور اگر علامہ صاحب پھر بھی ''لیس بالقوی'' جرح پر مصر ہو تو بھی اکیلا ''لیس بالقوی'' جرح ایسی جرح نہیں جس سے یہ سند اور یہ راوی ضعیف بن جائے، بلکہ اس کے باوجود بھی راوی ثقہ اور ''حسن الحدیث'' ہے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہے: ''وھذا النسائی قد قال فی عدۃ ''لیس بالقوی'' ویخرج لھم فی ''کتابہ'' فان قولنا (لیس بالقوی) لیس بجرح مفسد'' اور یہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ہے، اس نے بہت سارے راویوں کے بارے میں ''لیس بالقوی'' کہا ہے اور اپنی کتاب میں ان سے تخریج کرتے ہیں، کیونکہ ہمارا قول ''لیس بالقوی'' جرح مفسد نہیں ہے۔ (الموقظہ ص ۸۲ بیروت)

اسی طرح علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''فلان مجرد الجرح بکون الراوی لیس بالقوی، لا ینافی کونہ حدیثا حسنا ان لم یکن صحیحا'' کہ راوی پر صرف ''لیس بالقوی'' سے جرح کرنا، اس کے حدیث کے حسن ہونے کی منافی نہیں اگر چہ صحیح نہ ہو۔ (مجموعہ رسائل لکھنوی ج ۳ ص ۱۶۱)

علامہ خان بادشاہ صاحب ہی بتائیں کہ جرح مذکور سے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر کون سی زد پڑی ہے، کیا امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ جو بھی اس راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر اس سند کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسماء الرجال سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں سولہ آنے صحیح نہیں؟

غلط فہمی نمبر ۹

علامہ صاحب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ولیس لک علم بکتب اسماء الرجال، ولذا تنقل التوثیق وتحذف الجرح الذی یقولہ النقاد بلفظ لکن بعد التوثیق'' اور آپ کو اسماء الرجال کے کتب پر علم نہیں ہے، اسی وجہ سے توثیق نقل کرتے ہیں اور اسی جرح کو حذف کرتے ہیں جس کو نقاد توثیق کے بعد ''لکن'' سے نقل کرتے ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲۸۶)

ازالہ: علامہ صاحب کے ساتھ ساتھ یہی اشکال اکثر سطحی نظر والے حضرات کو ہے۔ حالانکہ اگر علامہ صاحب سمیت ان کے ہم نوا تمام معترضین نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا بنظر انصاف مطالعہ کیا ہوتا تو کسی کو بھی غلط فہمی نہ ہوتی۔ چنانچہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ہم نے بعض مقامات پر ائمہ جرح وتعدیل اور جمہور محدثین کرام کے مسلمہ اور طے شدہ اصول وضوابط کے عین مطابق ثقہ راویوں سے متعلق ثقاہت اور عدالت کے اقوال نقل کئے ہیں، لیکن اگر بعض ائمہ کا کوئی جرحی کلمہ ملا ہے تو وہ نظرانداز کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر کسی ضعیف اور کمزور راوی کے بارے میں کسی امام کا کوئی توثیق کا جملہ ملا ہے تو اس کو بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا کیونکہ فن رجال سے ادنی واقفیت رکھنے والے حضرات بھی بخوبی اس سے واقف ہیں کہ کوئی بھی ایسا ثقہ جس پر جرح کا کوئی کلمہ منقول نہ ہو یا ایسا ضعیف جس کو کسی ایک نے بھی ثقہ نہ کہا ہو کبریت احمر کے مترادف ہے، حضرات صحابہ کرام کا رتبہ کسی سے مخفی نہیں

اور "الصحابۃ کلھم عدول" کے جملہ سے کون اہل علم نا واقف ہے، مگر خوارج اور روافض کا نظریہ بھی ان کے بارے میں پوشیدہ نہیں ہے۔ بایں ہمہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور ائمہ جرح وتعدیل اور اکثر ائمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔" (احسن الکلام ا ص ۶۱)

اس واضح موقف کے ہوتے ہوئے اعتراض کرنا کہ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ توثیق ذکر کرتے ہیں اور جرحی کلمہ چھوڑ دیتے ہیں سراسر غلط فہمی ہے۔

علامہ صاحب کا "ابومعاویہ" پر جرح

علامہ صاحب حدیث "من صلی ...... پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بان ابا معاویہ کان "مدلسا" وکان "رئیس المرجئہ" وذکرہ ابن حبان فی الثقات، وقال حافظا، متقنا، ولکنہ کان مرجئا، خبیثا، وقال ابن سعد کثیر الحدیث یدلس "کہ ابومعاویہ "مدلس" اور "رئیس المرجۃ" تھے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور اس کو "حافظ" اور "متقن" کہا ہے اور وہ "خبیث مرجئی" تھے اور ابن سعد نے "کثیر الحدیث" اور "مدلس" کہا ہے۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲۸۶)

اسی راوی پر علامہ صاحب نے (ص ۲۴۹) پر بھی بحث کی ہے جس کا یہاں حوالہ دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: "اقول قال الذہبی قال عبد اللہ بن احمد، سمعت ابی یقول ہو فی غیر الاعمش مضطرب لا یحفظھا حفظا جیدا، علی بن مسہر احب الی منہ فی الحدیث، وقال الحاکم احتج بہ الشیخان وقد اشتہر عنہ الغلو ای غلو التشیع، وروی عباس عن ابن معین قال روی ابو معاویہ عن عبید اللہ احادیث مناکیر، وقال العجلی ثقۃ یری الارجاء، وقال یعقوب بن شیبہ ثقۃ ربما دلس وکان یری الارجاء، ثم قال ان وکیعا لم یحضر جنازتہ للارجاء، وقال ابو داود کان مرجئا، قال العلامہ ابن حجر قال یعقوب بن شیبہ کان من الثقات ربما دلس وکان یری الارجاء، وقال الآجری عن ابی داود کان مرجئا وقال مرۃ رئیس المرجئہ بالکوفۃ، وذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال کان حافظا، متقنا، لکنہ کان مرجئا خبیثا، (وقال ابن حجر) قلت وقال ابن سعد کان ثقۃ کثیر الحدیث یدلس وکان مرجئا، وقال ابوزرعہ کان یری الارجاء قیل لہ کان یدعوا الیہ قال نعم، قال ابو داود قلت لاحمد کیف حدیث ابی معاویہ عن ہشام بن عروہ؟ قال فیھما احادیث مضطربہ یرفع منھما الی النبی ﷺ" (الصواعق المرسلہ ص ۲۴۹، ۲۵۰)

علامہ صاحب کی اس طویل وعریض عبارت سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں: (۱) ابومعاویہ ثقہ، حافظ، متقن ہے (۲) مدلس (۳) خبیث مرجئی تھا۔ (۴) اعمش کے علاوہ دوسروں سے روایت کرنے میں مضطرب تھے (۵) علی بن مسہر احب الی منہ فی الحدیث (۶) قال ابو داود قلت لاحمد کیف حدیث ابی معاویہ عن ہشام بن عروہ؟ قال فیھما احادیث مضطربۃ یرفع منھا الی النبی ﷺ۔

علامہ صاحب چونکہ حدیث من صلی ...... الخ کو کمزور اور ضعیف قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں اس لئے "ابومعاویہ" پر اسماء الرجال سے اتنی لمبی عبارتیں نقل کی ہیں، لیکن جس مقصد کے لئے اتنی محنت کی ہے۔ یقین جانئے اس کے قریب سے بھی نہیں گزرے۔ کیونکہ علامہ صاحب کا مقصود "ابومعاویہ" کو ایسا مجروح قرار دینا ہے جس سے روایت مذکورہ ضعیف ہو سکے۔ حالانکہ علامہ صاحب نے جتنی جرحیں نقل کی ہیں جن کا خلاصہ تقریباً (۶) باتیں ہیں ان

میں ایک جرح بھی ایسی نہیں جس سے یہ حدیث ضعیف بن سکے۔

اب ترتیب وار اس جرح کا جائزہ ملاحظہ کرتے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ علامہ صاحب نے مذکورہ عبارت جو نقل کی ہے اس میں تسلیم کیا ہے کہ ''ابو معاویہ'' ثقہ اور مضبوط راوی ہے جس کی طرف خلاصہ میں ہم نے نمبر ا کے تحت اشارہ کیا ہے۔

علامہ صاحب کا ''ابو معاویہ'' پر پہلی جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے ''ابو معاویہ'' پر ایک جرح مدلس ہونے کا ذکر کی ہے کہ ''ابو معاویہ'' مدلس تھے۔

محترم! ہم مانتے ہیں کہ ''ابو معاویہ'' مدلس تھے لیکن اس روایت میں اس پر تدلیس سے جرح کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ مدلس کی وہ روایت ضعیف ہوتی ہے، جو روایت وہ ''عن'' سے کریں اور یہاں پر روایت ''ابو معاویہ'' اعمش سے بلفظ ''حدثنا'' کرتے ہیں پھر بھی مدلس کہہ کر جرح کرنا محض غلط فہمی ہے۔

علامہ صاحب کا ''ابو معاویہ'' پر دوسری جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے ''ابو معاویہ'' پر دوسری جرح ''ارجاء'' نقل کی ہے کہ یہ مرجئ تھا، ہمیں یہ بھی تسلیم ہے کہ ''ابو معاویہ'' مرجئ تھا، لیکن علامہ صاحب کو اطلاعاً عرض ہے کہ یہ صحیحین کا راوی ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا اس کا مرجئ ہونا صحیحین کی روایت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کے مرجئ ہونے کی وجہ سے بخاری و مسلم کی روایات بھی ضعیف بن جاتی ہیں تو پھر وہ صحیحین کیسے کہلاتے ہیں؟ جب کہ آپ کے قول کے مطابق ان میں ضعیف روایات بھی موجود ہیں اور صرف اتنا ہی نہیں اس کو ثابت کرنا بھی آپ کے ذمے ہوگا اور اگر ان کا مرجئ ہونا صحیحین کی روایات پر اثر انداز نہیں، بلکہ ان کے ہوتے ہوئے بھی ان کی روایت صحیح اور قابل استدلال ہیں تو پھر یہاں اثر انداز کیسے ہوسکتا ہے۔ بایں ہمہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قلت و علم بذلک ان وجود ادنی بدعة فی الراوی، لا یضر ایضا ولا ینزله عن الثقة'' میں کہتا ہوں کہ اس سے معلوم ہوا، کہ راوی میں ادنی درجے کی بدعت کا موجود ہونا مضر نہیں اور اسی طرح اس کو ثقہ کے مرتبہ سے بھی نہیں گراتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ''ابو معاویہ'' کا مرجئ ہونا روایت مذکورہ پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۶)

تیسری جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے ''ابو معاویہ'' پر تیسری جرح یہ کی ہے کہ اعمش کے علاوہ دوسروں سے روایت کرنے میں مضطرب تھے۔ علامہ صاحب کا یہ جرح نقل کرنا بے محل ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ روایت اعمش کے علاوہ دوسروں سے ہوتا تو بجا تھا، لیکن جب یہ روایت ''اعمش'' ہی سے ہے اور ''اعمش'' سے روایت کرنے میں اثبت ہے تو پھر یہ جرح یہاں نقل کرنا تضییع اوقات اور تسوید اوراق کے سواء کچھ نہیں۔

چوتھی جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے ''ابو معاویہ'' پر چوتھی جرح یہ نقل کی ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: ''علی بن مسهر احب الی منه فی الحدیث''

علامہ صاحب آپ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اصول حدیث کی رو سے یہ جرح نہیں۔ ملاحظہ کریں:

(الرفع والتکمیل ص ۲۶۱، ۲۶۲، وقواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۳)

تفصیل آگے ''زاذان'' راوی پر تبصرہ کے ضمن میں آ رہی ہے۔ علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''کثیر اما یقول ائمۃ الجرح والتعدیل، فی حق راو انہ لیس مثل فلان، کقول احمد فی (عبد اللہ بن عمر العمری) انہ لیس مثل اخیہ ای عبید اللہ بن عمر العمری، او ان غیرہ احب الی، ونحو ذلک، وھذا کلہ لیس بجرح''

(الرفع والتکمیل ص ۲۶۱، قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۳)

پانچویں جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے ''ابومعاویہ'' پر یہاں پانچویں بے جا جرح یہ نقل کی ہے کہ امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ: ''ابی معاویہ عن ھشام بن عروہ'' حدیث کیسی ہے؟ تو امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں مضطرب احادیث ہیں۔

علامہ صاحب! جب یہاں پر ''ابومعاویہ'' ہشام بن عروہ سے روایت نہیں کرتے، بلکہ اعمش سے روایت کرتے ہیں اور اعمش سے روایت کرنے میں وہ اثبت ہے تو پھر یہاں پر یہ جرح نقل کرنا بھی محض غلط فہمی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابومعاویہ'' روای پر جو مختصر اور جامع کلام کیا ہے وہ بالکل درست ہے اور علامہ صاحب نے جو ''ابومعاویہ'' کو ضعیف قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سعی لا حاصل کی ہے وہ سب بلا فائدہ اور بے محل ہے۔

علامہ صاحب کا امام ''اعمش'' رحمۃ اللہ علیہ پر جرح اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب نے حدیث: ''من صلی...... الخ'' پر بحث کرتے ہوئے ایک راوی ''سلیمان بن مھران الاعمش'' پر جرح کی ہے، لیکن یقین جانئے کہ اس سے امام اعمش اور ان کی مذکورہ روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم اس کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں: علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''وکک مر الکلام علی الاعمش، بان العلامۃ الذھبی قال ھو یدلس، ربما دلس عن ضعیف، وکک قال العلامۃ ابن حجر، وکان مدلسا'' اور اسی طرح اعمش پر کلام گزر گیا ہے کہ علامہ ذہبی نے فرمایا ہے کہ وہ مدلس تھے اور کبھی کبھار ضعیف سے تدلیس کرتے ہیں اور اسی طرح علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وہ مدلس تھے۔ (الصواعق المرسلۃ ص ۲۸۶)

پھر علامہ صاحب نے ص ۳۵۰ پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق اعمش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقول وانظر الی خداعہ، قال الحافظ ابن حجر قال ابو بکر البزار لم یسمع من ابی سفیان شیئا، وقد روی عنہ نحو مائۃ حدیث...... الخ'' (الصواعق المرسلۃ ص ۲۵۰)

قارئین کرام! یہاں پر یہ عبارت ہم نے صرف اس مقصد کے لئے نقل کی ہے کہ علامہ صاحب نے الزام لگایا ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دھوکہ دیا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ آخر علامہ صاحب کس چیز کو دھوکہ قرار دیتے ہیں۔ اگر علامہ صاحب کا مقصد یہ ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعمش کا پورا ترجمہ نقل نہیں کیا اور تمام عبارات نقل نہیں کئے تو علامہ صاحب! اس میں دھوکہ کی کون سی بات ہے؟ امام اعمش جو صحاح کا مرکزی راوی ہے بلا شک

وشبہ ثقہ ہے اور عبارات میں سے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی عبارات کو نظر انداز کیا ہے تو علامہ صاحب ہی بتائے کہ وہ کون سی عبارت ہے جو روایت مذکورہ پر اثر انداز ہو رہا ہے، جس سے روایت ضعیف بن جاتی ہے علامہ صاحب نے جتنی عبارات ذکر کی ہیں ان میں ایک جرح بھی ایسی نہیں جس سے ہم روایت مذکورہ کو ضعیف کہہ سکیں۔ ہاں! ایک جرح جو علامہ صاحب نے کی ہے تدلیس کی تو اس کا بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ خود جواب دے چکے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''ان میں تشیع تھا مگر کیا یہ اسی حدیث پر اثر انداز ہے یا صحاح ستہ کی تمام روایات پر بھی، جن کو امت مسلمہ صحیح سمجھتی ہے ان کا نام سلیمان بن مہران تھا جلیل القدر محدث اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہے۔ مؤلف اقامۃ البرہان نے اس پر خاصہ زور صرف کیا ہے کہ یہ مدلس ہے اور بغیر تصریح سماع کے ان کی احادیث قابل احتجاج نہیں (مصلہ ص ۲۴۱) اور یہی اعتراض (ندائے حق ص ۱۹۳) میں ہے مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مطلقاً مضر نہیں ہے۔ (دیکھئے توجیہ النظر ص ۲۱۷، تسکین الصدور ص ۳۳۰)

علامہ صاحب کی عبارات میں بس یہی ایک تدلیس کا اعتراض تھا، جو بظاہر یہاں روایت مذکورہ پر وارد ہوسکتا ہے، لیکن اس کا ایک جواب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے مزید ملاحظہ کریں۔

اعمش کی تدلیس کا دوسرا جواب خود علامہ خان بادشاہ کی زبانی

علامہ خان بادشاہ صاحب نے امام اعمش پر تدلیس کا اعتراض امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، لیکن کیا خوب! کہ جواب بھی اس عبارت میں موجود ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ومتی قال ''عن'' تطرق الیہ احتمال التدلیس، الا فی شیوخ لہ اکثر عنھم، کابراھیم، وابن ابی وائل، وابی صالح السمان، فان روایتہ عن ھذا الصنف، محمولۃ علی الاتصال'' (الصواعق المرسلہ ص ۲۵۱)

(ترجمہ) اور جب عن کہے تو اس میں تدلیس کا احتمال آجاتا ہے، مگر ان شیوخ میں جن سے اس نے بہت سی روایات کی ہیں۔ مثلاً ابراہیم النخعی، ابن ابی وائل اور ابو صالح السمان تو اس کی روایت اس قسم سے اتصال پر محمول ہوگی۔

مطلب یہ کہ بے شک اعمش مدلس ہے اور عن سے روایت کرتے ہیں لیکن اگر کسی روایت میں ان کے شیوخ مثلاً ابراہیم، ابن ابی وائل یا ابو صالح السمان تو یہ روایت محمول علی الاتصال ہوگی اور روایت مذکورہ ''من صلی... '' میں بھی امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ''ابو صالح السمان'' ہے۔ لہٰذا تدلیس کا شبہ بھی جاتا رہا۔

اعمش کی تدلیس کا تیسرا جواب

جس طرح احناف کے ہاں خیر القرون کی ارسال حجت ہے، اسی طرح خیر القرون کی تدلیس بھی حجت ہے، چنانچہ علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ان الارسال والتدلیس متحد ان فی الحکم'' کہ ارسال اور تدلیس کا ایک ہی حکم ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۵۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''قلت فان کان المدلس من ثقات القرون الثلاثہ یقبل تدلیسہ کا رسالہ مطلقا'' میں کہتا ہوں کہ اگر مدلس قرون ثلاثہ کے ثقات میں سے ہو تو اس کی تدلیس ارسال کی طرح مطلقاً قابل قبول ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۵۹)

اعمش کی تدلیس کا چوتھا جواب

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ابو معاویہ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ بخاری کی سند ہے۔ (مثلاً ملاحظہ ج ۲ ص ۵۳۷ وغیرہ)

جب یہ بخاری کی سند ہے تو جب ''اعمش عن ابی صالح'' وہاں مضر نہیں تو یہاں کیسے مضر ہوگی؟

قارئین کرام! یہ تھا علامہ صاحب کا امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ پر تمام جرح کا خلاصہ اور باقی جو کچھ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے اس کا تعلق ''اعمش عن ابی صالح'' سے بالکل نہیں۔ فافہم وتدبر!

غلط فہمی نمبر ۱۰

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''تسکین الصدور طبع اوّل ص ۲۱۵ اور طبع ثانی ص ۴۰۳ پر بہت بڑا دھوکہ دیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال میں صرف نزاع لفظی ہے۔ کیا اس دھوکے کا علاج جمعیت علماء اسلام کے عالم اور مفتی شیخ الحدیث کے پاس ہے یہ دھوکہ ہے یا فریب ہے۔ ان شاء اللہ! اس پر تفصیل الدرۃ النفیسہ میں آجائے گی۔'' (التنقید الجوہری ص ۳، البرہان الجلی ص ۲۱)

ازالہ: محترم قارئین حضرات! یہ بھی علامہ خان بادشاہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ لکھا ہے ہم ان کی پوری عبارت نقل کرتے ہیں تاکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف واضح ہوجائے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال میں نزاع لفظی ہے۔ کیونکہ جو حضرات توسل بالذات کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ مثلاً جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو (العیاذ باللہ) وصف نبوت اور رسالت اور ان دینی خدمات سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں سرانجام دی ہیں الگ کر کے توسل کیا جائے یا معاذ اللہ تعالیٰ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کی شرط سے صرف نظر کرلی جائے یہ کسی کے وہم میں نہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں کو ان کی ذات ہی کو ملحوظ رکھا جائے ایسا بھی نہیں، بلکہ جہاں بھی ان حضرات سے توسل ہوگا وہاں ان کی تمام خوبیاں اور کمالات کو پیش نظر رکھا جائے گا اور ان نیک کاموں کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی جو خصوصی رحمتیں نازل ہوئی ہیں ان کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جائے گا۔ ذکر اگرچہ ذات کا ہوتا ہے اس لئے کہ وہ موصوف ہے لیکن اس کے اعمال کمالات اور صفات کو بھی اس میں دخل ہے اور اسی وجہ سے توسل کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ محبت بھی ان کی عظیم قربانیوں کی وجہ سے ہیں جو حسب ارشاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الاعمال الحب فی اللہ و البغض فی اللہ (ابوداود ج ۲ ص ۲۷۶) ہر دعا کنندہ کا اپنا نیک اور صالح عمل ہے اور اسی طرح صالح اعمال آخر کسی ذات ہی سے صادر ہوں گے۔ از خود تو ان کا صدور نہیں ہوسکتا تو توسل بصالح الاعمال ذات کے واسطہ کے بغیر سمجھ سے باہر ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال کا مآل بالاخر ایک ہی ہے، صرف اس کی تعبیر وتشریح کا فرق ہے اور نزاع صرف لفظی ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۴۰۳، ۴۰۴)

اس کے بعد امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۰۵ پر توسل کی حقیقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ فلاں شخص! میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ محبت ہے: ''المرء مع من احب'' پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا

ہوں۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت وثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء کا موجب رحمت وثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔'' (انفاس عیسیٰ ص ۱۴۱)

اب اگر علامہ صاحب صرف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں ہی غور کرتے تو کبھی بھی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے، اس لئے کہ جب توسل بالذات کا مفہوم یہ لیا جائے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، تو کیا یہ نزاع لفظی نہیں؟ مزید اطمینان قلب کے لئے ایک اور حوالہ ملاحظہ کریں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''توسل بالاعمال کو تو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جائز کہتے ہیں، اگر میں ان کے زمانہ میں ہوتا یا وہ میرے زمانہ میں ہوتے تو میں نہایت ادب سے عرض کرتا کہ حضرت اس توسل بالاعمال کی حقیقت ہے کیا؟ میری سمجھ میں تو اس کی یہ حقیقت آتی ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اے اللہ فلاں عمل کے طفیل وصدقہ میں یہ کام کر دے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ اے اللہ یہ عمل آپ کے نزدیک محبوب ہے اور آپ کا وعدہ ہے کہ عمل محبوب سے جس کو تلبس ہو اس پر خاص رحمت ہوتی ہے اور اس عمل کے ساتھ ہم کو بھی کسب وصدور کا تلبس ہے۔ لہٰذا اس تلبس پر جو وعدہ رحمت کا ہے ہم آپ سے اس رحمت کو طلب کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر اگر کوئی توسل بالاعیان بھی کرے تو توسل بالاعیان اور توسل بالاعمال میں کیا فرق ہے، پھر خواہ وہ اعیان احیاء ہوں یا اموات کیونکہ اب اس توسل بالاعیان کا حاصل یہ ہوگا کہ اے اللہ! یہ بزرگ زندہ یا مردہ آپ کے محبوب ہیں اور آپ کا وعدہ ہے کہ آپ کے محبوب سے جس کو تلبس ہو اس پر رحمت ہوتی ہے اور ہم کو ان بزرگ کے ساتھ عقیدت ومحبت کا تلبس ہے۔ اس لئے ہم آپ کی اس رحمت موعودہ کے طلب گار ہیں۔'' (مجموعہ رسائل توسل ص ۱۸، ۱۹)

علامہ صاحب توسل بالذات اور توسل بالاعمال میں نزاع کو اکیلے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے لفظی قرار نہیں دیا، بلکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ: ''توسل بالاعیان اور توسل بالاعمال میں کیا فرق ہے۔'' اگر توسل بالذات اور بالاعمال میں نزاع کو لفظی کہنا امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا دھوکہ ہے تو کیا یہی نسبت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف گوارا کریں گے؟

اب ہم یہاں توسل بالذات کی جواز پر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور حوالہ پیش کرتے ہیں تا کہ بات مزید واضح ہو جائے۔

توسل بالذات اور حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ توسل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجاء کرنا، جیسا کہ مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے، اس کی وضاحت کرنے کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''دوسری تفسیر یہ کہ مخلوق سے دعا کی درخواست کرنا اور یہ ایسے شخص کے حق میں جائز ہے جس سے دعا کی درخواست ممکن ہے اور یہ امکان میت میں کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ پس یہ معنی (توسل کے) زندہ کے ساتھ خاص ہوں گے اور تیسری تفسیر یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اس مقبول مخلوق کی ''برکت'' سے اور اس کو جمہور نے جائز رکھا ہے اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کے اتباع نے منع کیا ہے۔ اب اس تیسری قسم کی وضاحت کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں: ''اور اس معنی ثالث کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں بندہ یا فلاں عمل ہمارا یا فلاں بندہ کا عمل آپ کے نزدیک مقبول وپسند ہے اور ہم کو اس بندہ یا عمل سے تلبس اور تعلق ہے خواہ تو اس عمل میں ارتکاب کا اور خواہ اس بندہ یا اس کے عمل میں اس سے محبت رکھنے کا اور آپ نے ایسے

شخص پر رحمت فرمانے کا وعدہ کیا ہے جس کو یہ تلبس (وتعلق) ہو۔ پس ہم اس رحمت (موعودہ) کا آپ سے سوال کرتے ہیں۔ (یہ حقیقت ہے اس توسل کی) پس کاش مجھ کو کوئی یہ بتادے کہ اس (معنی) میں کوئی خرابی نقلی یا عقلی ہے۔" (مجموعہ رسائل توسل ص ۳۸،۳۷)

توسل بالذات اور شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ

شیخ الاسلام، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت فیوضہم "توسل بالذات" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "جو شخص یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فلاں بندے کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے، میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں اور اس کی پاکدامنی فضیلت کا معتقد ہوں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ آپ کے ہاں محبوب ہے تو میرا اس کے ساتھ جو تعلق ہے میں اس تعلق کے وسیلے سے آپ کی رحمت طلب کرتا ہوں۔ یہ درحقیقت کسی نیک بندے کے ساتھ اپنے تعلق اور محبت کے وسیلے سے رحمت الٰہی طلب کرنا ہے۔" (ایضاً ص ۲۶۰)

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس کے متصل بعد لکھتے ہیں: "اگر کسی شخص نے دعا میں صراحتاً یہ کہہ دیا کہ اے اللہ مجھے نبی ﷺ سے جو محبت ہے، میں اس کے وسیلے سے آپ سے سوال کرتا ہوں تو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس سے بالکل منع نہیں فرماتے اس لئے کہ نیک اعمال کے ذریعے توسل کے جواز کے تو وہ بھی قائل ہیں اور نبی ﷺ سے محبت باجماع امت نیک اعمال میں سے سب سے افضل ہے۔" (مجموعہ رسائل توسل ص ۲۶۰)

قارئین کرام! آپ خود ملاحظہ کریں اگر توسل بالذات کا مفہوم یہی لیا جائے، جو کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد تقی عثمانی دامت فیوضہم نے بیان کیا ہے تو کیا اس مفہوم کے ساتھ "توسل بالذات اور توسل بالاعمال میں کوئی فرق ہے؟ اور اگر کوئی اس تعبیر کے ساتھ توسل بالذات کا قائل ہو تو کیا اس کو مشرک یا بدعتی کہنا جائز ہوگا؟

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے توسل بالذات اور توسل بالاعمال میں نزاع کو لفظی قرار دیا ہے اور جو تعبیر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے توسل بالذات کی بیان فرمائی ہے اسی تعبیر کے پیش نظر اس نزاع کو لفظی قرار دینے میں وہ حق بجانب ہیں۔ اب علامہ خان بادشاہ صاحب اس کو نزاع لفظی قرار دینے کے لئے تیار نہیں، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ علامہ صاحب کے ہاں توسل بالذات کا مفہوم کچھ اور ہے اور توسل بالذات کا جو مفہوم علامہ صاحب نے بیان کیا ہے تو واقعی ایسی صورت میں اس کو نزاع لفظی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ توسل بالذات کی جو تشریح کرتے ہیں وہ تو پہلے گزر گئی۔ اب علامہ صاحب کے ہاں توسل بالذات کا جو مطلب ہے آپ اس کو ملاحظہ کریں علامہ خان بادشاہ صاحب نے عنوان قائم کیا ہے: "الفریدة الثانیة فی بیان حقیقة الشرک" (الصواعق المرسلہ ص ۶۷)

اور پھر اسی عنوان کے تحت توسل بالذات بھی بیان فرمائی ہے اور پھر ص (۱۲۴) پر عنوان قائم کیا ہے: "ازالة الوھم" پھر لکھتے ہیں: "واعلم انه قد ذكرت عنوان الشرک، وتركت عنوان نفی التوسل بالاموات، لان المراد من التوسل والوسيلة فی هذا الزمان الاستمداد من الاموات فی جميع المصائب والكربات، وليس هذا الا ذاک" (ایضاً ص ۱۲۴)

جان لو کہ میں نے نفی التوسل بالاموات کا عنوان ترک کر کے شرک کا عنوان ذکر کیا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ توسل اور وسیلہ سے مراد اس زمانہ میں تمام مصائب اور تکالیف میں اموات سے مدد مانگنا ہے اور یہ شرک ہی تو ہے۔

علامہ خان باشاہ صاحب نے توسل بالذات کا جو مفہوم ذکر کیا ہے۔ یعنی غیر اللہ کو مصائب میں پکارنا اور غیر اللہ سے امداد مانگنا تو اس معنی کے عدم جواز میں کوئی شک نہیں جس کی تفصیل حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے گزر چکی ہے۔ آخر میں علامہ صاحب کی خدمت میں درخواست ہے کہ توسل بالذات کی جو تشریح امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات نے بیان کی ہے اس کے تحت وسیلہ بالذات اور بالاعمال میں نزاع لفظی قرار دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس معنی کے تحت توسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

توسل بلفظ الجاہ اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے توسل بلفظ الجاہ کے متعلق علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حوالہ نقل کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''وبعد هذا كله انا لاارى باسافي التوسل الى الله تعالىٰ بجاه النبى صلى الله عليه وسلم عندالله، حيا، وميتا، ويراد من الجاه معنى يرجع الى صفته من صفاته، مثل ان يراد به المحبة التامة المستدعية عدم رده...... الخ'' اس ساری بحث کے بعد، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور بعد از وفات توسل میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور آپ کی جاہ د توسل سے مراد کوئی ایسا معنی لیا جائے گا جو آپ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہو۔ مثلاً آپ کی محبت تامہ جو عدم رد اور قبول شفاعت کو چاہتی ہے۔ (تسکین الصدور ص ۴۱۰)

چنانچہ یہاں پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلفظ ''جاہ'' توسل کو جس معنی کے اعتبار سے جائز قرار دیا ہے اور اسی معنی کے تحت خود علامہ خان بادشاہ صاحب کو بھی اعتراض نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''مع انه تاول فيما يراد بالجاه المحبة التامة المستدعية عدم رده، وقبول شفاعته، سطر ۹ وهذا المعنى "مع عدم النزاع فيه" لكن قال بعده لم يعهد التوسل بالجاه ۔۔الخ اعنى مقصود الالوسى رحمۃ اللہ علیہ بان هذا المعنى "وان كان صحيحا" فى قول من يراد به هذا لكن ليس له ثبوت من الصحابة'' (ارشاد الناظر حاشیہ البصائر ص ۳۵۰)

مذکورہ عبارت میں جملہ ''مع عدم النزاع فيه'' اور ''وان كان معناه صحيحا'' صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ علامہ صاحب کے ہاں اگر لفظ جاہ کی یہی تاویل کی جائے تو اس کا معنی بھی صحیح ہے اور اس میں کوئی نزاع بھی نہیں ہے تو ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ علامہ صاحب یہی بات امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تسکین الصدور میں ذکر کی ہے تو اس کو آپ شرک کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں جب کہ خود یہاں اس کو صحیح بلانزاع قرار دے رہے ہیں۔

غلط فہمی نمبر ۱۱

علامہ خان بادشاہ صاحب نے توسل بحق انبیاء علیہم السلام شیعوں کا مسلک قرار دے کر، امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے: ''میں کہتا ہوں کہ مولوی سرفراز نے اس دعا کے جواز پر اقرار کیا ہے اور اپنے تسکین طبع اوّل ص ۲۲۴، ۲۲۷ میں ذکر کیا ہے اور اس نے خود فقہاء کرام کی تصریحات ذکر کی ہیں کہ دعا بحق النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بحق الانبیاء جائز نہیں، لیکن اس کو حسد نے اندھا کیا ہے اور صریح حق سے روکا ہے تو یہاں اس کے تابعدار فکر کریں کہ یہ شیعہ کا مسلک ہے، اسی وجہ سے فقہاء کرام اس دعا کو مکروہ سمجھتے ہیں۔'' (العقیدۃ الصحیحہ ص ۳۷۳)

ازالہ: قارئین کرام علامہ صاحب نے یہاں پر اس تفصیل کو بالکل نظر انداز کر دیا جو تفصیل امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے توسل بحق الانبیاء علیہم السلام میں کی ہے۔ کاش! اگر علامہ صاحب اس تفصیل کو بھی ذکر کرتے تو معاملہ آسانی سے حل ہو جاتا۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بحق فلاں سے توسل کے بارے میں فقہاء کرام کی عبارات بھی ذکر کی ہیں جن میں اس قسم کی توسل کو مکروہ لکھا ہے، لیکن پھر بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور حقیقت میں یہی بات علامہ صاحب کی غلط فہمی کی سبب بنی۔ لیکن امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کو احسن طریقے سے حل کیا ہے جس کو علامہ صاحب نے بالکل نظر انداز کر دیا۔ ہم امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات سے ہی علامہ صاحب کو جواب پیش کرتے ہیں، لیکن اپنے انداز سے ملاحظہ کریں۔

اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کا بنیادی اختلاف

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’معتزلہ وغیرہ کے نزدیک نیکیوں پر بندوں کو ثواب دینا اور بدیوں پر عذاب دینا، پروردگار پر ضروری اور حق ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’لا یجب علی اللہ شیء خلافا للمعتزلۃ‘‘ (مرقات ج ا ص ۹۸) کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں، بخلاف معتزلہ کے کہ وہ وجوب کے قائل ہیں۔‘‘ (تسکین الصدور ص ۴۱۹)

اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’لیکن اہل السنۃ والجماعۃ اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا کوئی حق جائز نہیں ہوتا، ہاں محض اپنے ارادہ سے جس حق کا وعدہ کیا ہے وہ بجا ہے اور اس میں نہ تو کلام ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا کوئی جبر لازم آتا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ’’حقا علینا ننج المؤمنین‘‘ (پ ۱۱ سورہ یونس) حق ہے ہم پر مؤمنوں کو نجات دیں گے اور یہ حق بھی بحسب وعدہ ہے اس معنی میں کوئی قباحت نہیں۔‘‘ (تسکین الصدور ص ۴۱۹، ۴۲۰)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے برادر محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ کے قول: ’’لانہ لا حق للمخلوق علی الخالق‘‘ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت اپنی اطلاق پر نہیں ہے، ورنہ مندرجہ بالا احادیث بالکل اس کے خلاف واقع ہوں گی۔ اصل بات یہ ہے کہ صاحب ہدایہ معتزلہ کے عقیدہ کی تردید کر رہے ہیں اور اس دور کے سب ہی فقہاء گویا اپنے سامنے معتزلہ کو رکھ کر ایسی عبارتیں لکھتے رہے ہیں، کیونکہ معتزلہ کا عقیدہ ہے، وجوب اصلح علی اللہ یعنی جو چیز بندے کے لئے اصلح ہو وہ اللہ پر واجب ہے اس اعتقاد کی تردید کے لئے صاحب ہدایہ نے یہ فرمایا۔ یہ بات دلیل سے بالکل واضح ہے، لیکن وہ حق جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے اختیار اور فضل سے اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس کی تردید نہیں اور احادیث و آیات میں اسی حق کا ذکر ہے، (حق الفضل والکرم لا حق الوجوب) دعا میں اسی حق کا واسطہ دیا جاتا ہے۔‘‘ (فیوضات حسینی ص ۲۶)

اب اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کے درمیان اس نظریاتی اختلاف کی وجہ سے کہ معتزلہ مخلوق کا خالق پر حق وجوبی مانتے ہیں۔ فقہاء کرام نے بحق انبیاء وغیرہ الفاظ سے دعا کرنا مکروہ لکھا ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فقہاء کرام کی عبارات نقل کر کے لکھا ہے: ’’ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ کچھ بدباطن فرقے اس کا معنی غلط لیتے ہیں اس لئے یہ لفظ مکروہ ہے۔‘‘ (تسکین الصدور ص ۴۲۱)

باقی رہا اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کے مطابق تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ حق سے حق وجوبی مراد نہیں لیتے بلکہ حق تفضلی مراد لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ہاں! اگر کسی کا عقیدہ صحیح ہو اور حق سے وہ حق مراد ہو، جو بحسب وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''
(تسکین الصدور ص ۴۲۱)

اب مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ معتزلہ وغیرہ بد باطن لوگ ''بحق فلاں'' کا غلط معنی لیتے تھے، اس وجہ سے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اور ہمارے فقہاء کرام نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ: ''لانہ لا حق للمخلوق علی الخالق'' (ہدایہ) کہ بحق فلاں وغیرہ اس وجہ سے مکروہ ہے کہ مخلوق کا خالق پر حق وجوبی نہیں ہے اور اس سے مقصود معتزلہ کا رد ہے۔ ہم علامہ صاحب سے مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ فقہاء نے اس کی وجہ کیا لکھی ہے؟ بہر حال فقہاء کرام کا اس جملہ سے قطعاً یہ مقصد نہ تھا کہ مخلوق کا خالق پر حق وجوبی ہے نہ حق تفضلی، بلکہ صرف حق وجوبی کی نفی مقصود ہے کیونکہ حق تفضلی کا انکار تو علامہ صاحب بھی نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے امام اہل السنۃ، رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابو محمد بن عبداللہ ابی جمرہ الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وفیه دلیل علی ان الحق یطلق علی ما کان من طریق الوجوب، وعلی ما کان من طریق التفضل اذا علم المخاطب ذلک، ولا یجوز ان یطلق لمن لا یعلمه'' (بهجة النفوس المسمى بجمع النهاية في بدالخير والنهاية ج ۱ ص ۱۲۰) اور اس میں دلیل ہے کہ حق اس پر بھی بولا جاتا ہے جو بطریق وجوب ہو اور اس پر بھی جو تفضل اور مہربانی کے طور پر ہو جب کہ مخاطب اس کو جانتا ہو اور جس شخص کو اس معنی کا علم نہ ہو تو اس کے لئے یہ لفظ بولنا درست نہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۴۲۱)

علاوہ ازیں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک جگہ لکھتے ہیں: ''ومن قال بل للمخلوق علی اللہ حق، فهو صحیح اذا اراد به الحق الذی اخبر اللہ بوقوعه'' اور جو یہ کہے کہ مخلوق کا خالق پر حق ہے تو یہ تب صحیح ہے، جب اس سے مراد وہ حق ہو جس کی وقوع کی اللہ نے خبر دی ہے۔ (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۵۹)

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بحق فلاں

آخر میں ''توسل بحق فلاں'' کے متعلق اور فقہاء کرام کے قول کی وضاحت حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پیش کرتے ہیں ؎

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ لفظ ''حق'' کے آٹھ معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''معتزلہ چونکہ عدل اور اصلح کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب قرار دیتے ہیں۔ اس لئے غفران اہل توحید اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب کہتے ہیں اور یہ حق بندوں کا اس پر لازم باللزوم العقلی قرار دیتے ہیں اور اہلسنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے۔ اس لئے یہ دعا کرنا: ''اللهم انی اسئلک بحق فلاں یا بحق الانبیاء والمرسلین'' اہل اعتزال کے عقائد کے موافق ہوگا۔ اہلسنت والجماعت کے خلاف ہوگا، قرون تابعین اور تبع تابعین میں معتزلہ کا بہت زور شور تھا، اس لئے فقہاء کرام نے سداً للذریعہ منع فرمایا تھا۔ اب جب کہ وہ اور ان کے عقائد معدوم ہو گئے تو اس کا اشتباہ بھی معدوم ہو گیا تو اس لفظ کے استعمال میں پہلے معنی (حق وجوبی) کے ارادہ کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا بلکہ دوسرے معانی ہی مراد لئے جاتے ہیں اس لئے اس میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ (فتاوی شیخ الاسلام ص ۸۷، ۸۸)

خلاصہ کلام: علامہ صاحب نے الزام لگایا ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو حسد نے اندھا کر دیا ہے کہ ایک طرف فقہاء سے مکروہ ہونا نقل کیا اور دوسری طرف اس کو جائز کہتے ہیں اور علامہ صاحب نے قارئین کو بھی یہی تاثر دیا۔ حالانکہ ماقبل تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہا نے ''بحق فلاں'' کو مکروہ لکھا ہے نظریہ اعتزال کی بنیاد پر اور اگر کوئی اس نظریہ کی بنیاد پر یہی الفاظ استعمال کریں تو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں تو پھر علامہ صاحب الزام کس چیز کی لگا رہے ہیں؟ ہاں! امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جائز لکھا تو اہل السنۃ والجماعۃ کے نظریہ کی بنیاد پر۔

بحق فلاں اور شیعہ

علامہ صاحب نے دعا ''بحق انبیاء ک'' سے کرنا شیعوں کا مسلک قرار دیا ہے اور شیعوں کی کتاب ''الفروع من الکافی مع الاصول والروضۃ'' ج ۲ ص ۵۷۶ کا حوالہ دیا اور پھر لکھتے ہیں: ''تو یہاں اس کے تابعدار فکر کریں کہ یہ شیعہ کا مسلک ہیں۔'' (التحفۃ العجیبہ ص ۴۷۳)

علامہ صاحب نے بلاتفصیل ''بحق فلاں'' کو شیعوں کا مسلک قرار دیا ہے۔ حالانکہ جس طرح معتزلہ کے ہاں مخلوق کا خالق پر حق وجوبی ہے تو بالکل اسی معنی میں شیعہ حضرات بھی لفظ ''حق'' استعمال کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی ''بحق فلاں'' کو اسی معنی مین استعمال کرتا ہے تو اس کو فقہاء نے منع فرمایا ہے، لیکن اہل السنۃ والجماعۃ تو اس معنی میں استعمال نہیں کرتے تو پھر کراہت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا ''بحق فلاں'' میں معتزلہ اور شیعہ ایک طرف ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ دوسری طرف۔ اس بنیادی فرق کو نظر انداز کرنا علامہ صاحب جیسی شخصیت کے لئے قطعاً مناسب نہیں۔ شیعوں کا مسلک نقل کرتے ہوئے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

(سوال): دعا میں بحق رسول اللہ وولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء ومحدثین منع کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

(الجواب): بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہے کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمالیا ہے۔ اس کے ذریعہ سے مانگتا ہوں، مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنی مراد رکھتے ہیں۔ سو اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے۔ لہٰذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ مشابہ ہو جائے۔'' فقط واللہ اعلم! (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۶۳ بحوالہ تسکین الصدور ص ۴۲۱)

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ جس طرح معتزلہ کے ہاں حق سے مراد ''حق وجوبی'' ہے تو اسی طرح شیعہ کے ہاں بھی حق سے مراد ''حق وجوبی'' ہے اور اسی نظریہ کے مطابق ''بحق فلاں'' کہنا درست نہیں لیکن اہل السنۃ والجماعۃ حق سے ''حق تفضلی'' مراد لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار دیا اور باقی علماء دیوبند بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

توسل ''بحرمت فلاں'' اور علامہ خان بادشاہ صاحب

علامہ خان بادشاہ صاحب ''التحفۃ العجیبہ ص ۴۷۳'' پر بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا بھی شیعوں کا مسلک قرار دے کر لکھا ہے: ''میں کہتا ہوں کہ اس میں شک وشبہ نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور اس کی برکت سے دعا کرنا، خلفاء راشدین میں سے کسی ایک سے ثابت نہیں بلکہ صحابہ میں کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ دعا ثابت نہیں، بلکہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک سے ثابت نہیں۔''

اور پھر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا بدعت ہونا نقل کیا ہے۔ حالانکہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ القرآن مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں کے نزدیک ''بحرمت فلاں'' سے دعا کرنا بالکل جائز ہے، ملاحظہ کریں۔

توسل ''بحرمت فلاں'' اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''البتہ بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام نہیں، یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔'' (جواہر القرآن ج ۲ ص ۶۲۰)

اور پھر اس کی تفصیل کر کے اس کی صحیح توجیہ بھی کی ہے جس کے بعد لکھتے ہیں: ''البتہ یہ ضروری ہے کہ قائل اس کا توحید وسنت پر پختہ ہو شرک اور بدعت سے بیزار ہو جیسا کہ شاہ ولی اللہ، مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم پس ایسے بزرگان دین سے جو ایسے کلمات منقول ہیں، ان کی توجیہ کردی گئی ہے۔ لہٰذا ان بزرگوں پر جو طعن دیتے ہیں کہ انہوں نے کیوں لکھا ہے بالکل غلط ہے، جب ان کی عبارت کی توجیہ قرآن مجید اور سنت صحیحہ کے مطابق ہو سکتی ہو تو طعن کرنا بے معنی ہے۔ (ایضاً ج ۲ ص ۶۲۰)

اور پھر اس کے بعد آخر میں لکھتے ہیں: ''هذا تحقيق شيخي و سندي مولانا حسين علي مرحوم''

اب شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیلی عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئی: (۱) بحرمت فلاں سے دعا کرنا جائز ہے۔ (۲) بحرمت فلاں کی صحیح توجیہ قرآن وسنت کے مطابق ہو سکتی ہے۔ (۳) صحیح العقیدہ حضرات اگر ایسا لفظ استعمال کریں تو ان پر طعن کرنا بالکل غلط ہے۔ (۴) شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی الفاظ سے دعا کرتے تھے۔ (۵) امام الموحدین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو جائز سمجھتے تھے۔ (۶) ان الفاظ کے استعمال میں کوئی قباحت ہے تو غلط عقیدے کی وجہ سے اور اگر عقیدہ صحیح ہو تو ان الفاظ میں کوئی قباحت نہیں۔ بہرحال شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح العقیدہ حضرات کے لئے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔

توسل ''بحرمت فلاں'' اور شیخ القرآن پنج پیر مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ

شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''دعا ''بحرمت فلاں'' تو منقول من الشارع نہیں مگر اکثر شیوخ کرام سے منقول ہے اور حرمت کے معنی جیسا کہ کتب لغت میں مرقوم ہے عزت واحترام کے ہیں۔'' (الاقتصار ص ۸۱)

پھر آگے لکھتے ہیں: ''غرض مشائخ کرام کی ادعیہ میں جو بحرمت فلاں وارد ہے، اس کے یہی معنی ہوں گے کہ میں فلاں بزرگ اور ولی کا جو احترام دل میں کرتا ہوں، اسی محبت اولیاء کرام کے عمل سے اے رب تعالیٰ میری دعا قبول فرما۔'' (ایضاً ص ۸۱)

شیخ القران رحمۃ اللہ علیہ کی لفظ ''حرمت'' میں اسی تاویل کی طرف ہم نے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے اور مشورہ دیا ہے کہ مقام توسل میں اس تاویل کے ساتھ تمام الفاظ جائز مانے جائے۔

علامہ صاحب سے ہمارا پانچواں سوال

علامہ صاحب آپ نے ''بحرمت فلاں'' کو شیعہ کا مسلک قرار دیا ہے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا محمد طاہر، رحمۃ اللہ علیہ امام الموحدین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ،

مسند الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ یہ سب حضرات ''بحرمت فلاں'' کو جائز قرار دیتے ہیں تو کیا یہ شیعہ ہیں اگر نہیں تو کیوں۔

علامہ صاحب سے ہمارا چھٹا سوال

کہ آپ کے ہاں توسل بالذات توسل شرکی ہے اور یا پھر کم از کم بدعی میں تو داخل ہے تو محترم کیا ''بحرمت فلاں'' توسل بالذات نہیں؟ اگر ہے تو کیا یہ حضرات مشرک یا بدعتی تھے؟

علامہ خان بادشاہ صاحب اور حدیث اعمی

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ''تسکین الصدور'' میں توسل بالذات پر حدیث اعمی سے استدلال کیا ہے، لیکن علامہ صاحب نے اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے ''ابو جعفر'' راوی کو مجہول قرار دیا ہے کہ ترمذی کی سند میں ''ابو جعفر'' واقع ہے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ ''ابو جعفر'' کون ہے اور خاص کر جب امام ترمذی نے اس کو ''غیر خطمی'' قرار دیا تو معاملہ اور بھی الجھ گیا اور علامہ صاحب نے اس حدیث کو مضطرب بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اعلم ان هذا الحديث مع الاضطراب الكثير من حديث القلتين'' (ارشاد الناظر حاشیہ البصائر ص ۳۲۲)

اور اسی کتاب کے ص ۳۲۱ پر اس حدیث کو مختلف سندوں سے ذکر کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض روایات میں ''ہوالخطمی'' ہے بعض میں ''غیر الخطمی'' بعض میں ''ابو جعفر مدنی'' جبکہ بعض میں ''مدینی'' کا ذکر ہے اور نتیجہ کے طور پر اضطراب کا دعوی کیا کہ پتہ نہیں یہ ''ابو جعفر'' کون سا ہے؟ قارئین حضرات! یہاں پر ''ابو جعفر'' کی تعیین علامہ صاحب جیسی شخصیت کے لئے کوئی مشکل نہ تھی، لیکن افسوس کہ علامہ صاحب نے یہ زحمت بالکل گوارا نہیں کی۔ بہر حال یہ بات بالکل بے غبار ہے کہ یہاں پر ''ابو جعفر'' راوی ''خطمی'' ہی ہے۔ جیسا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل کے ساتھ عمل الیوم واللیلۃ ص ۲۰۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸، علامہ ذہبی، امام حاکم، امام طبرانی وغیرہ سے نقل کیا ہے اور مزید (ندائے حق ۱۹۹) کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ''خطمی'' ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: ''شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترمذی میں گو یہی ہے۔ وهو غير الخطمي مگر باقی علماء خطمی کہتے ہیں پھر خطمی ہی کی تصویب فرمائی وسائر العلماء قالوا هو ابو جعفر الخطمي وهو الصواب قاعده جليلة۔ ۸۸'' (تسکین الصدور ص ۴۳۲)

اس کے علاوہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی شریف کے مصری نسخہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ بے شک ہندی نسخوں میں تو ''وهو غير الخطمي'' ہے لیکن طبع مصر ج ۲ ص ۲۷۷ میں ''وهوالخطمي'' ہی ہے۔ اسی طرح محدث، وفقیہ، شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ یہ روایت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی سند سے نقل کرتے ہیں جس میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہے: ''هذا حديث حسن صحيح غريب لايعرف الامن هذا الوجه من حديث ابى جعفر وهو الخطمي'' وهذا وذاك من تصرفات الناسخين وليس من عادة الترمذى ان يقول هو غير فلان ويترك من غير بيان'' (محق التقول ص ۱۳۱)

کہ بعض مطبوعہ نسخوں میں ''وهو غير الخطمي'' اور بعض میں ''وليس هو الخطمي'' ہے لیکن یہ سب کاتبین کے تصرفات میں سے ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت بھی نہیں کہ وہ غیر فلاں کہے اور پھر اس کو بغیر بیان کے

چھوڑ دے۔ بہر حال خود ترمذی کے نسخوں سے بھی ''خطمی'' ہی معلوم ہوتا ہے اور محدثین کی شہادت اس پر مستزاد ہے۔

ابو جعفر راوی کی تعیین

حدیث اعمٰی جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ''ابو جعفر'' ہے۔ اسماء الرجال کی کتب میں ''ابو جعفر'' نام کے کئی راوی مذکور ہیں جس میں بعض ثقہ ہیں اور بعض ضعیف۔ علامہ صاحب کی نظر میں اس راوی کا چونکہ نام ذکر نہیں اس لئے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ کون سا ''ابو جعفر'' ہے تاکہ اس کی صحیح حال معلوم ہوسکے۔ اس لئے شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ صاحب کے نزدیک یہ راوی مجہول ہے اور اسی وجہ سے روایت کو قابل استدلال نہیں سمجھا۔ حالانکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھوس حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ راوی ''خطمی'' ہی ہے، لیکن علامہ صاحب اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ صاحب نے کئی ''ابو جعفر'' راویوں کا تذکرہ کیا جس میں بعض ضعیف ہیں۔　(ملاحظہ ہو: ارشاد الناظر حاشیہ البصائر ص ۳۴۱)

لیکن اس کی بجائے کہ ''ابو جعفر'' نام کے کتنے راوی کتب اسماء الرجال میں مذکور ہیں۔ یہ کوشش کی جاتی کہ سند مذکور میں ''ابو جعفر'' کون ہیں تو معاملہ آسانی سے حل ہو جاتا۔

ملاحظہ کریں! امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدثنا محمود بن غیلان نا عثمان بن عمر نا شعبہ عن ابی جعفر عن عمارہ بن خزیمہ بن ثابت عن عثمان بن حنیف الخ اس سند میں ''ابو جعفر'' نام کے جو راوی ہیں، یہ امام ''شعبہ بن حجاج رحمۃ اللہ علیہ'' کا استاذ ہیں تو پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے ''ابو جعفر'' کنیت والے اساتذہ کون ہیں؟ تو تہذیب الکمال للمزی میں امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں تقریباً چار ابو جعفر کا ذکر ہے۔ یعنی ابو جعفر کنیت والے چار راوی امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ ہیں: (۱) ابو جعفر الفراء، (۲) ابو جعفر مؤذن مسجد العریان، (۳) ابو جعفر عمیر بن یزید الخطمی، (۴) عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ابو جعفر''　(تہذیب الکمال للمزی ج ۴ ص ۵۸۶، ۵۸۷)

اب ہمارے علم کے مطابق امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ان چار کے علاوہ ابو جعفر کنیت سے کوئی استاذ نہیں، تو کم از کم اتنا معلوم ہوا کہ مذکورہ سند میں اگر ''ابو جعفر خطمی'' کے علاوہ کسی اور کا احتمال ہے تو ابو جعفر الفراء ہے یا ابو جعفر موذن مسجد العریان اور یا پھر عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ابو جعفر اور اس کے علاوہ کسی اور ''ابو جعفر'' کا یہاں پر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہر حال یہاں پر ''ابو جعفر'' ان مذکورہ چاروں میں سے کوئی ایک ہے اس کے علاوہ نہیں اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ان چار میں سے کون سا ابو جعفر ہے، اس کے لئے اب یہ دیکھنا پڑے گا کہ اس روایت میں ابو جعفر کے استاد ''عمارہ بن خزیمہ'' ہے تو ان چار میں سے کون سا ابو جعفر ''عمارہ بن خزیمہ'' کا شاگرد ہے۔ اب ''عمارہ بن خزیمہ'' کے شاگردوں میں صرف ایک ابو جعفر کا ذکر ملتا ہے اور وہ ہے ''عمیر بن یزید ابو جعفر الخطمی'' اور عمارہ کے شاگردوں میں ابو جعفر الخطمی کے علاوہ کوئی اور ابو جعفر ہے ہی نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں ''ابو جعفر خطمی'' کے علاوہ باقی تین کا جو احتمال تھا وہ بھی ختم ہوا اور متعین ہوا کہ یہ ''ابو جعفر الخطمی'' ہی ہے۔

خلاصہ کلام کہ یہاں اس سند میں ''ابو جعفر'' نام کا جو راوی ہے تو یہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا استاد اور عمارہ بن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہے اور یہ صرف اور صرف ''ابو جعفر الخطمی عمیر بن یزید'' ہی ہے۔ کیونکہ ''ابو جعفر خطمی'' کے علاوہ ''ابو جعفر'' نام کا کوئی ایسا راوی نہیں ہے، جو امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا استاد عمارہ بن خزیمہ کا شاگرد ہو۔ لہٰذا یہاں پر ''ابو جعفر'' کے جہالت کا دعویٰ کرنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جہالت کا دعویٰ تب صحیح ہوتا، جب امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے

اساتذہ میں "ابوجعفر خطمی" کے علاوہ ایسا کوئی اور ابوجعفر ہوتا جو عمارہ بن حزیمہ کا شاگرد بھی ہوتا اور ایسا ابوجعفر راوی کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے فقیہ ومحدث، اصولی ومتکلم، شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ "ابوجعفر" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "علی ان ابا جعفر الراوی، عن عمارہ بین شیوخ شعبہ، انما ھو عمیر بن یزید الخطمی المدنی الاصل ثم البصری، کمایظھر من کتب الرجال المعروفۃ من مطبوع و مخطوط" (حق التقول ص ۱۳۱)

علاوہ ازیں عمارہ سے روایت کرنے والے ابوجعفر راوی شیوخ شعبہ میں سے عمیر بن یزید الخطمی المدنی ہی ہے، جیسا کہ معروف کتب رجال مطبوع ومخطوط سے ثابت ہے۔

علامہ صاحب سے مطالبہ

علامہ صاحب نے "ارشاد الناظر" میں ابوجعفر کو مجہول ثابت کرنے کے لئے بہت لمبی چوڑی تفصیل کی ہے، لیکن ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ: "ابوجعفر خطمی" کے علاوہ ایسے ابوجعفر نامی راوی کی نشاندہی فرمائیں جو امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا استاد اور عمارہ بن خزیمہ کا شاگرد ہو اور اگر خطمی کے علاوہ ایسا کوئی اور ابوجعفر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر جہالت کا دعویٰ غلط فہمی نہیں تو کیا ہے؟

مدنی اور مدینی کا چکر

علامہ صاحب نے مختلف حوالہ جات ذکر کئے ہیں، جن میں ابوجعفر کے ساتھ کہیں "خطمی" ہے تو کہیں "غیر خطمی"، کہیں "مدنی" تو کہیں "مدینی" لکھا ہوا ہے، جس کو علامہ صاحب نے اضطراب قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس کی تفصیلی بحث تو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے "تسکین الصدور" میں کی ہے لیکن علامہ صاحب نے سب کو نظرانداز کر دیا۔ ہم یہاں صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ ایک چکر ہے جو کہ ابوجعفر کو مجہول قرار دینے کے لئے چلایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ٹھوس حوالوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ راوی ابوجعفر الخطمی ہی ہے اور ابوجعفر الخطمی کے ساتھ اسماء الرجال کے کتب میں "مدنی" کی نسبت بھی لکھی ہے اور "مدینی" بھی، جس کا مطلب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور جب الخطمی ہی کو مدنی اور مدینی کی نسبت کی گئی ہے تو پھر اس میں اضطراب کی کیا بات ہے؟ اور ابوجعفر الخطمی کے ساتھ مدنی کی نسبت تو خود علامہ صاحب نے بھی معجم صغیر کے حوالے سے نقل کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"وقال الحافظ سلیمان بن احمد الطبری (المتوفی ۳۶۰ ھ) حدثنا طاھر بن عیسی بن تیرس المقری المصری التمیمی حدثنا اصبغ بن الفرج حدثنا عبداللہ بن وھب عن شعیب بن سعید المکی عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی المدنی......الخ" (ارشاد الناظر حاشیہ البصائر ص ۳۲۱، ۳۲۲)

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "قال یحی حدثنا ابو جعفر عمیر بن یزید ھو المدنی" (تاریخ کبیر ج ۶ ص ۵۶۱ رقم الترجمہ ۳۳۵۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ابوجعفر خطمی "مدنی" بھی ہے، اس کے علاوہ کتب اسماء الرجال میں ابوجعفر الخطمی کے ساتھ "مدینی" کی نسبت بھی مذکور ہے۔

چنانچہ امام ابواحمد الحاکم فرماتے ہیں: "ابو جعفر عمیر بن یزید بن حبیب بن خماشہ الخطمی الانصاری المدینی" (الاسامی والکنی لابی احمد الحاکم ج ۳ ص ۶۳ رقم الترجمہ ۱۰۰۸)

اسی طرح معرفۃ الرجال لابن معین میں بھی ہے ملاحظہ ہو: ’’وسالتہ عن اسم ابی جعفر الخطمی فقال عمیر بن یزید بن حبیب بن خماشہ شیخ مدینی‘‘ (معرفۃ الرجال لابن معین: ۱ص ۸۴ ۳رقم الترجمہ ۱۵۸۷)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ابوجعفر الخطمی کی طرف ’’مدنی‘‘ اور ’’مدینی‘‘ دونوں کی نسبت کتب رجال میں موجود ہے۔ پس اس چکر کے ذریعے ابوجعفر کو مجہول قرار دینا قرین انصاف نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ابوجعفر

مذکورہ روایت میں جس طرح ترمذی کے بعض نسخوں میں ’’وھو غیر الخطمی‘‘ یا ’’ولیس ھو الخطمی‘‘ مذکور ہے تو اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تہذیب التہذیب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حوالے سے یہی لکھا ہے جس کو علامہ صاحب نے نقل کیا ہے ملاحظہ کریں۔ (ارشاد الناظر حاشیہ البصائر ص ۳۲۲)

تو اس کی وجہ یہ ہے: ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ترمذی شریف کا وہ نسخہ ہو جس میں ’’لیس ھو الخطمی‘‘ ہی لکھا ہو ورنہ اسی روایت کو، حافظ جمال الدین المزی رحمۃ اللہ علیہ تہذیب الکمال میں حضرت عثمان بن حنیف کے ترجمہ میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’شعبہ عن ابی جعفر وھو الخطمی۔۔۔‘‘

(تہذیب الکمال ج ۷ ص ۱۴ تحت ترجمہ عثمان بن حنیف)

اور روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں رواہ الترمذی.......... انتھی‘‘ جس سے معلوم ہوا کہ ترمذی کے بعض نسخوں میں ’’وھو الخطمی‘‘ بھی موجود ہے۔

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

حدیث اعمی تو اپنی جگہ بالکل صحیح ہے اور کیوں نہ ہو کہ اجلہ محدثین نے اس کے صحیح ہونے کی شہادت دی ہے، لیکن علامہ صاحب نے چونکہ توسل بالذات کو شرک کے عنوان سے ذکر کیا ہے اس لئے ہم یہاں پر عرض کرتے ہیں کہ علامہ صاحب کے فتوی کا اثر کہاں تک جا پہنچتا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’’مجابی الدعا‘‘ سے ایک اثر نقل کرتے ہیں جس کے الفاظ ہیں: ’’اللھم انی اتوجہ الیک، بنبیک محمد نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم، یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک، وربی یرحمنی ممابی‘‘ (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۸۸)

اس اثر کو نقل کرنے کے متصل بعد لکھتے ہیں: ’’قلت فھذا الدعاء ونحوہ، قد روی انہ دعا بہ السلف، ونقل عن احمد بن حنبل فی منسک المروزی التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الدعاء۔‘‘ میں کہتا ہوں کہ یہ اور اسی طرح دعا تحقیق سے روایت کیا گیا ہے کہ سلف صالحین اس سے دعا کیا کرتے تھے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منسک المروزی میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا گیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاوی ج ۱ ص ۱۸۸)

ایک اور جگہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ’’اسئالک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ کا مطلب ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’واذا حمل علی ھذا المعنی، لکلام من توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد مماتہ من السلف، کما نقل عن بعض الصحابۃ والتابعین، وعن الامام احمد وغیرہ کان ھذا حسنا‘‘ (قاعدۃ جلیلہ ص ۵۳)

اب ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اتنا مانتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذات سے توسل صحابہ تابعین اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر سلف سے بھی ثابت ہے۔ اب علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا جو بھی مطلب

بیان کریں وہ اپنی جگہ پر لیکن توسل بالنبی ﷺ کو ثابت مانتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نبی ﷺ سے توسل کے بارے میں شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وفی مناسک الامام احمد روایۃ ابی بکر المروزی التوسل الی اللہ تعالیٰ بالنبی ﷺ'' (محق التقول ص ۱۱۰)

اور بالآخر علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ جو توسل بالذات کے انکار میں علامہ خان بادشاہ صاحب سے چند قدم آگے ہیں، لیکن آخر میں بے بس ہو کر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے توسل کا انکار نہ کر سکے اور اتنا تسلیم کیا کہ جن حضرات کے نزدیک اعمی کا توسل نبی ﷺ کی ذات سے تھا تو ان کو چاہئے کہ بس توسل بالذات صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص کریں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''فمن رای ان توسل الاعمی، کان بذاتہ اللہ فعلیہ ان یقف عندہ و لا یزید علیہ، کما نقل عن الامام احمد، والشیخ العز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ'' (التوسل انواعہ واحکامہ ص ۷۶)

توسل بالذات اور علماء اسلام

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ گزر چکا ہے۔ مزید چند حوالہ جات اختصار کے ساتھ ملاحظہ کریں:

(۱) علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ویسال اللہ حاجتہ متوسلا الی اللہ بحضرۃ نبیہ ﷺ، ثم قال یسال النبی ﷺ الشفاعۃ فیقول یارسول اللہ اسئلک الشفاعۃ یارسول اللہ اتوسل بک الی اللہ'' (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۳۷)

اور اللہ سے اپنی حاجت کے لئے اللہ کے نبی ﷺ کے وسیلے سے سوال کرے گا۔ پھر کہا ہے کہ نبی ﷺ سے شفاعت کا سوال کرے گا، کہے گا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ سے سفارش کا سوال کرتا ہوں اور اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کو اللہ کے سامنے وسیلے میں پیش کرتا ہوں۔

(۲) علامہ شامی اور توسل بالذات

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وانی اسئل اللہ تعالیٰ متوسلا الیہ بنبیہ المکرم ﷺ''
(مقدمہ شامی ج ۱ ص ۱۸)

(۳) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وقد اراد اللہ لک الخیر بالقیام، وترک المنام، ومتابعۃ سید الانام، وحصول المغفرۃ ببرکتہ علیہ الصلوۃ والسلام'' (مرقات ج ۳ ص ۹۶۹، باب قیام شہر رمضان، طبع بیروت)

(۴) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کو ''توسل بالذات'' کے منکرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے علم کے مطابق علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اپنی تفسیر میں قریباً ۲۰ سے زیادہ مرتبہ خود عملاً توسل بالذات کیا ہے۔ چند حوالہ جات ملاحظہ کریں۔

(۱) ایک جگہ فرماتے ہیں: ''اللھم اجعلنا سعداء الدارین، بحرمۃ سید الثقلین'' (روح المعانی ج ۱ ص ۸۵)

(۲) دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''نسال اللہ تعالیٰ ان یدخلنا ھاتیک الدار، بحرمۃ نبیہ المختار ﷺ'' (روح المعانی ۴ ص ۲۶۹)

(۳) لکھتے ہیں: ''نسال اللہ تعالیٰ ان یحکم لنا بما ھو خیر، واولی فی الاخرۃ والاولی بحرمۃ النبی ﷺ وشرف، وعظم، وکرم'' (روح المعانی ج ۷ ص ۱۶۸ آخر الرعد)

(۴) فرماتے ہیں: ''نسال اللہ تعالیٰ ان یجیر نا منھا، بحرمۃ سید نا ذوی الالباب ﷺ''

(روح المعانی ج ۷ ص ۳۰۰)

(۵) لکھتے ہیں: ''و اسال اللہ سبحانہ ان یحفظنا من سوء القضاء، و عین علینا بالتوفیق الی ما یجب ویرضی، بحرمۃ النبی ﷺ و اصحابہ رضی اللہ عنہم'' (روح المعانی ج ۷ ص ۳۳۱)

(۵) مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''اے میرے عزیز بھائی مولانا یار محمد کا مکتوب مرغوب پہنچ کر فرحت کا موجب ہوا، حضرت حق تعالیٰ بحرمۃ النبی ﷺ کمال اور تکمیل کی بلندی تک پہنچائے۔'' (مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۴۵۹)

(۶) شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ والتوسل بنبی اللہ لیستجاب'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۴)

(۷) شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اے خداوند تعالیٰ اس بندہ کی برکت سے کہ تو نے رحمت اس پر فرمائی ہے اور اس کو بزرگی مرحمت کی ہے، میری حاجت پوری فرما۔'' (فتاوی عزیزی ص ۱۹۲)

(۸) شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہاں! اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادر کے واسطے تو بجا ہے۔'' (تقویۃ الایمان ص ۱۲۳)

(۹) علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شجرہ پڑھنا درست ہیں، چونکہ اس میں بتوسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، اس کا کوئی حرج نہیں۔'' (فتاوی رشیدیہ ۱۹۸)

(۱۰) شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وہابیہ توسل بالانبیاء والاولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو بعد الوفات ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں۔ یہ (اکابر دیوبند) حضرات اس کو نہ صرف جائز بلکہ ''ارجی للاجابت'' اور مفید قرار دیتے ہیں، شجرات حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ اور آداب زیارت وادعیہ مدینہ منورہ اس پر شاہد عدل ہیں جو کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ اسرارہم کے تصانیف میں شائع ہو چکی ہے۔'' (نقش حیات ص ۱۲۳)

(۱۱) مفتی اعظم دیوبند مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''حصن حصین میں مذکور ہے کہ صالحین کے وسیلے سے دعا کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرماوے۔'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵ ص ۴۴۲)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''اگر مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ذریعہ سے دعا کی جائے کہ یا اللہ میرا فلاں کام فلاں بزرگ کی برکت سے پورا فرما دے، تو یہ جائز ہے۔'' (ایضاً ج ۵ ص ۴۲۴)

تیسری جگہ فرماتے ہیں: ''اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ بہ برکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما۔'' (ایضاً ج ۵ ص ۵۳۱)

(۱۲) مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''توسل بالصالحین کے مسئلے میں اختلاف ہے، بعض علماء منع کرتے ہیں لیکن اکثر جواز کے قائل ہیں، قائلین بالجواز کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ فلاں اپنے مقرب و مقبول بندے کی برکت سے یا اپنے عباد مقبولین مقربین کی برکت سے میری دعا قبول فرمائے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ ''اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ الخ'' حدیث میں موجود مذکور ہے، جو جواز کے لئے دلیل ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۲ ص ۸۵)

(۱۳) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''پس انبیاء و اولیاء کے ساتھ توسل جائز ہے۔ ہاں! استغاثہ جائز نہیں اور جن لوگوں نے توسل بالانبیاء والاولیاء کو ممنوع کہا ہے انہوں نے توسل و استغاثہ میں فرق نہیں سمجھا۔'' واللہ اعلم! (امداد الاحکام ج ۱ ص ۱۳۴)

(۱۴) علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور توسل بالذات

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قلت وھذا توسل فعلی، لانہ کان یقول لہ بعد ذلک قم یا عباس فاستسق فکان یستسقی لھم فلم یثبت منہ التوسل القولی، ای الاستسقاء باسماء الصالحین فقط بدون شرکتھم اقول و عند الترمذی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علم اعرابیا ھذہ الکلمات، و کان اعمی اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ الی قولہ فشفعہ فی فثبت منہ التوسل القولی ایضا، وحینئذ انکار الحافظ ابن تیمیہ تطاول۔ انتھی'' (فیض الباری ج ۴ ص ۶۸)

میں کہتا ہوں کہ یہ توسل فعلی ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد حضرت عباس سے فرمایا کہ کھڑے ہوں اور بارش طلب کریں تو انہوں نے لوگوں کے لئے بارش طلب کی تو اس سے توسل قولی ثابت نہیں ہوتا۔ یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض ان کے ناموں کی برکت سے بارش طلب کرنا، میں کہتا ہوں کہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جو اندھا تھا ان کلمات سے تعلیم دی۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہیں التجاء کرتا ہوں۔ پھر آگے فرمایا: اے اللہ! تو ان کی سفارش میرے

حق میں قبول فرماتو اس سے توسل قولی بھی ثابت ہوگیا۔ لہٰذا حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا انکار زیادتی ہے۔

غلط فہمی نمبر ۱۲

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''آنحضرت ﷺ کو روضہ مبارک میں بجسد عنصری کے ساتھ زندہ سمجھنا یہ شیعہ مسلک ہے جیسا کہ اصول کافی میں ہے اور تفصیل میری تصنیف ''التحفۃ العجیبہ'' میں موجود ہے۔ کیا مولوی سرفراز کا مسلک اب آخری عمر میں شیعوں کے ساتھ نہ ہوا؟ کیونکہ یہ مسلک شیعوں کا ہے اس مسلک شیعہ کو جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے مقابلہ میں قبول کیا اور کیوں؟ اب تمام جمعیت علماء اسلام والوں سے یہ مطالبہ ہے کہ کیا تمہیں بھی یہ شیعہ مسلک پسند ہے؟ جواب دیانتداری اور ایمانداری سے دینا۔'' (العقیدۃ الجوہری ص ۳، البرہان الجلی ص ۲۲)

ازالہ: علامہ صاحب کے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے اوّلاً اتنا عرض ہے کہ امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ حیات اور شیعوں کے عقیدہ حیات کو ایک قرار دینا علماء دیوبند اور شیعوں کو ایک قرار دینا ہے۔ کیونکہ امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ بھی بعینہ وہی عقیدہ ہے جو علماء دیوبند کا ہے اور الحمدللہ! اس میں بال بر بھی فرق نہیں۔

ثانیاً: یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند اور شیعوں کے عقیدہ حیات میں زمین وآسمان کا فرق ہے جس پر خود علامہ صاحب کی تحریرات بھی دال ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کا عقیدہ حیات ثابت بالکتاب والسنۃ ہے، جب کہ شیعہ مسلک مردود بالکتاب والسنۃ ہے۔ کیونکہ شیعہ حیات کے ساتھ ساتھ معاشرت دنیوی کے بھی قائل ہیں۔ نعوذ باللہ! اس بات کے قائل ہیں کہ نبی ﷺ پر روضہ اطہر میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور یہ نظریہ نہ امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور نہ علماء دیوبند کا۔ اب شیعہ معاشرت دنیوی کے قائل ہیں شیعوں کا یہ نظریہ بذات خود علامہ صاحب نے بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ کریں علامہ صاحب کی کتاب ''التحفہ العجیبہ'' (ص ۱۴۲) اتنے بڑی واضح فرق کے باوجود امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ اور نظریہ کو شیعوں کا مخصوص عقیدہ قرار دینا انصاف کا تقاضہ نہیں اور اگر حیات جسمانی کے قول سے کوئی شیعہ بن جاتا ہے تو پھر اس گتھی کو علامہ صاحب ہی سلجھائیں کہ تمام علماء دیوبند میں ایک بھی ایسا نہیں جو جسد عنصری کے حیات کا قائل نہ ہو پھر تو پوری دیوبندیت علامہ صاحب کے فتویٰ کی زد میں آگئی ہم چند حوالہ جات اکابر دیوبند کے جسد عنصری کے حیات پر ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

(۱) حکیم الامت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں اہل السنۃ والجماعۃ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کا مسئلہ مشہور ومعروف اور جمہور علماء کا اجماعی مسئلہ ہے، علماء دیوبند حسب عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی پاک قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کے اجسام کے ساتھ ان کی ارواح مبارکہ کا ویسا ہی تعلق قائم ہے جیسا کہ دنیوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام بھی سنتے ہیں، وغیرہ! علماء دیوبند نے یہ عقیدہ کتاب وسنت سے وراثۃً پایا ہے اور اس بارے میں ان کے سوچنے کا طرز بھی متوارث ہی رہا ہے۔'' (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ۱۹۶۲ء ستمبر ص ۱۱)

قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان میں چند باتیں نمایاں ہیں کہ: (۱) انبیاء علیہم السلام اپنی پاک قبروں میں حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔ (۲) ان کے اجساد کے ساتھ ارواح مبارکہ کا بدستور تعلق ہے۔ (۳) وہ عبادت میں مشغول ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ (۴) قبور مبارکہ پر حاضر ہونے والوں کا صلوۃ وسلام بھی سنتے ہیں اس کے بعد حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ واضح طور پر لکھتے ہیں۔ علماء دیوبند نے یہ عقیدہ کتاب وسنت سے وراثتاً پایا ہے۔ یہی نظریہ امام اہل السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے تو کیا حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ بھی شیعہ بن گئے؟

(۲) مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ولان النبیین صلوات اللہ علیہم اجمعین لما کانوا احیاء، فلا معنی لتوریث الاحیاء منھم'' اور اس لئے کہ جب انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو زندوں کا ان سے وراثت پانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ (الکوکب الدری ج ۱ ص ۴۳۲)

علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''یا بایں وجہ کہ آپ اپنے قبر میں زندہ ہیں و نبی اللہ حی یرزق (اور اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے) اس مضمون کو مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالا مزید علیہ بیان کیا ہے۔'' (ہدیۃ الشیعہ ص ۴۴)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کو اس وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاوی رشیدیہ ص ۳۳۰)

(۳) مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''ہاں! اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے، اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے۔ اوّل یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا مجالس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے۔ اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ موجب تعظیم......الخ!'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۰)

اب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بھی جسد عنصری کے حیات کا ہی ہے اسی وجہ سے تو فرمار ہے ہیں کہ: ''اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے۔'' اور پھر اس کے بارے میں واشگاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ: ''یہ صورت بے ثبوت بھی ہے اور باعث توہین بھی۔'' تو کیا جسد عنصری کے حیات کی وجہ سے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شیعہ ہو گئے؟ جو حضرات عقیدہ حیات الانبیاء پر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف فتاوی جات اور عبارات سے دھوکہ دیتے ہیں وہ اس فتویٰ اور عبارت کو آخر کیوں نظر انداز کرتے ہیں؟

(۴) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ

شرف حاصل ہے، کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی ''جسد مع تلبس الروح'' اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔'' (اشرف الجواب ص ۲۵۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''سلام کا سننا نزدیک خود سے اور دور سے بذریعہ ملائکہ سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہیں۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۰، امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۰۳، بوادر النوادر ص ۲۰۵)

اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قبر مبارک میں حضور ﷺ کے ''جسد مع تلبس الروح'' اور ''عند القبر'' سماع کے قائل ہیں تو کیا یہ حضرت بھی شیعہ بن گئے؟

(۵) علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وفی البیھقی عن انس و صححہ، ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس، ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور، کالاذان والاقامۃ عند الدارمی، وقراءۃ القرآن عند الترمذی، والحج عند البخاری'' (فیض الباری ج ۱ ص ۸۳)

یہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وہی عبارت ہے جس پر علامہ صاحب نے چیلنج دے رکھا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں گزر گیا۔ اب علامہ صاحب بتائے کہ کیا علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی شیعہ بن گئے؟

(۶) شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

علامہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی، لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے۔'' (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۶۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلوۃ وسلام پڑھتا ہے، اس کو خود سنتے ہیں۔'' (ایضاً ج ۳ ص ۲۴۹)

تیسری جگہ لکھتے ہیں: ''یہ اس امر کی صحیح صریح دلیل ہے، کہ روح مبارک کو جسم اطہر کے ساتھ اسی قبر منور سے تعلق ہے، اسی جگہ سلام پڑھا جاتا ہے اور اسی جگہ سے جواب سنا جاتا ہے۔'' (ایضاً ج ۳ ص ۲۵۹)

یہاں بھی علامہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عبارات میں حیات جسمانی، حسی، عبادات میں مشغول ہونا، عند القبر صلوۃ وسلام کا سننا، روح مبارک کا جسد اطہر مبارک کے ساتھ اسی قبر میں تعلق کا ہونا صراحتاً مذکور ہے تو کیا یہ بھی شیعہ بن گئے؟

(۷) شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ ایک خط کے تفصیلی جواب میں لکھتے ہیں: ''اجساد انبیاء میں ایک خاص نوع کی حیات ہے۔ ظاہر ہے کہ حیات تو روح ہی کے تعلق سے ہوتی ہے، بغیر تعلق روح کے حیات کا کیا مطلب؟'' (معارف شیخ ص ۳۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''جو شخص حضور اقدس ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑا ہو کر درود پڑھے تو حضور

اقدس ﷺ اس کو سنتے ہیں: ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' نص صریح ہے۔'' (ایضاً ص ۳۹، ۴۰)
اب یہاں بھی مثل دیگر علماء دیوبند کے حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی ﷺ کی تصریح ہے کیا یہ بھی شیعہ تھے؟

(۸) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

علامہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنا اور اپنے مشائخ کا عقیدہ ''المہند'' میں ذکر کیا ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب علامہ صاحب کے ہاں متنازع فیہ بن گئی ہے۔ لہٰذا مناسب ہے ہم علامہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے دوسری مسلم عند الفریقین کتاب کا حوالہ دیں۔ چنانچہ علامہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''یہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہے باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آ سکتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔'' (براہین قاطعہ ص ۲۰۳، ۲۰۴)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''والا فھی دائما تعرض علیہ بواسطۃ الملک، الا عند روضتہ فیسمعھا بحضرتہ'' ورنہ تو فرشتہ کے واسطہ سے ہمیشہ ان پر پیش کیا جاتا ہے۔ ہاں! روضہ کے قریب تو وہاں خود سنتے ہیں۔
(بذل المجہود ج ۲ ص ۱۶۵، مکتبہ امدادیہ)

اور حدیث: ''مامن احد یسلم علی'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فظاھر عقد الباب، یدل علی ان المراد بالسلام علیہ السلام عند القبر وقت حضور للزیارۃ، الا رد اللہ علی روحی قال ابن حجر ای نطقی حتی ارد علیہ السلام ای اقول وعلیک السلام، قال القاضی لعل معناہ ان روحہ المقدسۃ فی شان ما فی الحضرۃ الالھیۃ فاذا بلغہ سلام احد من الأمۃ رد اللہ تعالی روحہ المطھرہ من تلک الحالۃ الی رد من یسلم علیہ'' بظاہر باب کا یوں قائم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے زیارت کے وقت قبر کے پاس سلام کہنا مراد ہے: ''الا رد اللہ علی روحی'' کا معنی حافظ ابن حجر یہ کرتے ہیں کہ مجھے قوت گویائی دی جاتی ہے اور ''حتی ارد علیہ السلام'' کا معنی یہ ہے کہ میں کہوں گا وعلیک السلام قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید اس کا معنی یہ ہو کہ آپ کی روح مقدس اللہ تعالیٰ کے جلال اور مشاہدہ کے نظارہ میں مشغول ہوتی ہے۔ پس آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح مبارکہ کو اس حالت سے سلام کہنے والے کے سلام کے جواب دینے کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ (بذل المجہود ج ۳ ص ۲۷)
اب علامہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی کھل کر سماع عند القبر عرض الاعمال کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی شیعہ بن گئے؟

(۹) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ان النبی حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ'' حضور ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹، ۴۲۱)

(۱۰) مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

حضرت علامہ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث: ''مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی'' (الحدیث) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''علاوہ ازیں انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔ اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء اور خاص کر سید الانبیاء کو اپنی قبر میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح

نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام توجہ دوسرے عالم کی طرف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعے یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس روحانی توجہ والتفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۹، ۳۷۸)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاص سے آپ پر سلام بھیجتا ہے آپ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہوکر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ اگر عمر بھر کے صلوۃ وسلام کا اجر وثواب نہ ہوسکے صرف آپ کا جواب مل جائے تو کچھ مل گیا ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۹)

تیسری جگہ لکھتے ہیں: ''حدیث ''من صلی'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوگئی۔ فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہوکر صلوۃ وسلام عرض کریں تو آپ بنفس نفیس سنتے ہیں۔'' (ایضاً ج ۵ ص ۳۸۰)

یہ تھے ہمارے اکابر دیوبند اور انکا عقیدہ حیات جو سب کے سب بلا استثناء حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل ہیں اور یہی عقیدہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اگر یہ حضرات شیعہ تھے تو پھر یہ سنی کون ہیں؟

ان چند حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ! امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ قطعاً شیعوں کا نہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند ہی کا ہے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ کہنا علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔

غلط فہمی نمبر ۱۳

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''مولوی سرفراز نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں رسالہ سماع الموتی میں لکھا ہے: ''رأیھا رأی النساء'' (رسالہ سماع الموتی ص ۲۸۲ طبع اول) پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ مولوی سرفراز نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اتنی گستاخی کی اور اس کی رائے کو (رأیھا فرأی النساء) کہا اتنی جرات اور اتنی بڑی گستاخی۔''

(التقید الجوہری ص ۴، ۵، البرہان الجلی ص ۲۳، ۲۴)

ازالہ: علامہ صاحب کے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت نقل کریں ملاحظہ کریں:

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام اور شان اپنی جگہ پر مسلم ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کی روایت مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جن کی روایت بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ اور مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ میں ہے۔ وغیرہ اجلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحیح روایات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور جمہور کی تحقیق کو نظر انداز کرکے کس کس کے وہم کا دعوی کیا جائے بعینہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فرمایا تھا: ''وتعلمون ان وھن النساء وضعف رایھن الی التلاشی'' (الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ج ۱ ص ۶۷) اور تم جانتے ہو کہ بے شک عورتیں کمزور اور ان کی رائے بھی ضعیف و مضمحل ہوتی ہے۔'' (سماع الموتی ص ۲۸۲)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ عبارت میں واشگاف الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علمی مقام اور ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور علامہ صاحب نے جو عبارت امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی ہے۔ وہ دراصل حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے کلمات ہیں، جن کو انہوں نے جنگ جمل کے موقع پر فرمائے تھے۔ اب اس تفصیل کو نظر انداز کر کے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گستاخ قرار دینا بڑی غلط فہمی ہے۔ اسی قسم کا اعتراض مشہور اہل حدیث (غیر مقلد) عالم ارشاد الحق اثری صاحب نے کیا تھا جس کا جواب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند مولانا عبدالقدوس خان قارن صاحب دامت فیوضہم دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تاریخ کی دیگر کتابوں بالخصوص البدایۃ والنہایۃ میں اس کی صراحت ہے کہ جنگ جمل کے موقع پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں جانے سے روکا تھا اور صلح کی کوشش کی تھی۔'' (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۴۱) مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المؤمنین دونوں کے طرفداروں میں کچھ شدت پسند ایسے تھے جن کی وجہ سے وہ واقعہ پیش آیا اور ام المؤمنین آخر عمر تک اس اقدام پر افسوس کا اظہار کرتی رہیں اور روتی رہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اس موقع پر مصالحانہ انداز یہ تقاضہ کرتا ہے کہ یہ الفاظ انہوں نے جذبات کی رو میں بہہ کر توہین کے لئے نہیں کہے تھے بلکہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے میدان جنگ میں آجانے میں ان کی جانب سے عذر پیش کرتے ہوئے فرمائے جب کہ اجل صحابہ رضی اللہ عنہم کے برخلاف وہ اپنی رائے پر قائم تھیں۔ ان کا مقصد قطعاً ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کا استخفاف نہ تھا اور نہ ان کی جانب سے اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت شیخ الحدیث دام مجدہم نے بھی صرف اس لحاظ سے کہ اجل صحابہ رضی اللہ عنہم کے برخلاف وہ اپنی رائے پر قائم ہیں یہ قول نقل کیا ہے۔ اجل صحابہ جو واقعہ میں موجود تھے جنہوں نے خود قلیب بدر والوں سے خطاب کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا اور وہ واقعہ بیان کر رہے ہیں جب کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے ان کی روایت کو تسلیم نہیں کرتیں تو ان کی رائے کو کیسے لیا جا سکتا ہے۔ اجل صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی آنکھوں کے مشاہدہ اور کانوں سے سنے ہوئے واقعہ کو بیان کرتے ہیں اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی اس کے برعکس اپنی رائے ہے۔'' (مجذوبانہ واویلا ص ۱۰۶)

یعنی جس طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر یہ الفاظ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف سے عذر کے طور پر کہے تھے نہ کہ استخفاف کی غرض سے تو بعینہ یہی الفاظ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف سے عذر کے طور پر لکھے ہیں نہ کہ استخفاف کی نیت سے۔ حاشا وکلا!

غلط فہمی نمبر ۱۴

علامہ خان بادشاہ صاحب ''مولوی سرفراز خود اپنے فتوے کا شکار'' عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''مولوی سرفراز شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں راہ سنت میں لکھتے ہیں۔

(نوٹ) اکثر اہل بدعت حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کیا کرتے ہیں، مگر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں: ''کانا من اھل السنۃ والجماعۃ ومن اولیاء ھذہ الامۃ'' (جمع الوسائل ج ۱ ص ۲۰۸) کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ دونوں

اہل السنۃ والجماعۃ کے اکابر میں اور اس امت کے اولیاء میں تھے اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کرتے کرتے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۱۱ھ پھولے نہیں سماتے۔(بغیۃ الوعاۃ) (راہ سنت ص ۱۸۷)

مگر اس کے باوجود مولوی سرفراز نے خود اہل بدعت میں شامل ہو کر اپنی کتاب سماع الموتی میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رفیع شان میں گستاخی کر لی اسے مبتدع اور گمراہ لکھ کر گالی بھی لکھ ماری جو ایک نازیبا حرکت ہے۔ دیکھئے رسالہ (سماع موتی ص ۱۴۳) تو اس تصریح سے ثابت ہوا کہ:''یہ خود شیعہ اور بریلوی اور مبتدعین کی جماعت میں داخل ہے۔'' (التنقید الجوہری ص ۶، البرہان الجلی ص ۲۶)

ازالہ: علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ اخلاقی اور علمی فریضہ تھا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو پورا نقل کرتے تو شاید علامہ صاحب کی یہ غلط فہمی خود بخود دور ہو جاتی۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ وہ عبارت نقل کر دی جائے۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے عنوان ''طبیعت میں شدت وحدت'' قائم کر کے لکھا ہے کہ:''اللہ تعالیٰ نے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دور میں علم واصلاح اور جہاد وغیرہ بہت سی نعمتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا، وہ اپنے زمانہ میں اپنا نظیر اور اپنی مثال خود تھے، مگر فطری طور پر ان کی طبیعت میں بے حد شدت تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ طبیعت میں حدت اور شدت تھی، اس کے باوجود ان کے اندر حلم اور بردباری بھی تھی۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۱، امام ابن تیمیہ ص ۵۸۱)

اور نیز لکھا ہے کہ ان کی بحث وتکرار میں بہ تقاضائے بشریت غیظ وغضب میں حدت اور تیزی پیدا ہو جاتی تھی۔ (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۱، والبدر الطالع ج ۲ ص ۶۵ اور امام ابن تیمیہ ص ۶۰۳) افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری لکھتے ہیں کہ:''امام موصوف کی طبیعت میں تیزی اور حدت وشدت زیادہ تھی۔ جب کوئی کام خلاف شریعت ہوتا ہوا نظر آتا تو بگڑ جاتے تھے۔ (امام ابن تیمیہ ص ۵۸۶)

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:''اما الحافظ ابن تیمیہ، فانہ وان نسب الزیادۃ والنقصان الی امامنا، لکن فی طبعہ سورۃ وحدۃ، فاذا عطف الی جانب عطف ولا یبالی واذا تصدی الی احد تصدی ولا یحاشی، ولا یومن مثلہ من الافراط والتفریط فالتردد فی نقلہ لھذا''
(فیض الباری ج ۱ ص ۵۹)

بہر حال حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ ایمان کی زیادت اور نقصان کی نسبت ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف کی ہے، لیکن ان کی طبیعت میں تیزی اور حدت ہے وہ جب کسی طرف جھکتے ہیں تو اسی طرف کے ہو رہتے ہیں اور پروا نہیں کرتے اور جب کسی کے درپے ہوتے ہیں تو درپے ہی رہتے ہیں اور پرہیز نہیں کرتے۔ سو ایسی شخصیت سے افراط وتفریط غیر متوقع نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کی نقل میں تردد ہے اور دوسرے مقام پر ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:''واذا تاول ابن تیمیۃ فی مثل ھذہ الالفاظ، فماذا یصنع فی قولہ حسبت علی بتطلیقۃ فانہ صریح فی عبرتھا، الا انہ من طریقہ انہ اذا مر بلفظ لا یسوغ فیہ تاویلہ یغمض عنہ'' (فیض الباری ج ۴ ص ۳۱۰)

مان لیا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان جیسے الفاظ کے تاویل کرتے اور کر سکتے ہیں، لیکن یہ تو بتائیں کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول سے کیا کریں گے کہ بحالت حیض میری دی ہوئی طلاق کا اعتبار کیا گیا۔ یہ قول تو صراحت سے دلالت کرتا ہے کہ بحالت حیض دی ہوئی طلاق کا اعتبار کیا گیا۔ مگر حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ ہے

کہ وہ جب کسی ایسے لفظ پر آتے ہیں جس میں ان کی تاویل نہیں چلتی تو وہ اس سے آنکھیں ہی بند کر لیتے ہیں یہ روایت بخاری ج ۲ ص ۷۹۰ اور مسلم ج ۱ ص ۴۷۶ میں ہے جس میں تصریح موجود ہے کہ بحالت حیض طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ صراحت حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور مسلک کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ اس میں تاویلات سے کام لیتے ہیں مگر ''حسبت علي بتطليقة'' کے صریح ارشاد سے گلوخلاصی نہیں کرا سکے۔ غالباً علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۴۸ھ نے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے ہی موقع پر ایک طویل خط میں تنبیہ فرمائی کہ اے کاش! صحیحین کی حدیثیں تم سے بچی رہتی۔ تم تو ہر وقت تضعیف واہدار یا تاویل وانکار سے ان پر حملہ کرتے رہتے ہو۔ (زغل العلم ص ۱۷، ۱۸، امام ابن تیمیہ ص ۶۱۱) بلکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے (زغل العلم ص ۳۲) اور اپنے رسالہ ''النصيحة الذهبية لابن تيمية'' میں ان کو خاصا کوسا ہے اور یہاں تک لکھا ہے کہ عقلندوں کی جماعت ان کو محقق فاضل اور مبتدع قرار دیتی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۰۸، امام ابن حجر المکی ۹۷۴ھ نے الجوہر المنظم میں اور علامہ تقی الدین الحصنی رحمۃ اللہ علیہ نے دفع الشبہ میں ان کو گمراہ تک لکھا ہے۔ (معارف السنن ص ۳۳)

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے (منہاج السنۃ ج ۱ ص ۲۴۷) میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی تعبیر اختیار کی، جس سے جسمیت کا شبہ ہوتا ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس سے برہم ہو کر اپنے طویل قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو صریح گالی دینے سے بھی باز نہیں آئے۔ ایک شعر یہ ہے:

كذب ابن فاعله يقول بجهله الله جسم ليس كالجسمان

(طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۲ منقول سماع موتی ص ۱۳۴ تا ۱۳۷)

قارئین! شاید آپ اس طویل اقتباس سے اُکتا گئے ہو، لیکن ہم اس تفصیلی عبارت نقل کرنے پر مجبور ہیں تاکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف واضح ہو جائے کہ اس پوری عبارت میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو کہاں گالی دی ہیں؟ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقف اختیار کیا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں فطری طور پر شدت وحدت تھی۔ اس بات کی تائید میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ تقی الدین الحصنی رحمۃ اللہ علیہ اور امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے متعدد حوالے نقل کئے ہیں۔ اب مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ''مبتدع'' کی نسبت امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور ''گمراہ'' کی نسبت علامہ تقی الدین الحصنی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور علامہ خان بادشاہ صاحب نے جن گالیوں کی طرف اشارہ کیا ہے تو وہ ''امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ'' کی عبارت میں موجود ہیں۔ علامہ صاحب نے اگر چہ اس کا الزام امام اہل السنۃ پر لگایا ہے، لیکن خود امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں صریح گالی ہی تصور کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو لکھتے ہیں: ''امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس سے برہم ہو کر اپنے طویل قصیدہ نونیہ میں حافظ ابن تیمیہ کو صریح گالی دینے سے بھی باز نہیں آئے۔'' جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو صریح گالی قرار دیتے ہیں، نیز امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تحریر یہ بتا رہا ہے کہ وہ خود اس سے متفق نہیں۔ اگر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اس پر خاموشی اختیار کر لیتے تو پھر بھی کوئی بات تھی لیکن اس وجہ سے کہ کوئی ان حوالوں سے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی توہین یا تنقیص میں مبتلا نہ ہو جائے۔ عبارت مذکورہ کے فوراً بعد لکھا: ''یہ بڑوں کی آپس میں معاصرانہ یا ناقدانہ باتیں ہیں، ہمارے لئے سبھی حضرات قابل قدر ہیں اور معاذ اللہ تعالیٰ! ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابن

تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی توہین و تنقیص نہیں ہے۔ بتانا صرف یہ ہے کہ کئی مسائل میں وہ متفرد ہے اور ان مسائل میں ان کے شاگرد اور مخصوص متوسلین کے بغیر اور کسی نے ان کی ہمنوائی نہیں کی اور طبیعت کی شدت اور حدت کی وجہ سے وہ ان پر مصر بھی رہے۔ لہٰذا جمہور کا ساتھ چھوڑ کر ایسے نظریات میں ان کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا حق جمہور کے ساتھ ہی ہے۔''

(سماع الموتی ص ۷، ۱۴۸،۱۴۳)

قارئین! دیکھ لیا آپ نے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے واضح اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ میرا مقصد ان حوالوں سے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص نہیں بلکہ ان کی طبعیت میں جو فطری شدت وحدت تھی اور کئی مسائل میں وہ متفرد تھے۔ اس کو بیان کرنا مقصود ہے اور جن علماء نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو سخت قسم کے الفاظ فرمائے ہیں ان کو معاصرانہ و ناقدانہ باتوں پر محمول کر کے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع کیا۔ لیکن علامہ صاحب کا اس کو پھر بھی توہین و تنقیص پر محمول کرنا غلط فہمی کے سواء کچھ نہیں۔

خلاصہ کلام: امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو اہل السنۃ والجماعۃ کے اکابر اور اس امت کے اولیاء میں شمار کرتے ہیں، کیونکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی فطری شدت وحدت اور مسائل میں ان کا تفرد ان کے اہل السنۃ کے اکابر اور اس امت کے اولیاء میں شمار کرنے کی منافی نہیں۔

غلط فہمی نمبر ۱۵

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں کہ: ''مولوی سرفراز نے ''تبرید النواظر'' اور ''ازالۃ الریب'' میں عرض اعمال کی احادیث کو بریلویوں کے مقابلہ میں ضعیف لکھا تھا اور یہاں تک تحریر کیا تھا کہ اس کی سند صحیح نہیں صرف جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو جعلی اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ اس نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور آج جماعت اشاعت التوحید والسنۃ والوں کے ساتھ مقابلہ ہوا تو اس حدیث کی سند صحیح ہو گئی۔ کیونکہ تصحیح اور تضعیف مولوی سرفراز کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور جمعیت علماء اسلام والے آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چل رہے ہیں کیا جمعیت میں کوئی زندہ دل، طالب حق، عالم دین اور طالب علم ہے جو مولوی سرفراز سے اس کرتب کا پوچھے کہ یہ کیوں؟'' (التنقید الجوہری ص ۳، ۴، البرہان الجلی ص ۲۲، الصواعق المرسلہ ص ۵۹، الحقۃ الصحیحہ ص ۳۴۰)

ازالہ: افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ جیسی شخصیت کو اتنی بڑی غلط فہمی کیوں ہوئی کہ جس اعتراض کا جواب خود امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں دے چکے ہیں، اس پر جمعیت علماء اسلام کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ اس اعتراض کا دیا ہوا جواب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ''جس وقت ہم نے ''ازالۃ الریب'' لکھی تھی اس وقت ہمارے سامنے صرف امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی خصائص الکبری کا حوالہ ہی تھا اور ہم صرف امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح پر ان کے تساہل ہونے کی وجہ سے مطمئن نہ تھے، لیکن سرسری طور پر اس کے دیگر مظان سے دیکھا تو کسی اور کی تصحیح و تحسین نہ مل سکی۔ لیکن بعد کو مجمع الزوائد، زرقانی، رئیس المحدثین ابن حجر ثانی حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حوالے مل گئے تو ہم مطمئن ہو گئے اور ہم نے اسی اطمینان سے یہ بحث تسکین الصدور میں باحوالہ درج کر دی اور اس سلسلہ میں اصل اعتماد امام سیوطی کے علاوہ دوسروں پر ہے۔ جب اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں تو ان کے ثقہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور جب ذمہ داری سے علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کو صحیح اور جید کہتے ہیں تو اصول حدیث کے رو سے صحت کے لئے اتصال سند بھی ضروری امر ہے۔

لہٰذا اتصال سند بھی ثابت ہے۔ علامہ ابن صلاح کا حوالہ اس کتاب میں اپنے مقام پر آرہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اور علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نرے ناقل اور جامع ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح اور ضعیف حدیثوں کے پرکھنے کا قوی ملکہ عطاء فرمایا ہے اور بعد میں آنے والے جملہ محدثین کرام اس سلسلہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ جب یہ ذمہ دار حضرات اس کی تصحیح کرتے ہیں تو یہ روایت مسند بزار میں رہ کر بھی صحیح ہو سکتی ہے، نہ طبقہ بدلنے کی حاجت ہے اور نہ اس صحیح روایت پر بے اعتمادی کی کوئی وجہ ہے۔" (تسکین الصدور ص ۲۴۴، ۲۴۵)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر یہ لکھا کہ "ازالۃ الریب" لکھتے وقت حدیث عرض الاعمال کے متعلق صرف امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح مدنظر تھی اور امام سیوطی تصحیح حدیث میں چونکہ متساہل ہیں اور دوسرے محدثین کی تصحیح نظر سے نہ گزری۔ اسی وجہ سے اکیلے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح سے ہم مطمئن نہ تھے۔ اسی وجہ سے حدیث عرض الاعمال کو ضعیف لکھا اور جب بعد میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے محدثین علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کا علم ہوا جو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کی تائید ہے تو اصول محدثین کی پیش نظر یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ لہٰذا علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ کہنا کہ اشاعت التوحید سے مقابلہ ہوا پھر اس کی سند صحیح ہوئی غلط فہمی کے سواء کچھ نہیں۔ لہٰذا علامہ صاحب کا جمعیت علماء اسلام سے مطالبہ کرنا کہ اب اس کی تصحیح کی کیا دلیل ہے بالکل بے سود ہے۔ جب کہ خود علامہ صاحب نے اپنی کتاب "التحفۃ العجیبہ ص ۳۲۲" پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب نقل کیا ہے معلوم نہیں پھر کیوں غلط فہمی لاحق ہوئی؟

غلط فہمی نمبر ۱۶

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث عرض الاعمال کی تصحیح میں علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اس پر علامہ صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میں (خان بادشاہ) کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے ورنہ یہ خود امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد نہیں کرتا، کیونکہ جب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ قول ہیثمی سے استدلال کرتا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں تو اس نے اس پر "احسن الکلام ج ۲ ص ۱۱۴" میں رد کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد نہیں کیا۔ کیونکہ وہاں مبارکپوری سے مقابلہ ہے اور یہاں ہیثمی کا قول جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے اکابر کے مقابلہ میں اس وجہ سے اس کا قول حجت ہے۔" (التحفۃ العجیبہ ص ۳۲۳)

<u>ازالہ</u>: یہ بھی دراصل علامہ صاحب کی غلط فہمی ہی کا نتیجہ ہے، کیونکہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، حقیقت کو سمجھنے کے لئے "احسن الکلام" کی عبارت تفصیل سے نقل کرتے ہیں جس کا حوالہ علامہ صاحب نے دیا ہے۔ چنانچہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "مبارکپوری کہتے ہیں کہ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہے۔ رواتہ ثقات (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۰) اس لئے یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ (تحقیق الکلام ج ۱ ص ۹۰ وغیرہ)" (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۷ طبع پنجم)

قارئین کرام! اس عبارت کو غور سے مطالعہ کریں اس میں دو باتیں موجود ہیں۔ ایک یہ کہ مبارکپوری صاحب نے علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات نقل کی ہے کہ: "رواتہ ثقات" اور دوسری بات خود علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی ہے نہ کہ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی اور وہ یہ الفاظ ہے کہ: "اس لئے یہ روایت بالکل صحیح ہے۔" یہ عبارت مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو رد کیا ہے۔ یہاں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ

ہیثمی رحمہ اللہ کی قطعاً تردید نہیں کی ہے بلکہ تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو: "رہا علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا رواۃ ثقات کہنا تو اپنے موقع پر صحیح ہے۔ عبید اللہ بن عمر ثقہ ہے۔ مگر صاحب خطاء اور وہم ہے اور ابو قلابہ ثقہ ہے، مگر غضب کا مدلس ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا خود مبارکپوری صاحب جواب دے گئے ہے۔ چنانچہ انہیں کا خود نوشت جواب ملاحظہ ہو ایک مقام پر لکھتے ہیں: "واما قول الھیثمی رجالہ ثقات، الخ فلا یدل علی صحۃ الحدیث۔ ابکار المنن ص ۲۴۴"

(احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۸، ۱۲۹)

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے واشگاف الفاظ میں لکھا ہے کہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کا رواۃ ثقات کہنا بالکل بجا ہے۔ البتہ علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس سے جو غلط نتیجہ نکالا تھا اسی کی تردید مبارکپوری رحمہ اللہ کے اصولوں سے کی۔ لہٰذا امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے دونوں جگہ امام ہیثمی رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا ہے تردید نہیں اور یہاں یہ تردید مبارکپوری رحمہ اللہ کی ہے جو غلط فہمی سے علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کے متعلق سمجھی گئی۔

مسئلہ عرض الاعمال پر شبہات کا ازالہ

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے مسئلہ "عرض الاعمال" کی مختصر لیکن مدلل بحث تسکین الصدور میں کی۔ لیکن علامہ صاحب نے ان پر کچھ شبہات پیش کیے ہیں جو غلط فہمی ہی کا نتیجہ ہے۔ ان شبہات کا ازالہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ایک ہے: "عرض الاعمال علی النبی ﷺ" اور ایک ہے: "دیگر اموات پر عرض الاعمال" امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے اولاً "عرض الاعمال علی النبی ﷺ" کی بحث کرکے دلائل دیئے ہیں۔ اسی ترتیب سے ہم پہلے نبی کریم ﷺ پر عرض الاعمال والی روایت اور دلائل پر علامہ صاحب کے شبہات جو کہ دراصل غلط فہمیاں ہے نقل کرتے ہیں اور پھر بعد میں عام اموات پر عرض الاعمال کے متعلق نقل کریں گے۔ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا "عرض الاعمال علی النبی ﷺ" پر پیش کردہ دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے عرض الاعمال پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت علامہ ہیثمی رحمہ اللہ، وفاء الوفاء، علامہ سبکی رحمہ اللہ، علامہ داود سلیمان رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کی ہے اور اس کی سند کے بارے میں امام ہیثمی رحمہ اللہ کا فیصلہ بھی سنایا کہ: "رجالہ رجال الصحیح" کہ اس کے راوی بخاری کے راوی ہیں اور پھر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل محدثین سے اس کی تصحیح نقل کی:

"(۱) امام سیوطی رحمہ اللہ از خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱
(۲) علامہ زرقانی رحمہ اللہ از زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۷
(۳) علامہ کشمیری رحمہ اللہ از فہرست عقیدۃ الاسلام ص ۱۱
(۴) علامہ شبیر احمد عثانی رحمہ اللہ از فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳
(۵) شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ از فتاوی عزیزیہ ج ۲ ص ۹، فارسی ومترجم ج ۲ ص ۱۴۶، استدلالاً"

(تسکین الصدور ص ۲۳۴، ۲۳۵)

اور پھر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ امام "بکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ" تابعی کی ایک مرسل روایت نقل کی ہے جو نہایت صحیح ہے اور اس کے بارے علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ کا فیصلہ بھی سنایا کہ: "وھذا اسناد صحیح الی بکر المزنی" (الصارم المنکی ص ۱۶۸)

یہ تو تھی وہ روایت جس کو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے پیش فرمایا ہے۔ اب اس پر علامہ خان بادشاہ صاحب کے شبہات کا ازالہ کرتے ہیں اور علامہ صاحب کے مسلم اصولوں کے مطابق واضح کریں گے کہ اس مسئلہ میں ''بکر بن عبداللہ مزنی'' کی مرسل روایت بھی ہمارا مستدل ہے۔

علامہ خان بادشاہ صاحب کا پہلا شبہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث دو وجھوں سے صحیح نہیں۔ اگر چہ راوی صحیح کے راوی ہیں۔ اوّل اس لئے کہ اس میں ''عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد'' ہے اور پھر اپنی کتاب ''التحفة العجیبه'' کے ص ۳۲۹ سے لے کر ص ۳۳۱ تک عبدالمجید پر جرح کی ہے، جس کا خلاصہ تقریباً یہ ہے کہ سب سے زیادہ اور تیز جرح کرنے والے ابن حبان ہے اور دوسرے ائمہ میں سے ارجاء کے طعن کے علاوہ محمد بن یحییٰ اور ابن سعد سے ''ضعیف'' نقل کیا ہے اور ابو حاتم ''لیس بالقوی'' کہتے ہیں اور ابو احمد سے ''لیس بالمتین'' اور دار قطنی سے ''لا یحتج به و یعتبر به'' نقل کیا ہے۔ باقی جس نے بھی جرح کی تو ارجاء کی وجہ سے کی ہے۔

<u>جواب نمبر ۱</u>: حافظ ابن حبان رحمہ اللہ کی جرح ''فاستحق الترک'' کی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے خوب خبر لی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''افرط ابن حبان فقال متروک'' (تقریب التھذیب مع التحریر ص ۳۹۱)

باقی ابن سعد وغیرہ نے جو جرح کر کے ضعیف کہا ہے تو یہ حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ راوی ثقہ ہیں۔ ملاحظہ کریں:

امام احمد رحمہ اللہ ''ثقه'' بتاتے ہیں۔ یحییٰ بن معین ''ثقه'' کہتے ہیں امام ابو داود رحمہ اللہ ''ثقه'' کہتے ہیں، امام نسائی رحمہ اللہ ''ثقه'' اور ''لیس به باس'' کہتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۶ ص ۲۱۳)

اور امام خلیل بھی ''ثقه'' کہتے ہیں۔ (تہذیب التھذیب ج ۳ ص ۴۷۹ طبع بیروت)

امام ابوالحسن سندھی رحمہ اللہ ''عبدالمجید بن عبدالعزیز رحمہ اللہ'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وفی الزوائد فی اسناده مقال، عبدالمجید هذا هو ابن عبدالعزیز، وان اخرج له مسلم فی صحیحه، فانما اخرج له مقرونا بغیره، فقد کان شدید الارجاء داعیة الیه، ولکن "وثقه الجمهور" واحمد، وابن معین، وابو داود، والنسائی، ولینه ابو حاتم، وضعفه ابن ابی حاتم، وباقی رجال الاسناد ثقات، فالاسناد حسن''

(سنن ابن ماجہ بشرح الامام ابی الحسن المعروف بالسندی ج ۲ ص ۱۴، دار المعرفہ بیروت)

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''ذکر من تکلم فیه وهو موثق'' (ص ۱۲۴) پر بھی تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں: ''ثقة مرجئی داعیة غمزه ابن حبان'' (تحریر احوال الرواۃ المختلف فیہم بما لا یوجب الرد ص ۲۹۱)

اور ''اتحاف الخیرة المهرة'' میں باب وقت الظهر ج ۱ ص ۱۲۱ پر ایک روایت نقل کرتے ہیں، جس میں ''عبدالمجید بن عبدالعزیز'' بھی ہے۔ سند ملاحظہ کریں: ''وقال محمد بن یحی بن ابی عمر، ثنا عبدالمجید بن عبدالعزیز، ثنا بلهط بن عباد عن محمد بن المنکدر، عن جابر بن عبداللہ قال ... الحدیث''

پھر اس سند پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قلت هذا الاسناد فیه مقال، بلهط قال الذهبی لا یعرف، والخبر

منکر، وذکر ابن حبان في الثقات وباقي الاسناد ثقات" میں کہتا ہوں، اس سند میں ضعف ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ نے "بلهط" راوی کو غیر معروف کہا ہے۔ لہذا خبر منکر ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔

یعنی "بلهط" راوی کے علاوہ سب ثقہ ہیں، جس میں عبد المجید بھی ہے۔

شیخ بشار عواد اور شیخ شعیب الارنؤط کی تحقیق

شیخ بشار عواد اور شیخ شعیب الارنؤط "عبد المجید" پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کے ان کلمات "صدوق یخطئی" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "بل "ثقة" أخطأ في احاديث كما يخطئي الناس، وهو من اثبت الناس في ابن جريج، و انما نقم عليه الارجاء، فضعفه بعضهم بسبب ذالک وقد اطلق توثيقه، احمد بن حنبل، وابن معين، وابو داود، والنسائي، والخليلي، وقال ابن عدى وعامة ما انكر عليه الارجاء" بلکہ ثقہ ہے چند احادیث میں خطاء ہوا ہے جیسا کہ دوسرے لوگ خطاء ہوئے اور وہ ابن جریج میں سب لوگوں سے اثبت تھے۔ ان پر ارجاء کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے تو بعض نے اسی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ، امام ابن معین رحمۃ اللہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ، امام نسائی رحمۃ اللہ اور امام خلیلی رحمۃ اللہ نے ان کی مطلقاً توثیق کی ہے اور امام ابن عدی نے کہا ہے کہ عام طور سے اس پر ارجاء کی جرح کی گئی ہے۔ (تحریر تقریب التہذیب ص ۴۹۱)

رہا "عبد المجید" کا مرجئی ہونا تو یہ یہاں مضر نہیں۔ کیونکہ ارجاء بدعت ہے اور ہر بدعتی کی روایت مردود نہیں ہوتی۔ مبتدع کی روایت لینے میں اگرچہ ائمہ اصول کے نزدیک کافی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ "صحاح ستہ" میں ایک کثیر تعداد بدعتی راویوں کی موجود ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہر بدعتی کی روایت مردود نہیں۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "قال ابن المديني: قلت ليحى بن سعيد: ان عبدالرحمن يقول اترک من كان راسا في بدعة يدعو اليها، قال فكيف يصنع بقتادة، وابن ابي رواد، وعمر بن ذر...، وذكر قوما، ثم قال يحى: ان ترک هذا الضرب، ترک ناسا كثيرا" امام ابن المدینی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں نے یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ سے فرمایا کہ عبد الرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چوٹی کا بدعتی ہو اور اس کی طرف دعوت دیتا ہو تو اس کو چھوڑ دو تو یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ پھر قتادۃ، ابن ابی رواد، وعمر بن ذر کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور دوسرے راویوں کو ذکر کرکے فرمایا۔ اگر اس قسم کی روایت کو ترک کردے تو بہت سے راویوں کو چھوڑ دے گا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۷۸)

یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ نے مذکورہ راویوں میں "ابن ابی رواد" کا تذکرہ بھی کیا ہے، جو حدیث "عرض الاعمال" کے ایک راوی "عبد المجید" کے والد ہیں اور جس طرح بیٹا مرجئی بدعتی ہے۔ اسی طرح باپ بھی چوٹی کا بدعتی تھا۔ جیسا کہ یحیٰ بن سعید رحمۃ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی امام یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ بدعت کی وجہ سے اس کی روایت کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ نیز یہ بات بھی مدنظر ہونا چاہئے کہ عبد المجید کی روایت کو بدعت کی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے صحیح شواہد موجود ہیں اور محدثین کی ایک خاصی تعداد نے اس کو صحیح کہا اور تمام اہل

سنت نے اس کے مطابق عقیدہ رکھا جن کے حوالہ جات اپنے مقام پر آرہے ہیں اور علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسند بزار کی سند کو "جید" کہا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "وروی ابو بکر البزار، فی مسنده باسناد "جید" عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ...... الحدیث" (طرح التثریب فی شرح التقریب ج ۳ ص ۲۹۷)

امام ابوبکر البزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اپنی مسند میں سند جید سے روایت نقل کیا ہے۔

شارح بخاری علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وفی حدیث ابن مسعود عند البزار باسناد "جید" رفعه، حیاتی خیر لکم ووفاتی خیر لکم، تعرض علی اعمالکم، فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیه، وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم" (ارشاد الساری، ج ۲ ص ۴۴۰ باب الصلوۃ علی الشہید)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو جید فرمایا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "والبزار باسناد صحیح"

(شرح الشفاء ج ۱ ص ۴۵، الفصل الاول فیما جاء من ذالک مجنی المدح)

اور دیارِ عرب کے مشہور محدث، شیخ عوامہ روایت مذکورہ کی تصحیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نعم الحدیث من حیث هو صحیح، رواه البزار من حدیث ابن مسعود باسناد "جید" کما قاله العراقی فی "طرح التثریب، ۳: ۲۹۷، ومقتضی کلامه فی "تخریج الاحیاء" انه لا ینزل عن رتبة الحسن: یضاف الا هذا روایة ابن سعد له فی "الطبقات" ۲: ۱۹۴، والقاضی اسماعیل فی جزئه (۲۵، ۲۶) عن بکر بن عبداللہ المزنی مرسلا "باسانید صحیحة" اما اسناد الحارث بن ابی اسامة (۹۵۵) فضعیف" (حاشیہ القول البدیع ص ۳۴۷)

شیخ عوامہ کی عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں کہ: (۱) مسند بزار کی روایت "صحیح" ہے۔ (۲) علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو "جید" مانتے ہیں۔ (۳) علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "تخریج احیاء" میں اس روایت کے بارے جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت "حسن" کے درجہ سے کم نہیں۔ معلوم ہوا کہ "عبدالمجید" محدثین کی تصریح کے مطابق جمہور کے ہاں ثقہ ہیں اور جب یہ راوی ثقہ ہے تو حدیث کو اس راوی کی وجہ سے ضعیف کہنا غلط فہمی کے سواء کچھ نہیں۔ پس یہ حدیث بلا شک وشبہ صحیح ہے۔

<u>جواب نمبر ۲:</u> ماقبل تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح اور اس کے راوی جمہور کے ہاں ثقہ ہیں، لیکن علامہ صاحب اب بھی ضعیف ثابت کرنے پر مصر ہیں تو ہم زیادہ سے زیادہ اس راوی کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ راوی "مختلف فیہ" ہے اور ایسے "مختلف فیہ" کے بارے میں اصول حدیث کا نقطہ نظر یہ ہے۔ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "قلت وفی هذه العبارات باسرها دلیل علی ما قلنا، ان الراوی اذا کان مختلفا فیه فهو "حسن الحدیث" و "حدیثه حسن" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۷۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: "قلت وهذا راجع الی ما قلنا اولا، ان المختلف فیه حسن" (ایضاً ص ۱۰۹)

یعنی مختلف فیہ راوی "حسن الحدیث" ہوتا ہے تو اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ یہ راوی مختلف فیہ ہے۔ تب بھی اس کو مسئلہ عرض الاعمال پر دلیل بنانا بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ راوی "حسن الحدیث" اور اس کی روایت "حسن" درجہ کی ہوگی اور حسن کے بارے میں اصول حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ: "الحسن کالصحیح فی الاحتجاج به، وان کان دونه فی القوة" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۷۸)

اور ہمارے اس اصول کی تائید ماقبل میں علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عوامہ کی عبارات سے بھی ہوتی ہے کہ اس سند پر جس میں ''عبدالمجید'' ہے۔ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حسن'' کا حکم لگایا اور شیخ عوامہ نے علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت کر کے تصریح کی ہے کہ ان کے نزدیک بھی یہی روایت درجہ ''حسن'' سے کم نہیں۔

<u>جواب نمبر ۳:</u> اگر اس حدیث کو نہ صحیح مان لیں اور نہ حسن اور بقول علامہ صاحب ضعیف ہی مان لیں، تب بھی اس سے ہمارا استدلال بایں وجہ صحیح ہے کہ ایک صحیح روایت اس کی شاہد اور مؤید ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے جس کی سند یہ ہے علامہ قاضی اسماعیل بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا غالب القطان عن بکر بن عبداللہ المزنی ... الحدیث'' (فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۲۰ تا ۱۲۴، تحقیق عبدالحق الترکمانی)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کے بارے میں علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ بھی سنا دیا کہ: ''ھذا اسناد صحیح الی بکر المزنی'' (الصارم المنکی ص ۱۶۸)

اور امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمۃ اللہ علیہ، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور اسماعیل القاضی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وروی ابن سعد، واسماعیل القاضی، بسند رجالہ ثقات عن بکر بن عبد اللہ المزنی مرسلا'' (سبل الہدی والرشاد ج ۱۲ ص ۲۷۱، دارالکتب بیروت)

<u>خلاصہ کلام:</u> کہ اگر یہ روایت ضعیف بھی تسلیم کر لی جائے پھر بھی مرسل صحیح سے مل کر صحیح بن کر قابل احتجاج بنتی ہے۔ لہٰذا ہمارا استدلال اس روایت سے بایں صورت بھی صحیح ہے۔

<u>تنبیہ:</u> اگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح یا حسن تسلیم کریں اور حقیقت بھی یہی ہے تو پھر بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت ہماری دوسری دلیل ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

<u>جواب نمبر ۴:</u> قارئین! یہ تمام تر بحث اس صورت میں ہے کہ ہم اپنے استدلال کا بنیاد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع متصل روایت پر رکھیں اور اگر ہم اپنے استدلال کی بنیاد بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت پر رکھیں، تب بھی اسی ایک روایت سے ہمارا استدلال صحیح ہے ملاحظہ کریں۔

بکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل روایت

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زید قال حدثنا غالب القطان عن بکر بن عبداللہ المزنی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم فاذا انامت عرضت علی اعمالکم فان رایت خیرا احمدت اللہ وان رایت شرا استغفرت اللہ لکم''

(فضل الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۲۰ تا ۱۲۶)

اس مرسل روایت کی سند نہایت صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ارسال کرنے والا بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کبار تابعین میں سے ہیں جو کہ ثقہ اور مامون ہیں۔ ضرورت تو نہیں لیکن پھر بھی رواۃ کی مختصر توثیق ملاحظہ کریں:

۱...... قاضی اسماعیل بن اسحاق (م ۲۸۲ ھ) علامہ ذہبی رحمہ اللہ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔ الامام، العلامہ، الحافظ، شیخ الاسلام، ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل آگے لکھتے ہیں: ''قال ابو بکر خطیب بغدادی کان عالما، متقنا، فقیھا'' (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۳۳۹، الطبقۃ الخامسۃ عشر)

''و ذکرہ ابن حبان فی الثقات'' (ثقات ابن حبان ج ۸ ص ۱۰۵ بیروت)

۲...... سلیمان بن حرب (المتوفی ۲۲۴) امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امام من الائمۃ، کان لا یدلس'' یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں: ''وکان ثقۃ، ثبتا، صاحب حفظ'' وقال النسائی ''ثقۃ مامون'' وقال ابن خراش ''کان ثقۃ'' قال ابن سعد ''کان ثقۃ کثیر الحدیث'' (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۵۸، ۳۶۰)

''ذکرہ ابن حبان فی الثقات'' وقال ابن قانع ''ثقۃ مامون'' (تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۳۹۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثقۃ، امام، حافظ'' (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۳۱۱)

۳...... حماد بن زید (المتوفی ۱۷۹) عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ائمۃ الناس فی زمانھم اربعۃ، سفیان الثوری بالکوفۃ، ومالک بالحجاز، والاوزاعی بالشام، وحماد بن زید بالبصرۃ اور امام یحیٰی بن یحیٰی النیسابوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ما رایت احفظ منہ، وقال احمد بن حنبل حماد من ائمۃ المسلمین من اھل الدین والاسلام، وقال یحی بن معین حماد بن زید اثبت من عبدالوارث وابن علیہ والثقفی وابن عیینۃ'' اور امام ابو زرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اصح حدیثا واتقن'' وقال محمد بن سعد کان عثمانیا، وکان ثقۃ، ثبتا، حجۃ، کثیر الحدیث'' وقال الخلیلی ثقۃ، متفق علیہ، وخیر الائمۃ'' (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثقۃ، ثبت، فقیہ'' (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۲۰۳)

۴...... بکر بن عبداللہ المزنی (المتوفی، ۱۰۸ یا ۱۰۶) قال ابن معین ''ثقۃ'' وقال النسائی ''ثقۃ'' وقال ابوزرعۃ ''ثقۃ مامون'' وقال ابن سعد ''کان ثقۃ، ثبتا، مامونا، حجۃ، وکان فقیھا'' وقال ابن حبان وکان عابدا، فاضلا'' وقال حمید الطویل کان بکر مجاب الدعوۃ'' وقال العجلی بصری، تابعی، ثقۃ''

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۰۴)

''وقال المدینی ''کان من خیار الناس'' (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۹۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ثقۃ، ثبت، جلیل'' (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۱۱۹)

اب یہ بات واضح ہوئی کہ بکر بن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ کی مرسل روایت نہایت صحیح ہے۔ اگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نہ بھی ہوتی تب بھی اس حدیث سے مسئلہ عرض الاعمال ثابت ہے۔ ہاں! یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ روایت مرسل ہے، لیکن علامہ خان بادشاہ صاحب یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں مرسل حجت ہے۔ علامہ خان بادشاہ صاحب حدیث مرسل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وجہ دوم یہ ہے کہ مرسل تین ائمہ مجتہدین کے نزدیک حجت ہے۔ جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ، احمد رحمہ اللہ اور اکثر فقہاء کہتے ہیں کہ اس سے استدلال صحیح ہے۔ (مقدمہ نووی ج ۱ ص ۴۳ بر حاشیہ) ارشاد الساری اسی وجہ سے حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تابعین نے اس پر اجماع کیا ہے کہ مرسل قبول ہے اور دو سو ہجری تک کسی امام سے انکار ثابت نہیں مطالعہ کریں۔

(تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۶۳، ما تمس الیہ الحاجۃ ص ۶۴)

علامہ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ: مرسل ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً مقبول ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ اس نے ارسال اس لئے کیا ہے کہ ان کو صحیح ہونے کا یقین تھا۔ (مقدمہ مشکوٰۃ ص ۳) میں (علامہ خان بادشاہ) کہتا ہوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی جگہوں میں مرسل اور موقوف حدیث کو کہا ہے کہ یہ صحیح اور حسن ہے، جیسا کہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ثوری عمرو بن یحیٰ سے اور اس کے اپنے باپ سے اور اس کے نبی کریم ﷺ سے اثبت اور اصح ہے جیسا کہ سنن ترمذی ج ۱ ص ۴۳ میں ہیں، طبع پاکستانی۔ حالانکہ یہ مرسل حدیث ہے اور فرماتے ہیں کہ حدیث ابی ہریرۃ موقوف اصح ہے۔ سنن ترمذی ج ۱ ص ۳۸ اور فرمایا ہے کہ یہ مرسل اصح ہے ج ۱ ص ۱۲۰ مطالعہ کریں۔ سنن ترمذی ج ۱ ص ۴۲، ۴۸، ۸۳، ۸۴، ۸۷، ۱۲۴، ج ۲ ص ۶۸، ۱۷۶، ۱۱۵، ۱۴، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۵۔" (القول المبین ص ۸۸ تا ۹۱)

علامہ صاحب کی خود اپنی تحقیق بھی یہی ہے کہ مرسل ہمارے ہاں حجت ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ یہاں پر مرسل ہونے کا اعتراض نہیں کریں گے۔ مرسل کی مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ کریں۔ (علوم الحدیث لابن صلاح ص ۵۵، فتح المغیث للسخاوی ج ۱ ص ۱۵۷، فتح المغیث للعراقی ص ۸۲، مقدمہ ابن الصلاح ص ۸۹، تنسیق النظام حاشیہ مسند امام اعظم ص ۱۸۷ طبع مکتبہ البشری، مقدمہ مسند امام اعظم ص ۴، طبع المیزان)

اب آخر میں مرسل کے متعلق وکیل احناف علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول فیصل ذکر کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: "قال ابن الحنبلی فی قفو الاثر، والمتختار فی التفصیل قبول مرسل الصحابی اجماعا، و مرسل اهل القرن الثانی والثالث عندنا (ابی حنیفة) وعندمالک مطلقا" ابن الحنبلی قفوالاثر میں فرماتے ہیں۔ تفصیل میں مختار یہ ہے کہ صحابی کی مرسل روایت بالاجماع مقبول ہے اور تابعین اور تبع تابعین کی مرسل روایت ہمارے نزدیک اور امام مالک کے نزدیک مطلقاً یعنی بغیر کسی شرط کے مقبول ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۳۸، ۳۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: "قلت وبهذا علم ان کون الراوی یرسل عن الثقات وغیر هم جرح فی مرسل من هو دون القرون الثلاثة، واما اهل القرون الثلاثة فمرسلهم مقبول عندنا مطلقا کما مر" میں کہتا ہوں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ راوی کا ثقہ اور غیر ثقہ سے ارسال کرنا قرون ثلاثہ کے علاوہ میں جرح ہے اور ثقہ راوی قرون ثلثہ میں ہو تو اس کی مرسل ہمارے ہاں مطلقاً قبول ہیں جیسا کہ گزر گیا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۳۸، ۳۹)

امام ابن الحنبلی کا حوالہ ملاحظہ کریں۔ (قفوالاثر ص ۷۸)

خلاصہ کلام کہ مرسل روایت ہمارے ہاں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہے۔ لہٰذا بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مسئلہ عرض الاعمال پر مستقل دلیل ہے۔ اسی طرح مسئلہ عرض الاعمال کی بنیاد، دو صحیح روایات پر ہے اور بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی دوسری سند بھی موجود ہے ملاحظہ کریں:

قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حدثنا الحجاج بن المنهال قال حدثنا حماد بن سلمه عن کثیر ابی الفضل عن بکر بن عبدالله ان رسول الله ﷺ قال حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم فاذا انا مت عرضت علی اعمالکم فان رایت خیرا احمدت الله وان رایت شرا استغفرت الله لکم... الخ!

(فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ ص ۱۲۵، ۱۲۶)

قاضی اسماعیل کا ترجمہ گزر چکا ہے دیگر روات کے متعلق ملاحظہ کریں:

۱...... حجاج بن المنهال (م ۲۱٦ ھ یا ۲۱۷ ھ) قال احمد "ثقة ما ارى به بأسا" وقال ابو حاتم "ثقة فاضل" وقال العجلى "ثقة رجل صالح" وقال النسائى "ثقة" وقال ابن سعد "كان ثقة كثير الحديث"

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷ ۴۴، تہذیب الکمال ج ۲ ص ۷ ۴۳)

وذكره ابن حبان فى الثقات وقال ابن منده "وكان من خيار الناس" (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷ ۴۴)

وقال الحافظ ابن حجر "ثقة فاضل" (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۱٦۴)

۲...... حماد بن سلمه (م ۱٦۷) قال احمد فى الحمادين (حماد بن زيد، وحماد بن سلمه) ما منهما الاثقة امام ابن معین "ثقة" کہتے ہیں: وقال البيهقى "هو احدائمة المسلمين الا انه لما كبر ساء حفظه فلذا تركه البخارى، وقال الساجى كان "حافظا، ثقة، مامونا" وقال ابن سعد "كان كثير الحديث" وقال العجلى "ثقة، رجل صالح، حسن الحديث" وقال النسائى "ثقة" (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۱، ۱۲)

وقال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ "ثقة، عابد، اثبت الناس فى ثابت، وتغير حفظه باخره"

(تقریب التہذیب مع التحریر ص ۲۰۳)

حماد بن سلمہ کے بارے میں محدثین کی رائے یہ ہے کہ آخر میں ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا۔ لیکن یاد رہے کہ اس روایت کی ایک سند پہلی گزر گئی جو کہ صحیح ہے۔ اس میں حماد بن سلمہ راوی نہیں اور اس کی تائید سے یہ روایت بھی صحیح ہو گئی، لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

۳...... كثير ابى الفضل: اسمه كثير بن يسار الطفاوى البصرى قال الامام بخارى "اثنى عليه سعيد بن عامر خيرا" (تاریخ کبیر ج ۷ ص ۲۱۳، ۲۱۴، دار الفکر بیروت، وتعجیل المنفعۃ ج ۲ ص ۱۴۹، دار البشائر بیروت، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۸۵، الثقات لابن حبان ج ۵ ص ۳۳۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "وقال ابن القطان حاله غير معروفة، قلت بل هو معروف وقد ذكره البخارى فى تاريخه بالحديث الذى اخرج له البزار، وقال اثنى عليه سعيد بن عامر خيرا"

(لسان المیزان ج ۴ ص ۴۷۵)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ مسئلہ عرض الاعمال کی بنیاد صحیح روایت پر رکھا گیا ہے۔ لہٰذا علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ کہنا کہ: "یہ حدیث بغیر شک وشبہ ضعیف ہے" غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

علامہ خان بادشاہ صاحب کا دوسرا شبہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: "اور دوسری وجہ اس حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ضعف کے لئے یہ ہے کہ یہ اس صحیح حدیث سے مخالف ہے جو شیخین نے صحیحین میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری اپنے صحیح میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ میری امت سے بعض لوگ قیامت کے دن لائے جائیں گے تو بائیں طرف لے جائے گے تو میں کہوں گا یہ تو میرے صحابہ ہیں تو کہا جائے گا تو نہیں۔

جانتے کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ (انہوں نے نئی باتیں گھڑی ہیں) تو میں اس طرح کہوں گا جیسا کہ نیک بندے نے کہا ہے (میں ان سے خبر دار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھ کو اٹھایا تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا) تو کہا جائے گا کہ تو جب ان سے جدا ہو گئے ہیں تو یہ مرتد ہو گئے ہیں۔'' (بخاری ج ۲ ص ۶۶۵)

اور پھر اسی روایت کو مختلف سند سے تفصیلاً ذکر کی ہے۔ (الثقۃ الصحیحہ ص ۳۳۳، ۳۳۴)

اس کے بعد لکھتے ہیں: ''میں خان بادشاہ کہتا ہوں کہ ماسبق تفصیل سے معلوم ہوا کہ عرض الاعمال کی حدیث اس صحیح حدیث سے مخالف ہے جو شیخین نے اپنی صحیحین میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، کیونکہ جب امت کے اعمال نبی کریم ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپ پر بعض صحابہ کی مرتد ہونا کیسا پوشیدہ ہوا تو حدیث البزار متفق علیہ حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی تو حدیث عرض الاعمال بلاشک وشبہ ضعیف ہے۔'' (ایضاً ص ۳۳۵)

خلاصہ اس شبہ کا یہ ہوا کہ چونکہ حدیث عرض الاعمال صحیحین کی حدیث الحوض کے معارض ہے اس لئے ضعیف ہے۔

جواب: علامہ خان بادشاہ صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر حدیث عرض الاعمال حدیث الحوض کے معارض ہوتا تو علماء اسلام اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مفسرین ومحدثین کبھی بھی یہ نظریہ نہ اپناتے اور نہ دونوں احادیث کو معمول بھا قرار دیتے۔ علماء اہل السنۃ کے مفسرین ومحدثین نے حدیث عرض الاعمال کی مختلف توجیہات کر کے تعارض کو درمیان سے نکال دیا اور دونوں احادیث کو اپنی جگہ صحیح تسلیم کر کے مسئلہ عرض الاعمال پر کچھ آنچ نہیں آنے دیا۔ علماء اہل السنۃ کے مختلف توجیہات ملاحظہ فرمائیں:

توجیہ کی پہلی صورت

(۱) علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن الجوزی رحمہ اللہ حدیث الحوض پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فان قيل كيف خفي حالهم عليه، وقد قال تعرض على اعمال امتي، فالجواب انه دائما تعرض عليه اعمال الموحدين، لا المنافقين ولا الكافرين'' (کشف المشکل من حدیث الصحیحین ج ۴ ص ۳۴۷)

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ان کا حال نبی ﷺ پر کیسے مخفی رہا۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر موحدین کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں نہ کہ کفار اور منافقین کے۔

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے جواب دے کر واضح کر دیا کہ حدیث عرض الاعمال اور حدیث الحوض میں حقیقتاً کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ حدیث الحوض میں مرتدین اور منافقین کا ذکر ہے اور ان کے اعمال نبی کریم ﷺ پر پیش نہیں ہوتے اس لئے ان کا حال نبی ﷺ پر مخفی رہا۔

(۲) علامہ سراج الدین ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن رحمہ اللہ بخاری شریف کی اپنی بے مثال شرح میں فرماتے ہیں: ''فان قلت: كيف خفي حالهم على صاحب الشريعة؟ وقد قال ''تعرض على اعمال امتي''

فالجواب: انما یعرض علیه اعمال المؤحدین، لا المنافقین و الکافرین نبه علیه ابن الجوزی (التوضیح بشرح الجامع الصحیح ج ۱۵ ص ۳۶۰)

(۳) علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وقال ابن الجوزی فان قیل کیف خفی حالھم علی سیدنا رسول اللہ، وقد قال تعرض علی اعمال امتی فالجواب انما تعرض اعمال الموحدین لا المنافقین والکافرین'' (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۲۹۶ بیروت، کتاب المساقات باب من رای ان صاحب الحوض اوالقربۃ ۔۔۔)

(۴) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قلت والذی یظھر من سیاق حدیث البزار (واللہ اعلم)، ان المراد بالاعمال المعروضۃ علی النبی ﷺ اعمال امۃ الاجابۃ وبالارتداد یصیر الرجل خارجا منھم، فلعله لا یعرض علیه'' میں کہتا ہوں کہ بزار کی روایت کی سیاق سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ نبی ﷺ پر پیش ہونے والے اعمال سے مراد امت اجابت کے اعمال ہیں اور ارتداد کی وجہ سے آدمی امت اجابت سے نکل جاتا ہے تو شاید اسی وجہ سے ان کے اعمال نبی ﷺ پر پیش نہیں کیے جاتے۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۶۷۷)

(۵) علامہ منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''علاوہ ازیں یہ پیشی صرف امت اجابت یعنی مسلمانوں ہی کے اعمال کی ہوتی ہے نہ کہ تمام امت دعوت کی جس میں کفار و مرتدین اور مشرکین و منافقین کے اعمال بھی داخل ہوں۔'' (بوارق الغیب ص ۴۹ حصہ دوم)

علماء اسلام کے مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات وضاحت کے ساتھ معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ پر امت اجابت کے اعمال پیش ہوتے ہیں نہ کہ امت دعوت کے، کیونکہ روایت بزار کے آخری الفاظ یہ ہیں: ''وما کان من سیء استغفرت اللہ لکم'' اور نبی علیہ السلام کو مشرکین کے حق میں استغفار سے منع کیا گیا ہے، جو مرتد سے کم درجہ کے کافر ہیں تو پھر مرتد کے حق میں تو متصور ہی نہیں ہوسکتا۔

توجیہ کی دوسری صورت

علماء اسلام نے توجیہ کی دوسری صورت یہ ذکر کی ہے کہ: ''عرض الاعمال'' سے مراد ''اجمالی عرض'' ہے تو ''انک لا تدری ما احدثوا بعدک'' سے اعتراض تب ہوتا جب یہ عرض تفصیلی ہوتا، چند حوالے ملاحظہ کریں:

(۱) علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''انه عرض کعرض الاسماء علی الملائکۃ، لا علم محیط الی ان قال فعلیه انک لا تدری ما احدثوا بعدک مع عرض الاعمال علیه ﷺ'' یہ عرض (صرف اجمالی ہے) جس طرح کہ چیزوں کے نام فرشتوں پر پیش کئے گئے تھے۔ اس سے علم محیط مراد نہیں ہے۔ پھر آگے فرمایا سو اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ سے فرمایا جائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد ان بدعتیوں نے کیا کیا بدعات گھڑی ہیں۔ حالانکہ آپ پر اعمال پیش ہوتے رہے۔ (فہرست عقیدۃ الاسلام ص ۱۱، بحوالہ تسکین الصدور، ۲۳۶)

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''واجیب بانھا تعرض علیه عرضا مجملا، فیقال عملت امتک شرا عملت خیرا'' (فتح الملہم ج ۲ ص ۲۷۷)

اور جواب دیا جاتا ہے کہ یہ اعمال اجمالی طور پر نبی کریم ﷺ پر پیش ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ آپ کے امت نے خیر یا شر کیا۔

(۳) علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واجیب بانها تعرض علیه عرضا مجملا، فیقال عملت امتک شرا عملت خیرا'' (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ج ۸ ص ۳۲۶ طبع مکہ مکرمہ)

(۴) علامہ منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''شارحین حدیث نے اس کو اجمالی پیشی پر محمول کیا ہے۔''

(بوارق الغیب ص ۶۹ حصہ دوم)

(۵) شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''عرض الاعمال'' کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ حدیث کسی طرح سے ان کے مفید مطلب نہیں اور اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلی علم غیب ثابت کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اوّل تو یہ حدیث صحت کے اعتبار سے اس درجہ کی نہیں ہے کہ کتاب وسنت کے نصوص قطعیہ صریحہ سے اس کا مقابلہ کیا جاسکے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلی علم غیب کی نفی کرتے ہیں۔'' (جواہر التوحید ص ۳۸۱)

قارئین حضرات! ہمارا مقصود شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی دوسرا جواب ہے جو آرہا ہے، لیکن اس عبارت کو محض اس لئے نقل کیا تاکہ غلط فہمی پیدا نہ ہو اور وہ یہ کہ مذکورہ عبارت سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہ کرے کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی صحت کا انکار کر رہیں ہیں، کیونکہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی صحت کا انکار نہیں کیا بلکہ صحت کے اس مرتبے کا انکار کیا ہے، جو کتاب وسنت کی نصوص قطعیہ صریحہ کا مقابل بن سکے۔ مثلاً غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کا عقیدہ نصوص قطعیہ صریحہ سے ثابت ہے تو حدیث عرض الاعمال کا اول تو عقیدہ علم غیب سے کوئی تعلق نہیں لیکن اگر بالفرض ہو بھی تو پھر بھی قرآن وسنت کے ان نصوص کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ہاں! اگر اس حدیث سے صرف اجمالی عرض پر استدلال کیا جائے تو اس صورت میں یہ کسی بھی نص قطعی کا مقابل نہیں۔

لہٰذا اس مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال بالکل صحیح ہے جیسا کہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ دوسرے جواب میں توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''دوم عرض اعمال سے یہاں تفصیلی عرض اعمال مراد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کا، ہر عمل، ہر آن میں، آپ پر پیش کیا جاتا ہے۔'' (جواہر التوحید ص ۳۸۱)

پھر دوسری حدیث ذکر کر کے لکھتے ہیں: ''اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ عرض اعمال سے تفصیلی پیشی نہیں بلکہ ''اجمالی پیشی'' مراد ہے، تفصیلی عرض اعمال کا عقیدہ تو اصل میں شیعوں کا ہے اور ان ہی سے بریلویوں نے اخذ کیا ہے۔'' (ایضاً ص ۳۸۲)

شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اگر اجمالی عرض الاعمال پر استدلال کیا جائے تو کسی بھی نص قطعی کا مقابل نہیں تو وہاں دو باتیں اور بھی معلوم ہوئیں کہ: (۱) عرض الاعمال اجمالی کا نظریہ غلط نہیں، ورنہ شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو کبھی بھی عرض اجمالی پر محمول نہ کرتے بلکہ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کے ساتھ ساتھ عرض اجمالی ضرور رد کرتے۔ (۲) دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ عرض الاعمال میں شیعوں اور بریلویوں کا نظریہ اہل السنۃ والجماعۃ سے یکسر الگ ہے۔ شیعہ تفصیلی جب کہ اہل السنۃ والجماعۃ ''عرض اجمالی'' کے قائل ہیں۔

توجیہ کی تیسری صورت

علماء اسلام نے ان احادیث کو جمع کرتے ہوئے تیسری توجیہ یہ کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اعمال پیش ہوتے ہیں لیکن عمل کرنے والے، یعنی ان کے ذوات پیش نہیں ہوتے اور اسی وجہ سے کہ نبی علیہ السلام پر عمل کرنے والوں کے اشکال اور ذوات پیش نہیں ہوتے، قیامت کے دن نہیں پہچانیں گے۔

(۱) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''انہ علیہ السلام یعلم بطاعات و معاص، تقع بعدہ من امتہ، لکن لا یعلم اعیان الطاعین والعاصین، وبھذا یجمع بین الحدیث المذکور، وحدیث عرض الاعمال علیہ ﷺ کل اسبوع، او اکثر او اقل'' کہ نبی ﷺ کو بعد میں اپنی امت کے طاعات اور معاصی کا علم (اجمالی) ہوتا ہے اور طاعات یا معاصی کرنے والے ذوات اور اعیان کا علم نہیں ہوتا اور اس توجیہ سے حدیث مذکور (حدیث الحوض) اور اس حدیث جس میں نبی ﷺ پر ہر ہفتہ کم یا زیادہ، اعمال پیش ہونے کا ذکر ہے جمع ہو جاتی ہے۔

(روح المعانی ج ۱۱ ص ۲۲۳، فی تفسیر سورۃ الاحزاب آیت ۴۵)

(۲) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''عرض اعمال نام ونشان سے ہوتا ہے نہ کہ معرفت وصور سے اور قیامت میں ان لوگوں کی صورتیں نظر آئیں گی، مگر اس سے یہ معلوم ہونا تو لازم نہیں کہ ان صورت والوں کے کیا کیا اعمال تھے، اس لئے اس میں کوئی تعارض نہیں پس تطبیق کی ضرورت نہیں۔'' واللہ اعلم!

(امداد الفتاوی ج ۵ ص ۱۴۹)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اور روایت اخیرہ پر عرض اعمال امت کی روایت کے تعارض کا شبہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس روایت میں نہ تو یہ نص ہے، کہ یہ اعمال قلب کو بھی شامل ہے، نہ یہ نص ہے کہ تمام اعمال ظاہری کو شامل ہے ممکن ہے کہ دقائق مفاسد عقائد اور اعمال کے پیش نہ کئے جاتے ہوں اور بعد فرض عرض عام کے نہ یہ نص ہے کہ بعد عرض کے وہ سب جزئی جزئی کر کے یاد رہتے ہوں، ورنہ قیامت کے روز معرفت امت کے لئے ''غرّہ'' اور ''تحجیل'' کی علامت مقرر ہونے کی کیا حاجت تھی۔۔۔ کیونکہ اعمال معروضہ میں، وضوء، ونماز اور امتی ہونا سب کچھ داخل ہے اور ان سب امور پر مطلع اور ان کی یاد ہوتے ہوئے وہی اطلاع اور یاد کافی تھی خوب سمجھ لو۔ غرض موجبہ کلیہ کہ ''یعلم ﷺ کل حادث مطلقا یا الی یوم القیامہ'' مرتفع ہوگیا۔''

(نشر الطیب ص ۲۲۶ فصل ۳۳)

(۳) مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''یہ مضمون عرض اعمال کے مخالف نہیں، کیونکہ عرض اعمال امت کے ناموں سے ہوتا ہے، جس سے معرفت صور نہیں ہوتی۔'' (احسن الفتاوی ج ۱ ص ۵۲۰)

علامہ آلوسی، رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نظریہ کے مطابق جو ماقبل عبارت سے واضح ہے یہ ہے کہ حدیث الحوض اور حدیث عرض الاعمال میں سرے سے تعارض ہی نہیں تا کہ تطبیق کی ضرورت ہو۔

توجیہ کی چوتھی صورت

(۱) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''او انھا۔۔تعرض علیہ دون تعیین عاملھا'' یا یہ اعمال نبی ﷺ پر عامل کی تعیین کے بغیر پیش ہوتے ہیں۔ (فتح الملہم ج ۲ ص ۶۷۷ جدید)

(۲) علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں: ''او انھا تعرض دون تعیین عاملھا'' (شرح الزرقانی ج ۸ ص ۳۶۹)

ان دو حوالوں سے یہ بات واضح ہوئی کہ صرف اعمال کی پیشی ہوتی ہے عامل کی تعیین کے بغیر اور اسی وجہ سے کہ جب عامل کی تعیین نہیں ہوتی تو نبی ﷺ صرف اعمال کی پیشی سے اس کے عامل کو کیسے پہچان سکتے ہیں۔ لہذا ''حدیث الحوض'' اپنی جگہ درست، جب کہ حدیث ''عرض الاعمال'' اپنی جگہ سولہ آنے صحیح ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا تمام تر تفصیل سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ نبی ﷺ پر عرض الاعمال کا مسئلہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے اور علماء اہل السنۃ کے یہ مختلف توجیہات کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مسئلہ عرض الاعمال اور حدیث عرض الاعمال اپنی جگہ صحیح و ثابت ہے۔ کیونکہ توجیہ کی ان مختلف صورتوں کو اختیار کرنے کی بجائے یہ جواب نہایت آسان تھا کہ نہ مسئلہ عرض الاعمال صحیح اور نہ ہی حدیث عرض الاعمال۔ نیز ماقبل تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علامہ خان بادشاہ صاحب نے ''مسند بزار'' کی روایت کو دو وجہوں سے ضعیف کہا تھا۔ ایک ''عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابی رواد'' کے ضعف کی وجہ سے۔ دوسرا صحیحین کی حدیث کے معارض ہونے کی وجہ سے اور ان دونوں کا جواب ہم نے تفصیلی طور پر اصول حدیث کی رو سے اور شارحین حدیث کی تشریحات اور اکابر دیوبند کی تصریحات کے ساتھ ذکر کیا۔ لہٰذا اگر کوئی بھی اس کا جواب دینے کی زحمت اٹھائیں تو جواب کے وقت انہی حضرات کو سامنے رکھیں۔

غلط فہمی نمبر ۱۷

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''اور اسی وجہ سے مولوی سرفراز نے پہلے تصانیف میں عرض اعمال کی حدیث کی تردید کی تھی اور یہ ثابت کیا تھا کہ مسند بزار کی حدیث فقہاء کے نزدیک معمول بہا نہیں، بلکہ اس کے خلاف پر اجماع منعقد ہوا ہے (کہ اس کی احادیث بالاجماع معمول بہا نہیں) اور یا اس کی احادیث طبقہ چہارم سے ہیں اور غالب گمان بھی یہی تھی تو اس کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ اس کی احادیث قابل اعتماد نہیں بحوالہ عجالہ نافعہ، جیسا کہ میں نے اس کی تصنیف ازالۃ الریب اور تبرید النواظر سے حوالہ جات پیش کئے ہیں، لیکن جب یہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے اکابر سے مخالف ہوا تو پھر حدیث مسند بزار صحیح بن گئی شاید اس کی احادیث طبقہ اوّل سے یا دوسرے طبقہ سے بن گئی ہو۔''
(النقۃ الصحیحہ ص ۳۴۰، الصواعق المرسلہ ص ۱۶۰)

(اقامۃ البرہان ص ۲۴۳ تا ۲۴۵) میں بھی سجاد بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی اعتراض نقل کیا ہے اور طبقہ والا اعتراض علامہ نیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (ندائے حق ج ۲ ص ۱۵۲) پر کیا ہے۔

ازالہ: یہ اعتراض بھی دراصل غلط فہمی کی بنیاد پر کیا گیا ہے، کیونکہ اس اعتراض کا جواب بھی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ خود دے چکے ہیں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''(نوٹ) اگر ان مذکورہ کتب میں کوئی ایسی روایت ہو، جو سنداً صحیح ہو اور قرآن کریم اور صحیح احادیث سے متعارض نہ ہو اور علی الخصوص جب کہ اکثر امت اور جمہور اہل اسلام کا اس پر تعامل بھی ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں اور نہ بات محل نزاع ہے، اس لئے خلط مبحث کا شکار نہ ہوں اور نہ جاہل اور متعصب معترضین کی طرف توجہ کریں۔''
(دل کا سرور ص ۱۷۵)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی اس وضاحت کے باوجود طبقہ والے اصول سے اعتراض کرنا غلط فہمی کے سواء کچھ نہیں۔ کیونکہ یہ حدیث نہ قرآن کریم کا متعارض ہے، نہ احادیث صحیحہ کا اور نہ اجماع اس کے خلاف منعقد ہوئی ہے لہٰذا بلاشک وشبہ یہ حدیث صحیح ہے۔

عرض الصلوٰۃ علی النبی ﷺ

علامہ خان بادشاہ صاحب کا موقف یہ ہے کہ نبی ﷺ پر اعمال کا عرض ثابت نہیں اور عرض الاعمال شیعوں

کا عقیدہ ہے۔ عرض الاعمال کا مسئلہ پہلے گزر گیا۔ اب یہاں پر ہم ''عرض الصلوٰۃ علی النبی ﷺ'' کا مختصر بحث ذکر کرتے ہیں جو ذکر الخاص بعد العام کے قبیل سے ہوگا اور مزید یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ عرض الاعمال کا مطلقاً انکار کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ کم از کم ''الصلوٰۃ علی النبی ﷺ'' جو عمل ہی ہے کا نبی ﷺ پر پیش ہونا ثابت ہے جس کے انکار کی کوئی مجال نہیں۔ ملاحظہ کریں امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدثنا ھارون بن عبداللہ نا حسین بن علی عن عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن أوس بن أوس قال قال رسول اللہ ﷺ ان من افضل ایا کم یوم الجمعة، فیه خلق آدم، وفیه قبض، وفیه النفخة، وفیه الصعقة، فاکثرو ا علی من الصلوۃ فیه، فان صلوتکم معروضة علی، قال قالوا یارسول اللہ وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت، قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزوجل حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' (ابوداود ج ۱ ص ۱۵۸)

بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے، اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اس میں نفخہ اولی ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں۔ (یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی اور پھر ابوداود کے علاوہ یہ روایت دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے جن کے حوالے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دیئے ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۳۰۷، ۳۰۸)

اس حدیث کی تصحیح و توثیق رواۃ کے لئے ''تسکین الصدور'' ہی کافی ہے۔ اب حدیث مذکورہ سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر پڑھا ہوا درود شریف پیش کیا جاتا ہے اور درود شریف ایک عمل ہے بلکہ افضل الاعمال میں سے ہے۔ اب اس روایت کے ہوتے ہوئے ''عرض الاعمال'' کا مطلقاً انکار کرنا غلط فہمی ہی ہے اور جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے ایک جید عالم مولانا محمد حسین نیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے ایک عنوان ''مولانا سے ہمارا سوال'' قائم کر کے لکھتے ہیں: ''سوال یہ ہے کہ عقیدہ کے مسئلہ میں محتمل دلیل کام نہیں دیتی۔ یہ مسئلہ (عرض الاعمال) عقیدہ کا ہے کہ کیا عقیدہ رکھنا چاہئے کہ ''امت کے اعمال'' نبی اکرم ﷺ پر پیش ہوتے ہیں یا نہیں، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش ہوتے ہیں۔ قرآن اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش نہیں ہوتے۔'' (ندائے حق ج ۲ ص ۱۴۸)

علامہ نیلوی صاحب کی مذکورہ عبارت میں یہ جملہ ''کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش ہوتے ہیں'' سے نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ اس حدیث سے عرض الاعمال کا نظریہ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن نیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زعم کے مطابق یہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عرض الاعمال کا مسئلہ کسی بھی آیت یا حدیث کے مخالف نہیں یہ بھی نیلوی صاحب کی غلط فہمی ہے علامہ نیلوی صاحب نے پھر آگے ص ۱۴۹ پر رواۃ حدیث پر بحث شروع کی ہے اور ابن جابر اور ابن تمیم، والا قصہ چھیڑا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابن تمیم قرار دیا ہے، جو ضعیف راوی ہے اور جمہور کے ہاں ابن جابر ہی ہے جس کی ثقاہت میں کچھ شبہ نہیں تو آخر میں نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں: ''اور جب اس مقام پر محققین کا باہم اختلاف ہے۔ اگر چہ ایک قول مرجوح ہے دوسرا راجح، پھر بھی احتمال تو پیدا ہو ہی گیا اور ایسے احتمال مانع استدلال بن سکتے ہیں، علماء کا مشہور قاعدہ ہے: ''اذا جاء الاحتمال

بطل الاستدلال ''پھر راجح و مرجوح کہنا بھی تو محتمل ہے، کیونکہ یہ بھی انکا عندیہ ہے۔'' (ایضاً ج۲ ص۱۵۰،۱۵۱)

مؤلف اقامۃ البرہان سجاد بخاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''بہر حال یہ حدیث نہ مقطوع بالضعف ہے اور نہ مقطوع بالصحۃ ہے اس لئے اس سے کسی پر حجت قائم نہیں ہوسکتی۔'' (اقامۃ البرہان ص۲۳۱)

خلاصہ یہ کہ نیلوی صاحب کے نزدیک یہ حدیث محتمل جو مانع استدلال اور مؤلف اقامۃ البرہان کے ہاں نہ مقطوع بالصحۃ ہے اور نہ بالضعف۔

لیجئے! یہ فیصلہ خود علامہ نیلوی سے کرتے ہیں لکھتے ہیں: ''جب کہ آپ کے شاگردوں میں عبدالرحمن بن یزید بن جابر رحمۃ اللہ علیہ، ابو قلابہ جرمی رحمۃ اللہ علیہ، حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ، یحی دناری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کئی محدثین کے نام شامل ہیں۔''
(مقالات نیلوی ۲ ص ۸۰۱، ۸۰۲)

علاوہ ازیں ایک موٹی سرخی سے عنوان قائم کیا ہے: ''حدیث ان اللہ حرم علی الارض کے راوی'' اس عنوان کے تحت حدیث مذکور کے راویوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت میں سے اس حدیث مبارک کے راوی: سیدنا اوس بن اوس ابو عمرو بن اوس ثقفی اور سیدنا شداد بن اوس بن ثابت بن منذر بن حرام انصاری نجاری رضی اللہ عنہما ہیں، جو مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں، ابو الاشعث صنعانی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرحمن بن یزید بن جابر۔'' (ایضاً ج۲ ص ۸۰۲)

اب علامہ نیلوی صاحب کا یہاں پر ''ابن جابر'' ہی کو ذکر کرنا اور ''ابن تمیم'' کا نام تک نہ لینا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ یہ راوی ''ابن جابر رحمۃ اللہ علیہ'' ہی ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ علامہ نیلوی اپنی کی ہوئی وضاحت اور تصریح کے باوجود کیسے غلط فہمی کا شکار ہو کر ''ابن جابر رحمۃ اللہ علیہ'' اور ''ابن تمیم رحمۃ اللہ علیہ'' کے چکر میں پھنس گئے۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''اور اس حدیث ''ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء'' کی صحت میں کچھ شک نہیں۔'' (ایضاً ج۲ ص ۸۰۹)

اس تصریح کے باوجود بھی علامہ نیلوی صاحب کا یہ کہنا کہ اس میں احتمال ہے جو مانع استدلال ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ اسی طرح (ص ۸۱۱) پر لکھتے ہیں: ''اس طرح ہماری زیر بحث حدیث کی صحت میں بھی کوئی کلام نہیں۔''

مزید لکھتے ہیں: ''خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا تمام حقائق و شواہد کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ زیر بحث حدیث کے راوی حضرت حسین بن علی بن ولید جعفی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی متصل اور صحیح ہے۔'' (مقالات نیلوی ج۲ ص ۸۰۸)

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث مذکورہ علامہ نیلوی صاحب کے ہاں متصل، صحیح اور اس کی صحت میں نہ شک ہے اور نہ کوئی کلام تو اس حدیث کو مقطوع بالصحۃ نہ کہنا شدید غلط فہمی ہے۔ اس کے علاوہ علامہ نیلوی صاحب کا کہنا کہ یہاں ابن جابر راوی میں احتمال ہے جو مانع استدلال ہے اور سجاد بخاری صاحب کا یہ کہنا کہ اس سے کسی پر حجت قائم نہیں ہوسکتی، بالکل غلط ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حفظ اجساد مبارکہ پر نیلوی صاحب نے خود اسی روایت سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی متصل ہے اور صحیح ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علی نبینا علیہم السلام کی وفات کے بعد، ان کے اجساد اطہار میں روح مبارکہ نہ ہونے کے باوجود قبر اطہر میں مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ بفرمان نبوی اجساد انبیاء کو کھانا زمین کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا ہے۔'' (ایضاً ج۲ ص ۸۰۸)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اور روح مطہر کے بغیر آپ کا دنیوی جسد مبارک حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں اپنے مدفن ارضی کے اندر بطور خرق عادت ''وھو الیوم کما وضع'' اب تک محفوظ ومصون ہے، بلکہ قیامت تک تروتازہ اور صحیح سالم محفوظ رہے گا۔ کیونکہ صحیح احادیث میں آتا ہے: ''ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' کہ اللہ تعالیٰ نے بطور خرق عادت زمین کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کو کھانا حرام کر دیا ہے۔'' (مقالات نیلوی ج ۲ ص ۷۹۶)

تیسری جگہ لکھتے ہیں: ''نیز جس طرح بخاری کی پہلی حدیث کو سامنے رکھ کر فقہاء کرام نے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کے ادا ہونے کے لئے نیت کو فرض قرار دیا ہے۔ اسی طرح زیر بحث حدیث کو سامنے رکھ کر بھی فقہاء نے مسائل مستنبط کئے ہیں۔'' (ایضاً ج ۲ ص ۸۱۱)

علامہ نیلوی صاحب نے حفظ اجساد کے عقیدہ پر اسی روایت سے استدلال کیا ہے اور فقہاء نے اس سے مسائل بھی مستنبط کئے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ابن تمیم اور ابن جابر والا احتمال تو علامہ نیلوی صاحب کے لئے مانع استدلال نہیں۔ لیکن جب یہی روایت ''عرض الاعمال'' پر دلیل میں پیش کی جاتی ہے تو احتمال سامنے آکر استدلال کے لئے مانع بن جاتا ہے اور پھر طرفہ یہ کہ یہ روایت علامہ نیلوی صاحب کے نزدیک امام بخاری کی شرائط پر بھی پوری اترتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''یہ حدیث حضرت امام بخاری جیسے محدث کبیر اور ماہر نقاد کی شرائط صحت پر بھی پوری اترتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خود حضرت امام بخاری نے اپنے مجموعہ احادیث میں زیر بحث روایت نقل نہیں فرمائی۔'' (ایضاً ج ۲ ص ۸۰۸)

جب یہ روایت امام بخاری کی شرائط پر پوری اترتی ہے تو پھر اس کی صحت میں احتمالات کیسے؟ اور پھر علامہ نیلوی صاحب نے اس حدیث کو صحت کی بلندیوں پر خود ہی پہنچا دیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''نیز جس طرح بخاری کی پہلی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اس طرح ہماری مبحوث فیہ حدیث کو بھی تلقی بالقبول حاصل ہے۔'' (ایضاً ج ۲ ص ۸۱۱)

تلقی بالقبول حاصل ہونے کے بعد تو اس کی صحت میں کوئی شک ہی نہ رہا، بلکہ تلقی بالقبول نے تو اس کی سند پر کلام کرنے سے بھی مستغنی کر دیا۔

خلاصہ کلام کہ یہ روایت ''مقطوع بالصحۃ'' ہے۔ لہٰذا عرض الاعمال کا بالکلیہ انکار کرنا اس حدیث کے بالکل منافی ہے۔ یہ حدیث اس کے انکار کی سرے سے اجازت بھی نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الحدیث والتفسیر قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مولانا صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''صلوا علیہ وسلموا تسلیما'' تو ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو امت کی طرف سے فرستادہ صلوۃ وسلام پہنچتا ہے۔ اگر نہ پہنچتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا امر کیوں فرماتے اور ایمان کے لئے اتنا کافی ہے کہ یہ یقین محکم ہو کر پہنچتا ہے۔ آگے اس کی کیفیت کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔'' (تحفۃ ابراہیمیہ مع تسکین القلوب ص ۲۹۴)

قاضی صاحب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو صلوۃ وسلام کا پہنچنا ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور صلوۃ وسلام بھی امتی کا ایک عمل ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جاتا ہے۔ لہٰذا بالکلیہ انکار صحیح نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث عرض الاعمال حدیث الحوض کے معارض نہیں۔ پھر عرض صلوۃ وسلام بھی اس کے معارض ہوگا اور جو اعتراض وہاں ہوگا وہ یہاں بھی ہوگا۔

عرض الاعمال اور علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت التوحید والسنۃ کے ایک جید عالم علامہ نیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہے: ''اور اس بات پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہئے تو نیک نیتی سے پڑھے ہوئے امت کے درود وسلام اور نیک کاموں کی اطلاع فرشتوں کے ذریعے آپ کو ہو جاتی ہے جس سے آپ ﷺ خوش ہوتے ہیں۔'' (مقالات نیلوی ج ۲ ص ۸)

اگر چہ علامہ نیلوی صاحب یہاں پر غالباً نبی ﷺ کی جسم موہو بہ مثالی مراد لیتے ہیں، لیکن پھر بھی عرض الاعمال پر اپنا ایمان بیان فرمایا۔ اب اگر عرض الاعمال کا نظریہ غلط ہے تو پھر علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرض الاعمال کے اس ایمان کی بنیاد کن نصوص پر ہے؟

غلط فہمی نمبر ۱۸

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اور جو مولوی سرفراز نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں تو یہ جس طرح صحیح حدیث سے مخالف ہے اور اس طرح یہ مشعر ہے۔ اس پر کہ اس کا عقیدہ شیعہ سے موافق ہے، کیونکہ جب آپ پر امت کے اعمال صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں تو یہ تمام اعمال کا پیش کرنا ہوا تو یہی شیعہ کا عقیدہ ہے تو کہاں بھاگنا ہے۔'' (القتۃ الصحیۃ ص ۳۳۵)

ازالہ: یہ علامہ صاحب کی بہت بڑی غلط فہمی ہے، کیونکہ ایک ہے اعمال کا تفصیلا پیش ہونا اور ایک ہے پیش ہونے کے اوقات دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، جو علامہ صاحب نے غلطی سے ایک سمجھ رکھا ہے۔ کیونکہ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال کا عرض تفصیلی ہے نہ یہ کہ صبح وشام پیش ہوتے ہیں اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض روایات سے عرض کا وقت صبح وشام بیان کیا ہے تو یہ عرض کے اوقات کا ذکر ہے۔ اس کا اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ سے کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ عرض الاعمال صبح وشام بھی ہو اور اجمالی بھی ہو اس میں تضاد کہاں؟ ہاں! اگر کوئی صبح وشام تفصیلی عرض کے قائل ہو تو بلاشک یہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔

قارئین کرام! علامہ خان بادشاہ صاحب نے عرض الاعمال کو شیعہ کا مسلک قرار دے کر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ کہا۔ حالانکہ یہ سب عدم تحقیق کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء مفسرین ومحدثین عرض اجمالی کے قائل ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ کریں:

مسئلہ عرض الاعمال اور مفسرین اہل سنت

(۱) مفسر قرآن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''فان اعمال امتہ علیہ السلام تعرض علیہ بعد موتہ، فقد روی عنہ ﷺ انہ قال حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم، ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم، فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رایت من شر استغفرت اللہ لکم'' (تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۵۰۴ سورۃ نحل آیت ۸۹)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حوالے ماقبل میں گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کریں۔

(۲) علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وقیل الاشارۃ الی جمیع امتہ ذکر ابن المبارک اخبرنا رجل

من الانصار عن المنهال بن عمر و حدثه انه سمع سعيد بن المسيب، يقول ليس من يوم الا تعرض على النبی ﷺ امته غدوة و عشية، فيعر فهم بسيماهم و اعمالهم فلذلک يشهد عليهم''

(قرطبی ج ۱۱ ص ۱۹۱، فی تفسیر سورۃ النساء)

مذکورہ روایت میں اگرچہ ایک راوی مبہم ہے لیکن اسی روایت کو امام قرطبی رحمۃ اللہ نے قبول کیا ہے۔ چنانچہ امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

(۳) ''فانه اثر وفيه انقطاع، فان فيه رجلا مبهما لم يسم، وهو من كلام سعيد بن المسيب لم ير فعه، وقد قبله القرطبی فقال بعد ايراده قد تقدم ان الاعمال تعرض على الله كل يوم اثنين و خميس و على الانبياء و الاباء و الامهات و يوم الجمعة''　(ابن کثیر ج ۱ ص ۶۵۲، فی تفسیر سورۃ النساء)

اور اسی طرح ایک روایت امام قرطبی رحمۃ اللہ نے سورۃ نور آیت ۲ کے تحت نقل کی ہے۔ (قرطبی ج ۱۲ ص ۱۵۰)

(۴) قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ''(شهيدا) يشهد النبی ﷺ على جميع الامة من راه و من لم يره، اخرج ابن المبارک عن سعيد بن المسيب قال ليس من يوم الا و تعرض على النبی ﷺ امته غدوة و عشية فيعر فهم بسيماهم و اعمالهم فلذلک يشهد عليهم'' (مظہری ۲ ص ۱۰۳، فی تفسیر سورۃ النساء: ۴۱)

(۵) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور ﷺ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔''　(تفسیر عثمانی سورۃ نحل: ۴۱)

مفسرین کرام کی یہ تفسیری اقوال اور عبارات ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مفسرین کے ہاں مسئلہ ''عرض الاعمال'' مسلم ہے۔

مسئلہ عرض الاعمال اور محدثین، شارحین اور اکابرین امت

(۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''ووقع فی رواية فضالة الظفری، ان ذلک كان وهو ﷺ فی بنی ظفر، اخرجه ابن ابی حاتم والطبرانی وغير هما من طريق يونس بن محمد بن فضالة عن ابيه، ان النبی ﷺ اتاهم فی بنی ظفر و معه ابن مسعود و ناس من اصحابه فامر قارئا، فقرأ فاتى على هذه الاية، (فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بک على هؤلاء شهيدا) فبكى، حتى ضرب لحياه و وجنتاه، فقال يا رب هذا على من انا، بين ظهريه فكيف عن لم اره، و اخرج ابن المبارک فی الزهد من طريق سعيد ابن المسيب، قال ليس يوم الا يعرض على النبی ﷺ امته غدوة و عشية، فيعر فهم بسيماهم و اعمالهم، فلذلک يشهد عليهم، ففی هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذی تضمنه حديث ابن فضالة والله اعلم'' فضالہ ظفری کی روایت میں واقع ہے کہ یہ اس وقت پیش آیا۔ جب نبی ﷺ بنی ظفر قبیلہ میں تھے۔ ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے ''یونس بن محمد بن فضالہ عن ابیہ'' کے طریق سے تخریج کی ہے کہ بے شک نبی ﷺ ان کے پاس قبیلہ بنی ظفر میں آئے اور ان کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کچھ صحابہ بھی تھے تو نبی ﷺ نے ایک قاری کو قراءۃ کرنے کا کہا تو اس نے قراۃ شروع

کی جب اس آیت پر پہنچے۔ ''فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا'' تو نبی ﷺ اتنا روئے کہ آنسو مبارک داڑھی اور رخسار مبارک پر گرے تو فرمایا کہ یا اللہ یہ شہادت تو ان کے حق میں ہے جس کے سامنے میں موجود ہوں تو ان لوگوں پر شہادت کیسے ہوگی جس کو میں نہ دیکھ سکوں؟ اور ابن المبارک نے کتاب الزہد میں سعید بن مسیب کے طریق سے تخریج کی ہے کہ سعید ابن مسیب نے فرمایا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ نبی علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں تو نبی علیہ السلام ان کو اعمال وعلامات کی وجہ سے پہچانتے ہیں۔ پس اسی عرض اعمال کی وجہ سے آپ ﷺ ان پر گواہ ہوں گے تو اس مرسل روایت میں وہ مضمون ہے جو وہ اشکال ختم کر دیتی ہے جس کو حدیث ابن فضالہ متضمن ہے۔ واللہ اعلم! (فتح الباری ۹ ص ۱۲۲، باب البکاء عند قراۃ القرآن)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''سعید ابن المسیب'' کی مذکورہ روایت کو مرسل سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ لان مثلہ لایقال بالرای فتدبر!

(۲) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ووقع فی روایۃ محمد بن فضالہ الظفری ان ذلک کان وھو ﷺ فی بنی ظفر، اخرجہ ابن ابی حاتم والطبرانی وغیرھما من طریق یونس بن محمد بن فضالہ عن ابیہ، ان النبی ﷺ اتاھم فی بنی ظفر، ومعہ ابن مسعود، وناس من اصحابہ، فامر قارئا فقرأ، فاتی علی ھذہ الایۃ، فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید (النساء: ۴۱) فبکی، حتی ضرب لحیاہ ووجنتاہ، فقال یا رب ھذا شھدت علی من انا بین ظھریہ، فکیف علی من لم ارہ؟ واخرج ابن المبارک فی الزھد من طریق سعید ابن المسیب، قال لیس من یوم الا یعرض علی النبی ﷺ امتہ غدوۃ وعشیۃ، فیعرفھم بسیماھم واعمالھم، فلذلک یشھد علیھم ففی ھذا المرسل مایرفع الاشکال الذی تضمنہ حدیث ابن فضالہ'' (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۸۵)

(۳) علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب مذکور میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حوالے سے عبارت مذکورہ نقل کی ہے۔ ملاحظہ کریں۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۷ ص ۳۴۵)

(۴) ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی معروف کتاب ''جمع الوسائل فی شرح الشمائل'' میں ''باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ ﷺ'' میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت ہی نقل کی ہے۔

(۵) علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واخرج ابن المبارک فی الزھد من مرسل سعید بن المسیب قال: لیس من یوم الا تعرض علی النبی ﷺ امتہ غدوۃ وعشیۃ، فیعرفھم بسیماھم واعمالھم، فلذالک یشھد علیھم، وبکاؤہ علیہ الصلوۃ والسلام رحمۃ لامتہ، لانہ علم انہ لا بدان یشھد علیھم بعملھم، وعملھم قد لایکون مستقیما فقد یفضی الی تعذیبھم'' (ارشاد الساری ج ۲ ص ۴۸۵)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے عرض الاعمال پر استدلال کرتے ہیں: ''فلذالک یشھد علیھم'' اس پر واضح دلیل ہے۔

(۶) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وانا علیکم شھید، ای مطلع علی احوالکم اذ تعرض علی اعمالکم'' (مرقات ج ۱۱ ص ۲۴۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

ہمارا مقصد ان حوالوں سے اس آیت کریمہ کی تفسیر نہیں، بلکہ ہمارا مقصد عرض الاعمال کے بارے ان حضرات کا نظریہ نقل کرنا ہے۔ اگر یہ نظریہ غلط ہوتا تو کبھی بھی آیت کی تفسیر میں اور اپنی کتابوں میں ذکر نہ کرتے۔

(۷) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”قال الخطابی زعم بعض من لا یعد فی اهل العلم، ان المراد بقوله علیہ السلام، لا کرب علی ابیک بعد الیوم، أن کربه کان شفقة علی أمته، لما علم من وقوع الفتن والاختلاف، وهذا لیس بشئی، لأنه کان یلزم أن تنقطع شفقته علی أمته بموته، والواقع أنها باقیة الی یوم القیامة، لانه مبعوث الی من جاء بعده، وأعمالهم تعرض علیه“ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۸۸، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ)

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ گمان کیا ہے بعض ایسے لوگوں نے جو اہل علم میں شمار نہیں ہوتے کہ بے شک مراد۔ اس فرمان نبوی کا شفقت ومہربانی تھا اپنی امت پر۔ جیسا کہ اس کو علم تھا فتنوں اور اختلاف کے پیدا ہونے کا اور یہ توجیہ درست نہیں۔ اس لئے کہ لازم آتا ہے کہ موت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شفقت اپنی امت پر ختم ہو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قیامت تک باقی ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہیں ان سب لوگوں کی طرف جو آپ کے بعد آئے اور ان کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جائیں گے۔

عبارت مذکورہ سے علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بھی واضح ہوا کہ وہ بھی عرض الاعمال کے قائل ہیں۔

(۸) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی ایک روایت: ”اقیموا الرکوع والسجود، فواللہ انی لاراکم من بعدی، وربما قال من بعد ظهری۔۔۔ الحدیث“ کی تشریح علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”(من بعدی) من بعد وفاتی، یعنی ان اعمال الامة تعرض علیه، ویرده قوله (وربما قال من بعد ظهری)“ (عمدۃ القاری ج ۵ ص ۲۸۱، باب مایقول بعد التکبیر)

”من بعدی“ میرے وفات کے بعد یعنی (موت کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امت کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں اور اس کی تردید یہ الفاظ کرتے ہے: ”ربما قال من بعد ظهری“

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ: ”من بعدی“ کی تشریح ”من بعد وفاتی“ سے کرنا صحیح نہیں اور اسی وجہ سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس توجیہ کو رد کر دیا۔ لیکن علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بعد الوفات عرض الاعمال کا مسئلہ بیان فرمایا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، جو اپنی جگہ بالکل صحیح ہے اور ساتھ علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ عرض الاعمال بھی معلوم ہوا۔

(۹) علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”واغرب الداودی، حیث فسر البعدیة هنا بما بعد وفاته صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی ان اعمال امته تعرض علیه، ولا یخفی بعده لان سیاق الحدیث یأباه“

(ارشاد الساری ج ۲ ص ۷۶، باب مایقول بعد التکبیر)

داودی نے تو عجیب بات کی ہے کہ اس جگہ بعدیت کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد الوفات سے کی ہے۔ مطلب یہ کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں (وفات کے بعد) اور اس توجیہ کا بعید ہونا مخفی نہیں، کیونکہ سیاق حدیث اس کی تردید کرتی ہے۔

تنبیہ: ہمارا مقصد مذکورہ بالا حوالاجات سے عرض الاعمال کے بارے میں ایک تو علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ نقل کرنا تھا اور دوسرا یہ کہ علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ کی ”من بعد وفاتی“ والی توجیہ چونکہ سیاق حدیث کی مخالف تھی تو

شارحین حدیث نے اس کو رد کر دیا، لیکن کسی نے بھی مسئلہ عرض الاعمال پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ کی غلط توجیہ تو برداشت نہ کر سکے، لیکن غلط نظریہ برداشت کر گئے اور خاموشی سے گزر گئے؟

(۱۰) علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الا تری الی قوله علیه الصلوة والسلام ''حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم'' (المدخل ج۱ص۲۵۹)

کیا تم نہیں نبی علیہ السلام کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے کہ میری زندگی اور موت دونوں تمہارے لئے بہتر ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''فخیره صلی اللہ علیہ وسلم فی حیا ته بین جدا، الا تری ان من رآه أو أدرکه، وهو مؤ من، لایفوقه غیره ابدا فی فضیلة مزیة رؤیته علیه الصلوة والسلام، ووقوع النظر الکریم علیه وغیر ذلک، وأما موته علیه الصلوة والسلام فلأن اعمال أمته تعرض علیه صلی اللہ علیہ وسلم، وکذلک علی الآباء، والامهات، والاقارب فی کل اثنین وخمیس فما رآه صلی اللہ علیہ وسلم من الاعمال حسنا سرّ به ودعا لصاحبه، وما کان من غیر ذلک استغفر لصاحبه، وهذا منه صلی اللہ علیہ وسلم زیادة فی التلطف بک والاحسان الیک، بخلاف الاباء والامهات فانهم یسرّون، اویحزنون لیس الا لایقدرون علی غیر ذلک'' (المدخل ج۱ص۲۶۰)

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہتری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انتہائی واضح ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا یا پایا تو کوئی بھی شرف دیدار کی فضیلت اور اس پر نظر کرم لگنے کی وجہ سے ان پر رتبہ میں فائق نہیں ہوگا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو موت ہے تو اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور اسی طرح اعمال پیش کئے جاتے ہیں والدین اور رشتہ داروں پر ہر پیر اور جمعرات کو تو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال میں سے بہتر دیکھتے ہیں۔ اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور صاحب عمل کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور اگر اس کے علاوہ ہو تو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ پر زیادہ مہربانی اور احسان ہے بخلاف والدین کے۔ پس بے شک وہ خوش یا غمگین ہو جاتے ہیں مگر یہ کہ اس کے علاوہ (دعائے خیر و استغفار) پر قدرت نہیں رکھتے۔

تیسری جگہ لکھتے ہیں: ''وقد تقدم ان الاعمال تعرض علی اللہ تبارک وتعالی یوم الخمیس ویوم الاثنین، وعلی الانبیاء، والآباء، والامهات یوم الجمعة ولا تعارض، فانه یحتمل ان یختص نبینا علیه الصلوة والسلام بالعرض کل یوم، ویوم الجمعة مع الانبیاء'' (المدخل ج۱ص۱۸۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کے ''المدخل'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وجمع کتابا سماه المدخل، کثیر الفوائد، کشف فیه عن معایب وبدع، یفعلها ویتساهلون منهما، واکثرها مما ینکر وبعضها مما یحتمل'' آپ نے ایک کتاب بھی لکھی، جس کا نام ''المدخل'' رکھا۔ یہ کتاب بڑی فائدہ مند ہے۔ اس میں آپ نے ان برائیوں اور بدعتوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے جن کا لوگ ارتکاب کرتے ہیں اور جن میں لوگ تساہل برتتے ہیں، ان میں اکثر منکرات ہیں اور بعض میں منکر ہونے کا احتمال ہے۔

(الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ ج۴ص۲۳۷)

اب ایسی کتاب جس میں بدعات و منکرات تو کیا، جس میں منکر ہونے کا احتمال تھا وہ بھی کھول کھول کر بیان کیا گیا، لیکن ''عرض الاعمال علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اور عام اموات پر اعمال پیش ہونے کا مسئلہ نہایت بسط و تفصیل سے ذکر فرمایا۔ اگر اس میں منکر ہونے کا احتمال بھی ہوتا تو بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وہ اس پر ضرور تنقید کرتے۔

(۱۱) علامہ تاج الدین سبکی ؒ لکھتے ہیں: ''لان عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس و یعلم و تعرض علیہ اعمال الامۃ و یبلغ الصلاۃ و السلام علی مابینا'' (طبقات الشافعیہ الکبری ج ۲ ص ۲۸۲)

اس لئے کہ ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں حس رکھتے ہیں اور جانتے ہیں اور آپ ﷺ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

(۱۲) علامہ سمہودی ؒ لکھتے ہیں: ''لما سبق من حیاتہ و من استغفارہ لامتہ بعد الموت عند عرض اعمالھم علیہ'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۲، الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ)

کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آپ زندہ ہیں اور اس وقت جب آپ کے سامنے ان کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔

(۱۳) علامہ انور شاہ کشمیری ؒ لکھتے ہیں: ''قولہ (فاذا عیناہ تذرفان) وجہ البکاء انہ قال: رب کیف اشھد علی من لم اشاھدہ، کذا فی الفتح ثم اخرج الحافظ احادیث عرض الاعمال فیحصل العلم اجمالا'' (فیض الباری ج ۴ ص ۱۷۵)

بکاء کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے رب جس کا میں نے مشاہدہ نہیں کیا ہے تو ان پر کیسے گواہی دوں گا۔ اسی طرح فتح الباری میں بھی ہے۔ پھر حافظ ابن حجر ؒ نے عرض الاعمال کی احادیث کی تخریج کی پس علم اجمالی حاصل ہوتا ہے۔

عبارت مذکورہ سے جہاں علامہ کشمیری ؒ کا نظریہ معلوم ہوا وہاں علامہ ابن حجر ؒ اور علامہ عینی ؒ کی عبارت کی بھی وضاحت ہوگئی کہ امت کے عرض الاعمال سے اجمالی علم حاصل ہوتا ہے نہ کہ تفصیلی۔

(۱۴) عمدۃ المفسرین فخر المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ فرماتے ہیں: ''اور یہی سبب ہے کہ ہر فرد امت کے اعمال حضرت ﷺ پر پیش ہوتے ہیں کہ فلاں نے آج یہ کیا اور فلاں نے آج وہ کیا۔ تا کہ حضرت ﷺ گواہی دے سکیں۔'' (تفسیر عزیزی ج ۲ ص ۸۵۰)

علامہ خان بادشاہ صاحب ''عرض الاعمال'' کو شیعوں کا مخصوص عقیدہ بتاتے ہیں جب کہ شاہ عبدالعزیز ؒ نے شیعوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اگر ''عرض الاعمال'' بھی شیعوں کا مخصوص نظریہ ہوتا تو شیعوں کے دیگر نظریات کی طرح اس کی بھی خوب خبر لیتے اور کبھی بھی ان کے مخصوص نظریے کی بنیاد مضبوط نہ کرتے۔

عرض الاعمال پر علماء دیوبند کے چند مزید حوالہ جات

(۱) مفسر و محدث، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ لکھتے ہیں: ''ان تمام روایات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ نبی اکرم ﷺ اور دیگر انبیاء قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مبارکہ بوسیدہ اور بالیدہ ہونے سے محفوظ ہیں اور وفات کے بعد عبادت سے معطل نہیں، بلکہ نمازیں پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کو رزق ملتا ہے اور مزار مبارک پر جو شخص حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے اس کو خود سنتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر قبر ہی میں پیش کئے جاتے ہیں۔'' (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۲۵۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''روح متصل بالجسد پر قبر میں امت کے اعمال کا پیش ہونا یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے۔'' (ایضاً ج ۳ ص ۲۵۳)

(۲) مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اور بعض فرماتے ہیں کہ قیامت تک پوری امت کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے رہتے ہیں۔''

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۲۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گواہی تمام امت کے اعمال وطاعات وسیئات پر ہوگی، کیونکہ بعض روایات کے مطابق امت کے اعمال صبح وشام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں۔''

(معارف القرآن ج ۸ ص ۷۱)

(۳) شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اقدس میں استراحت فرما ہیں اور وہیں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔'' (آپ کے مسائل اوران کا حل ج ۹ ص ۵۷)

(۴) مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''سرسری تلاش سے احادیث ذیل نظر سے گزریں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر، بلکہ اس سے بڑھ کر ہر شخص کے والدین اور اعزہ واقارب پر بھی عرض الاعمال کی تصریح ہے۔'' اور پھر مفتی صاحب نے یہ مسئلہ تفصیل سے لکھا ہے ملاحظہ کریں۔ (احسن الفتاوی ۱ ص ۵۱۸ تا ۵۲۰)

ان دوا کابر کو علامہ خان بادشاہ صاحب نے دیوبندی تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو: (العقیدۃ الجوہری ص ۲۴)

(۵) مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''پیر اور جمعرات کو تمام امت کے اعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کو انبیاء علیہم السلام اور آباء وامہات پر پیش کئے جاتے ہیں، حکیم ترمذی نے نوادر میں اس کو روایت کیا ہے، ہکذا فی شرح الصدور للسیوطی۔'' (فتاوی محمودیہ ۱ ص ۶۳۱، ۶۳۳ جدید)

(۶) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وکلام الطیبی یفید حصر العرض، والسماع بعد الموت بالانبیاء ولیس کذالک، فان سائر الاموات ایضا یسمعون السلام ویعرض علیھم اعمال اقاربھم فی بعض الایام، نعم الانبیاء یکون حیاتھم علی الوجہ الاکمل''

(حاشیہ ابوداود ج ۱ ص ۱۵۸، باب تفریع ابواب الجمعۃ)

اور طیبی کا کلام عرض اور سماع بعد الموت کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ حصر کا فائدہ دیتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ تمام اموات بھی سلام وکلام سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان پر اپنے رشتہ داروں کے اعمال بھی پیش ہوتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات علی وجہ الاکمل ہے۔

(۷) مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چاہے، جس شے کو چاہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کر دیوے اور ملائکہ درود اور سلام پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کے بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے۔'' (براہین قاطعہ ص ۲۲۰، ۲۲۱)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ''یہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم الغیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۲۰۳، ۲۰۴)

(۸) مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری ﷫ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جی ہاں! آپ ﷺ کے حضور میں آپ کے امتیوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ بایں طور کہ فلاں امتی نے یہ کیا اور فلاں نے یہ، امت کے نیک اعمال پر آپ مسرت کا اظہار فرماتے ہیں اور معاصی سے آپ کو اذیت پہنچتی ہے۔'' وقال علیه سلام تعرض الاعمال یوم الاثنین و یوم الخمیس علی اللہ تعالیٰ، وتعرض علی الانبیاء وعلی الآباء والامهات یوم الجمعة، فیفرحون بحسناتهم ویزدادون وجوههم بیضاء ونزهة، فاتقوا اللہ لاتؤذوا امواتکم''

(فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۱۱۳، ۱۱۴ طبع جدید)

(۹) مظاہر العلوم، سہارنپور ہندوستان کے شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جون پوری ﷫، مسئلہ عرض الاعمال پر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''صراحۃ تو یہ کسی روایت میں نہیں ملا کہ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو حضور اقدس ﷺ کے سامنے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ ہاں! بعض روایات میں اعمال کی پیشی کا ذکر حضور اقدس ﷺ کے سامنے ملتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یوم الاثنین ویوم الخمیس میں اعمال کی پیشی کا ذکر ترمذی شریف (ص ۹۳) میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں وارد ہے اور علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص ۱۱۰) میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں انبیاء کے سامنے اعمال کی پیشی کا ذکر ہے: قال السیوطی: اخرج الحکیم الترمذی فی نوادره من حدیث عبد الغفور بن عبد العزیز عن ابیه عن جده قال: قال رسول اللہ ﷺ تعرض الاعمال یوم الاثنین ویوم الخمیس علی اللہ تعالیٰ، وتعرض علی الانبیاء وعلی الآباء والامهات یوم الجمعة، فیفرحون بحسناتهم وتزداد وجوههم بیاضا واشراقا، فاتقوا اللہ ولا تؤذوا امواتکم اھ اور ابن المبارک نے کتاب الزہد میں ایک مرسل روایت نقل کی ہے، جس میں حضور اقدس ﷺ کے سامنے اعمال کی پیشی صبح وشام مذکور ہے: قال (ص ۴۲) اخبرنا رجل من الانصار عن المنهال بن عمرو، انه سمع سعید بن المسیب یقول: لیس من یوم الا یعرض فیه علی النبی ﷺ امته غدوة وعشیة، فیعرفهم بسیماهم واعمالهم، فلذلک یشهد علیهم یقول اللہ تبارک وتعالیٰ: فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنابک علی هؤلاء شهیدا۔ ابن المبارک نے اس حدیث پر ''باب فی عرض عمل الاحیاء علی الاموات'' کا ترجمہ قائم کیا ہے۔ یہ حدیث ابن الحاج نے کتاب المدخل میں اور قرطبی نے تذکرہ میں نقل کی ہے، لیکن یہ ایک ضعیف السند اثر ہے اس لئے کہ ابن المبارک کے استاذ مبہم ہیں اور نیز یہ سعید ابن المسیب کا اثر ہے مرفوع نہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے جمعہ کے دن بھی پیشی ہوتی ہو جس طرح دیگر انبیاء ﷩ کے سامنے پیشی ہوتی ہے اور مزید برآں یہ ہے کہ خاص طور سے آپ کے سامنے روزانہ صبح وشام بھی پیشی ہوتی ہوگی۔ ابن المسیب کا اثر اور قرطبی کا کلام حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ دیکھیں ابن کثیر (۱ ص ۴۹۹) اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہ مل سکا۔ بندہ محمد یونس عفی عنہ! (نوادر الفقہ ص ۱۹۱، ۱۹۲)

ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''قال القرطبی وقد تقدم ان الاعمال تعرض علی اللہ تبارک وتعالیٰ یوم الخمیس ویوم الاثنین وعلی الانبیاء والآباء والامهات یوم الجمعة ولا تعارض، فانه یحتمل ان یختص نبینا علیه الصلوٰة والسلام بالعرض کل یوم، ویوم الجمعة مع الانبیاء، ثم رایت الحافظ ابن کثیر (۱ ص ۴۹۹) ذکره فی تفسیر هذه الآیة عن ابی عبد اللہ القرطبی وقال: انه اثر فیه انقطاع فان فیه رجلا

مبهما لم يسم، وهو من كلام سعيد بن المسيب لم يرفعه، وقد قبله القرطبي فقال بعد ايراده وقد تقدم، فذكر كلام القرطبي المذكور" (نوادر الفقہ ص ۱۹۰)

(۱۰) مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ رئیس المؤحدین امام المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے، علامہ محمد حسین نیلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "پیر طریقت اور مرشد کامل حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا حسین علی الوانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتگان میں سے تھے۔"

(ناشر القرآن ص ۱۳۴، سوانح مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ مصنفہ میاں محمد الیاس ص ۳۳۸)

علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ ان کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "تصوف وسلوک میں ان کا قدم بہت راسخ تھا، نقشبندی سلسلہ کے ممتاز شیخ طریقت تھے نیک طبع اور متقی اور عارف باللہ تھے۔" (ناشر القرآن ص ۱۳۵)

علامہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ عرض الاعمال کے بارے لکھتے ہیں: "ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی امت کے اعمال صبح وشام پیش نہ کئے جاتے ہوں کذا فی المواہب۔" (القول الحمی فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۸)

خلاصہ کلام: قارئین کرام! عرض الاعمال پر ابھی تک ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح متصل مرفوع، بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح مرسل، عرض الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور محدثین ومفسرین اور علماء دیوبند میں سے علامہ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، (یہ دو حوالے آگے آرہے ہیں) علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ منظور احمد نعمانی، رحمۃ اللہ علیہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ محمد اسحق، حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی سید عبد الرحیم لاج پوری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یونس جون پوری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ جات مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے، روایات اور محدثین ومفسرین اور اکابرین علماء دیوبند کے عبارات وآراء کی پیش نظر مسئلہ عرض الاعمال کو شیعوں کا مخصوص مذہب قرار دے کر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو شیعوں کے ساتھ ملانا غلط فہمی کے سواء کچھ نہیں ورنہ یہ اکابرین امت کسی طرح بھی اس داغ سے بچ نہ سکیں گے۔

قول فیصل کے طور پر ہم یہاں علامہ صاحب کے ممدوح، شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ نقل کرتے ہیں۔

(۱) شیخ الاسلام، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "وأما عرض الاعمال عليه فانها تعرض عليه، وهو حق وأما محل ذلك فمما لا يتعلق به غرض۔ والله اعلم"

(جامع المسائل للامام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۱۹۱، ۱۹۲ ط دار عالم الفوائد للنشر والتوزیع)

اور جو اعمال کا پیش ہونا ہے تو بے شک یہ نبی ﷺ پر پیش ہوتے ہیں اور جہاں تک اس کے محل کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہیں۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ”وقد روی ان اعمال الاحیاء تعرض علی الموتی وانھم ان وجدوا شینا استغفروا الصاحبہ، وروی ان اعمال الامۃ تعرض علی الرسول کذلک“ (قاعدۃ عظیمۃ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ص ۱۲۹)

(۲) امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وذکر ابن ابی الدنیا، عن احمد ابن ابی الحواری قال حدثنی محمد اخی قال دخل عباد بن عباد علی ابراھیم بن صالح وھو علی فلسطین، فقال عظنی، قال بم اعظک اصلحک اللہ؟ بلغنی ان اعمال الاحیاء تعرض علی أقاربھم الموتی، فانظر مایعرض علی رسول اللہ ﷺ من عملک، فبکی ابراھیم حتی اخضلت لحیتہ“ (کتاب الروح ص ۱۵، المسئلۃ الاولی ہل تعرف الاموات زیارۃ الاحیاء)

ایک روز عباد بن عباد، ابراہیم بن صالح کے ہاں گئے، یہ فلسطین کے حاکم تھے۔ درخواست کی کہ کچھ نصیحت فرمایئے، فرمایا کیا نصیحت کروں اللہ تمہیں نیک بنائے، مجھے خبر ملی ہے کہ زندوں کے عمل ان کے مردہ اعزہ پر پیش کئے جاتے ہیں، اب تم اپنے اعمال پر غور کرلو جو رسول اللہ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، پھر ابراہیم نے اس قدر گریہ کیا کہ ریش تر ہوگئی۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت کی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو، لیکن ہم اس سے صرف حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا نظریہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ میں دو باتیں صراحت کے ساتھ موجود ہیں: (۱) عام اموات پر اعمال کا پیش ہونا۔ (۲) نبی ﷺ پر اعمال کا پیش ہونا۔ اگر دونوں نظریوں میں کسی قسم کی گمراہی، شرک، بدعت وغیرہ کا شائبہ یا بقول علامہ خان بادشاہ صاحب یہ شیعہ کا مخصوص عقیدہ ہوتا تو یہ حضرات کیسے اس کو اپنی کتابوں میں تحریر کرکے خاموشی سے گزر گئے؟

اور ویسے بھی علامہ ابن قیم رحمہ اللہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور عقائد و نظریات میں انہیں کے تابع اور ان کے ہر نظریہ کے دفاع میں مشہور ہیں۔

عرض اعمال الاحیاء علی الاموات

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے نبی ﷺ پر عرض الاعمال کے مسئلہ کی تحقیق کے بعد عام اموات پر عرض اعمال کا مسئلہ ذکر کیا ہے۔ لہٰذا امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے جو دلیل اس مسئلہ کے متعلق ذکر کی ہے۔ ہم اس کو تفصیلاً ذکر کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حدثنا عبدالرزاق اخبرنا سفیان عمن سمع انس بن مالک یقول، قال النبی ﷺ ان اعمالکم تعرض علی اقاربکم وعشائرکم من الاموات، فان کان خیرا استبشروا بہ، وان کان غیر ذلک قالوا اللھم لا تمتھم حتی تھدیھم کما ھدیتنا“ (مسند احمد ج ۲۰ ص ۱۱۴، ریاض)

علامہ خان بادشاہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”لیکن میں یہاں اولاً یہ ذکر کرتا ہوں کہ اس نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے کہ اس نے حوالہ ”مسند احمد“ دیا ہے۔ حالانکہ وہاں امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی استاد سے اور وہ سفیان سے وہ اس شخص سے روایت کرتے ہیں جس نے انس بن مالک سے سنا ہے مطالعہ کریں۔ (مسند احمد

ج ۳ ص ۱۶۴، ۱۶۵) تو امام احمد رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ اس روایت میں ایک شخص ہے جس کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہیں اور مولوی سرفراز دوسری تصنیف میں کہتا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہرگز اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول شخصیتوں سے لیتے پھریں۔ راہ سنت ص ۲۰۵" (التحقۃ الحجریہ ص ۳۱۶)

یہاں امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے پیش کردہ روایت کو علامہ صاحب نے ضعیف کہہ کر رد کیا ہے۔ اب یہ ضروری ہے کہ اصول حدیث کی رو سے اس روایت کی حقیقت واضح کردی جائے۔ علامہ خان بادشاہ صاحب نے "سفیان عمن سمع انس بن مالک" پر اعتراض کیا ہے کہ اس روایت میں ایک شخص ہے جس کا پتہ نہیں کہ وہ کون ہیں، لہٰذا حدیث ضعیف ہے۔ یہاں پہلی بات یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ روایت اصول حدیث کے اعتبار سے منقطع کے حکم میں ہے یا متصل اور بہر دو صورت اس کی استدلالی حیثیت کیا ہے۔ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ منقطع کی اقسام ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ومنه الاسناد الذی، ذکر فیه بعض رواته بلفظ مبهم نحو "رجل" او "شیخ" او غیرهما" (علوم الحدیث ص ۵۶، ۵۷) کہ منقطع کے اقسام میں سے وہ اسناد بھی ہے جس میں بعض راوی مبہم الفاظ کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں، جیسے "رجل" اور "شیخ" وغیرہما اور اسی کی طرف حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ (الباعث الحثیث ص ۵۰)

اب اگر اس تعریف کی رو سے یہ روایت منقطع شمار کی جائے تو ہمارے ہاں چونکہ انقطاع و ارسال خیر القرون سبب ضعف نہیں ہے، لہٰذا یہاں پر بھی سند میں اگرچہ راوی لفظ مبہم سے ذکر کیا گیا ہے، تب بھی اس سے استدلال صحیح ہے اور صحت حدیث کے لئے مضر نہیں۔ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "والانقطاع لا یضرنا" (اعلاء السنن ج ۱ ص ۳۱۵)

اور ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: "قلت اسناده حسن مع انقطاع منه، وهو لا یضرنا" (اعلاء السنن ج ۳ ص ۱۳۷۹)

ایک اور روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: "اسناده صحیح الا ان فیه انقطاعا، قلت والانقطاع فی القرون الثلاثة لا یضرنا" (اعلاء السنن ج ۳ ص ۱۲۳۸، باب وجوب اتیان الجماعۃ فی المسجد عند عدم العلۃ)

یعنی اگر اس کو منقطع شمار کیا جائے تو پھر بھی یہ روایت بالکل صحیح ہے کیونکہ یہ انقطاع خیر القرون کی ہے اور خیر القرون کی جہالت، ارسال اور انقطاع ہمارے ہاں موجب ضعف نہیں۔ لہٰذا حدیث صحیح ہے اور اگر اس مبہم راوی کی وجہ سے متصل قرار دیا جائے تو پھر بھی ابہام کے باوجود ہمارا استدلال صحیح ہے، کیونکہ ایسی سند حکماً منقطع ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ علائی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۶۱) لکھتے ہیں: "والتحقیق ان قول الراوی عن "رجل" و "نحوه" متصل، ولکن حکمه حکم المنقطع، لعدم الاحتجاج به" کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ راوی کا "عن رجل" وغیرہ کہنا متصل ہے لیکن اس کا حکم منقطع کا ہے عدم احتجاج کی وجہ سے۔ (جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۹۶)

جب ایسی روایت متصل شمار ہو کر حکماً منقطع ہوتی ہے، پھر بھی ہمارا استدلال صحیح ہے، کیونکہ یہ انقطاع خیر القرون کا ہے اور خیر القرون کی انقطاع صحت حدیث کے لئے ہمارے ہاں مضر نہیں اور مبہم سند کے بارے میں علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فالمبهم اختلف فی قبول حدیثه، والذی ینبغی ان یکون مذهبنا قبوله، وان

ابهم بغير لفظ التعديل، ولكن بمثل الشرط الذى اعتبرناه فى مرسل، كذا فى قفو الاثر" وهو ان يكون من القرون الثلاثة دون ماعداها" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۰۳) اور جہاں تک مبہم کا تعلق ہے تو اس کی حدیث کو قبول کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے اور وہ بات جو ہمارے مذہب کے مناسب ہے کہ وہ قبول ہو، اگرچہ تعدیل کے لفظ کے بغیر ابہام کیا گیا ہو، لیکن اس شرط کے ساتھ جو ہم نے مرسل میں معتبر قرار دی ہے اسی طرح قفو الاثر میں بھی ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ یہ ابہام قرون ثلاثہ میں سے ہو نہ اس کے علاوہ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت کو منقطع قرار دیا جائے یا "متصل فی حکم المنقطع" بہر دو صورت اس سے احناف کے اصول کے مطابق امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا استدلال صحیح ہے۔ اس کے علاوہ علامہ صاحب نے جو "حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ" اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات پر علامہ عراقی رحمہ اللہ کا تبصرہ نقل کیا ہے کہ یہ دونوں روایات ضعیف ہیں تو اپنی جگہ صحیح ہے لیکن یہ روایات دیگر روایات کی تائید اور شواہد کے طور پر پیش کی گئیں ہیں جس میں ضعیف حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے اور علامہ صاحب کا "راہ سنت" کے حوالہ سے اعتراض کرنا صحیح نہیں ہیں کیونکہ یہاں ہمارا مستدل صرف یہ روایت نہیں دیگر روایات بھی ہیں اور ساتھ علماء اہلسنت اور اکابر دیوبند کے حوالہ جات بھی۔ فافہم!

غلط فہمی نمبر ۱۹

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے عرض الاعمال کے مسئلہ میں امام سہروردی رحمہ اللہ کے "عوارف المعارف" کا حوالہ دیا ہے۔ اس پر علامہ صاحب لکھتے ہیں: "یہ اس پر اس قول سے مردود ہے جو اس نے خود بریلوی کو جواب میں کہا تھا، جب کہ اس نے امام شعرانی رحمہ اللہ کے قول سے اثبات دعوی کیا تھا تو مولوی سرفراز نے جواب دیا تھا امام شعرانی رحمہ اللہ کا حوالہ تو وہ بھی اس کو سودمند نہیں کیونکہ امام شعرانی رحمہ اللہ نہ کسی نص کا نام ہے اور نہ خبر متواتر کا وہ ایک صوفی ہیں۔ رسالہ اظہار العیب ۸۳ تو اس طرح میں بھی کہتا ہوں کہ امام سہروردی نہ کسی نص کا نام ہے اور نہ خبر متواتر کا وہ تو ایک صوفی ہے۔" (الفتح الحجہ ص ۳۲۷)

<u>ازالہ</u>: یہ علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے کیونکہ بریلوی حضرات علم غیب جیسے اہم عقیدہ میں اثبات لغیر اللہ کے لئے صوفیاء کے اقوال کا اور وہ بھی غلط سہارا لیتے ہیں، جب کہ غیر اللہ کے لئے علم غیب کا ماننا نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اب ایسے عقیدہ میں صوفیا کے اقوال کا سہارا لینا یقیناً غلط تھا اور جو جواب امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے دیا ہے بالکل بجا ہے، اس لئے کہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بریلوی اپنے عقیدہ پر کوئی نص پیش کریں؟ جب کہ امام شعرانی رحمہ اللہ نص نہیں اس کے علاوہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے امام شعرانی رحمہ اللہ کے حوالے کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے۔ "اور پھر ان کا (امام شعرانی رحمہ اللہ) قول مجمل اور قابل تاویل ہے۔" (اظہار العیب ص ۸۳)

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے واضح کر دیا کہ امام شعرانی رحمہ اللہ رحمہ اللہ کا قول اگر تسلیم کر لیا جائے تو بریلویوں کو پھر بھی مفید نہیں۔ جب کہ یہاں مسئلہ عرض الاعمال کا معاملہ ہی جدا ہے کیونکہ یہ صحیح روایات سے بھی ثابت ہے اور علماء اسلام کی ایک جم غفیر بھی اس کی قائل ہے تو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا استدلال صحیح روایات سے ہے اور "عوارف" کا حوالہ محض تائید کے لئے ہے۔

مسئلہ عرض الاعمال اور روایات موقوفہ

امام ابن المبارک رحمہ اللہ، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''اخبر ناثور بن یزید عن ابی رھم السماعی عن ابی ایوب الانصاری قال: اذاقبضت نفس العبد تلقاه اهل الرحمة من عباد الله كما يلقون البشير في الدنيا، فيقبلون عليه ليسألوه فيقول بعضهم لبعض انظروا أخاكم حتى يستريح، فانه كان في كرب فيقبلون عليه فيسألونه مافعل فلان؟مافعلت فلانة؟ هل تزوجت؟ فاذا سألوا عن الرجل قد مات قبله، قال لهم انه قد هلك فيقولون: انا لله وانا اليه راجعون ذهب به الى امه الهاويه فبئست الام وبئست المربية، قال فيعرض عليهم اعمالهم، فاذارأوحسنا فرحوا واستبشروا، وقالوا اهذه نعمتك على عبدك فاتمها، واذارأواسوءقالوا اللهم راجع بعبدك''

(کتاب الزہد لابن المبارک ج ا ص ۱۴۹)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب بندہ کی روح قبض کی جاتی ہے تو اللہ کے بندوں میں سے اہل جنت اس کا استقبال کرتے ہیں، جیسے دنیا میں خوشخبری سنانے والے سے ملتے ہیں تو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ اس سے (حالات) دریافت کرلیں تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں: اپنے بھائی کو چھوڑ دو تاکہ آرام کرلیں، اس لئے کہ یہ مصیبت میں تھا۔ پھر وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ فلاں (مرد) نے کیا کیا؟ فلاں (عورت) نے کیا کیا؟ کیا اس نے شادی کی؟ تو جب وہ اس سے کسی ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے فوت ہو چکا ہو تو کہتے ہیں: ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' وہ اپنے ٹھکانہ ہاویہ کی طرف لے جایا گیا، کیا ہی بدترین ٹھکانہ ہے اور کیا ہی بدترین پرورش کرنے والا (ٹھکانہ) ہے۔ فرماتے ہیں: پھر ان پر ان کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، تو جب وہ نیکی دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: یہ آپ کی اپنے بندے پر نعمت ہے سو اس کو پورا فرما اور اگر گناہ دیکھ لیتے ہیں تو کہتے ہیں: اے اللہ اپنے بندے پر (رحمت کے ساتھ) رجوع فرما۔

اس روایت کی سند کے بارے میں علامہ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ورواہ ابن المبارک فی الزھد موقوفا علی ابی ایوب''باسناد جید'' (تخریج احادیث ج ۴ ص ۵۲۹)

امام ابن مبارک رحمہ اللہ نے اس کو کتاب الزہد میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سند جید کے ساتھ موقوفاً نقل کیا ہے۔

غیر مقلدین کے پیشواء علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''قلت اسناد الموقوف صحیح''

(السلسلۃ الصحیحہ ج ۶ ص ۶۰۶)

اور آگے علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وكونه موقوفا لا يضر، فانه يتحدث عن امور غيبية لا يمكن ان تقال بالرای، فهو في حكم المرفوع يقينا'' (ایضاً ج ۶ ص ۶۰۶)

ضرورت تو نہیں لیکن پھر بھی روایات کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

(۱) امام ابن المبارک رحمہ اللہ: مشہور امام ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ثقة، ثبت، فقیه، عالم، جواد، مجاهد، جمعت فیه حصال الخیر" (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۴۲۳)

(۲) ثور بن یزید: قال ابن سعد "کان ثقة فی الحدیث" قال عثمان الدارمی عن دحیم "ثور بن یزید ثقة" قال احمد بن صالح "ثقة" یحی بن سعید فرماتے ہیں: "ما رایت شامیا اوثق من ثور بن یزید" قال الوکیع ثور کان "صحیح الحدیث" یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: "ثقة" محمد بن عوف اور امام نسائی فرماتے ہیں: "ثقة" امام ابوحاتم فرماتے ہیں: "صدوق" حافظ امام ابن عدی فرماتے ہیں: "ولا اری بحدیثه باسا، اذا روی عنه ثقة، او صدوق" امام ابوداود فرماتے ہیں: "شامی ثقة" (تہذیب التہذیب ج ا ص ۳۴۶، تہذیب الکمال ج ۲ ص ۱۸۳)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "ثقة، ثبت، الا انه یری القدر" (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۱۳۲)

(۳) ابی رهم السماعی: اسمه احزاب بن اسید۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "مختلف فی صحبته، والصحیح انه محضرم ثقة" اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تو صحابی ہیں۔ لہٰذا یہ صحیح روایت بھی مسئلہ عرض الاعمال پر واضح دلیل ہے اور ایسی بات چونکہ رائے سے نہیں بتائی جاسکتی۔ اس لئے حکماً مرفوع ہے اور ماقبل میں مذکور حدیث انس رضی اللہ عنہ کی مؤید بھی ہے۔ (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۷۲)

دوسری روایت

امام ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اخبرنا صفوان بن عمرو قال حدثنی عبدالله بن جبیر بن نفیر ان ابا الدرداء کان یقول ان اعمالکم تعرض علی موتاکم، فیسرون ویساوون قال یقول ابو الدرداء اللهم انی اعوذبک من اعمل عملا یخزی به عبدالله بن رواحه" (کتاب الزہد ولیہ الرقائق ۴۶۸)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور پریشان فرمایا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی میں تجھ سے ایسا کام کرنے سے پناہ مانگتا ہوں کہ جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سامنے رسوائی ہو۔

یہاں پر رواۃ حدیث کی توثیق سے پہلے یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ کتاب الزہد لابن المبارک میں مذکورہ سند میں ایک راوی "عبداللہ بن جبیر بن نفیر" ہے لیکن یہ خطاء ہے صحیح "عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر" ہے اور یہی روایت امام ابن المبارک رحمہ اللہ کی سند سے "کتاب الزهد لابی داود" میں مذکور ہے، لیکن وہاں راوی "عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر" ہی ہے۔ (کتاب الزہد لابی داود ص ۱۹۸، ۱۹۹)

علامہ قرطبی نے بھی امام ابن المبارک رحمہ اللہ کی سند ذکر کی ہے جس میں بھی راوی "عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر" ہے۔ (التذکرہ للقرطبی ص ۵۶)

اسی طرح علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے، امام ابن المبارک رحمہ اللہ کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے، جس میں بھی راوی "عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر" ہی ہے۔ (اہوال القبور لابن رجب ص ۱۵۱)

امام ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے بھی راوی ذکر کیا ہے۔ (کتاب المنامات ص ۶)

الترغیب والترھیب میں بھی ''عبد الرحمن بن جبیر بن نفیر'' ذکر کیا ہے۔ (باب فی الترغیب من الاساءۃ)

اس کے علاوہ اس بات پر کہ یہ راوی ''عبد الرحمن بن جبیر بن نفیر'' ہی ہے ایک واضح دلیل بھی موجود ہے کہ ''صفوان بن عمرو'' کے اساتذہ میں ''عبد الرحمن بن جبیر بن نفیر'' موجود ہے نہ کہ ''عبد اللہ بن جبیر بن نفیر'' اب اس سند کے رواۃ کا تعارف وتوثیق ملاحظہ کریں:

(۱) امام صفوان بن عمرو بن ہرم السکسکی: امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کان ''ثقة مامونا'' وکان ابن المبارک وغیرہ ''یوثقہ'' (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۵۵۵، ۵۵۶)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ثقة'' (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۳۵۷)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۲۳، ۴۲۷

(۲) عبد الرحمن بن جبیر بن نفیر: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ثقة''

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صالح الحدیث ذکرہ ابن حبان فی الثقات'' امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کان ثقة وبعض الناس یستنکر حدیثه'' (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۸، تہذیب الکمال ج ۶ ص ۹۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ثقة'' (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۴۵۲)

اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں۔ لہٰذا یہ موقوف روایت بھی عرض الاعمال پر واضح دلیل ہے اور اگرچہ موقوف ہے لیکن حکما مرفوع ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ یہی موقوف روایت نقل کر کے لکھتے ہیں: ''ھذہ الاخبار وان کانت موقوفة فمثلھا لا یقال من جھة الرأی'' (التذکرۃ، ص ۵۷)

حضرت ''ابو الدرداء رضی اللہ عنہ'' کی روایت اور عام اموات کے عرض الاعمال پر بحث کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ولما کانت اعمال الاحیاء تعرض علی الموتی، کان ابو الدرداء رضی اللہ عنہ یقول اللھم انی اعوذ بک ان اعمل عملا أخزی به عند عبد اللہ بن رواحة'' (مجموعۃ الفتاویٰ ۱۲ ص ۳۳۶، مکتبۃ العبیکان)

جب زندوں کے اعمال مردوں پر پیش کئے جاتے ہیں، تو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: الٰہی میں تجھ سے ایسا کام کرنے سے پناہ مانگتا ہوں کہ جس کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سامنے رسوائی ہو۔

تیسری روایت

تیسری روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح کر کے اس کے شواہد بھی پیش کئے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ کریں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ویؤید ماقاله ابو ھریرۃ، ان اعمال العبادۃ تعرض علی اقربائھم من موتاھم ثم ساقه باسناد صحیح الیه، وشاھدہ حدیث النعمان بن بشیر مرفوعا اخرجه البخاری فی تاریخه، وصححه الحاکم'' اور اس کی تائید کرتی ہے وہ جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ بندوں کے اعمال ان کے رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں اور پھر اس کو صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور نعمان بن بشیر کی مرفوع روایت جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کبیر میں ذکر کی ہے اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اس کا شاہد ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۹۹، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھله۔۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے استدلال کرکے اس کو صحیح بھی کہا ہے اور پھر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت کو اس کی شاہد کے طور پر پیش کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام طبری رحمہ اللہ کی جس روایت کا ذکر کیا ہے اس کی سند ملاحظہ کریں امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن ابن عثمان حدثنا عوف عن خلاس بن عمر و عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال ان اعمالکم تعرض علی اقربائکم من موتاکم (الحدیث)۔ (تہذیب الآثار للطبری مسند عمر ج ۲ ص ۵۱۱۔۔۔)

اب روایت کا ترجمہ ملاحظہ کریں

(۱) محمد بن بشار: امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بندار بصری ثقۃ، کثیر الحدیث" امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صدوق" امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا باس بہ" (تہذیب الکمال ج ۸ ص ۵۸۵، الثقات للعجلی ج ۲ ص ۲۳۲)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الامام، الحافظ، راویۃ الاسلام" (سیر اعلام النبلاء ج ۲۳ ص ۱۲۷)

(۲) عبدالرحمن بن عثمان: یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: "ضعیف الحدیث" امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا باس بہ" امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لیس بقوی" امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ضعیف" (تہذیب الکمال ج ۶ ص ۲۰۸، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۳)

(۳) عوف الاعرابی: عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقۃ صالح الحدیث" یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقۃ" امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صدوق صالح" امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقۃ ثبت" امام ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کان ثقۃ کثیر الحدیث" (تہذیب الکمال ج ۸ ص ۱۵۴)

(۴) خلاس بن عمرو: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقۃ ثقۃ" امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ثقۃ ثقۃ" امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لہ احادیث صالحۃ" امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لیس بقوی" امام ابوداود رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: "لم یسمع خلاس من ابی ھریرۃ شیئا" (تہذیب الکمال ج ۳ ص ۴۳، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۶)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں اب اس روایت میں ایک راوی "عبدالرحمن بن عثمان" مختلف فیہ ہے اور "خلاس" کی سماع ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں تو یہ روایت منقطع ہوگئی۔ لیکن اس قسم کا ضعف اصول حدیث کی رو سے شواہد سے رفع ہوجاتا ہے۔ اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت کو اس کا شاہد قرار دے دیا جس سے حدیث مذکور بالکل صحیح ہوئی اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ شواہد میں بھی ضعیف حدیث پیش کی جاسکتی ہے، تاکہ کوئی اس روایت پر اعتراض نہ کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت منقطع ہے لیکن انقطاع خیر القرون کا ہے اور خیر القرون کا انقطاع ہمارے احناف کے نزدیک صحت حدیث کے لئے مضر نہیں اور حافظ بن حجر رحمہ اللہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی جو روایت شاہد کے طور پر پیش کی ہے اس کے لئے ملاحظہ کریں۔

(تاریخ کبیر ۹ ص ۸، مستدرک حاکم کتاب الرقاق ج ۴ ص ۳۴۲)

اگرچہ نعمان بن بشیر رحمہ اللہ والی روایت دو راویوں "اسماعیل السکونی" اور "مالک بن ادی" کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن شواہد میں پیش کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ عرض الاعمال اور شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ

شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”بندوں کے اعمال اور ان کے مردہ رشتہ داروں پر پیش ہونا اور (ان مردہ رشتہ داروں کا) ان کے لئے دعا کرنا بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔“

(مائۃ مسائل مترجم ص ۴۱)

مسئلہ عرض الاعمال اور علامہ نواب قطب الدین خان رحمۃ اللہ علیہ

علامہ نواب قطب الدین خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اگر چہ شہداء کے علاوہ دوسرے مردے بھی اپنی قبروں میں سلام کلام سنتے ہیں اور بعض ایام میں ان کے اقرباء کے اعمال بھی ان سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔“

(مظاہر حق ج ۱ ص ۸۶۵)

غلط فہمی نمبر ۲۰

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ”حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ناقد الرجال شخصیت نقد رجال میں معروف عام وخاص ہیں، جب غیر مقلد مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ناقد الرجال پر وہم کا الزام لگایا تو مولوی سرفراز انہیں جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بلا دلیل علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ناقد رجال پر وہم کا الزام کون سنتا ہے؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ کہا ہی تھا لیکن خود مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے کہنے پر مجبور ہیں: ”الذهبی هو من اهل استقراء التام فی نقد اسماء الرجال“ (تحقیق ج ۱ ص ۷۵، ابکار ص ۶۰ بتحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷)

علامہ ذہبی وہ ہیں جن کو نقد اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے۔ جب علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو رواۃ میں اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہ ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں تو ان پر بلا وجہ یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے؟ (احسن الکلام ج ۲ ص ۹۶) لیکن مولوی سرفراز (تسکین الصدور ص ۲۲۵) میں لکھتا ہے: ”امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم“ جب غیر مقلدین کا مقابلہ ہو تو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر وہم کا لفظ برداشت نہیں کر سکتا، لیکن جب جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے ساتھ مقابلہ ہوا تو امام ناقد الرجال ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وہم کا شکار بلا دلیل ہوا۔ کیونکہ امام ناقد الرجال ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۶۰) پر ”الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون“ کو منکر کہا ہے۔

اسی وجہ سے مولوی سرفراز نے امام ناقد الرجال ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر وہم کا الزام لگایا کیا یہ جمعیت والوں کی بد دیانتی نہیں؟ کہ ان سے دریافت کریں کہ غیر مقلدین کے مقابلہ میں آپ کا ایک قسم حربہ اور اشاعت التوحید والسنۃ والوں کے مقابلہ میں دوسرا حربہ کیوں ہے؟ یہ سب ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے۔“

(التقیید الجوہری ص ۹،۸، الصواعق المرسلہ ص ۲۷۰)

ازالہ: قارئین! یہ طویل اقتباس محض اس لئے نقل کیا گیا ہے، تاکہ علامہ صاحب کا اشکال پوری طرح سمجھ میں آجائے اور معلوم ہو کہ یہ بھی علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف وہم کی نسبت میں علامہ

مبارک پوری رحمہ اللہ اور امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے موقف میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور وہ یہ کہ علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے جو امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کو وہم قرار دیا ہے تو علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے اپنے اس دعویٰ پر کوئی دلیل قائم نہیں کی، بلکہ بلا دلیل ''وہم'' کا الزام لگایا ملاحظہ کریں۔ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ ایک عنوان ''تیسرا جواب نافع بن محمود کی جہالت'' قائم کر کے لکھتے ہیں: ''علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نافع بن محمود سے خلف الامام کی روایت کے علاوہ اور کوئی روایت مروی نہیں ہے ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ: ''حدیثہ معلل'' اس کی حدیث معلول ہے۔ (میزان ٣ ص ٢٢٧، احسن الکلام ٢ ص ١٠٠)

تو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ: ''وہم، خطا اور نسیان تو انسان کے خمیر میں داخل ہے، ان سے وہی محفوظ رہے گا جس کو خدا تعالیٰ بچائے گا، لیکن بلا دلیل علامہ ذہبی رحمہ اللہ جیسے ناقدین فن رجال پر وہم کا الزام سنتا کون ہے۔'' (احسن الکلام ج ٢ ص ١٠٦)

آگے امام اہل السنۃ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''تو ان پر بلا وجہ یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے۔'' (احسن الکلام ج ٢ ص ١٠٧)

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے واضح کر دیا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ انسان ہیں ان کو وہم ہو سکتا ہے، لیکن بلا دلیل ان کی کسی بات کو وہم قرار دینا بالکل غلط ہے۔ جب کہ علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے بلا وجہ وہم کا الزام لگایا۔ اس لئے امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے رد کر دیا اور مذکورہ دونوں اقتباسات میں صاف طور ''بلا دلیل'' اور ''بلا وجہ'' کے الفاظ موجود ہیں جو اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ''الانبیاء احیاء فی قبورھم'' حدیث کے بارے امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کو جو ''وہم'' قرار دیا ہے تو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ایک زبردست دلیل قائم کی ہے اور پھر اس کو ''وہم'' قرار دینے میں امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے بنیاد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی کو بنایا۔ یعنی امام ذہبی رحمہ اللہ کی بات کی دراصل تعاقب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی نے کی ہے امام اہل السنۃ رحمہ اللہ محض ناقل ہیں اور الحمد للہ کہ اس دلیل کو آج تک کسی نے بھی رد نہیں کیا۔ اگر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے وہم کو دلیل سے ثابت نہ کرتے تو بے شک امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے جس طرح علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ کا قول رد کیا ہے۔ اسی طرح امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی بات بھی رد کی جا سکتی تھی، لیکن دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور علامہ صاحب کا اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اب ہم یہاں پر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی قائم کردہ دلیل نقل کرتے ہیں جو امام ذہبی رحمہ اللہ کے وہم پر قائم کی ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کے وہم پر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی قائم کردہ دلیل

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ عنوان ''علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا وہم'' قائم کر کے لکھتے ہیں: ''اس صحیح حدیث کے سلسلہ میں قدرے معقول نما اعتراض جو سامنے آیا ہے وہ علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ الذہبی رحمہ اللہ (م ٧٤٨ھ) کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ''حجاج بن الاسود عن ثابت البنانی نکرۃ، ما روی عنہ فیما اعلم سوی مستلم بن سعید، فاتی بخبر منکر عنہ عن انس رضی اللہ عنہ فی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون رواہ البیہقی'' (میزان الاعتدال ج ١ ص ٤٦٠) (تسکین الصدور ص ٢٢٥)

یہی وہ اعتراض ہے جو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جس کا خلاصہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح پیش کیا ہے لکھتے ہیں: (۱) یہ کہ حجاج بن الاسود مجہول ہے نکرہ۔ (۲) یہ کہ مستلم بن سعید کے علاوہ اس سے کسی اور نے روایت نہیں کی۔ (۳) یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق سے جو روایت انہوں نے نقل کی ہے وہ منکر ہے جس کا مضمون یہ ہے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون لہٰذا یہ مخدوش ہے۔" (ایضاً ص ۲۲۵)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جو جواب دیا ہے اور اعتراض کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم قرار دے کر اس پر جو دلیل قائم کی ہے اس کو ملاحظہ کریں، امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ترتیب وار ہر شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

۱...... علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ حجاج بن الاسود (نکرہ) مجہول ہے صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعتراض نقل کر کے آگے لکھتے ہیں: "قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معین ثقة وقال ابو حاتم صالح الحدیث وذکرہ ابن حبان فی الثقات" کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کو "ثقہ" اور "مرد صالح" کہتے ہیں اور ابن معین ان کو "ثقہ" کہتے ہیں، ابو حاتم ان کو "صالح الحدیث" کہتے ہیں اور ابن حبان ان کو "ثقات" میں لکھتے ہیں۔ (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵)

جب ائمہ جرح و تعدیل اور چوٹی کے محدثین کرام ان کو ثقہ کہتے ہیں تو پھر وہ نکرہ اور مجہول کیسے رہے۔

۲...... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ: "وعنه جریر بن حازم، وحماد بن سلمة، وروح بن عبادة، وآخرون" حجاج بن الاسود سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور دیگر حضرات روایت کرتے ہیں اور آخرون میں آگے عیسیٰ بن یونس کا نام بھی لیا ہے۔ (دیکھئے لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵)

جب ان سے روایت کرنے والے مستلم بن سعید کے علاوہ اور بھی موجود ہیں تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ اس سے ہماری دانست میں صرف مستلم بن سعید ہی نے روایت کی ہے۔ غرض یہ کہ اصول حدیث کی رو سے نہ تو یہ راوی مجہول الحال ہے اور نہ مجہول العین اس لئے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کی کوئی وقعت نہیں۔

۳...... یہ شق پہلی دو شقوں کا نتیجہ ہے جب وہ دونوں باطل ہیں تو یہ خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔

(تسکین الصدور ص ۲۲۵، ۲۲۶)

یہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کا وہ جواب تھا جو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کر کے ثابت کر دیا کہ یہ راوی نہ مجہول ہے اور نہ اس سے روایت کرنے والے صرف مستلم بن سعید ہے، بلکہ اس سے روایت کرنے والے مستلم بن سعید کے علاوہ اور بھی راوی موجود ہیں اور یہ بات واضح ہوئی کہ واقعی امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں پر وہم ہوا ہے اور اس کو وہم قرار دینا بلا دلیل نہیں بلکہ با دلیل ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے وہم پر دوسری دلیل

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے وہم پر ٹھوس دلیل قائم کیا ہے جس کا جواب ابھی تک کسی سے نہ بن سکا۔ اب ہم دوسری دلیل بھی پیش کرتے ہیں وہ یہ کہ اسی راوی "حجاج بن الاسود" کو میزان الاعتدال میں مجہول قرار دیا گیا ہے اور نیز یہ بھی کہا ہے کہ میرے علم کے مطابق مستلم بن سعید کے علاوہ اس سے کسی نے روایت

نہیں کی۔ حالانکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ خود تلخیص مستدرک ج ۴ ص ۳۶۸ کتاب الرقاق بیروت" میں حجاج کو "ثقہ" کہا ہے اور سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں: "حجاج بن الاسود القسملی ويقال له حجاج زق العسل وهو حجاج بن ابی زیاد حدث عن شهر او ابی نضره و جماعة بصری صدوق روی عنه جعفر بن سلیمان، ویحی بن یونس، وروح، وکان من الصلحاء، وثقه ابن معین" (سیر اعلام النبلاء ج ۷ ص ۷۶)

قارئین امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دو حوالے "سیر اعلام النبلاء اور تلخیص مستدرک" صاف بتارہی ہے کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو میزان الاعتدال میں وہم ہوا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم اور علامہ خان بادشاہ کا ناکام دفاع

دفاع کی پہلی ناکام کوشش: علامہ خان بادشاہ صاحب علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے وہم کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "انه قال بنفسه النفيس لغير المقلد بانه من يسمع الزام الوهم على مثل العلامة الذهبى، مع ان له مهارة كاملة فى نقد الرجال والمحدثون يعتمدون عليه فى نقد الرجال اعتمادا كليا" کہ اس نے خود غیر مقلد کے جواب میں کہا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ناقدین فن رجال پر وہم کا الزام سنتا کون ہے، جب علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو روات اور رجال پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ حضرات محدثین کرام ان پر اس فن میں کلی اعتماد کرتے ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۷۲)

علامہ خان بادشاہ صاحب کے اس اعتراض کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں یہاں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ جب علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر بلا دلیل وہم کا الزام لگایا تو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رد کر کے دو مرتبہ کہا: "لیکن بلا دلیل علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ناقدین فن رجال پر یہ وہم کا الزام سنتا کون ہے۔"

(احسن الکلام ج ۲ ص ۱۰۶)

دوسری مرتبہ کہا: "تو ان پر "بلا وجہ" یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا وہم ہے۔"

(احسن الکلام ج ۲ ص ۱۰۷)

یہ عبارت واضح طور پر بتاتی ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ مبارکپوری کا علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ پر وہم کا الزام اس وجہ سے رد کیا تھا کہ وہ "بلا دلیل" اور "بلا وجہ" تھا اور یہاں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے وہم پر ایک زبردست دلیل پیش کی ہے۔ لہٰذا دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ علامہ خان بادشاہ صاحب کا اس سے صرف نظر کرنا صحیح نہیں۔

دوسری ناکام کوشش اور علامہ صاحب کی ایک فنی غلطی

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: "ولا شک ان قول الذهبی صحیح، لان هذا خبر منكر، من علامة المنكر اذا عرضت روايته على رواية غيره من اهل الحفظ والرضى فخالفت روايته روايتهم، وهذه الرواية اذا عرضت على الرواية الاخرى الصحيحة التى ذكرناها فى الفصل الثانى فهى مخالفة عنها، فعلى هذا حديث حجاج ابن اسود منكر بما نقله الخصم فى هذا الكتاب بحواله مسلم" (الصواعق المرسلۃ ص ۱۷۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ ذہبی کا قول صحیح ہے کہ یہ روایت منکر ہے، اس لئے کہ منکر کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی حدیث دوسرے اہل حفظ اور پسندیدہ راویوں کی حدیث پر پیش کی جائے تو اس کی روایت ان کی روایت کے مخالف ہو اور جب تم یہ روایت ایک دوسری صحیح روایت پر پیش کرو جو ہم نے فصل ثانی میں ذکر کی ہے تو یہ اس کی مخالف ہے تو اس بناء پر حجاج بن الاسود کی روایت منکر ہے۔ اس اصول کی بناء پر جس کو مصنف نے اس کتاب (تسکین الصدور) میں مسلم کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

قارئین! یہاں پر علامہ خان بادشاہ صاحب نے ایک زبردست فنی غلطی کی ہے، یہ اپنی جگہ بالکل بجا ہے جو اس نے منکر کی تعریف ذکر کی ہے لیکن علامہ صاحب کو یہاں پر ایک غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ یہ کہ اصول ایک ہی روایت سے متعلق ہے یعنی ایک روایت چند راویوں سے مروی ہو اور اس میں ضعیف ثقہ کی مخالفت کرے تو ضعیف کی روایت کو منکر کہا جائے گا۔ جیسا کہ محدثین نے اس کی مثال سے بھی یہ بات سمجھائی ہے۔ چنانچہ مثال یہ دی ہے ملاحظہ کریں۔

عن حبیب بن حبیب عن ابی اسحاق عن العیزار بن حریث عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال من اقام الصلوۃ واٰتی الزکوۃ وحج البیت وصام رمضان وقری الضیف دخل الجنۃ۔

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے، کیونکہ حبیب بن حبیب کے علاوہ ثقہ راویوں نے اس کو ابواسحاق کے واسطہ سے موقوفاً بیان کیا ہے۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت نہیں کی ہے۔ لہٰذا مذکورہ روایت جو مرفوعاً ہے وہ منکر ہے اور جو موقوفاً ہے وہ معروف کہلائے گا۔ ملاحظہ ہو تدریب الراوی وغیرہ!

اور علامہ خان بادشاہ صاحب نے یہاں پر اس حدیث: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو جس حدیث پر پیش کر کے فصل ثانی کا حوالہ دیا ہے وہ بالکل الگ ہی روایت ہے۔ علامہ صاحب نے اس حدیث کو جس روایت پر پیش کیا ہے وہ یہ ہے: ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ ﷺ لما اصیب اخوانکم، جعل اللہ ارواحھم فی اجواف طیر خضر، ترد انھار الجنۃ تاکل من ثمارھا وتاوی الی قنادیل من ذھب معلقۃ فی ظل العرش، فلما وجدوا طیب ماکلھم ومشربھم ومقیلھم قالوا من یبلغ اخواننا عنا انا احیاء فی الجنۃ نرزق لئلا یزھدوا فی الجھاد ولا ینکلوا عن الحرب، فقال اللہ تعالیٰ انا ابلغ عنکم فانزل اللہ عزوجل ... '' (الصواعق المرسلہ ص ۴۲، الفصل الثانی)

اب یہ دونوں روایتیں بالکل الگ الگ مستقل دو حدیثیں ہیں جس میں نکارۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ تبھی ہوتا جب یہ ایک روایت ہوتی اور پھر مخالفت ہوتی جس طرح ماقبل میں منکر کی مثال سے واضح ہے۔ یہ علامہ صاحب کا امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دفاع کی ایک ناکام کوشش اور فنی اعتبار سے بڑی غلطی ہے۔

علامہ خان بادشاہ صاحب کی تیسری ناکام کوشش

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''والثانی منھا انہ قال فی مقام مجیبا لغیر المقلد، وما قال الھیثمی رواتہ ثقات صحیح لکن عبید اللہ بن عمرو وان کان ثقۃ لکنہ صاحب الخطاء والوھم، فاقول لہ ان مستلم بن سعید وان کان ثقۃ لکنہ ربما خالف، وربما وھم، فھو ایضا صاحب الخطاء والوھم، فکیف یجیء الضعف فی الحدیث الذی استدل منہ غیر المقلد لاجل عبید اللہ بن عمرو لانہ صاحب الخطاء والوھم، الیست التفرقۃ من الذندقۃ'' (الصواعق المرسلہ ص ۲۵۲)

دوسری بات یہ کہ اس نے ایک مقام پر غیر مقلد کو جواب دیتے ہوئے کہا جو امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ: "رواتہ ثقات" تو صحیح ہے لیکن عبیداللہ بن عمرو اگرچہ ثقہ ہے لیکن صاحب خطاء و وہم ہے تو میں بھی ان کو کہتا ہوں کہ مستلم بن سعید اگرچہ ثقہ ہے لیکن کبھی کبھی وہم اور خطاء کا شکار ہوتا ہے تو یہ بھی اسی طرح صاحب خطاء و وہم ہے تو جس حدیث سے غیر مقلد نے استدلال کیا ہے۔ اس میں عبیداللہ بن عمرو کی وجہ سے کس طرح ضعف واقع ہوا۔ کیونکہ عبیداللہ صاحب خطاء و وہم ہے اور اس حدیث میں مستلم بن سعید کی وجہ سے ضعف نہیں آتا۔ اگرچہ یہ بھی اسی طرح صاحب خطاء اور وہم ہے آیا یہ فرق اور تفرقہ زندقہ نہیں؟

قارئین کرام! ہم حیران ہیں کہ علامہ خان بادشاہ صاحب جیسا جید عالم آخر ایسی رکیک اور سطحی قسم کے اعتراضات جس کی حقیقت سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو اور جس کی توقع ایک موقع شناس طالب علم سے بھی متوقع نہ ہو کیسے کرتے ہیں؟

علامہ خان بادشاہ صاحب نے جس تفرقہ کو زندقہ کہا ہے اس کو زندقہ قرار دینا دانش مندی نہیں کیونکہ دونوں باتوں میں زمین و آسمان سے زیادہ فرق ہے۔ علامہ صاحب کے ہاں اگر کوئی تحقیق پر مبنی جواب موجود ہو تو پیش فرمائیں ورنہ خاموشی عبادت ہے اور اسی میں عافیت ہے۔ علامہ صاحب کے اعتراض کی حقیقت ذرا ملاحظہ کریں اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۶، ۱۲۷) پر غیر مقلدین کی قرأت خلف الامام پر پانچویں دلیل نقل کر کے پانچ وجوہ سے اس حدیث کی ضعف بیان کی ہے۔ تیسری وجہ ضعف بیان کرتے ہوئے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وثالثاً اس کے متن میں بھی اضطراب ہے اور بعض طرق میں یہ روایت "فلا تفعلوا" پر ختم ہو جاتی ہے اور اس میں جملہ استثنائیہ موجود نہیں ہے۔" (کتاب القراۃ ص ۶۹، الجواہر النقی ج ۲ ص ۱۶۷) اور بعض طرق میں یہ جملہ استثنائیہ بھی موجود ہے (کتاب القراۃ ص ۱۲۲ اور بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۶، طحاوی ج ۱ ص ۱۲۸) وغیرہ اور ایک روایت میں صرف لیقرأ بفاتحۃ الکتاب کا ذکر ہے۔" (جزء القراۃ ص ۵۴)

اب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ اسی ایک روایت میں اضطراب ہے۔ بعض روایات میں جملہ استثنائیہ ہے اور بعض میں نہیں "وعلی کل حال" یہاں پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس میں ایک راوی صاحب وہم ہے بلکہ پانچ وجوں سے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (اوّلاً) ابو قلابہ کی تدلیس کی وجہ سے۔ (ثانیاً) سنداً، اضطراب کی وجہ سے۔ (ثالثاً) متن کے اضطراب کی وجہ سے۔ (رابعاً) "فی نفسہ" کے معنی کی وجہ سے جو جلد اوّل میں گزر گئی۔ (خامساً) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع "واذ قرأ فأنصتوا" کی وجہ سے۔ الخ!

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ضعف کی تیسری وجہ متن میں اضطراب کی بحث کے ضمن میں عبیداللہ کے وہم کو زیر بحث لایا تھا۔ اگر یہاں پر عبیداللہ کا وہم نہ بھی ہو تو اضطراب متن کی وجہ سے حدیث پھر بھی ضعیف ہے۔ اس لئے علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ کہنا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں عبیداللہ بن عمرو جو صاحب خطاء و وہم ہے کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دیا اور حدیث: "الانبیاء احیاء .... الحدیث" میں مستلم بن سعید جس کے بارے "ربما وھم" اور "ربما خالف" کے الفاظ کہے گئے ہیں، کی وجہ سے حدیث کو ضعیف نہیں قرار دیتے۔ انتہائی سطحی قسم کی بات ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں۔

علامہ خان بادشاہ صاحب بتائیں کہ یہاں پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ایک ہی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے یا پانچ وجھوں سے؟ اگر پانچ وجھوں سے ضعیف قرار دیا ہے تو کیا ان پانچ وجھوں میں عبید اللہ بن عمرو مستقل وجہ ضعف ہے یا یہ تیسری وجہ ضعف جو کہ متنا اضطراب ہے کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔، اگر یہ تیسری وجہ ضعف کے ضمن میں بیان کی گئی ہے تو پھر علامہ صاحب کا اس کو مستقل وجہ ضعف بنا کر اعتراض غلط فہمی تو نہیں؟

غلط فہمی نمبر ۲۱

علامہ خان بادشاہ صاحب نے روایت: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسا اعتراض، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے ملاحظہ ہو: (الصواعق المرسلہ ص ۱۶۳)

ازالہ: یہ علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے کیونکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان میں روایت مذکورہ پر اعتراض نہیں بلکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض نقل کر کے جواب دیا ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب کا اس اعتراض کو لسان المیزان کے حوالے نقل کرنا غلط فہمی ہے اور اسی طرح کی غلط فہمی علامہ نیلوی صاحب کو بھی ہوئی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حدیث منکر ہے، ابن حجر نے (لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵) میں فرمایا ہے: ''حجاج بن اسود عن ثابت البنانی نکرہ ماروی عنہ فیما اعلم سوی مستلم بن سعید فاتی بخبر منکر عنہ عن انس رضی اللہ عنہ فی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' رواہ البیھقی'' (ندائے حق ج ۲ ص ۳۲)

حالانکہ یہ اعتراض امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہے جس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے اور پھر اس کا وہی جواب دیا ہے جس کو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، لیکن علامہ خان بادشاہ صاحب کی طرح علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی غلط فہمی کا شکار ہوئے۔

غلط فہمی نمبر ۲۲

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''سردار جی نے مولانا سرفراز خان صفدر کی وجہ سے پنج پیریوں کو دیوبندیت سے نکالا ہے، میں کہتا ہوں کہ مولانا سرفراز خان صفدر دیوبندیت سے منحرف ہیں۔ وہ رسالہ (سماع الموتی ص ۶۸) میں لکھتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے کہ مردے سنتے ہیں اور مفتی دار العلوم دیوبند مولانا عزیز الرحمن ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

سوال ۴۱۴۳: سماع موتی میں محققین حنفیہ کا کیا مذہب ہے اور قرآن وحدیث میں کیا ثابت ہے؟

الجواب: انک لاتسمع الموتی وغیرہ نصوص سے عدم سماع ظاہر ہے۔ فان عدم الاسماع یستلزم عدم السماع وھو قول محققی الحنفیہ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۳۸)

لہٰذا نہ تو مولانا سرفراز دیوبندی ہیں اور نہ سردار جی اور نہ اس کے رسالے پر تقریظ کرنے والے، ان سب کی دیوبندیت کے دعوے غلط ہیں۔'' (العقید الجوہری ص ۵)

ازالہ: علامہ خان بادشاہ صاحب حقیقت سے صرف نظر کر کے غلط فہمی میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ اگر علامہ صاحب کو ''فتاوی دار العلوم دیوبند'' سمیت ''علماء دیوبند'' پر اطمینان ہے، تو اس سے بڑھ کر اور خوشی کی بات کیا ہو

سکتی ہے۔ علماء دیوبند پر اور ان کی کتابوں پر فیصلہ کرنا اور اس پر راضی ہونا وہ واحد راستہ ہے جس پر فریقین کا اتفاق ہوسکتا ہے اللہ کرے ایسی کوئی صورت نکل آئے۔ بہرحال علامہ صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سماع موتی کا قائل لکھا ہے اور فتاوی دارالعلوم دیوبند میں محققین حنفیہ کا مذہب عدم سماع نقل کیا ہے لہٰذا یہ دیوبندیت سے منحرف ہیں۔

ہم علامہ صاحب سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ فتاوی دارالعلوم دیوبند میں سماع موتی کے بارے میں صرف یہی کچھ ہے یا اور کچھ بھی؟ علامہ صاحب نے اور حوالوں سے کیوں صرف نظر کر لی؟ شاید دوسرے حوالے علامہ صاحب کے خلاف ہیں۔ چنانچہ ہم دوسری عبارت امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں ہم صرف جوابات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سماع موتی میں اختلاف ہیں اور یہ اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے، بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے موجود ہیں۔ (یعنی مسئلہ یمین صفدر) جن سے عدم سماع معلوم ہوتا ہے، مگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تصریح اس بارے میں نقل نہیں کرتے اور استدلال عدم سماع کا آیت: انک لا تسمع الموتی وغیرہ سے کرتے ہیں اور مجوزین کا استدلال حدیث: ما انتم باسمع منهم الخ اور حدیث سماع قرع نعال سے ہے اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے کہ نفی سماع قبول کی ہے۔ غرض یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے۔ پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں اور جب کہ سماع موتی میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی ہوا کہ بزرگان دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ تم اللہ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرمادے یہ بھی مختلف فیہ ہوگا۔ البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے کہ یا اللہ اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما'' انتہی بلفظہ! (فتاوی دارالعلوم دیوبند مدلل ومکمل ج ۵ ص ۴۶۱ بحوالہ سماع موتی ۸۸)

مذکورہ فتوی بھی دارالعلوم دیوبند ہی کا ہے جس میں واضح موجود ہے: (۱) کہ بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ (۲) یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ (۳) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی تصریح نہیں۔ (۴) فریقین کے پاس دلائل موجود ہیں۔

اور علامہ صاحب نے جو فتوی ذکر کیا ہے اور اس میں عدم سماع پر جس آیت کریمہ کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے وہی آیت کریمہ یہاں بھی پیش کی گئی ہے اور ساتھ جواب بھی ارشاد فرمایا ہے۔ نیز آخر میں احوط قرار دے کر کہا کہ اس طرح دعا کرے کہ یا اللہ اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما۔ اب ذرا فرمائیں یہ فتوی قابل قبول ہے اگر ہے تو پھر کس بنیاد پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ دیوبندیت سے خارج ہیں؟ نیز اس طرح دعا کرنا آپ کے نزدیک ناجائز ہے اور علماء دیوبند کے نزدیک جائز ہے پھر آپ دیوبندی کیسے؟ نیز مذکورہ فتوی میں بزرگان دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ: ''تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرما'' کو بھی مختلف فیہ قرار دیا گیا۔ کیا علامہ صاحب اس کو مختلف فیہ مانتے ہیں؟ اگر مانتے ہیں تو بات اور جھگڑا ہی ختم اور اگر نہیں مانتے اور بات بھی یہی ہے بلکہ اس کو عین شرک قرار دے چکے ہیں تو پھر ذرا سوچئے کہ دیوبندیت سے منحرف کون ہے؟

مزید یہ کہ علامہ صاحب نے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی ہے، کیونکہ اگر علامہ صاحب صرف سماع موتی ہی میں علماء دیوبند کے دیگر عبارات کو مدنظر رکھتے تو کبھی بھی اس طرح بے تکی بات نہ کرتے۔ چنانچہ ملاحظہ کریں۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واعلم ان مسألة كلام الميت وسماعه واحدة وانكرها حنفية العصر، وفي رسالة غير مطبوعة لعلي القاري ان احدا من ائمتنا لم يذهب الى انكارها وانما استنبطوها من مسألة في باب الايمان، وهي حلف رجل ان لا يكلم فلانا فكلم بعد ما دفن لا يحنث، فقال القاري ولا دليل فيها على ما قالوا... اقول والاحاديث في سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر، وفي حديث صححه ابو عمر ''ان احدا اذا سلم على الميت فانه يرد عليه ويعرفه ان كان يعرفه في الدنيا'' (بالمعنى) واخرجه ابن كثير ايضا وتردد فيه فالانكار في غير محله، سيما اذا لم ينقل عن احد من ائمتنا فلا بد بالتزام السماع في الجملة... الخ'' جاننا چاہئے کہ میت کے کلام کرنے کا اور اس کے سماع کا مسئلہ ایک ہی ہے اور ہمارے ہم عصر حنفیوں نے اس کا انکار کیا ہے اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک غیر مطبوعہ رسالہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ احناف میں سے کوئی بھی انکار سماع کے مسئلہ کی طرف نہیں گیا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ (متاخرین) فقہاء نے باب الایمان کے ایک مسئلہ سے عدم سماع موتی کا استنباط کیا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا۔ پس اس نے اس سے اس کے دفن ہونے کے بعد کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے عدم سماع موتی ثابت نہیں جیسا کہ ان حضرات نے ثابت کیا ہے۔...... میں (انور شاہ) کہتا ہوں کہ مردوں کے سننے کی احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اور ایک حدیث میں آتا ہے جس کی تصحیح امام ابوعمرو ابن عبدالبر نے کی ہے کہ جب مردہ کو سلام کیا جاتا ہے تو وہ اس کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر وہ اس کو دنیا میں پہچانتا ہے تو (آواز سے) پہچان بھی لیتا ہے (یہ روایت بالمعنی نقل کی گئی ہے) اور اس روایت کو ابن کثیر نے بھی بیان کیا ہے اور اس میں انہوں نے تردد کیا ہے۔ پس سماع موتی کا انکار بالکل بے موقع ہے خاص طور پر جب کہ ہمارے ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی سے یہ منقول نہیں تو ضروری ہے کہ فی الجملہ سماع کا التزام کیا جائے۔

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷، ۴۶۸ بحوالہ سماع الموتی ص ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲)

اب علامہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ کیا علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی نہیں؟ جن کی عبارت کو آپ نے نظر انداز کیا ان کی عبارت میں صاف موجود ہے۔ (۱) کہ مردوں کے سننے کی احادیث درجہ تواتر تک پہنچی ہوتی ہے۔ (۲) پس سماع موتی کا انکار بالکل بے موقع ہے۔ (۳) فی الجملہ سماع کا التزام ضروری ہے۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''قال العبد الضعيف والذي ذكره في الروح من طوائف اهل العلم، وذكر ابن عبد البر ان اكثرين على ذلك يعني سماعهم في الجملة، هو الحق الحقيق بالقبول واليه يرشد صيغة القرآن وشان النزول وبه تتوافق الروايات من الصحابة والرسول صلی اللہ علیہ وسلم وهو مختار مشائخنا دامت بركاتهم'' (احکام القرآن ج خامس ص ۱۰۴ بحوالہ سماع موتی ص ۱۹۳)

بندہ ضعیف (مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ کتاب الروح میں جو اہل علم کے کئی طائفوں سے ذکر کیا ہے اور امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ اکثر حضرات فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ یہی حق ہے جو قبول کے لائق ہے

اور قرآن کریم کا صیغہ اور شان نزول بھی اس کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور اسی سے ان روایت میں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت ﷺ سے مروی ہیں توافق پیدا ہو جاتا ہے اور ہمارے مشائخ (دیوبند) دامت برکاتہم کا بھی یہی مختار ہے۔ اب مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی بھی اور دارالعلوم دیوبند ہی کے مفتی رہ چکے ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کا بھی یہی مختار ہے اور سماع فی الجملہ کا قول حق اور قبول کے لائق ہے، طوالت سے بچنے کے لئے ہم صرف اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ سماع موتی کے بارے میں بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اور علامہ منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ ملاحظہ کریں۔ (سماع موتی ص ۱۶۱، ۱۶۲) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ (ص ۱۶۱) امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی حوالہ جات نقل کئے ہیں۔ علامہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے۔ کیا یہ حضرات اکابرین دیوبند نہیں؟ اگر ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے تو پھر علامہ صاحب غلط فہمی میں کیسے مبتلاء ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبندیت سے منحرف قرار دے رہیں ہیں۔ لہٰذا علامہ صاحب کا صرف فتاوی دارالعلوم دیوبند کی ایک عبارت پر اور وہ بھی بے جا اعتماد کر کے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبندیت سے منحرف قرار دینا انصاف نہیں۔ یاد رہے فتاوی دارالعلوم دیوبند کا فتوی سر آنکھوں پر لیکن اس سے علامہ صاحب کا غلط نتیجہ قابل قبول نہیں۔

غلط فہمی نمبر ۲۳

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''مولوی سرفراز جس کی وجہ سے سردار جی نے پنج پیریوں کو دیوبند کی رجسٹر سے نکال دیا ہے۔ حالانکہ مولانا سرفراز نے اپنے رسالہ سماع الموتی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر افتراء کیا ہے اور اکابر دیوبند رحمۃ اللہ علیہ افتراء کرنے سے متنفر تھے۔ لہٰذا نہ تو مولوی سرفراز دیوبندی ہے اور نہ ہی سردار جی اور نہ ہی اس کی تائید کرنے والے دیوبندی ہیں۔'' (التقید الجوہری ص ۱۹)

<u>ازالہ</u>: اگر یہاں پر علامہ صاحب کا افتراء کرنے سے مراد یہ ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ کو سماع موتی کا قائل لکھا ہے تو اگر یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر افتراء ہے تو پوری اشاعت التوحید علامہ صاحب سمیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سماع موتی کا منکر کہہ رہی ہے تو پھر یہ بھی افتراء ہے ورنہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت کریں؟ تو اگر آپ سمیت جماعت اشاعت التوحید امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سماع موتی کا منکر بتا رہی ہے جب کہ امام صاحب سے اس بارے میں کوئی تصریح منقول نہیں اور اس کے باوجود نہ آپ مفتری ہوئے اور نہ آپ کی جماعت افتراء کرنے والی تو پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ مفتری اور افتراء کرنے والے کیسے؟ آخر یہ بدلتے پیمانے کیوں؟ حقیقت یہی ہے کہ یہ مسئلہ قرن صحابہ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے جس کی تفصیل امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سماع الموتی میں موجود ہیں۔

غلط فہمی نمبر ۲۴

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''مولوی سرفراز نے احسن الکلام ج ۱ ص ۱۴ طبع اوّل میں تہذیب التہذیب پر حوالہ دیتے ہوئے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ اور ابویوسف ہے جو متوفی ۲۰۸ھ ہے۔ مولانا سرفراز نے تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب پر افتراء کیا ہے۔ لہٰذا افتراء کرنے والے دیوبندی نہیں ہو سکتے تو نہ مولوی سرفراز دیوبندی ہے اور نہ سردار جی اور نہ اس کی تائید کرنے والے۔'' (التقید الجوہری ص ۲۰)

ازالہ: علامہ صاحب بھی عجیب ہیں ہر بات کو افتراء قرار دے رہیں ہے اور اس کی حقیقت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذکورہ اعتراض کے متعلق تو اوّلاً اتنا عرض ہے کہ ہم پہلے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے (ازالۃ الریب ص ۳۶، احسن الکلام ص ۶۳، ۶۶، ۵۲) کے حوالے سے نقل کر کے آئے ہیں کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تو انتہائی فراخ دلی کے ساتھ مخالفین سے گزارش کی کہ مجھے ہدف ملامت بنانے کی بجائے متانت اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری غلطیوں پر مجھے آگاہ کریں حق کے تسلیم کرنے میں کبھی تامل نہ کروں گا۔ اس واضح اعلان کے بعد علامہ صاحب کا مذکورہ غلطی کی صرف اطلاع کافی تھی اور پھر نہ ماننے کی صورت میں ان کا کہنا بجا تھا۔ جب کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلطی کی اصلاح بعد کی ایڈیشنوں میں کردی ہے۔ لیکن علامہ صاحب قسم کھا چکے ہیں کہ حوالہ آنکھیں بند کر کے صرف طبع اوّل کا دیں گے اور قیامت تک اصلاح کا تذکرہ زبان پر نہیں لائیں گے یا تو علامہ صاحب کو علم نہیں کہ بعد میں اس غلطی کی اصلاح کر لی گئی ہے اور اگر علم ہے اور پھر بھی اس کو افتراء کا طعنہ دے رہے ہیں تو علامہ صاحب خود ہی فیصلہ کریں کہ ایسے آدمی کو اصطلاح شریعت میں کیا کہتے ہیں؟

غلط فہمی نمبر ۲۵

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''مولوی سرفراز خود (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۹) میں لکھتا ہے۔ یہ اس کی پہلی کی تصنیف ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں اور تسکین الصدور میں حسد اور عناد کی وجہ سے معاملہ الٹا بنا دیا تو اکابر دیوبند ایسے نازیبا حرکات سے بری ہیں۔ لہٰذا مولوی سرفراز اور سرداجی اور اس کے تابعدار کیسے دیوبندی ہو سکتے ہیں۔'' (التنقید الجوہری ص ۲۲، البرہان الجلی ص ۲۷)

اور یہی اعتراض کسی قدر تفصیل کے ساتھ (ص ۶، ب) پر بھی کیا ہے۔

ازالہ: یہاں پر علامہ صاحب نے اپنی زعم کے مطابق امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ یہ علامہ صاحب کی خام خیالی ہے، کیونکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ ارواح اپنے اپنے مقام میں ہوتے ہوئے بھی ان کا تعلق قبر میں مدفون جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ بے شک انبیاء علیہم السلام کے ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں اور قبور میں اجسام کے ساتھ تعلق کی وجہ سے قبر پر آنے والے کا سلام سننا اور انبیاء علیہم السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روحوں کے اعلیٰ علیین میں ہونے کے منافی نہیں، بلکہ جمہور کے مسلک کے مطابق ان میں تطابق ہیں۔'' چنانچہ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ولم تکن صلوۃ موسی فی قبرہ بموجبہ مفارقۃ روحہ للسماء السادسۃ و حلولھا فی القبر، بل ھی فی مستقرھا ولھا تعلق بالبدن قوی حتی حملہ علی الصلوۃ'' (الصارم المنکی ص ۲۲۶)

اب جب روحوں کا آسمانوں میں ہونے اور اس کا قبر میں جسم اطہر کے ساتھ تعلق ہونے کی وجہ سے سلام کا جواب دینے اور نماز پڑھنے میں منافات نہیں تو علامہ صاحب کا یہ اعتراض بھی غلط فہمی کے سواء کچھ نہیں۔

غلط فہمی نمبر ۲۶

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ اعلان فرمایا تھا: من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ عز وجل حی لا یموت (بخاری) تو کسی

ایک صحابی نے انکار نہیں فرمایا۔ لہٰذا وفات النبی ﷺ پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور مولوی سرفراز اور سردار جی اس اجماع کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بخاری شریف کی مذکورہ حدیث کے خلاف جسد عنصری کے ساتھ حیاۃ کا قول کرتے ہیں۔ لہٰذا مولوی سرفراز اور سردار جی اور اس کے تائید کرنے والے سب اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں اور یہ ان کا اپنے غلط عقیدے کا نتیجہ ہے ہم سے ناراضگی کوئی نہ کرے۔'' (العقید الجوہری ص ۲۲)

ازالہ: یہ بھی علامہ صاحب کی بڑی غلط فہمی ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا حیات بعد الوفات سے کیا تعلق؟ یہ اجماع اور نبی ﷺ پر وقوع موت، سرآنکھوں پر یہاں الگ الگ دو باتیں ہیں جن میں علامہ صاحب اور ان کے جماعت والے فرق نہیں کر پارہے ہیں: (۱) نبی ﷺ پر وقوع موت۔ (۲) موت کے بعد نبی ﷺ کی حیات جسمانی اور دونوں اپنی جگہ برحق ہیں اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں نبی ﷺ کے متعلق فرمایا انک میت انهم میتون اس آیت میں اللہ نے نبی ﷺ سے موت کا وعدہ فرمایا اور مذکورہ قول۔

میں اس وعدہ کے وقوع کی طرف اشارہ ہے، جو سرآنکھوں پر، امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا منکر کہنا حد درجہ ظلم اور زیادتی ہے۔ باقی وفات کے بعد نبی ﷺ کے حیات جسمانی کے قول سے موت کا انکار کس طرح لازم آتا ہے؟

غلط فہمی نمبر ۴۷

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''اکابر دیوبند انبیاء علیہم السلام کی حیاۃ کو حیاۃ برزخیہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۹۷) پر ہے اور مولوی سرفراز اور سردار جی بجسد عنصری زندہ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا دونوں دیوبندی نہیں ہوسکتے۔'' (العقید الجوہری ص ۲۱)

ازالہ: اگر حیات برزخی اور حیات جسمانی میں منافات ہوتی تو پھر علامہ صاحب کی بات صحیح تھی۔ علامہ صاحب حیات برزخی اور حیات جسمانی میں منافات ثابت کرے۔ پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو دیوبندیت سے خارج کرے، جب دونوں میں منافات نہیں کہ نبی ﷺ عالم برزخ میں جسد اطہر مبارک کے ساتھ زندہ ہیں، یعنی جسم اطہر مبارک برزخ میں بھی ہو اور زندہ بھی ہو اس میں کون سی منافات ہیں؟ اور اس کی واضح دلیل علماء دیوبند کی سابقہ عبارات ہیں کہ علماء دیوبند انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الوفات کو حیات برزخی بھی کہتے ہیں اور پھر جسمانی کی بھی تصریح کرتے ہیں۔ لہٰذا علامہ صاحب کا اعتراض نہایت سطحی اور بے جا ہے۔

علامہ خان بادشاہ صاحب اور ایک فرضی واقعہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''آج ۲۰۰۵ ص ۳ ص ۱۳ سے چند دن پہلے بحرین سے قاری عبدالحلیم تشریف لائے تھے، جو آپ کے ساتھ مدرسہ میں چودہ سال رہ چکے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے مولانا سرفراز خان صاحب کو کہا کہ آپ تو پہلے یہ فرماتے تھے کہ مردہ نہیں سنتے ہیں ابھی آپ نے رسالہ سماع الموتی لکھ کر ثابت کیا ہے کہ مردے سنتے ہیں تو مولانا سرفراز نے فرمایا کہ ابھی ضد پر آئے ہیں۔ (اس لئے رسالہ سماع الموتی لکھ دی ہے) میں راقم الحروف کہتا ہوں کہ جب میں نے یہ سن لیا تو نہایت متعجب ہوا کہ شیخ الحدیث بھی ہو اور فرق مختلفہ کی تردید بھی کرتا رہتا ہوں اور پھر آخر عمر میں ضد اور حسد کی وجہ سے اپنا اعمال نامہ سیاہ کرتا ہوں کیا یہ بددیانتی نہیں؟ اور اس کے باوجود یہ

دیوبند کے رجسٹر میں جمعیت علماء اسلام کے نزدیک داخل ہے اور جماعت اشاعت التوحید والسنۃ والے جو کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے تابع ہیں ان کے لئے دیوبند کے رجسٹر میں کوئی جگہ نہیں ملتی۔'' (التقید الجوہری ص ۱۴)

علامہ صاحب اور ان کے متبعین کی خدمت میں عرض ہے کہ اس مذکورہ ڈرامہ کے صحیح ہونے کا گمان اور سوچ تو اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب یہ بھی ثابت ہو کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ واقعی پہلے سماع موتی کے منکر تھے اور پھر بعد میں قائل ہوئے اور جب یہ ثابت نہیں بلکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ابتداء ہی سے سماع موتی کے قائل تھے اور کسی زمانے میں منکر نہ تھے تو مذکورہ ڈرامہ کے جھوٹ ہونے کے لئے بس یہی کافی ہے اور دوسری بات یہ کہ جب اسی واقعہ کے بارے میں ہم نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ سے براہ راست استفسار فرمایا کہ قاری عبدالحلیم صاحب آپ سے اس طرح ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا ہے تو فوراً ارشاد فرمایا: ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے، میں پہلے بھی سماع الموتی کا قائل تھا اور اب بھی ہوں۔

اب یہ فیصلہ علامہ صاحب کریں کہ جھوٹ کہاں سے گھڑا گیا؟ کیونکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اس ڈرامے سے بری ہیں اور اس کی حقیقت الزام تراشی کے علاوہ کچھ نہیں۔

غلط فہمی نمبر ۲۸

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''مولوی سرفراز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں، ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاری وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ (احسن الکلام ج ۲ ص ۸۴) حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ رئیس المحدثین ہیں، لیکن مولوی سرفراز کا قانون یہ ہے جب کوئی محدث ایسی بات لکھ دیں جو مولوی سرفراز کی رائے کے مخالف ہو تو اس پر رد کرتا ہے، مولوی سرفراز نے نہ تو کسی محدث کو چھوڑا اور نہ ناقد الرجال کو نہ اکابر دیوبند کو۔'' (التقید الجوہری ص ۹، البرہان الجلی ص ۳۰)

ازالہ: قارئین کرام! امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''احسن الکلام'' کا خود مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اس میں کون سی ایسی بات ہے جو علامہ صاحب کو بری لگی ہے۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ''محمد بن اسحاق'' راوی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ خصوصاً کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''محمد بن اسحاق'' رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ نہیں پایا اور ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کا زمانہ پانے والے انتہائی سنگین الزام اس پر عائد کرتے ہیں اور یہ بڑے محتاط اور عارف باسباب الجرح بھی ہیں۔ علاوہ بریں اگر واقعی ''محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ'' ثقہ ہے تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اشد ضرورت کے صحیح بخاری میں اس سے احتجاج کیوں نہیں کیا؟ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی ذاتی رائے ہے حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے۔'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۸۴)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو جمہور کے مقابلے میں مرجوح کہہ کر ان کی ذاتی رائے قرار دی اب اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی توہین کہاں سے آگئی کہ علامہ صاحب نے آسمان سر پر اٹھالیا ہے اور اگر یہ توہین ہے تو یہ توہین خود علامہ صاحب کئی مرتبہ کر چکے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔

علامہ صاحب لکھتے ہیں: (۱) ''بہر حال ایسے جھوٹوں کی روایت سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اولویت کس طرح ثابت کرتے ہیں۔'' (السیف الصقیل ص ۱۰۰)

(۲) ''ابھی کچھ عجائب حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کرتا ہوں۔'' (ایضاً ص ۱۰۲)

(۳) تیسری جگہ لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کہ حدیث کو ثابت نہیں کیا اور اس سے اپنا دعوی ثابت کرنے لگا۔'' (ایضاً ص ۱۰۵)

(۴) چوتھی جگہ لکھتے ہیں: ''تو جب خود ''زائدہ'' کے بارے میں منکر الحدیث لکھتا ہے۔ پھر اس کے حدیث سے دعوی ثابت کرتا ہے تو یہ ایک اعجوبہ ہے۔'' (ایضاً ص ۱۰۵)

(۵) پانچویں جگہ لکھتے ہیں: ''تو جب ''زائدہ بن ابی الرقاد'' کا یہ حال ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا دعوی ثابت نہیں ہو سکتا، لہٰذا دعوی بلا دلیل باطل ہے۔'' (ایضاً ص ۱۰۶)

(۶) چھٹی جگہ لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے۔'' الخ! (ایضاً ص ۱۰۶)

(۷) ساتویں جگہ لکھتے ہیں: ''بہر حال اللہ تعالیٰ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر رحم فرمادے کہ متروک اور کذابین کی روایت کو بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں اور اختلاف کی وجہ سے صرف اپنے مخالف کی روایت ساقط کر دیتے ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۱۷)

اب علامہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ جب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: ''ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے۔'' تو آپ نے بطور تبصرہ فرمایا: ''حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ رئیس المحدثین ہے۔'' تو کیا علامہ صاحب کے جواب میں مخالفین کا یہ کہنا کہ جی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو رئیس المحدثین ہیں علامہ صاحب سے ہضم ہوگا؟ کیا علامہ صاحب کا مذکورہ تبصرہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی توہین ہے؟ اگر نہیں تو پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا اس مہذب انداز سے جواب علامہ صاحب کو آخر کیوں چبھتا ہے؟

علامہ خان بادشاہ صاحب سے ساتواں سوال

آپ نے لکھا ہے: ''مولوی سرفراز نے تو کسی محدث کو چھوڑا اور نہ ناقد الرجال کو، نہ اکابر دیوبند کو۔'' اب ہمارا سوال یہ ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے محدثین، ناقدین میں سے کس کو بلا دلیل رد کیا ہے اور اکابر دیوبند کے کون سے اجماعی موقف کو رد کر چکے ہیں؟ برائے مہربانی اس کی وضاحت فرمائیں۔

دوسرا باب ...... ''احادیث حیات الانبیاء'' پر اعتراضات کا جائزہ

حدیث الانبیاء احیاء .... پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ

امام ابو یعلیٰ موصلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علي حدثنا يحيى بن أبي بكير حدثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني عن انس بن مالك قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ''الانبياء احياء في قبورهم يصلون''

(مسند ابی یعلی ج ۶ ص ۱۴۷ رقم الحدیث ۳۴۲۵)

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

جس طرح حیات شہداء قرآن کریم کی آیت سے بطریق عبارت النص ثابت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات بطریق دلالت النص تو انبیاء علیہم السلام کی حیات اس حدیث مذکور سے بطریق عبارت النص ثابت ہے۔ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے۔

(۱) انبیاء نبی کی جمع ہے اور جس طرح دنیا میں روح اور جسم دونوں نبوت سے موصوف تھے تو بعد الوفات بھی روح اور جسم دونوں موصوف بصفت نبوت ہیں۔ (۲) احیاء کا معنی زندہ اور یہ حیات انبیاء کو حاصل ہے جو روح اور جسم دونوں سے عبارت ہے یعنی یہ حیات روح مع الجسم ہے۔ (۳) قبور قبر کی جمع ہے یعنی یہ حیات انبیاء علیہم السلام کو روح مع الجسم (بتعلق روح) اپنے قبور مبارکہ میں حاصل ہے۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے "علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث مذکور کی تصحیح اور توثیق رجال نقل کی ہے۔ تفصیل کے لئے "تسکین الصدور" کا مطالعہ کیا جائے۔ حدیث مذکور پر علامہ صاحب کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: "الاول منها ان ماخذ هذه الرواية شفاء السقام، وقال العلامة مولانا محمد انور شاه کشمیری، رحمۃ اللہ علیہ انه صنف تقي الدين السبكي رسالة في رد ابن تيمية رحمۃ اللہ علیہ، وسماها شفاء السقام في زيارة خير الانام، وما وجدت فيها شيأ جديدا او طريًا وتصدى الى تقوية الضعاف" پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کا ماخذ "شفاء السقام" ہے اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام رکھا ہے اور میں نے اس میں کوئی نئی تازی چیز نہیں دیکھی اور ضعیف احادیث کی تقویت کی در پے ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۶۲)

<u>جواب</u>: اوّلاً تو یہ غلط ہے کہ اس حدیث کا ماخذ "شفاء السقام" ہے حدیث کا ماخذ "مسند ابی یعلی" ہے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت صرف بحوالہ شفاء السقام ذکر کی ہے اور پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ذکر کیا ہے کہ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رجال ابی یعلی ثقات" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱) جس سے اس حدیث کا ماخذ بھی معلوم ہوتا ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر ہم تسلیم بھی کریں کہ: "شفاء السقام" میں ضعاف کی تقویت کی گئی ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ یہ حدیث بھی ضعیف اور قابل استدلال نہیں۔ اگر کسی کتاب میں ضعیف احادیث ہوں تو کیا یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کتاب کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہوگی؟

<u>ثانیاً</u>: یہ کہ شفاء السقام کے بارے میں علامہ خان بادشاہ صاحب نے علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کی ہے لیکن علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو کیا علامہ صاحب، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں؟ کیا علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے "شفاء السقام" میں ہوتے ہوئے اس حدیث کو صحیح قرار نہیں دیا؟

دوسرا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب دوسرا اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "والثانی منها ان هذه الروایه نقلها العلامة ناقد الرجال الذهبی، حجاج بن الاسود عن ثابت البنانی نکرۃ، ماروی عنه فیما اعلم سوی مستلم بن سعید فاتی بخبر منکر عنه عن انس، فی انّ الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون، رواه البیهقی فلا یصح الاستدلال من هذا المنکر تدبر" (الصواعق المرسلہ ص ۱۶۳)

اس اعتراض کا تفصیلی جواب پہلے گزر چکا ہے لہٰذا دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

تیسرا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "والثالث منها انه قال الأزرق "ثقة" ذکره ابن حبان فی الثقات فقال "یغرب" فعلم مما ذکر ان الازرق کان یغرب وقال مؤلف التسکین فی ازالة الریب او عمل بالغریب من السنة علی خلاف الکتاب والسنة المشهورة مردود باطل لیس بعذر اصلا، ولا شک ان هذا الحدیث ان کان محمولة علی الحیوة البرزخیة فلیس بمخالف لکتاب والسنة المشهورة وان کان محمولا علی ما یقولون انهم احیاء فی هذه القبور المحفورة، فهو مخالف عن الکتاب والسنه المشهوره فهو مردود علیه کما قال، فلا یصح الاستدلال من هذه الروایه لان الراوی کان یغرب، والغریب بما قاله مردود علیه فتدبر۔۔۔" اور تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اس نے کہا کہ ازرق "ثقہ" ہے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ازرق غریب احادیث لاتا ہے اور مولف تسکین نے ازالۃ الریب میں کہا ہے کہ حدیث غریب پر عمل کرنا جو قرآن اور سنت مشہورہ کے خلاف ہو مردود اور باطل ہے اور یہ عذر نہیں اور اس میں شک نہیں کہ اگر اس حدیث کو حیات برزخیہ پر حمل کیا جائے تو قرآن اور سنت مشہورہ کے مخالف نہیں اور اگر اس کو اس پر حمل کیا جائے جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (انبیاء) اسی قبور محفورہ میں زندہ ہیں، تو یہ کتاب اور سنت مشہورہ کے مخالف ہے تو یہ اس پر مردود ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے، لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ ازرق راوی غریب احادیث لاتے ہیں اور غریب اس وجہ سے جو اس نے کہا ہے اس پر مردود ہے فکر کر۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۶۴)

<u>پہلا جواب</u>: علامہ صاحب کا یہ اعتراض بھی باطل و مردود ہے اس لئے کہ علامہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کا سہارا لیا ہے اور حدیث سے استدلال کو غلط قرار دیا ہے۔ حالانکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جو اصول ذکر کئے ہیں وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں لیکن ان اصول سے علامہ صاحب کا سہارا لینا غلط ہے، کیونکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے صاف طور پر لکھا ہے کہ اس غریب حدیث پر عمل کرنا مردود ہے جو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف ہو اور یہاں اس حدیث میں علامہ صاحب اس لفظ کی نشاندہی تو کریں جو قرآن و حدیث مشہورہ کے خلاف ہو علامہ صاحب کے طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لفظ "احیاء" ہے اس وجہ سے تو کہہ رہے ہیں کہ حیات سے اگر حیات فی "القبور المحفورہ" لیا جائے تو پھر یہ قرآن و حدیث مشہورہ کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہی لفظ تو قرآن کریم میں صراحتاً موجود ہے تو پھر کیسے قرآن کے خلاف ہوا بلکہ یہ تو قرآن کے موافق ہے۔ لہٰذا یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے

کہ اس حدیث میں ایسا لفظ نہیں جو قرآن وسنت مشہورہ کے خلاف ہو یہ بھی علامہ صاحب کا ایک وہم ہے، کیونکہ آج تک اہل السنۃ والجماعۃ کے جتنے بھی بڑے بڑے محدثین گزرے ہیں کسی نے بھی اس کو قرآن وسنت مشہورہ کے خلاف نہیں کہا، بلکہ اس کی تصحیح کر کے اس سے استدلال کرتے رہے ہیں نیز علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ کہنا کہ اگر اس سے حیات برزخی مراد ہو تو پھر یہ نہ کتاب اللہ کے مخالف ہے اور نہ سنت مشہورہ کے تو ہم بھی یہی کچھ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام ''روح مع الجسم'' عالم برزخ میں زندہ ہیں اور یہی اس حدیث مبارک سے ثابت ہے، علامہ خان بادشاہ صاحب اپنی حیات برزخیہ کی وضاحت کریں کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کو عالم برزخ میں حیات حاصل ہے یا نہیں؟

اور ''ازرق بن علی'' کے بارے میں ابن حبان کا ''یغرب'' کہنا تو ضعف راوی وضعف حدیث کو مستلزم نہیں، ورنہ پھر صحیحین کے راویوں اور احادیث سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا مثلاً:

۱...... بشر بن خالد العسکری: ''ثقة یغرب'' صحیح بخاری ومسلم کے راوی ہے۔ (تقریب التھذیب مع التحریر ص ۱۱۳)

۲...... ابراہیم بن سوید بن حیان: ''ثقة یغرب'' بخاری کے راوی ہے۔ (ایضاً ص ۵۹)

۳...... محمد بن عبدالرحمٰن بن حکیم: ''ثقة یغرب'' مسلم شریف کے راوی ہے۔ (ایضاً ص ۶۹۳)

۴...... القاسم بن عوف الشیبانی: ''صدوق یغرب'' مسلم کے راوی ہیں۔ (ایضاً ص ۶۲۹)

اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا علامہ خان بادشاہ صاحب ان تمام راویوں کو ضعیف قرار دے کر اس کی احادیث کو مردود قرار دیں گے، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو کیا یہ اصول علامہ صاحب نے ہمارے لئے بنائے ہیں یا انکار حیات الانبیاء کے لئے؟ نیز اس راوی کے بارے میں علامہ ابن حبان کا ''یغرب'' کہنے کا اگر یہی مطلب ہے جو علامہ صاحب نے بیان کیا ہے، تو پھر تو ثقات ابن حبان ایسے راویوں سے بھری پڑی ہے کیا ان کی بھی یہی حالت ہوگی جو ''ازرق بن علی'' کا بیان کیا ہے؟

دوسرا جواب: ''ازرق بن علی'' کا ایک قوی متابع بھی موجود ہے چنانچہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند علامہ حافظ عبدالقدوس خان قارن صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''علامہ البانی لکھتے ہیں کہ یہ متفرد نہیں بلکہ ابونعیم نے اخبار اصفہان میں ''عبداللہ بن ابراہیم'' کے طریق سے یہ روایت نقل کی ہے جس کو خطیب بغدادی نے ''ثقہ'' کہا ہے پس یہ ازرق کی قوی متابعت ہے (السلسلة الاحادیث الصحیحه تحت الرقم ۶۲۱) جب ''ابوالجہم الازرق'' کا متابع موجود ہے، تو عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے یہ کہنا کہ اس روایت میں ابوالجہم متفرد ہے اس کی توقع کسی مسئلہ میں تحقیق کرنے والے سے نہیں کی جاسکتی بلکہ ایسا کام صرف متعصب اور متعرب کا ہی ہو سکتا ہے۔''

(اظہار الغرور ص ۴۸)

اور ملاحظہ کریں۔ (اخبار اصفہان ج ۲ ص ۸۳)

اور حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شائد اسی طرف اشارہ فرمایا ہے لکھتے ہیں: ''واما ابن السکن فذکر الحدیث من وجھین فی ''سننه الصحاح'' (البدر المنیر ج ۵ ص ۲۸۴، تحت الحدیث السادس بعد الخمسین)

امام ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صحیح میں حدیث: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کو اپنے صحیح میں دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔

اور یہ بھی اپنی جگہ ثابت ہے کہ امام ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں صحت کا التزام کیا ہے۔ بہر حال "صحیح ابن السکن" دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

چوتھا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "اقول ان ثابت البنانی ثقة، وفی التهذیب قال ابن عدی اروی الناس عنه حماد بن سلمه واحادیثه مستقیمة اذا روی عنه ثقة، وما وقع فی حدیثه من النکرة انما هو من الراوی عنه، وتلمیذ تلمیذه مستلم بن سعید قال النسائی لیس به باس، وذکره ابن حبان فی الثقات وقال ربما خالف، فعلم من هذین العبارتین ان النکارة فی هذه الروایة قد جاء ت من اجل مستلم بن سعید والله اعلم، فالاستدلال من هذه الروایة مردود علیه سواء کانت النکارة من اجل حجاج بن الاسود او من مستلم من سعید هذا وجه رابع من الوجوه" میں کہتا ہوں کہ ثابت بنانی ثقہ ہے اور تہذیب میں ہے کہ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ان سے روایت کرنے والا حماد بن سلمہ ہے اور جب ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو اس کی احادیث صحیح ہوتی ہیں اور ان کی احادیث میں جو نکارت واقع ہوتی ہے تو یہ ان سے روایت کرنے والے راوی کی طرف سے ہوتی ہے اور ان کے شاگرد کے شاگرد مستلم بن سعید ہے امام نسائی فرماتے ہیں: "لیس به باس" اور امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ کبھی کبھار ثقات کی مخالفت کرتا تھا۔ لہٰذا ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس روایت میں نکارت مستلم بن سعید کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم! لہٰذا اس روایت سے استدلال مردود ہے خواہ نکارۃ حجاج بن الاسود کی طرف سے ہو یا پھر مستلم بن سعید کی جانب سے یہ چوتھی وجہ ہے۔

(الصواعق المرسلۃ ص ۱۶۴)

<u>جواب</u>: علامہ صاحب کا یہ اعتراض بھی باطل اور مردود ہے اس لئے کہ علامہ صاحب نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ: "وما وقع فی حدیثه من النکرة انما هو من الراوی عنه" تو علامہ مزی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کے بعد متصل لکھتے ہیں: لانه قد روی عنه جماعة مجهولون ضعفاء" (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۱۴۹)

اس لئے کہ اس سے مجہولین ضعفاء کی ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

اب ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ سے مذکورہ روایت نقل کرنے والا نہ مجہول ہے اور نہ ضعیف۔ دوسری بات یہ کہ علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ صغریٰ اور کبریٰ بنانا غلط ہے۔ کیونکہ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ اس روایت کو منکر تسلیم کیا جائے اور پھر تلاش شروع کی جائے کہ یہ نکارۃ کس کی طرف سے ہے عجیب بات تو یہ ہے کہ روایت منکر نہیں اور پھر نکارۃ کی وجہ تلاش کی جاتی ہے۔

منکر کے اقسام

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ روایت "منکر" ہے۔ کیونکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو میزان الاعتدال میں منکر کہا ہے تو یہ بات بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ ایک منکر اصطلاحی ہے اور ایک منکر بمعنیٰ "تفرد" ہے۔ منکر اصطلاحی اس کو کہتے ہیں جس میں ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے اور یہاں اس روایت میں ایسا کوئی راوی نہیں جس نے ضعیف ہو کر ثقہ کی

مخالفت کی ہو ورنہ پیش کیا جائے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا اس روایت کو منکر کہنا منکر اصطلاحی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض تفرد کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ علامہ ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ولا تغتر بقول الذهبي في ”الميزان“ وابن عدي في ”الكامل“ ان هذا الحديث من مناكير فلان، او من انكر مارواه، ولا تحكم عليه بالضعف بمجرد هذا القول، لانهم يريدون بذالك كونه متفردا به فحسب“ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۴، ۲۷۵)

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے ”میزان“ اور امام ابن عدی کے ”الکامل“ میں اس قول سے کہ: ”ان هذا الحديث من مناكير فلان“ اور اس قول سے کہ ”من انكر مارواه فلان“ دھوکہ میں نہ پڑنا اور صرف اس قول کی وجہ سے اس پر ضعیف کا حکم نہ لگانا کیونکہ یہ حضرات اس قول سے صرف تفرد مراد لیتے ہیں۔

اور علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ولا تظنن من قولهم، هذا حديث منكر ان راويه غير ثقة، فكثيرا ما يطلقون النكارة على مجرد التفرد“ (الرفع والتکمیل ص ۲۰۰، تحقیق ابوغدۃ رحمہ اللہ)

کہ ان کے قول ”هذا حديث منكر“ سے یہ گمان نہ کر کہ ان کے راوی ثقہ نہیں۔ کیونکہ یہ حضرات اکثر نکارت کا اطلاق صرف تفرد پر کرتے ہیں۔ اب ان دو حوالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے اور خاص کر علامہ عثانی رحمہ اللہ کی عبارت امام ذہبی رحمہ اللہ کے میزان کے بارے میں کہ یہ اکثر منکر کا اطلاق تفرد ہی پر کرتے ہیں۔ لہٰذا امام ذہبی رحمہ اللہ کا روایت مذکورہ کے بارے میں منکر کہنے سے منکر اصطلاحی لے کر ضعیف قرار دینا بالکل غلط ہے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ نفس تفرد کوئی جرح نہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وهو ان النكارة ترجع الى الفردية ولا يلزم من الفردية ضعف متن الحديث فضلاً عن بطلانه“ (حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۲۲۰)

اور وہ یہ ہے کہ بے شک نکارۃ فردیت کی جانب لوٹتی ہے اور فردیت (یعنی راوی کے تنہا ہونے) سے حدیث کا متن ضعیف نہیں ہوتا چہ جائے کہ وہ باطل ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت اصطلاحی منکر نہیں تاکہ ضعیف قرار دیا جائے تو پھر علامہ خان بادشاہ صاحب کا اس کے لئے یہ تلاش کرنا کہ یہ نکارۃ کس کی طرف سے ہے بڑی غلط فہمی ہے اور باقی رہا علامہ صاحب کا مستلم بن سعید پر ”ربما خالف“ کے الفاظ سے اعتراض تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس کی ہر روایت ثقات کے خلاف ہوگی۔ علامہ صاحب کو چاہئے کہ یہاں پر ثقات کی مخالفت ثابت کریں کہ مستلم بن سعید نے کس کی مخالفت کی ہے بغیر دلیل کے صرف اس قول سے کہ ”ربما خالف“ ہر روایت کو منکر قرار دینا انصاف سے بعید ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ جب اس روایت سے حیات برزخی مراد ہو تو پھر نہ ”ربما خالف“ مضر اور نہ یہاں کسی کو وہم ہوا ہے اور نہ ہی یہ روایت منکر ہے لیکن امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے استدلال میں پیش کیا تو سب کچھ ہے۔

پانچواں اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ”الخامس منها قد ذكرنا في المقدمة ان الخبر الواحد مع جميع الشرائط المذكورة في الاصول لا يفيد الاالظن، ولا عبرة بالظن في باب الاعتقاديات، فلا يصح الاستدلال منه“ ان میں سے پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ خبر واحد اپنے جمیع شرائط کے

ساتھ جو اصول میں ذکر کئے ہیں وہ صرف ظن کا فائدہ دیتا ہے اور اعتقادات میں ظن کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ (الصواعق الرسلہ ص ۱۶۴)

پہلا جواب: علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ اعتراض بھی یہاں بالکل بے جا ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ جس طرح اس حدیث سے عقیدہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام ثابت ہوتا ہے اسی طرح قرآن کریم سے بھی آیت شہداء سے بدلالت النص عقیدہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام ثابت ہے تو قرآن کریم قطعی ہے ظنی نہیں۔ دوسری بات یہ کہ خبر واحد مفید ظن ہوتی ہے لیکن جب اس کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو پھر قطعی بن جاتی ہے اور درجہ تواتر تک پہنچ جاتی ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے چند حوالے یہاں بھی ذکر کرتے ہیں ملاحظہ کریں۔

(۱) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بل الحدیث اذا تلقتہ الامۃ بالقبول فھو عندنا فی معنی المتواتر'' جب حدیث کو امت قبول کرے تو ہمارے نزدیک متواتر کے معنی میں ہوتی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۶۲)

(۲) علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''و کذا اذا تلقت الامۃ الضعیف بالقبول یعمل بہ علی الصحیح حتی انہ ینزل منزلۃ المتواتر فی انہ ینسخ المقطوع بہ'' (فتح المغیث للسخاوی ج ۱ ص ۳۱۲)

(۳) محدث وفقیہ، شیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''و احتجاج الائمۃ بحدیث تصحیح لہ منھم، بل جمھور اھل العلم من جمیع الطوائف علی ان خبر الواحد اذا تلقتہ الامۃ تصدیقا لہ او عملا بہ یوجب العلم'' ائمہ کا حدیث کو بطور دلیل لینا ان کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے، بلکہ تمام جماعتوں کے جمہور اہل علم اس اصول پر ہیں کہ خبر واحد کو امت جب اس کی تصدیق کرتے ہوئے یا اس پر عمل کرتے ہوئے قبول کرے تو یہ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ (مقالات کوثری ص ۷۰)

(۴) شیخ التفسیر قاضی شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''خبر واحد کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ مفید ظن کی ہوتی ہے قطع کی نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر قرائن کے وہ مفید ظن کی ہوتی ہے قطع کی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس سے قرائن موجود ہوتے ہوئے بھی قطع حاصل نہیں ہوتا۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ۱۹۵۹ء مئی ص ۱۶)

اور ہماری زیر بحث حدیث کو بھی امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے کیونکہ اس حدیث سے جو مسئلہ ثابت ہے امت نے اس کو اپنایا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو تلقی بالقبول کی وجہ سے تواتر کا درجہ حاصل ہے، جس کی وجہ سے اس سے عقیدہ پر استدلال بالکل صحیح ہے۔

دوسرا جواب: کہ احادیث حیات الانبیاء کو تواتر حاصل ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: ''ان من جملۃ ماتواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاۃ الانبیاء فی قبورھم'' یعنی جو چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح الیوسنوی ص ۴، بحوالہ تسکین الصدور)

اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عند نا علما قطعیا لما قام عند نا من الادلۃ فی ذلک، و تواترت بہ الاخبار الدالۃ علی ذلک... الخ!'' (اور جب احادیث حیات الانبیاء کو تواتر حاصل ہے تو علامہ خان بادشاہ کا یہ کہنا کہ یہ روایت خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے جس سے عقیدہ پر استدلال غلط ہے، ایک عذر لنگ اور غلط فہمی ہے۔

(انباء الاذکیاء ص ۲، فتاوی سیوطی ۲ ص ۱۴۷، بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۴۱، ۲۴۲)

چھٹا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''والسادس منها قد ذكرنا فی المقدمة شرط الخبر الواحد ان لا يكون مخالفا عن الكتاب، فانه لو كان مخالفا عن الكتاب ولا يمكن تاويله، فلا يقبل ذلك الخبر اتفاقا، ولا شك ان كان المراد من هذا الخبر مايقولون، فهو مخالف عن الآيات القرآنية والاحاديث الصحيحة فهو مردود عليه، وان كان المراد منه مانقول بان الانبياء احياء فی برزخهم فما يخالف القرآن وما يخالف الاحاديث الصحيحة'' ان میں سے چھٹا اعتراض یہ ہے کہ ہم نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ خبر واحد کی شرط یہ ہے کہ کتاب اللہ کے مخالف نہ ہو کیونکہ اگر یہ کتاب اللہ کے مخالف ہو اور اس کی تاویل بھی ممکن نہ ہو تو یہ خبر بالاتفاق قبول نہیں کی جائے گی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس خبر سے وہ مراد ہو جو یہ لوگ کہتے ہیں تو یہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے تو یہ اس پر مردود ہے اور اگر اس سے مراد وہ ہو جو ہم کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام برزخ میں زندہ ہیں تو پھر نہ قرآن کے خلاف ہے اور نہ احادیث صحیحہ کے۔　(الصواعق المرسلہ ص ۱۶۵)

جواب: علامہ صاحب کے اس بات کا جواب تیسرے اعتراض اور جواب کے ضمن میں گزر چکا ہے، یہاں پھر اتنا عرض کرتے ہیں کہ احادیث ''حیات الانبیاء'' کو تواتر کا درجہ حاصل ہے اور مزید یہ کہ یہ روایت خود بھی تلقی بالقبول کی وجہ سے تواتر کے معنی میں ہے۔ لہٰذا علامہ صاحب کا خبر واحد کی آڑ میں اعتراض کرنا ہی غلط ہے۔ نیز یہ روایت انبیاء کی ''روح مع الجسم'' عالم برزخ میں حیات پر واضح دلیل ہے اور کسی طرح بھی قرآن اور حدیث مشہورہ کے خلاف نہیں ورنہ علامہ صاحب وضاحت کرے کہ اس حدیث میں وہ کون سا لفظ ہے جس کی وجہ سے یہ روایت قرآن اور احادیث مشہورہ کے خلاف ہے اور قرآن کی وہ آیت کریمہ اور احادیث مشہورہ بھی ذکر کریں۔ علامہ صاحب اپنا نظریہ بھی واضح کریں کہ ان کے نزدیک حیات برزخی کیا ہے؟ صرف روح کو حاصل ہے یا جسم مبارک کو بھی؟ کیا بعد الوفات جسم مبارک جمادات میں سے ہوتا ہے؟

ساتواں اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''والسابع منها ان كان المراد من القبور، القبور المحفورة فی هذه الرواية فمسلكه ان الانبياء علیہم السلام احياء فی القبور المحفورة، ويصلون باذان واقامة مع ان هذا مخالف عن كتب الفقهاء، لان النبی ﷺ لما يسمع اذان المسجد كما هو مسلک المولف واتباعه، (سيما فی هذا الزمان بالاذاعه) فاذانه يكفيه فای حاجة الی الاذان فی القبر''　(الصواعق المرسلہ ص ۱۶۵)

ان میں ساتویں وجہ یہ ہے کہ اگر مراد قبور سے قبور محفورہ ہیں اس روایت میں، تو ان کا مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان قبور میں زندہ ہیں اور اذان اور اقامت سے نمازیں پڑھتے ہیں، اس کے ساتھ یہ کتب فقہاء کے مخالف ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ جب مسجد کی اذان سنتے ہیں، جیسا کہ یہ مؤلف اور ان کے اتباع کا مسلک ہے تو اس کی اذان کافی ہے تو قبر میں اذان کی کیا حاجت ہے۔

جواب: علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہ اعتراض نہایت ہی رکیک اور سطحی قسم کے ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ کیونکہ قبر میں نماز پڑھنا عالم برزخ اور عالم آخرت کا معاملہ ہے اور کتب فقہاء میں عالم دنیا کا حکم بیان کیا گیا ہے اور دنیا اور آخرت میں سے ایک کے احکام کو دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے اور علامہ صاحب نے یہاں پر عالم برزخ کو دنیا پر قیاس کیا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔

آٹھواں اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: انہ قال لایثبت صحۃ الحدیث مما قالہ الھیثمی بان جمیع الرواتہ ثقات، اقول کک لا یثبت صحۃ ھذا الحدیث مما قالہ الھیثمی، رجال ابی یعلی ثقات" کہ اس نے کہا کہ حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوتی علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول رواتہ ثقات سے تو میں کہتا ہوں کہ اسی طرح اس حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوتی علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے قول "رجال ابی یعلی ثقات" سے۔ (الصواعق المرسلہ ص ۲۷۲)

جواب: یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اگر حدیث کے راوی ثقہ ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں کہ حدیث بھی صحیح ہو، لیکن علامہ صاحب کی خدمت میں احترام سے عرض کرتے ہیں کہ بلا دلیل ضعیف بھی نہیں ہوتا اور یہاں پر علامہ صاحب اس حدیث مذکور کے بلا دلیل ضعف کے درپے ہیں اور جو دلائل ذکر کئے ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

نواں اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: "والرابع منھا انہ یعلم من توضیح الخصم، ان الانبیاء احیاء فی القبور المحفورۃ، والارواح لا تفارق عن اجسادھم، مع ان الخصم ذکر الحدیث بانہ ﷺ قال ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام ویعلم من ھذا الحدیث ان الارواح تفارق عن الاجساد لانہ ان لم تکن مفارقۃ فکیف رد الروح الی الجسد اذا سلم علیہ، فالرد یقتضی المفارقۃ والحدیث السابق یقتضی الاتصال بما وضحہ الخصم وبین الاتصال والانفصال تضاد ایھا الغوی، فالحدیث الاول یعارض الحدیث الثانی، واذا تعارضا فتساقطا فلا یصح الاستدلال من ھذا الحدیث قط تدبر" (الصواعق المرسلہ ص ۲۷۴)

ان میں سے چوتھی وجہ یہ ہے کہ خصم کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء قبور محفورہ میں زندہ ہیں اور ارواح ان کے اجسام سے جدا نہیں ہوتے اور اس کے ساتھ خصم نے یہ حدیث بھی بیان فرمائی کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ارواح اجسام سے جدا ہوتے ہیں اس لئے کہ اگر مفارقت نہیں ہوتی تو جب نبی ﷺ پر سلام کرے تو پھر اس وقت جسد کی طرف عود کیونکر ہوتا ہے تو رد روح مفارقت کا تقاضا کرتی ہے اور حدیث سابق اس وضاحت کے ساتھ جو کہ خصم نے بیان کی ہے اتصال کا تقاضا کرتی ہے اور اے سرکش اتصال اور انفصال کے مابین تضاد ہے تو پہلی حدیث دوسری حدیث کا معارض ہے اور جب دو چیزوں میں تعارض واقع ہو جائے تو دونوں ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے اس حدیث سے استدلال قطعاً صحیح نہیں فکر کر۔

جواب: علامہ خان بادشاہ صاحب کا یہاں پر ان دو احادیث میں تضاد ثابت کرنا ان کی ذہنی پیداوار اور بیمار ذہنی کی عکاسی ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء اور محدثین کرام نے عقیدہ حیات الانبیاء پر مستقل اجزاء لکھی ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے اور انہی روایات سے استدلال کیا ہے لیکن آج تک اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء و محدثین میں سے کسی نے یہ ہتھیار استعمال نہیں کئے کہ ان روایات میں تعارض ہے اور ''واذا تعارضا تساقطا'' بلکہ جمہور امت نے عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام پر انہی روایات سے استدلال کیا ہے اور آج تک کسی کو اس میں تعارض نظر نہیں آیا۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ علامہ صاحب نے یہ تعارض کہاں سے نکالا ہے۔ کیونکہ حدیث: ''الانبیاء احیاء... الحدیث'' میں حیات کا ذکر ہے اور اس حدیث میں رد روح کا، ان دونوں روایتوں میں تضاد کہاں سے آ گیا اور جو علامہ صاحب نے بنایا ہے۔ ''فالرد یقتضی المفارقة'' تو یہ یقیناً علامہ موصوف کی ذہنی اختراع اب یہاں پر علامہ صاحب کی رائے معتبر ہے یا اکابرین امت کی؟ اگر رد روح علامہ صاحب کی سمجھ سے بالاتر ہو تو کیا حدیث کو رد کیا جائے گا۔ علماء امت اور اکابرین امت نے بعید سے بعید تر توجیہات کر دی ہے لیکن کسی نے بھی اس سے ثابت عقیدے کو مردود نہیں قرار دیا کیا پوری امت کے مقابلہ میں علامہ صاحب کی رائے کو قبول کیا جائے گا؟ اب ہم علامہ خان بادشاہ صاحب کے اشکال کا جواب اکابرین علماء دیوبند سے پیش کرتے ہیں، ملاحظہ کریں۔

(۱) علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''من ههنا انحل حديث آخر رواه ابو داود في رد روحه صلی اللہ علیہ وسلم حين يسلم عليه صلی اللہ علیہ وسلم، ليس معناه انه يرد روحه اي انه يحيي في قبره بل توجهه من ذلك الجانب الي هذا الجانب فهو صلی اللہ علیہ وسلم حي في كلتا الحالتين، بمعنى انه لم يطرء عليه التعطل قط لكنه كان مستهلكا في التوجه الي حضرة الربوبية، فاذا سلم عليه رد عليه روحه بمعنى شغله بذلك الجانب الذي كان معطلا عنه قبله''

(فیض الباری ج ۲ ص ۶۵)

اور یہاں سے ایک دوسری حدیث بھی حل ہو گئی جس کو ابو داود نے روایت کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رد روح کے بارے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا جائے۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح لوٹا دی جاتی ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں زندہ کیا جاتا ہے بلکہ اس کو ایک جانب سے دوسری جانب متوجہ کیا جاتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حالتوں میں زندہ ہیں اس معنی میں کہ اس پر کبھی تعطل طاری نہیں ہوتا، لیکن وہ اللہ کی ربوبیت اور اس کے حضور کی طرف توجہ میں مستغرق رہتے ہیں جب ان پر سلام پڑھا جائے تو ان پر روح لوٹا دی جاتی ہے۔ بایں معنی کہ اس جانب مشغول اور متوجہ کیا جاتا ہے جس جانب سے پہلے معطل تھا۔ اب علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث کو تو اس حدیث میں کوئی اشکال نظر نہیں آ رہا لیکن پتہ نہیں کہ علامہ صاحب کیوں تعارض ثابت کرنے کے درپے ہو کر دونوں کو ساقط کرنے کی کوشش میں ہیں۔

(۲) قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت ومحبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش عطاء فرما دیتا ہے۔ یعنی مبداء انکشافات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا۔ مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات وصفات اور کیفیات اور واقعات متعلقات ذات وصفات

سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے سو چونکہ سلام امتیاں بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔'' (آب حیات ص ۱۷۵ بحوالہ تسکین الصدور ص ۲۹۹)

(۳) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اگر لفظ ''الی روحی'' فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے۔ ''الیٰ'' اور ''علیٰ'' کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا ''علیٰ'' استعلاء کے لئے ہیں اور ''الیٰ'' نہایت طرف کے لئے ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہو گئی تھی اور اب اس کو جسم کی طرف لوٹایا گیا ہے۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۲۷، بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۰۰)

(۴) علامہ منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے اگر چہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی سی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ بس اس روحانی توجہ والتفات کو رد روح سے تعبیر فرمایا گیا۔''

(معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۷ ۳ بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۰۰)

(۵) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "الا رد الله علی روحی، من قبیل حذف المعلول واقامة العلة مقامه، وهذا فن فی الکلام شائع فی الجزاء والخبر، مثل قوله تعالی فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک ای فان کذبوک فلا تحزن فقد کذب فحذف الجزاء واقیم علته مقامه وقوله تعالی ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت انا لا نضیع اجر من احسن عملا ای ان الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت فلا نضیع عملهم لانا لا نضیع اجر من احسن عملا، فکذاههنا تقدیر الکلام مامن احدیسلم علی الا ارد علیہ السلام لانی حی اقدر علی رد السلام، وقوله حتی ارد علیه ای فبسبب ذلک ارد علیه "فحتی" حرف ابتداء تفید السببية مثل مرض فلان حتی لا یرجونه، لا بمعنی "کی" وبهذا اتضح معنی الحدیث لا یخالف ماثبت حیوة الانبیاء علیهم السلام""الا رد الله علی روحی" یہ معلول کو حذف کر کے اور علۃ کو اس کے قائم مقام کرنے کے قبیل سے ہے اور یہ فن کلام میں مشہور ہے جزاء اور خبر میں، (جزاء کو حذف کر کے اس کی علۃ کو اس کے قائم مقام کر دیتے ہیں) باری تعالیٰ کے اس قول کے مثل میں (فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک) پس تقدیر عبارت یہ ہے: "فان کذبوک فلا تحزن فقد کذب" پس یہاں جزاء حذف کر دی گئی ہے اور اس کی علۃ اس کے مقام قائم کیا ہے اور اسی طرح باری تعالیٰ کے اس قول میں: "ان الذین امنوا وعملوا الصلحت ...... فلا نضیع عملهم لانا لا نضیع اجر من احسن عملا" (یعنی اس کی اصل جزاء "فلا نضیع عملهم" تھی اس کو حذف کر کے اس کی

جگہ اس کی علت ذکر کی گئی۔ پس اس حدیث میں بھی تقدیر کلام یہ ''مامن احدیسلم علی الا ارد علیہ السلام لانی حی اقدر علی رد السلام'' یعنی نہیں ہے کوئی شخص جو سلام پڑھتا ہو مجھ پر مگر یہ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں، کیونکہ میں زندہ ہوں اور جواب دینے پر قادر ہوں اور نبی ﷺ کے قول ''حتی ارد علیہ'' کا معنی یعنی اس کے سبب میں اس کو جواب دیتا ہوں تو لفظ حتیٰ یہاں پر حرف ابتداء ہے جو سببیت کا فائدہ دیتی ہے ''مرض فلان حتی لا یرجونہ'' کی طرح اور یہ حتیٰ بمعنی ''کی'' نہیں اور اس تشریح سے حدیث کا معنی واضح ہوا۔ پس یہ اس کی مخالف نہیں ہے جو حیات الانبیاء کو ثابت کرتی ہے۔ (حاشیہ ابوداود ج ۱ ص ۲۹۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علامہ خان بادشاہ صاحب نے اس حدیث کی جو فرضی معنی کی ہے، بالکل غلط ہے اور اس حدیث میں جو رد روح کا ذکر ہے اس کا جو معنی ان اکابرین امت نے کیا ہے۔ یہی مقبول ہے جو کسی طرح بھی دوسری حدیث کے معارض نہیں ہے اور علامہ منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو واضح کر دیا کہ: ''حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔'' جب رد روح کا مطلب یہ نہیں تو تعارض کہاں؟ اور جب تعارض نہیں تو علامہ صاحب کا ''واذا تعارضا فتساقطا'' کے ہتھیار سے احادیث پر حملہ کرنا ایک سعی نامشکور ہے اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے تو کمال کر دیا ہے ایسی تشریح کر دی کہ تمام اعتراضات کی کمر توڑ کر رکھ دی والحمد للہ علی ذلک!

حدیث ''مامن احد یسلم علی .... پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدثنا محمد بن عوف نا المقری نا حیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبد اللہ بن قسیط عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال: مامن احد یسلم علیَّ الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام'' حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے (یعنی متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۸۶)

حدیث مذکور اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے کہ جو امتی نبی علیہ السلام پر روضہ اطہر کے پاس سلام پڑھے تو حضور ﷺ جواب مرحمت فرماتے ہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام بعد الوفات اپنے روضہ اطہر میں بتعلق روح زندہ ہیں۔

رہا اس حدیث میں ''رد روح'' کا مطلب تو حدیث: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' پر نویں اعتراض کے جواب کے ضمن میں، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے گزر چکا ہے، وہاں ملاحظہ کریں۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بوسنوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث مذکور کی تصحیح اور توثیق رجال نقل کی ہے تفصیل وہاں ملاحظہ کریں۔ حدیث مذکور پر علامہ صاحب کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

پہلا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''ومع هذا ان الحديث الاول كما هو ضعيف من جهة الاسناد، ككـ الحديث الثاني لان ابا صخر حميد بن زياد وان وثقه بعض العلماء، ولكن قال اسحاق بن منصور بن ابي مريم عن يحي ضعيف، وكذا قال النسائي وقال ابن عدي بعد ان روى له ثلاث احاديث وهو عندي صالح، وانما انكر عليه هذان الحديثان المومن يالف وفي القدرية وسائر حديثه ارجوا ان يكون مستقيما، ثم قال في موضع اخر حميد بن صخر وعنه حاتم بن اسماعيل ضعفه النسائي واخرج له ابن عدي احاديث غير تلك الاحاديث وقال وله احاديث و بعضها لا يتابع عليه، قال العلامه ابن حجر صدوق يهم، قال العلامة الذهبي قال ابن معين ضعيف، قال ابن عدي هو عندي صالح الحديث انما انكر عليه حديثان، ثم ان ابن عدي ذكر حميد بن صخر في موضع آخر فضعفه'' (الصواعق المرسلہ ص ۲۷۶، ۲۷۷)

اور اس کے ساتھ ساتھ جس طرح کہ حدیث اول ضعیف ہے سند کی جہت سے اسی طرح دوسری حدیث بھی کیونکہ ''ابو صخر حمید بن زیاد'' اگرچہ بعض علماء نے ان کی توثیق کی ہے لیکن اسحاق بن منصور اور ابن ابی مریم نے یحییٰ سے ضعیف نقل کیا ہے۔ اسی طرح نسائی نے بھی کہا ہے اور ابن عدی نے ان کی تین احادیث روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ وہ میرے نزدیک صالح الحدیث ہے اور ان کی صرف ان دو احادیث کا انکار کیا گیا ہے: ''المؤمن یالف'' اور قدریہ کے بارے اور میرے خیال میں باقی تمام احادیث میں مستقیم الحدیث ہے اور ایک دوسری جگہ کہا حمید بن صخر ان سے حاتم بن اسماعیل نسائی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن عدی نے ان احادیث کے علاوہ اور احادیث کی تخریج کی ہے اور ان کی بعض احادیث کی متابعت نہیں کی گئی ہے اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا سچا ہے لیکن وہم کا شکار ہوتا ہے، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابن معین نے ضعیف کہا، ابن عدی نے کہا کہ وہ میرے نزدیک صالح الحدیث ہے، ان کی صرف دو حدیثوں کا انکار کیا گیا ہے۔ پھر ابن عدی نے دوسری جگہ حمید بن صخر کا ذکر کر کے ضعیف کہا ہے۔

جواب: علامہ خان بادشاہ صاحب نے اس پوری عبارت میں اس راوی کو ضعیف قرار دینے کی ایک لاحاصل سعی کی ہے۔ پورا ایک صفحہ عبارت نقل کر کے وقت بھی ضائع کیا اور بے کار میں کاغذ سیاہ کیا اس تمام عبارت کا خلاصہ جو علامہ خان بادشاہ صاحب نے ذکر کی ہے اور اس راوی کی تضعیف کی کوشش کی ہے وہ صرف یہ ہے۔

(۱) یحییٰ بن معین سے ضعیف نقل کیا گیا ہے۔ (۲) امام نسائی سے ضعیف نقل کیا ہے۔ (۳) ابن عدی سے تضعیف نقل کی گئی اور اس کے علاوہ ''وله احاديث و بعضها لا يتابع عليه'' اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ''یھم'' کہنا کوئی جرح نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے، پہلے ہم اس راوی کی توثیق کرنے والے حضرات کا ذکر کرتے ہیں پھر بعد میں جرح کا جائزہ لیتے ہیں ملاحظہ کریں۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صدوق يهم'' (تقریب التھذیب مع التحریر ص ۲۰۸)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''وهو مدني، صالح الحديث، وقال الدار القطني ''ثقة'' وذكره ابن حبان في الثقات'' (تہذیب التھذیب ج ۱ ص ۲۷)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال احمد ليس به باس، وقال ابن معين ضعيف، وفي رواية ليس به باس، وقال ابن عدي ''هو عندي صالح الحديث'' (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۶۱۲، دار المعرفۃ بیروت)

ایک روایت میں یحیٰ بن معین سے حمید بن زیاد کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: "ثقة"

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۳ ص ۶۸، دار الکتب بیروت لبنان)

اور امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں: "حميد بن زياد ابو صخر "ثقة"

(الثقات للعجلی ص ۳۲۳، رقم الترجمۃ ۳۶۱)

اب توثیق کے کلمات کا خلاصہ درجہ ذیل ہے۔(۱)صدوق (۲)صالح الحديث (۳)"ثقة" (دارقطنی) (۴)"ليس به باس" (احمدبن حنبل) "ليس به باس" ابن معين فی رواية (۵) "ثقة" ابن معين فی رواية (۶) قال ابن عدی "صالح الحديث" (۷) ثقة" للعجلی۔

علامہ صاحب نے دو محدثین سے صرف ایک ہی جرح ضعیف نقل کیا ہے جو کہ واضح تعدیل کے مقابل جرح مبہم کی حیثیت رکھتی ہے خاص کر امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے تین قول منقول ہیں: (۱) ثقة (۲) ليس به باس (۳) ضعيف۔

آخر علامہ صاحب یہاں پر صرف ضعیف اختیار کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ کن اصولوں کی بناء پر؟ بلکہ اصول تو یہ ہے کہ جب ایک ناقد سے راوی کی توثیق اور تضعیف دونوں نقل ہوں اس کے بارے میں علامہ ظفر عثمانی فرماتے ہیں: "قلت: واذا اختلف قول الناقد فی رجل، فضعّفه مرة وقواه اخرى، فالذی يدل عليه صنيع الحافظ، ان الترجيح للتعديل ويحمل الجرح علی شیء بعينه" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۳۰)

میں کہتا ہوں کہ جب ایک راوی کے بارے میں ناقد کے قول میں اختلاف ہو، پس ایک مرتبہ ضعیف قرار دے اور دوسری مرتبہ قوی قرار دے تو وہ بات جس پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طریقہ کار دلالت کر رہا ہے یہ ہے کہ ترجیح تعدیل کو ہوگی اور جرح کسی معین چیز پر محمول ہوگا۔

اور امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے جب توثیق اور تضعیف دونوں منقول ہوں تو امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اصول یہ ہے۔ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وقال ايضا فی "بذل الماعون فی فضل الطاعون" وقد وثقه (ای ابا بلج) يحيی بن معين، والنسائی، ومحمد بن سعد، والدارقطنی ونقل ابن الجوزی عن ابن معين انه ضعفه، فان ثبت ذلک فقد يكون سئل عنه وعمن فوقه، فضعفه بالنسبة اليه، وهذه قاعدة جليلة فيمن اختلف النقل عن ابن معين فيه، نبه عليها ابو الوليد الباجی فی كتابه "رجال البخاری" الخ! (ایضاً ص ۲۶۴)

خلاصہ یہ کہ ائمہ جرح وتعدیل کبھی کبھی کسی راوی کو دوسرے راوی کے بنسبت کمزور اور ضعیف قرار دیتے ہیں جس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ راوی فی نفسہ بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا اور امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے مختلف اقوال کے اہم اصول بھی واضح کر دیئے کہ اگر ان سے ایک راوی کے بارے میں توثیق اور تضعیف دونوں منقول ہوں تو اسی اصول پر حمل کیا جائے گا۔ لہٰذا راوی مذکور اصول مذکورہ کے تحت امام ابن معین کے ہاں بھی ضعیف نہیں۔ اس لئے علامہ خان بادشاہ صاحب کے ہاں صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی جرح رہ گئی اور باقی رہا علامہ ابن حجر کا قول "يهم" تو علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "واذا قالوا فی رجل له اوهام، او يهم فی حديثه، او يخطئ، فهذا لا ينزله عن درجة الثقة، فان الوهم اليسير لا يضر، ولا يخلو اعنه احد" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۵)

اور جب محدثین کسی راوی کے بارے میں کہے کہ "له اوهام" "او يهم" "او يخطئ منه" تو یہ الفاظ اس کو ثقاہت کے درجہ سے نہیں گراتے، کیونکہ وہم یسیر مضر نہیں اور کوئی بھی اس سے خالی نہیں اور یہی اصول شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کئے ہیں۔ ملاحظہ کریں: (حاشیۃ الرفع والتکمیل ص ۱۵۹)

اور علامہ خان بادشاہ صاحب نے جرح کرتے ہوئے جو یہ جملہ ذکر کیا ہے کہ: "وله احاديث وبعضها لايتابع عليه" تو یہ بھی ثقہ راوی کے لئے مضر نہیں۔

علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وفي التهذيب "في ترجمة" اسماء بن الحكم الفزاری" قال البخاري لم يروعنه الا هذا الحديث، وحديث آخر لم يتابع عليه، قال المزي: وهذالايقدح في صحة الحديث، لان وجود المتابعة ليس شرطا في صحة كل حديث صحيح... الخ! (قواعد فی علوم الحدیث ص ۳۵۶)

کہ تہذیب التہذیب میں "اسماء بن الحکم الفزاری" کے ترجمہ میں ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان سے روایت نہیں کی گئی مگر یہی حدیث اور ایک دوسری حدیث جس میں اس کی متابعت نہیں کی گئی۔ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ صحت حدیث کے لئے کوئی عیب نہیں کیونکہ متابعت کا موجود ہونا ہر صحیح حدیث کی صحت میں شرط نہیں، امام مزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ملاحظہ کریں۔ (تہذیب الکمال للمزی ج ۱ ص ۴۳۰، فی ترجمہ اسماء بن الحکم الفزاری وتہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۱)

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وليس من الجرح ايضا، قولهم في الثقة ولا يتابع على حديثه" (حاشیۃ الرفع والتکمیل ص ۱۶۰)

کہ محدثین کا قول ثقہ راوی کے بارے میں "لا يتابع على حديثه" الفاظ کے ساتھ جرح نہیں۔

علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: "ربما يطعن العقيلي احدا، ويجرحه بقوله فلان لا يتابع على حديثه، فهذا ليس من الجرح في شيء" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۷، وحاشیہ الرفع والتکمیل ص ۱۶۰)

اب اس تحقیق کے بعد علامہ خان بادشاہ صاحب ذرا غور تو کریں کہ ان کے پاس ہے کیا؟ اور علامہ صاحب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ یہ مسلم شریف کا راوی ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ومن احتجابه اواحدهما، وتكلم فيه فتارةيكون الكلام فيه تعنتا، والجمهور على توثيقه، فهذا حديثه قوي ايضا، وتارةيكون الكلام في تليينه وحفظه له اعتبار فهذا حديثه لاينحط عن مرتبة الحسن" (الموقظہ ص ۷۹، ۸۰)

خلاصہ یہ کہ جس راوی سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ دونوں اور یا ایک احتجاج کرے اور اس راوی پر کلام کیا گیا ہو تو کبھی اس پر یہ کلام تعنتا ہوگا اور راوی جمہور کے نزدیک ثقہ ہوگا تو ایسے راوی کی حدیث قوی ہوتی ہے اور کبھی کبھی اس راوی پر کلام اس کے ضعف اور حفظ کی وجہ سے ہوتا ہے تو ایسے راوی کی روایت حسن درجہ سے کم نہیں ہوتی اور یہ راوی (حمید بن زیاد) بھی اگر اسی قسم کا تسلیم کیا جائے یعنی "مختلف فیہ" تو اس کی روایت حسن درجہ کی ہوگی جو کہ احتجاج میں صحیح کے ہم رتبہ ہے۔

اسی وجہ سے امام ابوالحسن سندھی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کے بارے میں جس کی سند میں یہی "حمید بن زیاد" ہے لکھتے ہیں: "وفي الزوائد اسناده حسن، لان حميد بن زياد اباصخر الخراط مختلف فيه"

(حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ باب ما تعوذ فیہ رسول اللہ ﷺ ج ۴ ص ۲۶۹)

کہ زوائد میں ہے کہ اس کی سند حسن ہے اس لئے کہ حمید بن زیاد ابو صخر مختلف فیہ ہے اب اس کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اس کی سند حسن درجہ سے کم نہ ہوگی اور ویسے مختلف فیہ کے اصول ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کریں۔ اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر ہم علامہ خان بادشاہ صاحب کا جرح تسلیم بھی کریں تو بھی یہ راوی ''حسن الحدیث'' ہے اور اس کی حدیث ''حسن'' ہے۔

شیخ بشار عواد اور شعیب الارنؤط کا تبصرہ

علامہ خان بادشاہ صاحب نے ''حمید بن زیاد'' پر حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ''تقریب التھذیب'' سے ''صدوق یھم'' کی جرح نقل کی ہے، لیکن شیخ بشار عواد اور شعیب الارنؤط اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بل صدوق حسن الحدیث، وثقہ یحیی بن معین فی اصح الروایات عنه......الخ'' (تحریر تقریب التھذیب ص ۷۰۸)

کہ یہ راوی ''حسن الحدیث'' ہے اور یحی بن معین سے صحیح روایت میں ''توثیق'' منقول ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ: ''وضعفه النسائی وحده'' بس اکیلا نسائی ہی اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ لکھتے ہیں: ''واما یزید بن عبداللہ بن قسیط ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال ابن حجر تتمة کلام ابن حبان ربما اخطاء قال العلامة الذھبی: قال ابو حاتم لیس بقوی'' (الصواعق المرسلہ ص ۲۷۷)

اور جو یزید بن عبداللہ بن قسیط ہے تو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن امام ابن حبان کے کلام کے تتمہ میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''ربما اخطاء'' کہا اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حاتم نے ''لیس بقوی'' کہا۔

جواب: علامہ خان بادشاہ صاحب کا ثقہ راویوں پر ایسی بلا فائدہ جرح کرنا ان کی شایان شان نہیں، آخر کیا مجبوری ہے کہ یہاں پر ''یزید بن عبداللہ'' کی توثیق کو یکسر نظر انداز کیا کم از کم اس کو بھی ذکر کرتے کہ یہ راوی کس درجے کا ہے۔ بہر حال ملاحظہ کریں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قال ابن معین ''لیس به باس'' وقال النسائی ''ثقة'' وذکر ابن حبان فی ''الثقات'' قال ابن عدی ''مشھور عندھم وھو صالح الروایات'' قال ابراھیم بن سعد عن ابن اسحاق ''کان فقیھا، ثقة'' وقال ابن سعد ''وکان ثقة کثیر الحدیث'' قال ابن عبدالبر ''ویزید قد احتج به مالک فی مواضع من الموطا وھو ثقة من الثقات''

(تھذیب التھذیب ج ۶ ص ۲۱۶، تھذیب الکمال للمزی ج ۱۱ ص ۴۸)

اور حافظ ابن حجر دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ثقة من الرابعة'' (تقریب التھذیب مع التحریر ص ۸۵۸)

اس تمام توثیق کو نظر انداز کرنا اور صرف دو الفاظ جو بظاہر جرح کے ہیں نقل کرنا قرین انصاف نہیں۔ مزید یہ کہ علامہ صاحب کو دوسری جرح نقل کرنے میں وہم ہوا ہے وہ اس طرح کہ تہذیب کے حوالے سے تو ابن حبان کے کلام کا تتمہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی نقل کر دیا۔ لیکن افسوس کہ یہ کیوں نظر نہیں آیا کہ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس راوی کو جو ''لیس بقوی'' کہا ہے تو یہ اس وجہ سے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان سے راضی نہ تھے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا رد کیا ہے اور یہی عبارت نقل کی ہے جو ہم نے تہذیب کے حوالے سے آخر میں نقل کی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں کئی مقامات پر ان سے احتجاج کیا ہے اور وہ ثقہ راویوں میں

سے ایک تھے۔ اب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا کہ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا جرح بھی مردود ہے۔ لیکن علامہ صاحب کا پھر بھی اس کو نقل کرنا وہم اور غلط فہمی نہیں تو کیا ہے؟

باقی علامہ صاحب نے جو "ربما اخطاء" کے الفاظ نقل کئے ہیں تو کیا یہ ضعف راوی کو مستلزم ہیں؟ علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ ملاحظہ کریں لکھتے ہیں: "اذا قالوا فی رجل له او هام، او یهم فی حدیثه، او یخطی فیه، فهذا لا ینزل له عن درجة الثقة" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۷۵، حاشیہ الرفع والتکمیل ص ۱۶۰)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولیس من حد الثقة انه لا یغلط و لا یخطیء" کہ ثقہ کی تعریف یہ نہیں کہ نہ غلطی کرے اور نہ خطاء۔ (الموقظہ ص ۷۸)

علاوہ ازیں یہ شیخین کا احتجاجاً راوی ہے اور شیخین نے جس سے احتجاج کیا تو علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں: "فکل من خرج له فی "الصحیحین" فقد قفز القنطرة" (ایضاً ص ۸۰) تو جس راوی سے بھی صحیح میں تخریج کی گئی۔ بے شک وہ پل پار کر کے کامیاب ہو گیا۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ پر اپنی تعلیقات میں لکھتے ہیں: "وکلمة "فقد قفز القنطرة" کنایة، عن انه صار فی عداد الثقات فلا یلتفت الی ما قیل فیه" (ایضاً ص ۸۰۲)

کہ: "قفز القنطرة" کا کلمہ ثقات میں شمار ہونے سے کنایہ ہے تو اس کے بارے میں بلا حجت ظاہرہ کے جو کچھ کہا گیا ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

قارئین کرام! یہ ہے اس جرح کی اصول حدیث کی رو سے حیثیت، پھر اس کے آگے علامہ صاحب نے اس روایت پر علامہ ابن عبدالہادی کا تبصرہ نقل کیا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ علامہ صاحب یہاں پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں بھول گئے؟ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو تو ان کی کتابوں سے استفادہ کی ترغیب دیتے ہیں، لیکن یہاں اس حدیث پر آخر ان کا تبصرہ کیوں نقل نہ کیا۔ آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے! لیکن خیر یہاں ہم علامہ صاحب سے ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ نقل کرتے ہیں ملاحظہ کریں۔

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: "ولذا قال العلامة ابن عبد الهادی، واعلم ان هذا الحدیث هو الذی اعتمد علیه الامام احمد، وابو داؤد، وغیرهما من الائمة فی مسئلة الزیارة، وهو اجود ما استدل به فی هذا الباب" (الصواعق المرسلہ ص ۲۷۸)

اور اسی وجہ سے علامہ ابن عبدالہادی نے فرمایا کہ جان لو کہ یہ وہ حدیث ہے جس پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداود رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ نے مسئلہ زیارت کے باب میں اعتماد کیا ہے اور یہ ان دلائل میں سے مضبوط دلیل ہے جن سے اس باب میں استدلال کیا گیا ہے۔

اب علامہ خان بادشاہ کی خدمت میں عرض ہے کہ مسئلہ زیارت میں جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداود رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس حدیث سے استدلال کریں تو ٹھیک ہے اور جب اس کو حیات الانبیاء پر دلیل میں پیش کیا جائے تو پھر اس کی سند میں بھی مقال نکال دیتے ہو اور اس کے معنی میں بھی!!! مزید یہ کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث سے استدلال کرنا ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ اصول حدیث کا مسئلہ ہے علامہ ظفر احمد عثانی فرماتے ہیں: "المجتهد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا له کما فی "التحریر لابن الهمام وغیره" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۵۸)

مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ اس حدیث کی تصحیح ہوتی ہے۔ جیسا کہ التحریر لابن الہمام میں ہے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر تعلیقات میں لکھتے ہیں: "وصرح شیخنا الامام الکوثری رحمۃ اللہ علیہ بھذا غیر مرة، ففی تعلیقه علی شروط الأئمة الخمسة" للحازمی ص۵۶، ۵۹، قوله "ومعلوم ان استدلال المجتهد بحدیث تصحیح له" (حاشیہ قواعد فی علوم الحدیث ص۵۸)

ہمارے شیخ امام کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول کی کئی مرتبہ تصریح کی ہے۔ چنانچہ امام حازمی رحمۃ اللہ علیہ کی شروط ائمۃ الخمسہ کی تعلیقات میں فرماتے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ کسی حدیث سے مجتہد کا استدلال اس کی تصحیح ہے۔

ماسبق تفصیل سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام خود حدیث مذکور کی تصحیح ہے نہ تضعیف اور باقی علامہ ابن عبدالہادی نے جو اس کی سند پر بحث کی ہے حمید بن زیاد اور ابن قسیط کی وجہ سے تو اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اس جرح کی حیثیت تارِعنکبوت کے سوا کچھ نہیں۔

علامہ خان بادشاہ صاحب سے آٹھواں سوال

علامہ خان بادشاہ صاحب کی یہ عادت ہے کہ دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں راوی کی توثیق نقل کی اور جرح چھوڑ دی وغیرہ تو ہم بھی اس سوال میں حق بجانب ہیں کہ علامہ صاحب نے یزید بن عبداللہ پر "میزان" سے جرح تو نقل کر دی لیکن ان کی تمام تر توثیق حذف کر دی۔ نیز علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ خود اس کے بعد فرماتے ہیں: "قلت ابن قسیط محتج به فی الصحاح" جس سے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی جلالت شان کی طرف اشارہ کر دیا تو آپ نے صرف جرح نقل کر کے توثیق کو نظرانداز کیوں کیا؟

تیسرا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب حدیث مذکورہ پر بے تکے انداز میں جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "هذا استدلاله الثانی استدل منه الخصم، ومع هذا یدعی کانه هو المحقق الاعظم و یقول لاجل هذه الضعاف ان هذا امر ثابت عند اهل السنة والجماعة کلا وحاشا، کیف یمکن لمثل هذا المحقق ان یستدل بهذه الضعاف فی مقابلة النصوص القطعیة، فاستدلاله بهما مردود ولا حاجة الی التفصیل" (الصواعق المرسلہ ص۲۷۸، ۲۷۹)

یہ ان کی دوسری دلیل ہے جس سے خصم نے استدلال کیا ہے اور ساتھ محقق اعظم ہونے کا دعوی بھی کرتا ہے اور ان ضعیف احادیث کی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ بات اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ثابت ہے، کبھی بھی نہیں ان جیسے محقق کے لئے کیسے ممکن ہے کہ ان ضعیف احادیث سے نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں استدلال کریں۔ لہٰذا ان کی استدلال دونوں روایتوں سے مردود ہے اور تفصیل کی حاجت نہیں۔

جواب: الحمدللہ! ماسبق تفصیل سے روز روشن کی طرح معلوم ہوا کہ ان دو احادیث کو ضعیف کہنا علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔ علامہ صاحب تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے باوجود اصول حدیث کی رو سے کوئی ایک بھی قابل اعتماد جرح پیش نہ کر سکے جس کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دیا جا سکے۔ نیز علامہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کس کتاب میں محقق اعظم ہونے کا دعوی کیا ہے کتاب کا حوالہ ذکر کریں؟

حدیث: ”ان اللہ حرم علی الارض...... الخ“ پر اعتراض کا تفصیلی جائزہ

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”حدثنا هرون بن عبدالله نا حسين بن علي عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن أبي الاشعث الصنعاني عن أوس بن أوس قال: قال رسول الله ﷺ ان افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا علیّ من الصلوٰة فيه فان صلوتكم معروضة علیّ قال قالوا يا رسول الله كيف تعرض صلوتنا عليك وقد أرمت قال يقولون بليت فقال ان الله عزوجل حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء“ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۸)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک جمعہ ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی میں نفخہ ثانیہ ہوگا سو تم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد حرام کردئے ہیں۔

علامہ صاحب کا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ صاحب تسکین الصدور میں حیات الانبیاء پر پیش کی گئی تیسری روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”واما استدلاله الثالث فهو مردود عليه، لانه لا يثبت منه السماع بل فيه عرض السلام، وهو لا يستلزم السماع في القبر، كما هو لا يستلزم لا عادة الارواح في هذه القبور المحفورة، واما عدم اكل الارض اجساد الانبياء عليهم السلام فهو متفق عليه، لكن عدم اكلها لها لا يستلزم لاعادة الارواح لهذه الاجساد المدفونة والا يلزم جميع من المنكرات التي بينتها فيما سبق“ (الصواعق المرسلۃ ص ۲۷۹)

اور جو ان کا استدلال ثالث ہے تو یہ ان پر مردود ہے اس لئے کہ اس سے سماع ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس میں سلام (صلوۃ) پیش ہونے کا ذکر ہے اور وہ قبر میں سماع کو مستلزم نہیں جیسا کہ وہ اس قبور محفورہ میں اعادہ روح کو مستلزم نہیں اور جو زمین کا انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کو نہ کھانا ہے، تو یہ اجساد مدفونہ کی طرف اعادہ ارواح کو مستلزم نہیں ورنہ وہ تمام منکرات لازم آجائیں گے جس کا میں نے ماسبق میں ذکر کیا ہے۔

جواب: اقرار بھی مشکل ہے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے مجبور ہیں اُف اللہ چپ بھی نہیں سکتے

علامہ صاحب نے یہاں پر صرف خانہ شماری کی ہے اور بس قارئین کو یہ باور کرایا کہ جی اس روایت کا بھی جواب ہو گیا۔ حالانکہ یہ علامہ صاحب کی گلو خلاصی ہے اس لئے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حیات الانبیاء پر دلیل پیش کی ہے اور یقیناً یہ حیات الانبیاء کی دلیل ہے۔ چنانچہ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”فقولهم وقد ارمت كناية عن الموت، والجواب بقوله ﷺ ان الله حرم--- الخ كناية عن كون الانبياء احياء في

قبورھم" کہ صحابہ کرام کا قول وقد ارمت موت سے کنایہ ہے اور نبی علیہ السلام کا اس قول سے جواب دینا کہ ان اللہ حرم الخ اس بات سے کنایہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

(حاشیۃ السندھی علی ابن ماجہ باب فی فضل الجمعۃ ج ۲ ص ۹، دار المعرفہ بیروت)

اور جب انبیاء علیہم السلام کا قبور مبارکہ میں حیات ثابت ہے تو حیات اصل ہے اور سماع فرع ہے اور مزید یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی سماع تو احادیث سے ثابت ہے اسی وجہ سے مذکورہ روایت سے حیات کے علاوہ سماع پر استدلال امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں بلکہ علامہ خان بادشاہ صاحب کے ممدوح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے ملاحظہ کریں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ان اللہ تعالی حرم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء، فاخبر انہ یسمع الصلوۃ والسلام من القریب، وانہ یبلغ ذلک من البعید" (مناسک الحج ص ۸۴، بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۱۰)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ پیغمبروں کا گوشت کھائے، پس آپ نے خبر دی ہے کہ آپ کے قریب سے صلوۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "قال ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعھا فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجسام الانبیاء ای ان تاکلھا فان الانبیاء احیاء، فمحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع من سلم علیھم" (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹، بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۱۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے یعنی اس کو روک دیا ہے اور اس میں لطیف مبالغہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو وہ نہ کھائے۔ کیونکہ وہ زندہ ہیں تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو ان کے لئے ممکن ہے کہ جو شخص بھی سلام عرض کرے وہ اس کو سنیں۔

اب حدیث مذکورہ سے حیات کے علاوہ سماع پر استدلال میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دو حوالے ذکر کئے ہیں ایک ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا، دوسرا امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔ لہٰذا علامہ صاحب کو چاہئے کہ اپنے ممدوح امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال پر بھی ذرا لب کشائی فرمائے۔ باقی اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء نے اس حدیث سے حیات الانبیاء پر استدلال کیا ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی استدلال کیا ہے جو بالکل صحیح ہے جس کو علامہ صاحب نے ہاتھ نہیں لگایا اور ویسے اعادہ روح وغیرہ کی بحث چھیڑ دی ہے، جس کا یہاں پر اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ چند حوالہ جات مزید ملاحظہ کریں۔

(۱) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد اجتمع بھم لیلۃ الاسراء ببیت المقدس والسماء خصوصا بموسی علیہ السلام فتحصل من مجموع جملۃ ھذا القطع بانھم غیبوا عنا بحیث لا ندرکھم وان کانوا موجودین احیاء وذالک کالحال فی الملائکۃ علیھم الصلوٰۃ والسلام فانھم موجودون احیاء لایراھم احد من نوعنا الا من خص اللہ تعالی بکرامتہ" (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۳۵۲، مکتبہ حقانیہ پشاور، باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیھود)

نبی علیہ السلام سے صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی اور نبی علیہ السلام نے معراج کی رات انبیاء علیہم السلام سے بیت المقدس اور آسمانوں میں ملاقات کی خاص کر موسیٰ علیہ السلام سے تو ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں۔ صرف وہ ہم سے غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم ان کو پا نہیں سکتے۔ ہاں! جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں۔

(۲) حافظ ابن الملقن فرماتے ہیں: ''قد صح عنه علیہ السلام ان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء و انه اجتمع بهم لیلة الاسراء ببیت المقدس والسماء خصوصا موسیٰ فتحصل من جملة هذا القطع بانهم غیبوا عنا بحیث لاندرکهم وان کانوا موجودین احیاء وذالک کالحال فی الملائکة فانهم موجودون أحیاء ولا یراهم احد من نوعنا الا من خصه الله بکرامته'' (التوضیح بشرح جامع الصحیح ج ۱۵ ص ۲۷۶، باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومة)

نبی علیہ السلام سے صحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی اور نبی علیہ السلام نے معراج کی رات انبیاء علیہم السلام سے بیت المقدس اور آسمانوں میں ملاقات کی۔ خاص کر موسیٰ علیہ السلام سے تو ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں۔ صرف وہ ہم سے غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم ان کو پا نہیں سکتے۔ ہاں! جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اکابرین امت نے حدیث مذکور سے ثابت شدہ دونوں عقیدے تسلیم کئے ہیں: (۱) حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ (۲) حفظ اجساد۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی نظریہ کے مطابق انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد مبارکہ آج بھی اسی طرح محفوظ و تروتازہ ہیں جس طرح پہلے دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اجساد مقدسہ کے ساتھ ان کی ارواح مبارکہ کا کامل تعلق ہے، لیکن علامہ صاحب اجساد انبیاء کو بلا تعلق روح محفوظ مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ تصور بے ثبوت اور ناقبل فہم ہے، کیونکہ قرآن کریم میں اجساد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے محفوظ رہنے کا کوئی ضابطہ نہیں دیتا اور حدیث: ''ان الله حرم علي الارض ان تاكل اجساد الانبیاء'' پہلے حیات انبیاء کا (جس میں درود پہنچنے کا ذکر ہے) عقیدہ دیتی ہے اس کے بعد اجساد انبیاء علیہم السلام کے محفوظ رہنے کا۔ باقی علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ حفظ اجساد اعادہ روح کو مستلزم نہیں تو بات اعادہ روح کی نہیں بلکہ اجساد مبارکہ کی حیات کی ہے اور یہ ارواح کے قوی تعلق سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ومعلوم بالضرورة ان جسده صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری مطرا وقد سأله الصحابة کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد أرمت؟ فقال ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسده فی ضریحه لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عنه ان الله وکل بقبره ملائکة یبلغونه عن امته السلام وصح عنه انه خرج بین ابی بکر وعمر وقال ''هکذا نبعث'' هذا مع القطع بان روحه الکریمة فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء وقد صح عنه: انه رأی موسیٰ قائما یصلی

فی قبرہ لیلۃ الاسراء ورآہ فی السماء السادسۃ او السابعۃ فالروح کانت ھناک ولھا اتصال بالبدن فی القبر، واشراف علیہ وتعلق بہ، بحیث یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلم علیہ وھی فی الرفیق الاعلیٰ"

(کتاب الروح ص ۶۱، ۶۲)

اور یہ بات یقینی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر بالکل تروتازہ روضہ منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ پر صلوٰۃ کیسے پیش ہوتا رہے گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ ﷺ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہرگز یہ جواب ارشاد نہ فرماتے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مابین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ بات قطعی ہے کہ آپ ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہے جہاں دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور یہ بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور پھر چھٹی یا ساتویں آسمان میں دیکھا۔ پس روح تو وہاں ہیں اور وہیں سے اسے روضہ منورہ رکھے جسد اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے، روح و بدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "وبعد وفاتہ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ومع ھذا، فلھا اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علیٰ من سلم علیہ وبھذا التعلق رأی موسیٰ قائما یصلّی فی قبرہ" (زاد المعاد ج ۱ ص ۴۲۷)

اور وفات کے بعد نبی علیہ السلام رفیق اعلیٰ میں ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ استقرار پذیر ہیں اس کے ساتھ ساتھ روح کا جسد اطہر مبارک سے ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔

نیز علامہ صاحب نے اتنا تسلیم کرلیا کہ اس حدیث سے عرض صلوٰۃ ثابت ہے۔ جب کہ دوسری جگہ علامہ صاحب نے مطلقاً عرض الاعمال کا انکار کیا ہے، اتنا تو تسلیم کیا کہ عرض صلوٰۃ وسلام ثابت ہے جو کہ عمل ہی ہے۔

حدیث فنبی اللہ حیّ یرزق .... پر اعتراض کا تفصیلی جائزہ

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حدثنا عمرو بن سواد المصری ثنا عبد اللہ بن وھب عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی ھلال عن زید بن ایمن عن عبادۃ بن نسیّ عن ابی الدرداء قال: قال رسول اللہ ﷺ اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملائکۃ وان احدا لن یصلی علی الا عرضت علی صلاتہ حتی یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت، قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق" (سنن ابن ماجہ ص ۱۱۸)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ وہ حاضری کا دن ہے، اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، مجھ پر جو شخص درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ درود پڑھنے سے فارغ ہو جاتا ہے، ابوالدرداء نے عرض کیا: وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔ اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام منذری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث مذکور کی تصحیح اور توثیق رجال نقل کی ہے اور حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اسنادہ حسن''

(البدر المنیر ج ۵ ص ۲۸۸ تحت الحدیث السادس بعد الخمسین)

اب علامہ صاحب کے اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں:

علامہ صاحب کا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''واما استدلالہ الرابع (روایۃ ابن ماجہ) فھو ایضا مردود علیہ، لان ''زید بن ایمن'' مجھول الحال کما قال ابن عبدالھادی وھو حدیث فیہ ارسال، فان عبادۃ بن نسی لم یدرک ابا الدرداء، وزید بن ایمن شیخ مجھول الحال لا نعلم احدا روی عنہ غیر سعید بن ابی ھلال ولم یخرج لہ من اصحاب الکتب الستۃ غیر ابن ماجہ ھذا الحدیث الواحد، اقول وقد قال العلامۃ الذھبی زید بن ایمن روی عنہ سعید بن ابی ھلال فقط لکن ذکرہ ابن حبان فی الثقات علی قاعدتہ، اعنی لفظ فقط مشعر بان ما قال ابن عبدالھادی صحیح وکک قال العلامۃ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ قلت رجالہ ثقات لکن قال البخاری زید بن ایمن عن عبادہ بن نسی مرسل، والخصم یقول فی تالیفہ الاخر ان اللہ ما صیرنا مکلفین علی ان ناخذ دیننا عن الرواۃ المجاھیل، فکیف ھو مکلف ھھنا علی ان یاخذ اعتقادہ عن المجھول، ومع ھذا انہ صرح بعدم کفایۃ الخبر الواحد فی الاعتقادیات مع صحۃ الحدیث، لکن اذا جاء ھھنا فانقلب الامر ونسی ماقال، وکک نسی ما قال ان اتصال السند لصحۃ الحدیث من الضروریات یا لضیعۃ الانصاف۔''

(الصواعق المرسلہ ص ۲۷۹، ۲۸۰)

اور جو ان کا استدلال رابع ہے (روایۃ ابن ماجہ سے) تو یہ بھی اسی طرح مردود ہے ان پر اس لئے کہ ''زید بن ایمن'' مجہول الحال ہے جیسا کہ علامہ ابن عبدالہادی نے کہا ہے اور اس حدیث میں ارسال ہے، کیونکہ عبادہ بن نسی نے ابوالدرداء کو نہیں پایا اور زید بن ایمن مجہول الحال ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ سعید بن ابی ہلال کے علاوہ کسی اور نے ان سے روایت کی ہو اور اصحاب کتب ستہ میں سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے ان سے تخریج نہیں کی ابن ماجہ نے بھی یہی ایک روایت نقل کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بے شک امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ زید بن ایمن سے صرف سعید بن ابی ہلال روایت کرتے ہیں لیکن امام ابن حبان نے اپنے مخصوص قاعدہ کی بنیاد پر ثقات میں ذکر کیا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ لفظ فقط اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ جو کچھ ابن عبدالہادی نے کہا ہے صحیح ہے اور اسی

طرح علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زید بن ایمن کی روایت عبادہ بن نسی سے مرسل ہوتی ہے اور خصم اپنی دوسری تالیف میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول راویوں سے لیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے تصریح کی ہے کہ عقائد میں خبر واحد صحیح بھی کافی نہیں ہے، لیکن جب بات یہاں آئی تو بات الٹ گئی اور جو اس نے کہا تھا وہ بھول گئے، اسی طرح وہ بات بھی بھول گئے جو اس نے کہا تھا کہ صحت حدیث کے لئے اتصال سند ضروری ہے۔

جواب: علامہ خان بادشاہ صاحب نے پوری عبارت میں جو اعتراضات کئے ہیں ان کا خلاصہ درجہ ذیل ہے: (۱) زید بن ایمن مجہول الحال۔ (۲) زید بن ایمن کی عبادہ بن نسی سے روایت مرسل ہوتی ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے انہی دو اعتراضات کو تسکین الصدور میں نقل کر کے جواب دیا ہے، لیکن افسوس کہ علامہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات کو ہضم کر کے اعتراضات کو پھر دہرایا، چاہئے تو یہ تھا کہ علامہ صاحب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات کو کسی ٹھوس دلیل سے رد کرتے؟ لیکن اس کے بغیر اعتراضات دہرانا انصاف کا خون ہے، جس کی طرف علامہ صاحب نے خود یا لضیعۃ الانصاف سے اشارہ کیا ہے چنانچہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ "زید بن ایمن" کے بارے میں فرماتے ہیں: "ابن حبان ان کو "ثقات" میں لکھتے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "رواتہ ثقات" (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۸) امام ابن حبان اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ان کو ثقہ کہنے کے بعد علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ کا (الصارم المنکی ص ۱۷۷) میں ان کو مجہول الحال کہنا، کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے: "من عرف حجۃ علی من لم یعرف" (تسکین الصدور ص ۳۱۸)

اب علامہ صاحب کو چاہئے تھا کہ اس اصولی جواب کا رد فرماتے اور پھر اعتراض کرتے لیکن انصاف کی توقع علامہ صاحب سے عبث معلوم ہوتی ہے، ہم ایک دو حوالے مزید لکھتے ہیں تاکہ علامہ صاحب کو تسلی ہو جائے۔ چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "زید ابن ایمن عن عبادۃ بن نسیٔ و عنہ سعید بن ابی ھلال "ثقۃ" کہ زید بن ایمن عن عبادہ بن نسی اور ان سے سعید بن ابی ھلال روایت کرتے ہیں اور "ثقہ" ہیں۔ (الکاشف ج ۱ ص ۴۱۵ طبع بیروت)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "زید بن ایمن" کا تذکرہ کسی جرح کے بغیر تاریخ کبیر میں کیا ہے۔ ملاحظہ کریں (تاریخ کبیر ج ۳ ص ۳۸۷ دار الفکر بیروت) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تواریخ کا اصول یہ ہے علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "و کذا کل من ذکرہ البخاری رحمۃ اللہ علیہ فی تواریخہ لم یطعن فیہ فھو ثقۃ فان عادتہ ذکر الجرح والمجروحین قالہ ابن تیمیہ کذا فی نیل الاوطار" کہ جس راوی کا تذکرہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تواریخ میں کریں اور اس پر طعن نہ کریں تو وہ ثقہ ہوتا ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ مجروحین اور جرح ذکر کرتے ہیں۔ اس بات کو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے اسی طرح نیل الاوطار میں بھی ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۲۳، ۲۲۴)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق "زید بن ایمن" راوی ثقہ ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کار اور ان کے "تواریخ" کی اصول سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ راوی ثقہ ہے اور جب راوی ثقہ ہو تو اگر اس سے روایت کرنے والا ایک راوی ہو تو یہ راوی اور روایت کے لئے مضر نہیں امام ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ "فریعۃ بنت مالک" کی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "و لا یضر الثقۃ ان لا یروی عنہ الا واحد" (بیان الوہم والایہام الواقعین فی کتاب الاحکام ج ۱ ص ۳۹۵، نصب الرایہ للزیلعی ج ۳ ص ۳۸۳، کتاب الطلاق قبیل باب ثبوت النسب۔ والبنایہ شرح الہدایہ للعینی ج ۵ ص ۴۴۸)

اور جہاں تک ارسال کا تعلق ہے، تو اس کا جواب دیتے ہوئے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اصول حدیث کی رو سے صحیح اور جید کا ایک ہی درجہ ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اتصال بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جن حضرات نے اس کو جید کہا ہے ان کے نزدیک اتصال بھی ثابت ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ زید بن ایمن، عبادہ بن نسی سے روایت کرتے ہیں اور ان سے سعید بن ابی ہلال راوی ہیں۔ (تہذیب التھذیب ج ۳ ص ۳۹۸ حاشیہ، علامہ سندی: ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۰۲) میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبادہ بن نسی کی ابودرداء سے روایت مرسل ہے لیکن یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (تہذیب التھذیب ج ۵ ص ۱۱۴) میں تصریح فرمائی ہے کہ عبادہ بن نسی حضرت بودرداء سے براہ راست روایت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اس حدیث کو مرسل اور منقطع تسلیم کرنے میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ساتھ نہیں دیا اور حق جمہور ہی کے ساتھ ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۳۲۰)

آگے جا کر لکھتے ہیں: ''جو حضرات مرسل سے احتجاج کے قائل نہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ مرسل معتضد حجت ہے۔ ملاحظہ ہو (تدریب الراوی ص ۱۳۰ اور مقدمہ نووی ص ۱۷ وغیرہ) اور اس حدیث کی تقویت اور اعتضاد کے لئے علاوہ سابق پیش کردہ اور آئندہ عرض کی جانے والی احادیث کے اجماع امت مؤید ہے۔ اس لئے یہ روایت قابل استدلال ہے، علاوہ ازیں یہ روایت دوسری روایتوں کے لئے شاہد ہے چنانچہ علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''وھذا الحدیث و ان کان فی اسنادہ شیء فھو شاھد لغیرہ و غاضد لہ واللہ اعلم (الصارم المنکی ص ۱۷۸) اور اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ تھوڑا سا ضعف ہے مگر یہ دوسری روایات کے لئے شاہد اور باعث تقویت ہے۔ واللہ اعلم!'' (تسکین الصدور ص ۳۲۱)

الحمدللہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ہر جہت سے علامہ صاحب کے اعتراضات کا قلع قمع کیا ہے، لیکن علامہ صاحب نے تمام جوابات سے آنکھیں بند کرلی ہے اور الٹا یالضیعۃ الانصاف کا طعنہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو دیا۔

حدیث: ''ان للہ ملئکۃ سیاحین......'' پر اعتراض کا تفصیلی جائزہ

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اخبرنا عبدالوھاب بن عبدالحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن سفیان بن سعید عن عبداللہ بن السائب عن زاذان عن عبداللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ، امام حاکم، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث مذکور کی تصحیح اور توثیق رجال نقل کی ہے۔ تفصیل کے لئے تسکین الصدور کا مطالعہ کریں اب علامہ صاحب کے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں:

علامہ صاحب کا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واما استدلاله الخامس فهو مردود عليه، لان فيه زاذان وقد ذكرنا عليه الجرح فيما سبق بان ابن حبان قال كان يخطئ كثيرا، وقال الحاكم ابو احمد ليس بالمتين عندهم، فلا يصح منه الاستدلال سيما في باب الاعتقاديات" اور جوان کا استدلال خامس ہے تو وہ بھی ان پر مردود ہے کیونکہ ان میں زاذان ہیں اور ہم نے ان پر پہلے جرح ذکر کی ہے کہ ابن حبان نے کہا ہے کہ کثرت سے خطاء کرتے ہیں اور حاکم ابو احمد لکھتے ہیں کہ ان کے ہاں متین نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے استدلال صحیح نہیں ہے خاص کر اعتقادات میں۔ (الصواعق المرسلۃ ص ۲۸۰)

علامہ صاحب نے یہاں پر جو حوالہ دیا ہے ماسبق میں زاذان پر جرح کا تو وہ جرح بھی ملاحظہ کریں چنانچہ لکھتے ہیں: "قال هذا الرجل زاذان ثقة لا يسئل عن مثله كما قال ابن معين، قال ابن حبان في الثقات، قال ابن سعد كان ثقة تهذيب اقول كيف خادع هذا الرجل ولا يخاف من الله تعالى لانه نقل قال ابن حبان في الثقات فقط وما راى وانتم سكارى قال العلامة ابن حجر قلت قال ابن حبان في الثقات كان يخطئ كثيرا وقبله قال شعبة قلت للحكم مالك لم تحمل عن زاذان قال كثير الكلام، وقال شعبة عن سلمة بن كهيل ابو البختري احب الي منه، قال ابن عدي احاديثه لا باس بها اذا روى عنه ثقة، وبعده وقال الحاكم ابو احمد ليس بالمتين عندهم، قال ابن حجر زاذان صدوق يرسل وفيه شيعية" کہ اس (امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا کہ وہ ایسے ثقہ ہیں جن کے مثل کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ امام ابن معین نے کہا اور ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں اور ابن سعد نے ان کو ثقہ کہا (تہذیب) میں کہتا ہوں کہ اس نے کس طرح دھوکہ دیا اور اللہ سے نہیں ڈرتا اس لئے کہ اس نے صرف اتنا نقل کیا کہ ابن حبان اس کو ثقات میں لکھتے ہیں اور "وانتم سكارى" کو نہیں۔ دیکھا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ ابن حبان نے ثقات میں کثیر الخطاء لکھا ہے اور اس سے پہلے ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حکم سے کہا کہ تجھے کیا ہوا کہ تم زاذان سے روایت نہیں کرتے؟ تو اس نے کہا کہ وہ کثیر الکلام تھے اور امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ، سلمہ بن کہیل سے زاذان کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ: "ابو البختري احب الي منه" اور امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو ان کی احادیث "لا باس بها" ہیں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ ان کے نزدیک متین نہیں تھے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زاذان سچے ہیں "یرسل" ارسال کرتے ہیں اور ان میں شیعیت ہے۔ (ایضاً ص ۲۵۲، ۲۵۳)

جواب: علامہ صاحب کا دونوں مقامات میں زاذان پر جرح کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ابن حبان نے کہا کہ: "کثیر الخطاء" تھے۔ (۲) حکم بن عتیبہ اس وجہ سے روایت نہیں لیتے تھے کہ: "کثیر الکلام" تھے۔ (۳) سلمہ بن کہیل نے کہا کہ: "ابو البختري احب اليّ منه" (۴) قال ابن عدي احاديثه لا باس بها اذا روى عنه ثقه (۵) قال الحاكم ابو احمد ليس بالمتين عندهم (۶) يرسل (۷) فيه شيعية۔ یہ سات علمی جواہر پارے علامہ صاحب کے زاذان پر تبصرے کا خلاصہ ہے۔ اب ہم ترتیب کے ساتھ علامہ صاحب کے تبصرے کا جائزہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ کریں۔

پہلی جرح کا جائزہ

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو "کثیر الخطاء" کہا ہے تو اس کا جواب خود امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "لیکن امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ متشدد بھی تھے اور متساہل بھی تھے کبھی کبھی بے سروپا باتیں کہہ جاتے تھے۔ چنانچہ ناقد فن رجال علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن حبان لایدری مایخرج من رأسہ ابن حبان نہیں جانتے کہ ان کے سر اور دماغ سے کیا نکلتا ہے۔" (تسکین الصدور ص ۱۰۹)

اور دوسری بات یہ کہ علامہ خان بادشاہ صاحب کے ممدوح اور ان کے محقق اعظم جناب مولانا حسین نیلوی صاحب کے نزدیک تو کثیر الخطاء ہونا راوی کے ثقہ ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "پس کسی راوی کا "کثیر الخطاء" ہونا اس کے ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے۔" (ندائے حق جدید ج ۲ ص ۱۷۴)

جب ثقہ اور کثیر الخطاء ہونا ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں تو محترم! پھر زاذان کے بارے میں کثیر الخطاء کے الفاظ سے جرح نقل کرنے کا فائدہ کیا؟ جو فائدہ کثیر الخطاء کا یہاں علامہ صاحب کو مطلوب ہے۔ اس کی نشان دہی کریں؟

دوسری جرح کا جائزہ

کہ "حکم بن عتیبہ" زاذان سے کثیر الکلام ہونے کی وجہ سے روایت نہ لیتے تھے تو اصول حدیث کے اعتبار سے یہ کوئی جرح نہیں ہے۔

اوّلاً تو اس کا جواب خود امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ دے چکے ہیں لکھتے ہیں: "تدریب الراوی ص ۲۰۲ میں لکھا ہے کہ منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ کے گھر سے طنبور کی آواز سننے کی وجہ سے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ان کی روایت کو نہ لینا اور حکم بن عتیبہ کا کثیر الکلام ہونے کی وجہ سے زاذان کی روایت کو نہ لینا "مالیس بجرح" (یعنی اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں)" (تسکین الصدور ص ۱۱۰)

اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "فلا یکون الارسال والتدلیس...... وکثیر الکلام المباح...... جرحا" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۹۹)

علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "کثیر الکلام" کے الفاظ کو غیر معتبر جرح میں شمار کیا ہے لکھتے ہیں: "ومنها انہ سئل الحکم بن عتیبہ لم، لم ترو عن زاذان؟ فقال کان کثیر الکلام" (الرفع والتکمیل ص ۸۱)

ان غیر معتبر جرح میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو حکم بن عتیبہ سے سوال کیا گیا کہ تم زاذان سے روایت کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے کہا کہ وہ کثیر الکلام تھے۔

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے ملاحظہ ہو۔

(الکفایۃ فی معرفۃ اصول علم الروایۃ ج ا ص ۳۴۶، التحریر والتحبیر ج ۲ ص ۳۲۶)

تیسری جرح کا جائزہ

زاذان پر تیسری جرح علامہ صاحب نے یہ نقل کی ہے کہ سلمہ بن کہیل فرماتے تھے کہ: "ابو البختری احب الیّ منہ" کہ ابو البختری مجھے اس کی بنسبت زیادہ پسند ہے۔ علامہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ اصول

حدیث کے اعتبار سے یہ بھی کوئی جرح نہیں۔ چنانچہ علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "کثیر اما یقول ائمۃ الجرح والتعدیل فی حق راو انہ لیس مثل فلان، کقول احمد فی (عبد اللہ بن عمر العمری) انہ لیس مثل اخیہ ای عبیداللہ بن عمر العمری، او ان غیرہ احب الی و نحو ذلک، وھذا کلہ لیس بجرح" (الرفع والتکمیل ص۲۶۱)

ائمہ جرح وتعدیل کثرت سے کسی راوی کے بارے میں کہتے ہیں کہ: "انہ لیس مثل فلان" جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول عبداللہ بن عمر العمری کے بارے "انہ لیس مثل اخیہ یعنی عبیداللہ بن عمر العمری" اور یہ بھی کہتے ہیں کہ: "غیرہ احب الی" یا اس کے مثل تو یہ سارے الفاظ جرح نہیں ہیں۔

اور شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ رحمۃ اللہ علیہ "او ان غیرہ احب الی" کی تعلیق میں فرماتے ہیں: "یرید المولف بقولہ (غیرہ احب الی) راویا معینا مسمی" (حاشیہ الرفع والتکمیل ص۲۶۱)

جیسا کہ یہاں پر زاذان کے متعلق کہا گیا ہے اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "والوجہ الثانی ان یقولوا فیہ (فلان اوثق منہ) او انہ لیس مثل فلان او (فلان احب الی منہ) فھذہ العبارۃ التی فی الوجہ الثانی لا یقولونھا لجرح الراوی" (حاشیہ الرفع والتکمیل ص۱۸۰)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اذا قالوا فی رجل انہ لیس مثل فلان او غیرہ احب الیّ فھذا لیس بجرح قال الحافظ فی التھذیب فی ترجمۃ (ازھر بن سعد السمان) حکی العقیلی فی الضعفاء ان الامام احمد قال ابن عدی احب الی من ازھر قلت ھذا لیس بجرح یوجب ادخالہ فی الضعفاء" (قواعد فی علوم الحدیث ص۲۷۳)

کہ جب ائمہ محدثین کسی کے بارے میں کہیں کہ: "لیس مثل فلان" اور یا یہ کہے کہ: "غیرہ احب الیّ" تو یہ جرح نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب میں "ازھر بن سعد السمان" کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعفاء میں نقل کیا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابن عدی مجھے ازہر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کوئی جرح نہیں جس کی وجہ سے ان کو ضعفاء میں داخل کرنا واجب ہو۔

اور یہی عبارت علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے۔ ملاحظہ کریں: (الرفع والتکمیل ص۲۶۱)

جب اصول حدیث کی رو سے "فلان احب الی منہ" جرح نہیں ہے تو علامہ صاحب کا زاذان کے بارے میں یہ جملہ بطور جرح نقل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

نیز یہاں پر "سلمۃ بن کھیل" نے جو کہا کہ: "ابو البختری احب الی منہ" تو یہاں پر ابوالبختری سے کون مراد ہے تو علامہ نیلوی صاحب، جس کو علامہ صاحب محقق مانتے ہیں نے اس کو "وہب بن وہب" مراد لیا ہے جو کہ کذاب تھا اور اس کے شاگرد مشہور مماتی مولوی شیر محمد جھنگوی صاحب نے "آئینہ تسکین الصدور" میں بھی یہی مراد لیا ہے۔ لیکن یہاں پر ابوالبختری سے مراد "سعید بن فیروز الطائی" ہے۔ جیسا کہ علامہ حافظ حبیب اللہ ڈیروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قہر حق اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حافظ عبدالقدوس خان قارن صاحب حفظہ اللہ نے "اظہار الغرور" میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور اشاعت التوحید والسنۃ کے سرپرست عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب نے بھی اس کو "سعید بن فیروز" قرار دیا ہے ملاحظہ کریں۔ (افادات بخاری ا ص ۱۳)

اور خود علامہ خان بادشاہ صاحب نے بھی حاشیہ میں وضاحت کر کے لکھا ہے کہ یہاں پر ابوالبختری سے مراد سعید بن فیروز ہے اور جس نے اس کو ''وہب بن وہب'' قرار دیا ہے جیسا کہ علامہ نیلوی صاحب وغیرہ تو علامہ خان بادشاہ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں: ''اقول لیس ھذا وھب بن وھب کذاب عدو اللہ کما قال بعض العلماء المحققین لعل ھذا سھو منہ واللہ اعلم وعلمہ اتم'' (الصواعق المرسلۃ ص ۲۵۳)

میں کہتا ہوں کہ یہ وہب نہیں جو کہ کذاب اور اللہ کا دشمن ہے جیسا کہ بعض علماء محققین نے کہا ہے۔ شاید یہ ان کی طرف سے سہو ہو واللہ اعلم وعلمہ اتم!

علامہ نیلوی صاحب نے یہاں پر زاذان کو وہب کذاب سے بھی بدتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن علامہ صاحب نے اس کو سہو قرار دے کر بات ختم کردی۔ اگر یہ غلطی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتی تو پتہ نہیں محقق ہونے کے کتنے طعنے دیئے جاتے لیکن یہ علامہ صاحب کے ہم مسلک سے ہوئی تو اس کو بعض المحققین کی سہو قرار دی (فیالضیعۃ الانصاف) وعلی کل حال اگر یہاں پر علامہ صاحب موازنہ کریں تو جب ابوالبختری سے مراد سعید بن فیروز الطائی ہے اور یہ راوی ثقہ ہے مثلاً: (۱) یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ثبت۔ (۲) یحییٰ بن معین ثقہ بھی کہتے ہیں۔ (۳) امام ابوزرعہ ثقہ کہتے ہیں۔ (۴) امام ابوحاتم ثقہ اور صدوق کہتے ہیں۔ (تہذیب الکمال ج ۴ ص ۱۹۸)

جب یہ راوی بھی ثقہ ہیں اور زاذان بھی جمہور محدثین کے ہاں ثقہ ہیں تو سلمہ بن کہیل کے قول: ''ابو البختری احب الی منہ'' سے آخر کس اصول کی بناء پر زاذان کو ضعیف کہا جارہا ہے اور مزید علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کان من کبار فقھاء الکوفۃ روی عن ابن عباس وطبقتہ'' (العبر ج ۱ ص ۷۰، ۱۷، بیروت)

علامہ صاحب ثقہ راوی کی تضعیف ثابت کرنے کے درپے ہیں تا کہ زاذان پر کچھ کہنے کا موقع مل جائے اور حاشیہ میں صرف لے دے کر ارسال کی وجہ سے اس کی روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن علامہ صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ارسال کی وجہ سے روایت کا ضعیف ہونا الگ جب کہ ارسال سے راوی کا ضعیف ہونا الگ بات ہے۔ لہٰذا جو راوی ارسال کرتا ہو تو ارسال راوی میں سبب جرح نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''فلایکون الارسال والتدلیس والاشتغال بالفقہ۔ . . . وامثالھا جرحا'' (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۹۹)

پس ارسال تدلیس اور فقہ میں اشتغال ...... اور اس کی مثل راوی میں جرح نہیں۔

جب یہ بھی جرح نہیں تو علامہ صاحب کس خوش فہمی میں اوراق سیاہ کر رہے ہیں اور محدثین کے اقوال کو بے جا و بے محل نقل کر کے کہتے ہیں: ''فالاستدلال منہ مردود''

<u>خلاصہ کلام</u>: جب سلمہ بن کہیل کا قول سرے سے اصول حدیث کی روشنی میں جرح نہیں تو کیا یہ ظلم نہیں کہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ نے ڈاکٹر عثمانی کی طرح زاذان پر جرح کرنے کے لئے اس قول کو اپنی کتابوں کا زینت بنایا؟ اور ستم بالائے ستم یہ کہ علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیر محمد جھنگوی نے تو کمال کر کے ابوالبختری سے ''وہب بن وہب'' کذاب مراد لے کر سرفراز دشمنی کا حق ادا کیا ہے۔

علامہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ علامہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

ڈاکٹر عثمانی نے جب زاذان پر جرح کرنے کے لئے سلمہ بن کہیل کا ارشاد نقل کیا اور پھر خود ساختہ تحقیق

کر کے ابوالبختری سے ''وہب بن وہب'' مراد لے کر زاذان کو مجروح ثابت کرنے کی کوشش کی تو علامہ عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی اس تحقیق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ ڈاکٹر عثمانی صاحب کی تحقیق کی صرف ایک مثال ہے جس کی بناء پر وہ ائمہ دین اور بزرگان امت کو مشرک اور بدعقیدہ لکھ رہے ہیں۔ اب عوام فیصلہ فرمالیں کہ ایسے محقق بے نظیر کی تحقیق انہیں کس منزل پر کھڑا کرے گی۔'' (افادات بخاری ج ۱ ص ۱۱۳)

چوتھی جرح کا جائزہ

زاذان پر علامہ صاحب نے چوتھی جرح کر کے لکھا ہے کہ: ''لا بأس باحادیثه اذا روی عنه ثقة'' کہ جب ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو ان کی احادیث ''لا بأس بها'' ہے۔ ہم علامہ صاحب کے اس بدلتے رنگ پر حیران ہیں کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ والی روایت میں زاذان سے روایت کرنے والے ''منہال بن عمرو'' ہیں اور اس پر بظاہر جرح موجود ہے۔ اگر چہ اس کا کوئی اعتبار نہیں لیکن علامہ صاحب نے اس سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے، زاذان کی روایت کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لکھتے ہیں: ''وقال لا باس باحادیثه اذا روی عنه ثقة، لکن فی الروایة السابقة لیس بثقة بل مجروح'' (الصواعق المرسلہ ص ۲۵۵)

کہ ان کی احادیث ''لا باس بها'' ہے جب اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو اور روایت سابقہ (اعادہ روح والی) میں اس سے روایت کرنے والا ''منہال'' ثقہ نہیں بلکہ مجروح ہے۔

علامہ صاحب کو اعادہ روح والی روایت میں زاذان سے روایت کرنے والے ''منہال بن عمرو'' پر جرح تو نظر آئی لیکن روایت مذکورہ بالا میں زاذان سے روایت کرنے والے راوی ''عبداللہ بن السائب الکندی'' سے آنکھیں پھیر لیں، جو ثقہ ہے۔ مثلاً: (۱) قال ابن معین ثقة۔ (۲) قال ابو حاتم ثقة۔ (۳) وقال النسائی ثقة۔ (۴) ذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ (۵) وثقه العجلی۔ (۶) وثقه محمد بن عبداللہ بن نمیر وغیرھما۔

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵۱)

معلوم ہوا کہ یہ راوی ثقہ ہے اور علامہ صاحب نے خود یہ الفاظ نقل کی ہے: ''لا بأس باحادیثه اذا روی عنه ثقة'' لہٰذا علامہ صاحب کے اسی بیان کردہ اصول کے مطابق بھی زاذان کی یہ روایت بلاشک وشبہ صحیح ہے، لیکن علامہ صاحب نے اس سے یہاں صرف نظر فرمائی ہے۔ نیز امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ جب ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو ان کی احادیث ''لا بأس بها'' ہے جب کہ علامہ صاحب بالکل اس کا الٹ نتیجہ نکال کر کے لکھتے ہیں: ''فلا یصح منه الاستدلال'' (فواعجبا)

پانچویں جرح کا جائزہ

علامہ صاحب نے زاذان پر پانچویں جرح ''لیس بالمتین'' نقل کی ہے جب زاذان جمہور کے نزدیک ثقہ ہے تو ''لیس بالمتین'' سے اس کو ضعیف قرار دے کر اس کی حدیث رد کرنا ذرا بھی قرین انصاف نہیں۔ نیز امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے خود اس جرح کا جواب دیا ہے۔ لکھتے ہیں: ''اگر جمہور کی جرح مفسر نہ ہو تو ''لیس بالمتین'' سے عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ (تدریب الراوی ص ۲۳۲) اور روایت میں عدالت ہی رکن اکبر ہے۔ (توجیہ النظر ص ۴۰۷ طبع دوم)'' (تسکین الصدور ص ۱۰۹)

لہٰذا اس جرح سے بھی زاذان کی توثیق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

چھٹی جرح کا جائزہ

علامہ صاحب نے زاذان پر چھٹی جرح "یرسل" کے الفاظ سے نقل کی ہے، لیکن ہم پہلے علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے "تیسری جرح" کے جائزہ میں نقل کر چکے ہیں کہ ارسال راوی میں سبب جرح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بھی زاذان پر جرح نہیں۔

ساتویں جرح کا جائزہ

علامہ صاحب نے زاذان پر ساتویں جرح "فیہ شیعیۃ" کہ ان میں شیعیت ہے نقل کی ہے، لیکن یہ بھی علامہ صاحب کے علم میں ہے کہ شیعہ ہونا کب جرح ہے اور کب نہیں؟ شیعہ ہونا بغیر داعیہ کے اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں۔ (تسکین الصدور ص ۱۱۰)

علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "قلت فکون الرجل متھما ببدعۃ لا یؤثر فی روایتہ الا اذا کان یکذب، او داعیۃ" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۰۲)

علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ لکھتے ہیں: "فالغلو فی التشیع لیس بجرح اذا کان الراوی ثقۃ" (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۰۷)

جب بدعت بغیر داعیہ کے جرح نہیں تو زاذان پر شیعہ ہونے کا رٹ لگانا کوئی سود مند بات نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "تشیع" کی تقسیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیا کان مصیبا فی حروبہ وان مخالفہ مخطئی مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما وربما اعتقد بعضھم ان علیا أفضل الخلق بعد رسول اللہ ﷺ و اذا کان معتقد ذلک ورعا، دینا، صادقا، مجتھدا فلا ترد روایتہ بھذا، لا سیما ان کان غیر داعیۃ" (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۳)

تشیع متقدمین کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے کا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگوں میں حق پر ہونے اور ان کے مخالفین کو مخطی ہونے کے ساتھ شیخین کریمین کے تفضیل کا اعتقاد رکھنا اور بعض اوقات ان میں سے بعض نبی علیہ السلام کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو اگر ایسا عقیدہ رکھنے والا پرہیزگار، دین دار، سچا اور مجتہد ہو تو اس ایسے راوی کی روایت صرف اس (تشیع) وجہ سے رد نہیں کیا جائے گا اور خاص کر جب اپنے نظریے کی طرف داعی نہ ہو۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "ابا بلج" راوی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "واسمہ یحیی وثقہ ابن معین والنسائی وجماعۃ، وضعفہ جماعۃ، بسبب "التشیع" وذلک لا یقدح فی قبول روایتہ عند الجمھور"

اس کا نام یحییٰ ہے امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے تشیع کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے لیکن جمہور کے ہاں ان کا شیعہ ہونا ان کی روایت کو قبول کرنے میں کوئی قدح نہیں۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۲۳، باب ما یذکر فی الطاعون)

اسی طرح ''ابان بن تغلب'' کے تذکرہ میں امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وهو من اهل الصدق في الروايات، وان كان مذهبه "مذهب الشيعة" وهو في الرواية صالح لا باس به، قلت هذا قول منصف'' اور وہ روایت نقل کرنے میں سچ بولنے والوں میں سے ہیں اگرچہ یہ مذہبا شیعہ ہیں لیکن روایت کرنے میں صالح اور لاباس بہ ہے، میں (حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں یہ انصاف کی بات ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۳)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ''ابان بن تغلب'' کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شيعي جلد لكنه صدوق فلنا صدقه وعليه بدعته'' یہ کٹر شیعہ تھے لیکن ''صدوق'' (روایات نقل کرنے میں سچا تھا) تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵)

ہم اس کی سچائی لیں گے اور بدعت کا وبال ان کے ذمہ ہوگا۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ''ابان بن تغلب'' پر تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فلقائل ان يقول كيف ساغ توثيق مبتدع وحد الثقة العدالة والاتقان؟ فكيف يكون عدلا من هو صاحب بدعة؟ وجوابه ان البدعة على ضربين فبدعة صغرى كغلو التشيع، او كالتشيع بلا غلو ولا تحرف فهذا كثير في التابعين وتابعيهم مع الدين والورع والصدق فلو رد حديث هؤلا لذهب جملة من الآثار النبوية وهذه مفسدة بينة'' کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کسی بدعتی کو ثقہ کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جب کہ ثقہ ہونے کے لئے عدالت اور اتقان ضروری ہیں۔ لہٰذا جو شخص بدعتی ہو وہ عادل کیسے ہوسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک بدعت صغری ہے جیسے تشیع میں غلو اختیار کرنا یا ایسا تشیع جس میں غلو اور تحریف نہ ہو یہ چیز بہت سے تابعین میں پائی جاتی تھی باوجود یہ کہ وہ دین دار، پرہیزگار اور سچے تھے اگر ان لوگوں کی روایت کو محض بدعت صغریٰ کی وجہ سے مسترد کیا جائے تو تمام احادیث سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اگر بدعتی راوی داعی نہ ہو تو مذہب مختار کے مطابق اس کی روایت اس وقت قابل قبول ہوگی جب کہ ان کی روایت سے ان کے بدعت کی تائید نہ ہوتی ہو اور اگر ان کی روایت سے ان کے بدعت کی تائید ہوتی ہو تو مردود تصور ہوگی۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''نعم الاكثر على قبول غير الداعية الا ان روى ما يقوى بدعته فيرد على المختار'' (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۱۱۹)

ہاں! اکثر کا قول ہے کہ اس کی (غیر داعی) حدیث قبول کی جائے گی۔ بشرطیکہ یہ اس کی بدعت کی مؤید نہ ہو، ورنہ مذہب مختار کے مطابق مردود ہوگی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''ان اشتملت رواية غير الداعية على ما يشيد بدعته ويزينه ويحسنه ظاهرا فلا تقبل وان لم تشتمل فتقبل'' (ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری لابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۰۴)

اگر غیر داعی کی روایت اس کی بدعت کو تقویت یا مزین کر کے اسے ظاہری طور خوبصورت بنا دیتی ہو تو اس کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر قبول کر لی جائے گی۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ويشترط ان لا يروى ما يوافق مذهبه والارد على المختار'' (کوثر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اصول الحدیث النبوی للفرہاروی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۵۸)

خلاصہ کلام: اگر زاذان کا ''شیعہ'' ہونا تسلیم کیا جائے (کیونکہ زاذان کا شیعہ ہونا محل نظر ہے) تو بھی شیعہ ہونے کی وجہ سے ان کی روایت رد نہیں کی جاسکتی۔

پہلی بات تو یہ کہ زاذان داعی نہیں تھا اور علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ غیر داعی ہونا کوئی جرح نہیں۔

دوسری بات کہ زاذان اگر شیعہ بھی تھے تو اس معنی پر جو متقدمین کے ہاں مشہور تھا اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے معلوم ہوا کہ اگر راوی شیعہ بمعنی فی عرف المتقدمین ہو تو ایسا راوی اگر سچا ہو تو اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی خاص کر جب داعی نہ ہو اور ''زاذان'' کا خود شیعہ ہونا محل نظر ہے، چہ جائیکہ داعی ہو۔

تیسری بات یہ کہ شیعہ ہونا بدعت صغریٰ ہے جیسا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے معلوم ہوا اور بدعت صغریٰ کی وجہ سے راوی کی روایت رد نہیں کی جاتی۔

چوتھی بات یہ کہ زاذان کی مذکور روایت میں جو عقیدہ مذکور ہے کہ دور سے پیش کیا گیا سلام فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے تو یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ومسلک ہے نہ کہ شیعہ کا مخصوص مسلک تاکہ یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سے ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اور پھر زاذان تو متعارف شیعہ ہے نہیں تاکہ اس پر تقویت مذہب کا الزام عائد کر کے زاذان کی روایت کو ضعیف قرار دیا جائے۔

بہر حال مبتدع کی روایت کو قبول کرنے کے لئے چند موٹی شرائط یہ ہیں: (۱) صادق اللسان ہو۔ (۲) بدعت مکفرہ میں مبتلاء نہ ہو۔ (۳) بدعت کی طرف داعی نہ ہو۔ (۴) اس کی روایت میں کوئی ایسی بات نہ پائی جاتی ہو، جس سے اس کے بدعتی مذہب کی تائید ہورہی ہو۔

اور زاذان اگر شیعہ تسلیم کیا جائے تو پھر بھی یہاں پر ان تمام شرائط پر پورا اترتا ہے جو اہل علم حضرات بدعتی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لئے بیان کرتی ہے۔ لہٰذا زاذان بھی ثقہ عند الجمہور ہے اور اس کی مذکورہ روایت بھی بلاشک وشبہ صحیح ہے اور علامہ صاحب کا اس روایت کو زاذان کی وجہ سے ضعیف قرار دینا سرفراز دشمنی کا نتیجہ ہے۔

اب ہم آخر میں اپنی بات کو علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر ختم کرتے ہیں لکھتے ہیں: ''وممن تکلم فی زاذان الحاکم ابو احمد، فقال انہ لیس بالمتین عندھم، وقال ابن حبان کان یخطئ کثیرا، لکن قد وثقہ غیر واحد واخرج لہ مسلم'' (فتح المغیث للسخاوی ج ۱ ص ۳۳۱)

اور جس نے زاذان پر کلام کیا ہے ان میں سے حاکم ابو احمد ہے اس نے ''لیس بالمتین عندھم'' کہا اور ابن حبان نے ''کثیر الخطاء'' کہا ہے لیکن بہت سے حضرات نے ان کی توثیق کی ہے اور مسلم نے ان سے تخریج کی ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا ابن حبان کا جرح نقل کرنے کے بعد متصل ''لکن قد وثقہ غیر واحد'' کہنا یہی کچھ بتا رہا ہے جو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ: ''امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا ان کو ''کثیر الخطاء'' کہنا جمہور کے نزدیک مسلم نہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۱۰۹)

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زاذان پر کی گئی جرح، زاذان کی توثیق پر کسی طرح بھی اثر انداز نہیں۔

زاذان پر کی گئی جرح کا جائزہ لینے کے بعد مناسب سمجھتے ہیں کہ ائمہ رجال سے زاذان کی توثیق نقل کی جائے ملاحظہ فرمائیں۔

زاذان محدثین اور ائمہ رجال کی نظر میں

۱...... امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ العجلی رحمۃ اللہ علیہ زاذان کو ثقہ کہتے ہیں۔ (الثقات للعجلی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶۳ رقم ۴۵۰)

۲...... علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ بتاتے ہیں۔ (الکاشف للذہبی ج ۱ ص ۴۰۰ رقم ۴۱۷)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ میزان الاعتدال میں زاذان کے ترجمہ سے پہلے ''صح'' کا رمز لائے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''اذا کتبت ''صح'' اول الاسم فھی اشارۃ الی ان العمل علی توثیق ذلک الرجل'' (لسان المیزان ج ۱ ص ۲۰۰ تحقیق ابوغدۃ)

لہٰذا علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول سے بھی واضح ہوا کہ زاذان پر جرح غیر معتبر ہے۔

۳...... امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واحادیثه لا باس بھا اذا روی عنه ثقه''

(الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۲۱۰ رقم ۷۲۸)

۴...... امام ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ ثقہ بتاتے ہیں۔ (تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین ص ۹۶ رقم ۴۱۷)

۵...... علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ لکھتے ہیں۔ (تاریخ بغداد ۹ ص ۵۱۵ تحقیق بشار عواد)

۶...... امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ثقہ لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۷۹)

۷...... علامہ ابن خلفون رحمۃ اللہ علیہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (اکمال تہذیب الکمال لمغلطائی ج ۵ ص ۱۹)

۸...... امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ بتایا ہے۔ (تہذیب الکمال للمزی رحمۃ اللہ علیہ ج ۳ ص ۵۴۳)

۹...... علامہ حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ثقة مشھور'' (الترغیب والترہیب للمنذری ج ۴ ص ۱۹۸ رقم ۵۳۹۷)

۱۰...... امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مع ان زاذان من الثقات'' (مجموعۃ الفتاوی ج ۳ ص ۲۶۶ طبع مکتبۃ العبیکان)

اور زاذان کی اعادہ روح والی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ھو حدیث حسن ثابت''

(ایضاً ج ۲ ص ۴۳۹)

۱۱...... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''صدوق'' بتاتے ہیں۔ (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۲۵۷ رقم ۱۹۷۶)

۱۲...... امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وزاذان من الثقات'' (کتاب الروح ص ۶۵)

۱۳...... امام اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ زاذان سے مروی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''حسن رواته''

(الترغیب والترہیب للمنذری رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۱۹۸)

۱۴...... علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ زاذان کی روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (التذکرۃ للقرطبی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۰۹)

۱۵...... امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ زاذان کی روایت کو صحیح کہتے ہیں۔ (اثبات عذاب القبر ص ۳۹ رقم ۲۰)

۱۶...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۱ ص ۱۶۶، باب صحبۃ الممالیک وباب النھی عن الانتباذ فی المزفت......الخ)

۱۷...... امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے زاذان کی روایت کو ''حسن صحیح'' کہا ہے۔

(سنن ترمذی ج ۲ ص ۹ باب ماجاء فی کراھیۃ ان ینبذ فی الدباء......الخ)

۱۸...... امام ابن الجارود رحمۃ اللہ علیہ نے ''المنتقی'' میں زاذان سے روایت لی ہے۔ (المنتقی لابن الجارود ص ۲۱۴ رقم ۸۴۲)

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت نقل کر کے لکھتے ہیں: ''واورد ھذا الحدیث ابن الجارود فی المنتقی فھو صحیح عندہ فانہ لا یاتی الا بالصحیح کما صرح بہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فی دیباجۃ جمع الجوامع'' (بوادر النوادر ص ۱۳۵)

اور یہی اصول علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قواعد فی علوم الحدیث میں ذکر کی ہے۔

۱۹...... شیخ محمد عوامہ فرماتے ہیں: ''وزاذان ثقۃ لا صدوق'' (مصنف ابن ابی شیبہ تحقیق شیخ عوامہ ج ۷ ص ۲۸۳)

۲۰...... شیخ شعیب الارنوط اور ڈاکٹر بشار عواد: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تقریب التھذیب میں زاذان کو ''صدوق'' لکھتے ہیں۔ اس پر شیخ شعیب الارنؤط اور ڈاکٹر بشار عواد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بل ثقۃ فقد وثقہ یحیی بن معین، وابن سعد، والعجلی، وابن شاھین والخطیب، والذھبی، وانفرد ابن حبان فقال کان یخطئی کثیرا، ولعل الخطاء ممن روی عنہ فقد قال ابن عدی احادیثہ لا باس بھا اذا روی عنہ ثقۃ'' (تحریر تقریب التھذیب ص ۲۵۷)

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ زاذان صرف صدوق نہیں بلکہ ثقہ راوی ہے اور ابن حبان کا ''یخطئی کثیرا'' کہنا ان کا تفرد ہے۔

قارئین! اگر ان تمام محدثین کا ذکر کیا جائے جس نے زاذان سے احتجاج کیا ہے تو بات کافی لمبی ہو جائے گی۔ زاذان پر باقی کلام مثلاً یہ کہ ان کا شیعہ ہونا ثابت بھی ہے یا نہیں وغیرہ پر دوسرے حصہ میں کلام کریں گے۔ ان شاء اللہ!

البتہ اتنی بات مذکورہ حوالہ جات سے بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ زاذان جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں اور ان پر کی گئی جرح غیر معتبر ہے جیسا کہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ بالفاظ دیگر امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا زاذان پر تبصرہ متن اور ماقبل تفصیل ان کی شرح ہے۔

<u>نوٹ</u>: حدیث ''من صلی علی عند قبری......'' پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ غلط فہمی۔ (۲) کے تحت تفصیل سے گزر چکا ہے وہاں مراجعت کریں۔

حدیث ''لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم۔۔۔'' پر اعتراضات کا تفصیلی جائزہ

امام ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حدثنا احمد بن عیسی حدثنا ابن وھب عن ابی صخر ان سعیدا المقبری اخبرہ انہ سمع ابا ھریرۃ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم اماما مقسطا وحکما عدلا فلیکسرن الصلیب ویقتلن الخنزیر ولیصلحن ذات البین ولیذھبن الشحناء ولیعرضن المال فلا یقبلہ احد ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لأجیبنہ'' حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم ہے جس کی قبضہ میں ابو القاسم ﷺ کی جان ہے۔ البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے۔ امام منصف اور حاکم عادل ہو کر۔ سو البتہ ضرور صلیب توڑیں گے اور البتہ خنزیر کو قتل کریں گے اور البتہ ضرور لوگوں کے آپس کے معاملات درست کر دیں گے اور البتہ ضرور مال پیش کریں گے تو کوئی اس کو نہ لے گا۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے: اے محمد (ﷺ) تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا۔ (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث ۶۵۸۴)

پہلا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''اور پھر مولوی سرفراز نے جو دھوکہ دیا ہے کہ اس نے اس حدیث کی سند ذکر نہیں کی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کی سند میں ''محمد بن اسحاق'' راوی ہیں جس کو خود سرفراز صاحب نے (احسن الکلام ج ۲ ص ۹۲، ۱۱۴ تا ۱۱۶) میں اہل حدیث کے مقابلے میں کذاب دجال تک لکھا ہے۔ کیا اس خیانت اور دھوکے کا جواب جمعیت علماء اسلام کا کوئی عالم مفتی شیخ الحدیث دے سکتا ہے۔'' (التنقید الجوہری ص ۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ: ''مولوی سرفراز نے تسکین الصدور طبع اوّل میں جو حدیث بطور دلیل پیش کیا تھا اسے طبع دوم میں ساتویں دلیل کے لئے شاہد بنایا اور جس حدیث کو طبع اول میں بطور شاہد پیش کیا تھا اسے طبع دوم میں دلیل بنا کر یہ دھوکہ دیا کہ یہ بخاری شریف میں موجود ہے۔'' (التنقید الجوہری ص ۱۱)

یہی ایک اعتراض ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ ''التنقید الجوھری ''۱۹، ۵۹، ۶۰ ''البرھان الجلی'' ص ۲۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ''قلائد العقیان ''ص ۲۰۵ میں کئی بار دہرایا ہے۔ علامہ صاحب کا یہ اعتراض بالکل بے جا اور غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ اس کا جواب خود امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ دے چکے ہیں۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ہم نے تسکین الصدور ۳۲۹ میں ''محمد بن اسحاق'' کی جو روایت پیش کی ہے وہ ساتویں دلیل ہے، جب کہ چھ دلیلیں اس کے علاوہ ہیں، جن میں ''محمد بن اسحاق'' نہیں اگر یہ روایت نہ بھی ہو تو ہمارا دعویٰ باقی چھ دلیلوں سے ثابت ہیں۔ ان کی روایت پر ہمارا دعویٰ موقوف نہیں جب کہ غیر مقلدین کا دعویٰ خلف الامام اور سورۃ الفاتحہ کی قید کے ساتھ ''ابن اسحاق'' ہی کی روایت پر موقوف ہے اور ان کی یہ حدیث ان کی نمبر ایک دلیل ہے۔ علاوہ ازیں ساتویں دلیل میں باحوالہ دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک وہ ہے جس میں ''ابن اسحاق'' ہے اور دوسری مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱ کے حوالہ سے یہ روایت: ''ثم لئن قام علی قبری فقال یامحمد لا جبتہ ''(رواہ ابی یعلی ورجالہ رجال الصحیح) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر البتہ اگر عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پہ کھڑا ہو کر مجھے پکار کر کہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو میں ضرور ان کا جواب دوں گا اور اسی روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں جن میں ''محمد بن اسحاق'' نہیں تو معترض کا دیانتاً یہ اخلاقی اور علمی فریضہ تھا کہ وہ اس صحیح روایت کا بھی حوالہ دیتے جس سے اہل علم یہ سمجھتے ہیں کہ استدلال کا مدار ''محمد بن اسحاق'' کی روایت پر نہیں بلکہ وہ صرف شاہد و تائید ہے، دونوں حدیثیں مل کر ساتویں دلیل بنتی ہے۔ البتہ یہ غلطی ضرور ہوئی ہے کہ اگر دوسری روایت کو پہلے نقل کر دیا جاتا اور ''ابن اسحاق'' کی روایت کو بعد نقل کر دیا جاتا تو شاید کسی مجذوب کو اعتراض کی جرأت نہ ہوتی۔ اب ان شاء اللہ العزیز! طبع جدید میں اس کی بھی اصلاح کر دی جائے گی۔'' (المسلک المنصور ص ۹۵، ۹۶)

قارئین کرام! امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے واضح کر دیا اور نہایت کھری کھری باتیں سنائیں کہ ساتویں دلیل دو روایتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک میں اگرچہ ''محمد بن اسحاق'' ہے لیکن دوسری میں نہیں لیکن پہلی ایڈیشن میں یہ غلطی ہوئی ہے کہ دلیل کو بعد میں۔ جب کہ شاہد کو پہلے ذکر کیا گیا ہے جس کی آئندہ طباعت میں تصحیح کا وعدہ بھی کیا جو بعد میں پورا کیا گیا۔ اب اقرار غلطی اور اصلاح غلطی کے بعد بھی علامہ صاحب کا اس کو دھوکہ قرار دینا غلط فہمی ہے۔

علامہ صاحب کا فریضہ

علامہ خان بادشاہ صاحب کا علمی و اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ اب واضح طور پر اعلان کرے کہ یہ دھوکہ نہیں تھا بلکہ ایک غلطی تھی جس کو تسلیم کر کے طبع دوم میں اصلاح کر دی گئی اور یہ اعتراض آئندہ ایڈیشنوں سے نکال دیں۔

دوسرا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب ایک عنوان ''مولوی سرفراز کی جرأت اور صحیح بخاری پر افتراء'' قائم کر کے لکھتے ہیں: ''مولوی سرفراز خان صفدر نے عوام کو بھی دھوکہ دیا اور علماء کو بھی دھوکہ دیا۔ چنانچہ (تسکین الصدور طبع اوّل) میں ساتویں دلیل جو پیش کی تھی اس کے لئے مسند ابی یعلی (بحوالہ مجمع الزوائد) سے ایک شاہد پیش کیا تھا۔ چونکہ اس کی ذکر کردہ دلیل میں ایک راوی ''محمد بن اسحاق'' جو کذاب اور دجال تھا تو مولوی سرفراز نے طبع دوم میں ایک اور کرتب دکھایا کہ شاہد کو دلیل اور دلیل کو شاہد بنایا اور دلیل پیش کرتے ہوئے اس نے صحیح بخاری پر افتراء کیا۔ چنانچہ وہ ساتویں دلیل یوں پیش کرتے ہیں...... انتہی!'' (البرہان الجلی ص ۳۱، ۳۲)

اس کے بعد علامہ صاحب نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ''تسکین الصدور ۳۳۹'' سے لکھ کر تبصرہ کیا ہے:

''میں راقم الحروف نام نہاد جمعیت علماء اسلام سے کہتا ہوں کہ آپ کو اللہ عزوجل کی قسم اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کرتے ہوئے بخاری شریف کا ص ۴۹۰ ج ۱ نکالیں اور اس میں مولوی سرفراز کا ذکر کردہ عبارت (ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد . . .) موجود ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت بخاری شریف میں نہیں۔ کیا ایسا کذاب اور مفتری اہل السنۃ والجماعۃ اور دیوبندی ہو سکتا ہے، بالکل نہیں ہو سکتا ہے۔''

(التنقید الجوہری ص ۱۱، ۱۲، ۱۳، البرہان الجلی ص ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، التحفۃ الصحیحۃ ص ۳۳۹)

اس کے بعد علامہ صاحب نے ''التنقید الجوھری ص ۱۲، البرھان الجلی ص ۳۵'' پر ایک جدول قائم کیا ہے جس میں ایک طرف صحیح بخاری شریف والی روایت اور دوسری طرف امام اہل السنۃ رحمہ اللہ والی نقل کردہ روایت نقل کی ہے۔ چنانچہ ہم انہیں کے الفاظ میں وہ جدول نقل کرتے ہیں اور پھر بعد میں تبصرہ کریں گے ملاحظہ ہو۔

علامہ خان بادشاہ کا پیش کردہ تقابلی جدول

صحیح بخاری شریف کی روایت	مولوی سرفراز کی نقل کردہ روایت
حدثنا اسحاق اخبرنا یعقوب بن ابراھیم حدثنا ابی عن صالح عن ابن شھاب ان سعید ابن المسیب سمع ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیراً من الدنیا ومافیھا'' (بخاری ۴۹۰ ج ۱)	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سمعت رسول اللہ یقول والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسی بن مریم اماماً مقسطاً وحکما عدلا فلیکسرن الصلیب ویقتلن الخنزیر ولیصلحن ذات البین ولیذھبن الشحناء ولیعرضن المال فلا یقبلہ احد ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ قلت ھو فی الصحیح (بحاری ۴۹۰ ج ۱) باختصار رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ۲۱۱ صج ۸) (التنقید الجوہری ص ۱۲، البرہان الجلی ص ۳۵)

علامہ صاحب کا اس پر تبصرہ گزر چکا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف پر افتراء کیا۔ کیونکہ ''(ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد . . .) کے الفاظ بخاری شریف میں نہیں ہیں اور پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو مفتری اور کذاب کہہ کر اہل سنت والجماعت اور دیوبندیت سے نکالنے کی سعی نامشکور کی ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے؟ کیونکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری شریف کے حوالہ سے ذکر ہی نہیں کی تو پھر افتراء کیسے؟ البتہ علامہ صاحب کو جہاں سے غلط فہمی لاحق ہوئی ہے اس کو بھی ملاحظہ کریں۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت ذکر کی ہے، اس کا آخری حصہ یوں ہے: ''ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ قلت ھو فی الصحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰'' باختصار، رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح'' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱) اس روایت کو نقل کر کے امام بخاری کا حوالہ خود علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے نہ کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے، روایت کے آخر میں ''قلت ھو فی الصحیح باختصار'' میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اختصار کے ساتھ بخاری شریف میں بھی ہے) کے الفاظ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں نہ کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے۔ شاید یہاں پر علامہ صاحب کو ''قلت'' کے لفظ سے دھوکہ لگا ہے کہ اس کا قائل کہیں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ حالانکہ اس کے قائل علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ البتہ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا تھا امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے بریکٹ میں صرف بخاری شریف کا جلد اور صفحہ نمبر دیا۔ اب بخاری کا حوالہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگانا علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔

تیسرا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب ایک عنوان ''عجوبہ'' قائم کر کے لکھتے ہیں کہ: ''مولوی سرفراز تسکین الصدور میں آگے لکھتے ہیں کہ واضح بات ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اس کی حدیث صحیح اور حجت نہ ہو۔'' (التنقید الجوہری ص ۱۳، البرہان الجلی ص ۳۶)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ صاحب مزید لکھتے ہیں: ''میں راقم الحروف اس پر تعجب کرتا ہوں کہ مولوی سرفراز اس حدیث کو ان الفاظ (ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ . . .) کے ساتھ ذکر کر کے لکھتا ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اس کی حدیث حجت نہ ہو اس تفصیل سے اس کا مقصد خواص اور عوام کو دھوکہ دینا ہے کہ اس حدیث کو میں نے بطور استدلال اس لئے پیش کیا کہ بخاری کی حدیث ان الفاظ سے صحیح ہی ہے۔ لہٰذا سرفراز کا دعویٰ صحیح حدیث سے ثابت ہوا میں کہتا ہوں کہ اگر بخاری شریف کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس میں کوئی راوی ضعیف نہیں جس کی حدیث حجت نہ ہو تو آپ اللہ تعالیٰ اور روز حساب سے خوف کر کے یہ بتادیں کہ کیا یہ الفاظ (ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ . . .) بخاری میں موجود ہیں؟ اگر موجود نہیں تو آپ آخری عمر میں جھوٹ اور دھوکہ میں کیوں ملوث ہوتے ہیں۔'' (ایضاً)

علامہ صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''تمام جمعیت کو کراچی سے لے کر پاڑا چنار تک چیلنج دیا جاتا ہے کہ مذکورہ الفاظ یعنی (ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ . . .) بخاری میں دکھائیں اور منہ مانگا انعام حاصل

کریں۔ ہے کوئی دل گردہ والا جمعیت کا کوئی عالم، مفتی، شیخ الحدیث جو یہ الفاظ (ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنہ . . .) بخاری میں دکھا کر منہ مانگا انعام حاصل کر سکے؟ ہرگز نہیں کیونکہ یہ مولوی سرفراز کا جھوٹ اور افتراء ہے بخاری شریف پر۔'' (التقید الجوہری ص ۱۱، البرہان الجلی ص ۳۳)

جواب: قارئین کرام! یہاں پر علامہ صاحب جیسی شخصیت پر بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی عبارات میں صحیح غور نہ کرنے کی وجہ سے بڑی غلط فہمی میں واقع ہو جاتے ہیں۔ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کیا لکھتے ہے؟ اور علامہ صاحب کراچی سے پاڑا چنار تک چیلنج کس چیز پر دے رہے ہیں۔ علامہ صاحب کی غلط فہمی ملاحظہ کریں امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کے ''مجمع الزوائد'' کے حوالے سے نقل کی ہے اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''ورجالہ رجال الصحیح'' کہ اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، جب علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے واضح کر دیا کہ اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں تو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ناقدین کا منہ بند کرتے ہوئے تبصرہ کیا کہ: ''واضح بات ہے صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اس کی حدیث صحیح اور حجت نہ ہو۔'' (تسکین الصدور ص ۳۴۰)

اگر علامہ صاحب اس عبارت پر خواہ مخواہ گرفت کرنا چاہتے ہیں تو یہ بات ثابت کرنے کی ہمت فرمائیں اور صحیح بخاری میں ایسا راوی پیش فرمائیں جو ضعیف ہو کر اس کی حدیث صحیح اور حجت نہ ہو، لیکن افسوس کہ علامہ صاحب اس سیدھی سی بات کو نہ سمجھ سکے اور غلط فہمی سے امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی عبارت سے غلط نتیجہ نکال کر ایک غیر متعلقہ بات پر چیلنج کر دیا۔ علامہ صاحب نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ مولوی سرفراز عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ الفاظ (ثم لئن قام . . .) بخاری شریف کی روایت میں موجود ہیں اور پھر اس کو بنیاد بنا کر کراچی سے پاڑا چنار تک چیلنج کیا علامہ صاحب کی یہ بات اور چیلنج اس وقت درست ہوتی اگر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ یہ ارشاد فرماتے کہ اس الفاظ کے ساتھ یہ روایت بخاری شریف میں ہے۔ حالانکہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی عبارت میں اس طرف اشارہ تک موجود نہیں۔ جب امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی بات الگ اور علامہ صاحب کا اعتراض الگ تو علامہ صاحب کی چیلنج بازی غلط فہمی پر مبنی ہے اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ الحمد للہ! امام اہل السنۃ رحمہ اللہ بخاری شریف پر افتراء اور آخر عمر میں جھوٹ بولنے سے بالکل بری ہیں اور علامہ ہیثمی رحمہ اللہ بھی اپنا فریضہ ادا کر گئے ہیں۔ علامہ صاحب نے جدول قائم کر کے حدیث بخاری اور امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی پیش کردہ روایت کا جو تقابلی جائزہ پیش کیا ہے، اس میں علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی اپنا فریضہ ادا کرتے ہوئے کہا: ''قلت ھو فی الصحیح باختصار'' کہ یہ روایت بخاری میں موجود ہے لیکن اختصار کے ساتھ جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ روایت بخاری میں موجود ہے۔ لیکن ''ثم لئن قام۔۔۔'' کے الفاظ بخاری میں نہیں ہے۔ لیکن علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ الفاظ اگر بخاری شریف میں نہ ہو تو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ''ورجالہ رجال الصحیح'' اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ لہٰذا روایت کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

چوتھا اعتراض اور اس کا جائزہ

علامہ خان بادشاہ صاحب لکھتے ہیں: ''حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ اس روایت میں ''محمد بن اسحاق'' ہے

اور اس کو اس نے (احسن الکلام ج ۲ ص ۷۰، ۷۵) میں کذاب دجال تک لکھا ہے اور اسی وجہ سے حدیث کی سند ذکر نہیں کی۔" (التحفۃ الصحیحۃ ص ۳۳۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: "اور پھر مولوی سرفراز نے جو دھوکہ دیا ہے کہ اس نے اس حدیث کی سند ذکر نہیں کی ہے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کی سند میں "محمد بن اسحاق" راوی ہیں جس کو خود سرفراز نے (احسن الکلام ج ۲ ص ۹۲، ۱۱۴، ۱۱۶) میں اہل حدیث کے مقابلہ میں کذاب دجال تک لکھا ہے۔ کیا اس خیانت اور دھوکے کا جواب جمعیت علماء اسلام کا کوئی عالم، مفتی، شیخ الحدیث دے سکتا ہے۔" (التنقید الجوہری ص ۲)

یہی "ابن اسحاق" والا اعتراض علامہ صاحب نے التنقید الجوهری ص ۱۰، ۱۹، ۶۰، قلائد العقیان ص ۲۰۵، البرهان الجلی ص ۲۰، المسامیر ص ۲۲۹، التحفة العجیبه میں بھی بار بار دہرایا ہے۔

جواب: اگر بات واقعی یہ ہوتی جیسا کہ علامہ صاحب نے ذکر کی ہے تو پھر علامہ صاحب کی بات بالکل بجا تھی لیکن یہاں پر بھی علامہ صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ساتویں دلیل میں دو روایتیں ذکر کی ہیں اور دونوں کا مجموعہ ساتویں دلیل ہے، جس کی ایک روایت کی سند میں تو "محمد بن اسحاق" ہے جب کہ دوسری سند میں نہیں اور ہماری دلیل بھی یہی سند ہے "محمد بن اسحاق" والی روایت شاہد کے طور پر پیش کی گئی ہے جس کی وضاحت امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے المسلک المنصور میں کر دی کہ "تسکین الصدور طبع اوّل" میں یہ غلطی ضرور ہوئی ہے کہ "ابن اسحاق" والی روایت جو شاہد تھی پہلی ذکر کی گئی اور دوسری روایت جو کہ دلیل تھی بعد میں ذکر کی گئی ہے اور طبع دوم میں اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اب علامہ صاحب اتنے بڑے غلط فہمی میں مبتلاء ہوئے ہیں کہ ہر جگہ صرف "ابن اسحاق" کی روایت کا تذکرہ کرتے ہیں اور دوسری دلیل سے قصداً صرف نظر فرماتے ہیں۔

ساتویں دلیل کی سند پر اعتراضات کا جائزہ

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ساتویں دلیل "مجمع الزوائد" کے حوالے سے بغیر سند کے نقل کی ہے۔ علامہ صاحب نے اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ چونکہ اس میں "محمد بن اسحاق" تھا اس لئے سند ذکر نہیں کی۔ حالانکہ علامہ صاحب اگر امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں غور کرتے تو پھر اس اعتراض کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کیونکہ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں: "رواه ابو یعلی ورجاله رجال الصحیح" تو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر اکتفاء کر کے تبصرہ کیا کہ: "صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اس کی حدیث صحیح اور حجت نہ ہو۔" (تسکین الصدور ص ۳۴۰)

اگر اس کی سند میں کوئی خامی تھی تو علامہ صاحب کا فرض بنتا کہ اس کی نشاندہی فرماتے یا پھر تسلیم کریں کہ: "مسند ابی یعلی" کی سند صحیح اور سند پر اعتراض بے جا ہے۔

ساتویں روایت کی سند

علامہ خان بادشاہ صاحب نے بار بار یہ اعتراض دہرایا ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ساتویں دلیل کی سند کیوں ذکر نہیں کی جس سے قارئین کے ذہن میں تشویش پیدا ہو سکتی ہے، اس تشویش کو ختم کرنے کے لئے ہم نے "مسند ابی یعلی" کی سند ذکر کی اور اس کے رواۃ کا مختصر تعارف بھی پیش خدمت ہے۔

امام ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "قال حدثنا احمد بن عیسی حدثنا بن وھب عن ابی صخر قال ان سعید المقبری اخبرہ انہ سمع اباھریرۃ...... الحدیث" (مسند ابی یعلی)

قارئین! یہ ہے ساتویں دلیل کی سند، خدارا بتائیے اس میں "ابن اسحاق" کہاں ہے؟ جس کے متعلق علامہ صاحب نے یہی ایک رٹ لگا رکھی ہے کہ اس میں "محمد بن اسحاق" ہے۔ اب اس حدیث کے رواۃ کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔

۱...... احمد بن عیسیٰ المصری: امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وھو موثق" (میزان الاعتدال ج۱ ص۱۲۵، ط بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں: "قال الخطیب، ما رایت لمن تکلم فیہ حجۃ توجب ترک الاحتجاج بحدیثہ، قلت احتج بہ ارباب الصحاح، ولم ارلہ حدیثا منکرا فأوردہ" کہ خطیب فرماتے ہیں جو لوگ "احمد بن عیسیٰ" پر کلام کرتے ہیں تو اُن کے پاس میں نے ایسی کوئی دلیل نہیں دیکھی جو ان کی حدیث سے ترک احتجاج کو واجب کرتی ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ان سے صحاح والوں نے احتجاج کیا ہے اور میں نے اُس کی ایسی منکر حدیث نہیں دیکھی جو اس نے ذکر کی ہو۔ (میزان الاعتدال ج۱ ص۱۲۶)

اور تقریباً یہی بات مندرجہ ذیل کتب میں بھی موجود ہے۔

(تقریب التھذیب مع التحریر ص۴۸، تھذیب التھذیب ج۱ ص۴۵، تھذیب الکمال ج۱ ص۱۴۹، سیر اعلام النبلاء)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: "احمد بن عیسی التستری مصری، ثقۃ، حجۃ، احتج بہ الشیخان، وما علمت فیہ وھنا، فلا یلتفت الی قول یحیٰ بن معین فیہ کذاب، وکذاغمزہ ابوزرعۃ" کہ یہ راوی ثقہ اور حجت ہے شیخین نے اس سے احتجاج کیا ہے اور مجھے اس میں کوئی ضعف معلوم نہیں۔ لہٰذا یحییٰ بن معین کے قول کذاب کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ (الرواۃ المتکلم فیھم بما لا یوجب ردھم ص۵۳۔ ط دار البصائر)

ایک اہم اُصول

علامہ ظفر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر تعدیل کرنے والا کہے: "تکلم فیہ بعض بلا حجۃ، ونحو ذلک یقدم التعدیل ایضا" کہ بعض نے اس پر بلا دلیل کلام کیا ہے یا اس کے مثل تو تعدیل مقدم ہوگی۔ اب مذکورہ راوی صحیح کا راوی ہے لیکن اس کے باوجود جس نے بھی کلام کیا ہے تو بلا دلیل کیا ہے۔ لہٰذا بلا شک وشبہ یہ راوی ثقہ ہے۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص۱۷۵)

۲...... ابن وھب: یہ راوی "عبداللہ بن وھب بن مسلم القرشی الفھری" ہے۔ حافظ بن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الفقیہ، ثقۃ، حافظ، عابد" (تقریب التھذیب مع التحریر ص۷۴۳)

امام ابن معین فرماتے ہیں: "ثقۃ" (الجرح والتعدیل ج۵ ص۲۳۴)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الامام، شیخ الاسلام، دوسری جگہ لکھتے ہیں: "احد الاثبات، وائمۃ الأعلام، وصاحب التصانیف" (میزان الاعتدال ج۲ ص۵۲۱، تھذیب الکمال ج۵ ص۲۹۱)

۳...... ابو صخر: یہ راوی "حمید بن زیاد، وھو ابن المخارق المدنی" ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صدوق یھم'' (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۲۰۸)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''وھو مدنی، صالح الحدیث، وقال الدار قطنی ''ثقة'' وذکرہ ابن حبان فی الثقات'' (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۷)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال احمد ''لیس بہ باس'' وقال بن معین ''ضعیف'' وفی روایۃ ''لیس بہ باس'' وقال ابن عدی ھو عندی صالح الحدیث'' (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۱۲)

اور ایک روایت کے مطابق ''یحیٰ بن معین'' سے حمید بن زیاد کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا ''ثقة'' اس راوی پر یہ بحث اور امام بن معین کے اقوال ثلاثہ کی وضاحت ''ما من احد یسلم علی۔ ۔ ۔ الحدیث'' کی ذیل میں گزر گئی۔

۴...... سعید المقبری: سعید بن ابی کیسان المقبری:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ثقة تغیر قبل موتہ باربع سنین'' (تقریب التہذیب مع التحریر ص ۲۹۰)

نیز ان حضرات نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے علی بن مدینی، محمد بن سعد، احمد بن عبداللہ العجلی، امام ابوزرعہ، امام نسائی، امام عبدالرحمن بن یوسف بن حراش۔ (تہذیب الکمال للمزی ج ۶ ص ۱۵۰، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۸)

مسند ابی یعلی کی روایت پر ممکنہ طور پر بظاہر دو اعتراض ہو سکتے ہیں۔ اس کے جوابات ملاحظہ کریں:

پہلا اعتراض: اس روایت میں ایک راوی ''عبداللہ بن وہب'' ہے اور وہ مدلس ہے اور روایت بھی ''عن'' سے کرتے ہیں اور مدلس کا عنعنہ قبول نہیں۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''عبداللہ بن وہب'' کو طبقہ اولیٰ کے مدلسین میں شمار کیا ہے اور طبقہ اولیٰ کے مدلسین کی تدلیس مضر نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس روایت کے دوسرے راوی ''سعید المقبری رحمۃ اللہ علیہ'' کے متعلق بعض ائمہ رجال نے ذکر کیا ہے کہ موت سے چار سال قبل اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور مختلط راوی کے بارے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ان سے کی گئی روایت اختلاط سے قبل ہے تب تک اس کی روایت سے استدلال صحیح نہیں۔

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ائمہ رجال نے ''سعید مقبری'' کے متعلق یہی لکھا ہے کہ موت سے چار سال قبل ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا اور اختلاط کا شکار ہو گئے تھے لیکن اوّل تو فی نفسہ اختلاط اور حافظہ کی خرابی والی بات ہی محل نظر ہے۔ چنانچہ محققین تقریب التہذیب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قولہ: ''تغیر قبل موتہ باربع سنین'' ھی روایۃ الواقدی وھو متروک وعنہ اخذھا الناس ''قال الذھبی رحمۃ اللہ علیہ شاخ ووقع فی الھرم ولم یختلط، وقال الذھبی رحمۃ اللہ علیہ فی موضع آخر: ما احسب ان احدا اخذ عنہ فی الاختلاط، وقد احتج بہ الائمۃ الستۃ'' (تحریر تقریب التہذیب ص ۲۹۰ رقم ۲۳۲۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ: ''سعید مقبری رحمۃ اللہ علیہ'' موت سے چار سال قبل اختلاط کا شکار ہو گئے تھے یہ واقدی کی روایت ہے اور واقدی متروک ہے بعد میں لوگوں نے انہی سے روایت لی ہے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادہ عمر کی وجہ سے بوڑھے ہو گئے تھے اور اختلاط کا شکار نہ تھے اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ میرا خیال نہیں کہ ان سے کسی نے اختلاط میں اخذ کی ہو اور ائمہ ستہ نے ان سے احتجاج کی ہے۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاط والا قول واقدی کذاب سے منقول ہے۔ لہٰذا یہ قول ہی محل نظر ہے کیونکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور کہا کہ: ''ولم یختلط''

دوسری بات اگر ان کا مختلط ہونا تسلیم کیا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ان سے اختلاط میں کسی سے روایت ثابت نہیں علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قلت ما احسب ان احدا اخذ عنه فی الاختلاط'' میرا خیال نہیں کہ ان سے کسی نے زمانہ اختلاط میں اخذ کی ہو۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۴۰)

یہ ہے وہ ساتویں دلیل جس کو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے اور یہی اس کے راوی ہیں جو بلاشبہ ثقہ ہیں جس میں ''محمد بن اسحاق'' کا نام ونشان بھی نہیں جس کا علامہ صاحب نے رٹ لگا رکھی ہے اور قارئین! بنظر انصاف ملاحظہ کریں کہ کیا یہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا دھوکہ تھا یا علامہ صاحب کی غلط فہمی؟

یہ روایت ایک اور صحیح سند کے ساتھ بھی منقول ہے جس میں ''سعید مقبری'' رحمۃ اللہ علیہ ''سے ''ابوصخر'' کی جگہ ''محمد بن زید بن المہاجر'' اور ''محمد بن زید'' سے ''عبدالعزیز بن محمد بن عبید الدراوردی'' بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا ''ابن وہب'' اور ابوصخر کی قوی متابعت موجود ہے۔ ملاحظہ کریں:

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قال محمد بن یحیی بن ابی عمر ثنا الدراوردیٰ عن محمد بن زید بن المهاجر عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال ان عیسی علیہ السلام مار بالمدینة حاجا او معتمرا ولئن سلم علیٰ لاردن علیه'' یقیناً عیسیٰ علیہ السلام عمرہ یا حج کرنے کے لئے مدینہ سے گزریں گے اگر وہ مجھ پر (میری قبر کے پاس) کھڑے ہو کر سلام کریں گے تو میں ضرور بالضرور ان کا جواب دوں گا۔

(اتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة ج ۷ ص ۷۳ باب فی فضله صلی اللہ علیہ وسلم حیا ومیتا)

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اسناد رواته ثقات'' (ایضاً)

لیکن پھر بھی رواتِ حدیث کا مختصر ترجمہ ملاحظہ کریں:

۱...... <u>امام محمد بن یحییٰ ابن ابی عمر العدنی رحمۃ اللہ علیہ:</u> صحیح مسلم کے راوی ہیں اور ''مسند العدنی'' کے مصنف ہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صدوق کہتے ہیں لیکن ڈاکٹر بشار عواد اور شیخ شعیب الارنؤط اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بل ثقة وثقه ابن معین، والدار قطنی، وذکره ابن حبان فی الثقات واحتج به مسلم فی الصحیح''

(تحریر تقریب التهذیب، تحت الرقم ۶۳۹۱)

۲...... <u>عبدالعزیز بن محمد بن عبید الدراوردی:</u> حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کو ''صدوق'' کہتے ہیں لیکن محققین تقریب کہتے ہیں: ''بل ثقة'' (ایضاً تحت الرقم ۴۱۱۹)

۳...... <u>محمد بن زید بن المہاجر:</u> حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''ثقة'' بتاتے ہیں۔ (ایضاً تحت الرقم ۵۸۹۴)

سعید مقبری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی مسند ابویعلیٰ والی روایت بھی صحیح ہے اور اس کا قوی متابع اور شاہد بھی موجود ہے۔

تیسرا باب ...... ''عبارات تسکین الصدور'' پر اعتراضات کا جائزہ

پہلی عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''اعلم انہ قال: ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم، مع الابدان مثل الحیوۃ الدنیا و قد ثبت لھم الحیوۃ الدنیویۃ الجسمانیۃ'' جان لو بے شک انہوں نے کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے قبور میں حیاۃ دنیوی کی طرح زندہ ہیں اور تحقیق سے ان کے لئے حیات دنیوی جسمانی ثابت ہے۔ (الصواعق المرسلۃ ص ۱۵۱)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ھذا الاثبات لا من القران، ولا من الاحادیث الصحیحۃ، ولا من اقوال الصحابۃ، ولا من الائمۃ المجتھدین، و ما سواھا فلیس بحجۃ فتدبر'' کہ یہ بات نہ قرآن سے ثابت اور نہ احادیث صحیحہ سے اور نہ اقوال صحابہ سے اور نہ ائمہ مجتہدین سے اور جو اس کے سواء ہیں تو وہ حجت نہیں۔ (حاشیۃ الصوعق المرسلۃ ص ۱۵۱)

علامہ صاحب کو دنیوی کے لفظ سے دھوکہ لگا ہے اور اس لفظ کی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کئی مرتبہ وضاحت کر چکے ہیں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''تسکین الصدور میں ہی بقدر ضرورت اس کی بحث موجود ہے کہ جو حضرات اس حیات کو جسمانی اور دنیوی کہتے ہیں، ان کی مراد یہ ہے کہ روح مبارک کا اسی جسم اطہر سے تعلق ہوتا ہے جو دنیا میں تھا۔'' (تسکین الصدور ص ۲۶۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''اور پہلے گزر چکا ہے کہ حیات دنیوی کا یہ مطلب ہے کہ روح مبارک کا تعلق دنیوی بدن سے ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے حیات ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۳۱۴)

تیسری جگہ فرماتے ہیں: ''نواب صاحب ''دنیا کی سی'' کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے۔ مثلاً ادراک، علم اور شعور وغیرہ'' (ایضاً ص ۳۵۰)

باقی حیات جسمانی قرآن، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ میں کوئی ایک بھی حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر نہیں، تو عجیب بات نہیں کہ عقیدہ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ کا ہو اور قرآن وحدیث اور ائمہ مجتہدین کے خلاف ہو، کیا اس کی کوئی مثال ملتی ہے؟ باقی حیات جسمانی پر دلائل تسکین الصدور میں موجود ہیں جن پر اعتراضات کے جوابات گزر چکے ہیں۔

دوسری عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''ویقول فی مقام: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیٌ بالحیوۃ البرزخیۃ دائما، و لا یلزم منہ الشرک کما فھم قلیل الفھم من الناس'' اور ایک مقام پر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حیات برزخی کے ساتھ زندہ ہیں اور یہ برزخی حیات دائمی اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ لہٰذا ایسی حیات کے تسلیم کرنے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ بعض کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ (الصواعق المرسلۃ ص ۱۵۱)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کانہ یقول ان جماعۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ

تنکر عن الحیوۃ البرزخیۃ سبحان اللہ ھذا بھتان عظیم'' گویا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ حیات برزخیہ سے انکار کرتی ہے۔ سبحان اللہ! یہ بہت بڑی بہتان ہے۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۱)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بالکل واضح ہے جس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو حیات برزخی دائمی طور پر حاصل ہے اور اس سے کسی طرح شرک لازم نہیں آتا۔

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ دراصل ان لوگوں پر رد کر رہے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی حیات کو شرک وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور جو مطلب علامہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے اخذ کیا ہے کہ: ''جماعت اشاعت التوحید والسنۃ حیات برزخیہ کا منکر ہے۔'' تو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں اس کا نام ونشان نہیں۔ ہاں! اگر اشاعت التوحید والسنۃ اس کو شرک قرار دے رہی ہے تو پھر واقعی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مقصد ہے لیکن پھر تو یہ بہتان نہیں ہوگا۔

تیسری عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال ھم احیاء عند ربھم کالشھداء'' (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۱)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ھذا مستدلنا لا مستدلہ تدرب'' کہ یہ ہمارا مستدل ہے نہ کہ ان کا۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۱)

علامہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت تسکین الصدور ص ۱۱۹ بحوالہ حیاۃ الانبیاء ۱۴ ووفاء الوفاء ۲ ص ۴۰۶، وزرقانی شرح المواہب ۵ ص ۳۳۲ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

قارئین کرام! یہی مذکورہ عبارت تسکین الصدور کے موجودہ ایڈیشنوں میں ص ۲۳۱ پر ہے یہ صفحہ نکال کر مذکورہ عبارت ملاحظہ کریں کہ علامہ صاحب کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ یہ ہے لکھتے ہیں: ''حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ان اللہ جل ثنائہ رد الی الانبیاء اروا حھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء الخ (حیات الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ۲ ص ۴۰۶، زرقانی شرح مواھب ج ۵ ص ۳۳۲) بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح ان کی طرف لوٹا دیئے ہیں، سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔ (تسکین الصدور ص ۲۳۱)

علامہ صاحب سے کوئی پوچھے کہ کیا یہ آپ کا مستدل ہے؟ اگر ہے تو سارا جھگڑا ہی ختم۔

چوتھی عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم'' اور کہتے ہیں قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۲)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وانظر التلبیس فی کل مقام، یذکر لفظ القبر فبعدہ لفظ البرزخ، او لفظ عند ربھم مذکور لکن مع ھذا انہ لا یخاف من یوم النشور'' ہر جگہ تلبیس کو دیکھو کہ لفظ قبر ذکر کرتے ہیں اور اس کے بعد لفظ برزخ اور یا لفظ عند ربھم مذکور ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی قیامت سے

نہیں ڈرتے۔ (الصواعق المرسلہ حاشیہ ص ۱۵۲)

علامہ صاحب نے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو تلبیس کا طعنہ دیا ہے، لیکن افسوس کہ خود مذکورہ عبارت میں جو تلبیس کی ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ عبارت ''شرح شفاء'' کے حوالے سے نقل کی ہے، جس کا حوالہ خود علامہ صاحب نے بھی حاشیہ میں دیا ہے۔ علامہ صاحب نے اس پوری عبارت سے صرف ایک جملہ ذکر کیا ہے اور دھوکہ دے کر اس عبارت میں قطع و برید کر کے اپنی تائید میں پیش کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔ چنانچہ پوری عبارت یوں ہے، امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں: المعتقد المعتمد انه ﷺ حی فی قبره کسائر الانبیاء فی قبورهم، وهم احیاء عند ربهم و ان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی، فهم بحسب القلب عرشیون و باعتبار القالب فرشیون شرح شفاء ج ۲ ص ۱۴۲ طبع مصر قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہیں، جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔ اس کی تشریح میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت سے لکھا ہے کہ اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السلام کو قابل اعتماد عقیدہ قرار دیا ہے اور یہ بھی تصریح کردی ہے کہ ان کے ارواح طیبہ کا تعلق جنت ملاء اعلی رفیق اعلی اور علیین سے بھی قائم رہتا ہے اور عالم سفلی یعنی قبر میں ان کے اجسام مبارکہ سے بھی جس طرح دنیا میں تھا کہ وہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے لحاظ سے فرشی تھے'' (تسکین الصدور ص ۲۳۰، ۲۳۱)

اب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کی جو اپنی مطلب میں بالکل واضح تھی اور ساتھ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح بھی کر دی لیکن یہ پوری عبارت علامہ صاحب کے نظرئے کو بنیاد سے اکھیڑ نے اور منہدم کرنے والی تھی۔ اس وجہ سے علامہ صاحب نے اس کو نظر انداز کر دیا اور پھر الٹا تلبیس کے طعنے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کو دینے لگے۔ مزید یہ کہ مذکورہ عبارت میں علامہ صاحب نے انتہائی خیانت کی ہے کہ آدھی ذکر کی اور آدھی ہضم کر گئے اور ڈھکار بھی نہیں لی اور آخرت میں اس قادر مطلق کے سامنے پیشی کو بھول گئے۔

باقی رہے مذکورہ عبارت میں احیاء عند ربھم کے الفاظ تو ان کے ساتھ یہ وضاحت بھی ہے: وان لا رواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی... تو کیا علامہ صاحب اس کو مانتے ہیں؟ اور مزید یہ کہ علامہ صاحب ہی وضاحت کریں کہ وہ کون سی تلبیس ہے جو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بس یہ ایک الزام ہی ہے جو علامہ صاحب نے لگایا ہے۔

پانچویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال ان حیاۃ الانبیاء علیہم السلام وان کان دنیویا، لکن لیست مع هذا الحیوة الدنیویة جمیع اللوازمات الدنیویة مثل الاکل والشرب وسواهما، لکن الادراک والشعور والعلم ثابت لهم'' (۱) اور کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات اگرچہ دنیوی ہے، لیکن اس حیات دنیویہ کے لئے جمیع لوازمات دنیویہ مثل اکل شرب لازم نہیں، لیکن ادراک، شعور اور علم ان کے لئے ثابت ہے۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۲)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وھو مناف لما سیاتی فی ٦ بان المراد من الرزق المعروف، و ککک خلاف لما ھو المنقول، ان الشیء اذا ثبت، ثبت بجمیع لوازمه'' اور یہ بات اس کے منافی ہے جو چھٹی نمبر پر آ رہی ہے کہ رزق سے مراد معروف ہے اور اسی طرح اس قاعدے کے بھی خلاف ہے کہ شئے اپنے جمیع لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۲)

علامہ صاحب نے یہاں پر دو اعتراض کئے ہیں ایک یہ کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں رزق دنیوی کی نفی کی ہے اور دوسری جگہ یرزقون سے رزق معروف مراد لی ہے۔ لہٰذا یہ بات اس کے منافی ہوئی۔ حالانکہ یہ علامہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔ اگر علامہ صاحب تھوڑا سا غور و فکر سے کام لیتے تو شاید غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو رزق دیا جاتا ہے اس کی وضاحت خود امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں موجود ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوارک کے محتاج ہوتے ہیں۔ قبر میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی حاجت نہیں، بلکہ وہ اس سے مستغنی ہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۲۳۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''مثلاً کھانے اور پینے کی جس طرح حاجت دنیا میں ہوتی ہے اس طرح قبر میں نہیں ہوتی۔'' (ایضاً ص ۲۳۳)

تیسری جگہ لکھتے ہیں: ''نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ دنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو۔'' (ایضاً ص ۲۵)

یہ ہے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ وہ بار بار یہ عرض کر رہے ہیں کہ ان کو اس طرح کھانے پینے کی حاجت نہیں جس طرح دنیا میں ہوتی ہے اور جہاں پر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر کے حوالے سے یہ بات کی ہے تو علامہ صاحب تسکین الصدور کو ایک صفحہ پیچھے پلٹ کر دیکھ لیں تو وہاں ایک واضح عنوان ملے گا۔ ''غیر مقلدین حضرات'' اور اس عنوان کے تحت یہی مذکورہ عبارت ملے گی اور پھر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی بہترین توجیہ بھی ملے گی۔ علامہ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ خدا را خلط مبحث بھی نہ کرے اور حوالہ جات کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے دھوکہ دینے کی کوشش بھی نہ کرے اور دوسرا اعتراض کہ قاعدہ ہے کہ: اذا ثبت الشیء ثبت بجمیع لوازمه اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن علامہ صاحب کا یہاں پر اس قاعدے سے استدلال امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب یہاں پر حیات دنیوی من کل الوجوہ ثابت نہیں تو پھر حیات دنیوی کے کل لوازمات کیسے ثابت کرتے ہیں؟ علامہ صاحب کا اعتراض تب درست ہوتا جب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ حیات دنیوی ''من کل الوجوہ'' مانتے اور حیات دنیوی کے لوازمات کا انکار کرتے۔ تدبر و تفکر!

چھٹی عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال فی تشریح یرزقون، والمراد بالرزق ھھنا ھو الرزق المعروف فی العادات، علی ما ذھب الیه الجمھور'' اور یہ ''یرزقون'' کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اس مقام پر رزق سے وہ رزق مراد ہے جو عادۃً لوگوں کے ہاں معروف رزق ہے، اسی کے جمہور قائل ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۲)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لما کان المراد من الرزق ما ھو المعروف، فکیف نفی الرزق المعروف فیما سبق تدبر'' (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۲)

اور جب رزق سے مراد رزق معروف ہے تو اس نے کس طرح ماسبق میں رزق معروف کی نفی کی غور کر۔

اس بات کا جواب ماقبل میں گزر چکا ہے اور رزق کے بارے میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ بھی گزر چکا ہے اور مذکورہ قول تو امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلدین حضرات کے ایک بڑے موٹے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے اور پھر اس کی وضاحت بھی کی ہے۔ آخر علامہ صاحب سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اور بے جا اعتراضات کرتے ہیں؟

ساتویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال وقد تقرر ان الاموات لا یساوون الاحیاء فی وجہ من الوجوہ، اذا الموت غیر الحیوۃ المعھودۃ، وما ثبت لھم من الحیوۃ فھی برزخیۃ غیر المعھودۃ فی الدنیا، فمن اراد بھا الحیوۃ المعھودۃ فی الدنیا التی تقوم فیھا الروح بالبدن وتدبرہ وتصرفہ، ویحتاج معھا الی الطعام والشراب واللباس فھذا خطأ ظاھر والحس والعقل یکذبہ کما یکذبہ النص'' اور کہتے ہیں بلا شبہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مردے کسی وجہ سے بھی زندوں کے مساوی نہیں ہیں۔ کیونکہ موت معہود حیات کے غیر ہے اور جو زندگی اموات کے لئے ثابت ہے وہ برزخی حیات ہے جو معہود دنیوی زندگی کے غیر ہے، سو جس شخص نے مردوں کی زندگی سے دنیا کی معہود زندگی مراد لی ہے۔ بایں طور کہ روح بدن کا قوام بنے اس کی تدبیر اور اس میں تصرف کرے اور اس کی وجہ سے بدن خوراک پانی کا محتاج ہو تو یہ نظریہ بالکل خطا ہے، نص کی طرح حس وعقل بھی، اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

(الصواعق المرسلہ ص ۱۵۲، ۱۵۳)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر علامہ صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ایھا المولف انت تقول بالتدبر والتصرف، لان الجواب للزائر والصلوۃ والاذان والاقامۃ کلھا من التصرفات، فالنص والحس والعقل یکذبک، تفکر ھھنا اعتراض لکن لا یرد علینا فاین المفر'' اے مولف تم تو تدبیر اور تصرف کے قائل ہو۔ کیونکہ زائر کو جواب دینا نماز پڑھنا اذان اور اقامت یہ تصرفات میں سے ہیں تو نص، حس اور عقل آپ کی تکذیب کرتی ہے فکر کر یہاں پر اعتراضات ہیں لیکن ہم پرواردنہیں ہوتے کہاں بھاگنا ہے۔　(حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

یہاں پر بھی علامہ صاحب نے مذکورہ عبارت میں قطع وبرید کر کے من پسند مطلب نکالنے کے لئے انتہائی خیانت کی ہے۔ اگر علامہ صاحب ذرا سی زحمت اٹھاتے اور ''البیان المبدیٰ'' کے حوالے میں بد دیانتی کا ارادہ نہ کرتے تو علامہ صاحب کو اعتراضات کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ عبارت ''البیان المبدیٰ'' کے حوالے سے نقل کی ہے، جس کا حوالہ خود علامہ صاحب نے بھی دیا ہے اور ''البیان المبدیٰ'' میں مذکورہ عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں: ''وامامن اراد حیوۃ اخری غیر ھذہ الحیوۃ، بل تعاد الروح الیہ اعادۃ غیر الاعادۃ المالوفۃ فی الدنیا، لیسئل ویمتحن فی قبرہ، ویرد السلام علی المسلمین فھذا حق و نفیہ خطاء، وقد دل علیہ النص الصحیح الصریح'' اور اگر اس زندگی کے علاوہ دوسری زندگی مراد لے کہ بدن کی طرف روح لوٹائی جائے، لیکن دنیا کی معہود زندگی کی طرح اعادہ نہ ہو، بلکہ محض اس لئے ہو کہ اس سے قبر میں سوال وامتحان ہو سکے اور وہ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دے سکے تو یہ حق ہے اور اس کی نفی غلط ہے اور اس پر نص صحیح اور صریح دلالت کرتی ہے۔''　(تسکین الصدور ص ۱۹۶)

اب مذکورہ عبارت میں یہ بات وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ عالم برزخ میں اجسام کی طرف روح کا اعادہ برزخی اور سلام کا جواب دینا وغیرہ یہ سب نصوص سے ثابت ہیں اور سب حق ہیں اور اس کی نفی خطاء ہے۔ اسی طرح عالم برزخ وقبر میں نماز پڑھنا نص سے ثابت ہے۔ اب جو چیز نص سے ثابت ہے، علامہ صاحب مذکورہ آدھی عبارت کو ہضم کر کے باقی آدھی کو غلط جامہ پہنا کر تدبر اور تصرف میں داخل کر کے نصوص، عقل اور حس کی مخالف قرار دے کر رد کر رہے ہیں۔ جب کہ تمام اہل السنۃ والجماعۃ میں کسی نے بھی سلام زائر کے جواب کو اور نماز وغیرہ کو اس دلیل سے رد نہیں کیا اور افسوس کہ ''البیان المبدی'' کی آگے کی عبارت میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ وہ علامہ صاحب کو نظر نہیں آئی کہ علامہ صاحب جس چیز کا منکر ہے اس کی نفی اور انکار کو خطا قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے بھی علامہ صاحب صغریٰ اور کبریٰ بنا کر اپنے اوپر یہی فتویٰ لگائیں اور میزان کو برابر رکھیں ناپ تول میں کمی کا شکار نہ ہو۔

آٹھویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال ان النبی ﷺ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ'' کہ نبی کریم علیہ السلام اپنی قبر میں اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لما یسمع الاذان والاقامۃ فای حاجۃ الی الاذان والاقامۃ تفکر'' جب نبی علیہ السلام اذان واقامت سنتے ہیں تو پھر اذان واقامت کی کیا حاجت ہے فکر کر۔

(حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

علامہ صاحب! یہاں پر دو الگ جہانوں کا مسئلہ ہے۔ اوّل تو آپ عالم برزخ کو عالم دنیا پر قیاس کر کے قیاس مع الفارق کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ پہلے اس کے لئے کوئی فقہی جزئیہ تو تلاش کریں اور ثابت کریں کہ ایک جہان یعنی دنیا کی اذان واقامت دوسرے جہان یعنی عالم برزخ کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر ضیاع وقت ہوگا۔ مزید یہ کہ یہاں پر آپ نے ذکر نہیں کیا کہ مذکورہ عبارت امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے کس کی نقل کی ہے اور یہ نظریہ کس کا ہے؟ میرے محترم یہ عبارت محدث العصر علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ذکر کی ہے۔ آپ نے ان حضرات کا نام لئے بغیر سارا نزلہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر کیوں گرایا ہے ان حضرات کا نام لے کر بھی حقیقت واضح کریں۔ مزید تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

نویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال ان حیاتہ ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم'' اور کہتے ہیں: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے، جس پر موت وارد نہیں ہوگی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لا بد لہ من النص القرآن او الحدیث الصحیح، بل لیس لھذا القول دلیل من الادلۃ الاربعۃ، وما سواھا فلیس بحجۃ ومع ھذا انہ یقول بعود الروح الی الجواب، فای حاجۃ الی العود لانہ مستمر'' اس کے لئے نص قرآنی اور حدیث صحیح ضروری ہے، بلکہ اس قول کے لئے ادلہ اربعہ سے کوئی دلیل نہیں اور جو اس کے سواء ہے تو وہ حجت نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اعادہ روح کا بھی قول

کرتے ہیں جواب کے لئے اور جب دائمی طور پر زندہ ہیں تو پھر اعادہ کی حاجت کیا ہے۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

علامہ صاحب کا یہ اعتراض بالکل مردود ہے۔ اولاً: اس لئے کہ مذکورہ عبارت دراصل علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حوالے سے نقل کی ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بجائے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ پر سارا نزلہ گرانا اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہی نہ لینا آخر کس وجہ سے ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اس جملہ میں ''فی القبر'' کے الفاظ اس پر واضح دلیل ہے کہ اس حیات سے مراد بعد الوفات حیات ہی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعد الوفات حیات قرآن واحادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اب مذکورہ عبارت کس وجہ سے علامہ صاحب کو قرآن اور حدیث صحیح وغیرہ کے خلاف نظر آرہی ہے۔ باقی اس جملہ میں ''بل یستمر حیا'' سے علامہ صاحب کو جو غلطی لگی ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دائمی طور پر حیات ہیں تو پھر اعادہ روح کی کیا حاجت۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء علیہم السلام پر موت ہی طاری نہیں ہوتی اور اس کی حیات دائمی ہوتی ہے جو علامہ صاحب نے سمجھ رکھا ہے اور پھر ''فای حاجۃ الی العود'' والا اعتراض کیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو موت واقع ہونے کے بعد جو حیات ملتی ہے تو وہ دائمی ہوتی ہے اور پھر الانبیاء احیاء فی قبورھم حدیث کی طرف اشارہ کر کے اس قول کی حدیث سے تائید پیش کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی تائید میں خود صحیح حدیث ذکر کی ہے۔ جو کہ علامہ صاحب کے کلام میں بھی موجود ہے پھر بھی ان کو نظر نہیں آرہی۔ باقی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ عبارت نقل کر کے اس کی وضاحت میں لکھا: ''حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ قبر میں آپ کی زندگی مستمر اور دائمی ہے، جس پر موت طاری اور وارد نہیں ہوتی جس طرح کہ بعض حضرات کے نزدیک نکیرین کے سوال کے وقت عام مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے۔ پھر ان پر وفات طاری کردی جاتی ہے گو جمہور اس کے بھی خلاف ہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۲۳۰)

عبارت اگرچہ اپنے مطلب میں واضح تھی مگر امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایسی عام فہم تشریح اور وضاحت بھی کردی جس سے کسی قسم کا اشکال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن افسوس کہ علامہ صاحب کو مغالطہ دینے کے علاوہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ نیز یہی عبارت امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ بخاری کے حوالے سے تسکین الصدور ص ۲۵۱ پر نقل کی ہے وہاں لکھتے ہیں: ''قبر میں حیات کے منکروں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول ''والذی نفسی بیدہ لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا'' کہ بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی دو مرتبہ موت نہیں چکھائے گا'' سے استدلال کیا تھا اور اہل سنت کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ ہے جو مولانا سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری کے حوالے سے نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔ اب اس توضیح کے بعد بھی عبارت مذکورہ کا غلط مطلب بیان کرنا اور پھر اس پر بے جا اعتراضات کرنا علامہ صاحب کو زیب نہیں دیتا۔

دسویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

علامہ خان بادشاہ صاحب امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فای حاجۃ الی اعادۃ للسلام'' پھر سلام کے لئے اعادہ کی کیا حاجت ہے۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۵۳)

علامہ صاحب یہاں پر سلام کے وقت رد روح والی حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، لیکن اس حدیث کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں کہ اس حدیث کا یہ مطلب کسی طرح بھی نہیں کہ روح مبارک جسم سے جدا ہوتی ہے پھر سلام کے وقت اعادہ ہوتا ہے پھر جدا ہوتی ہے پھر اعادہ ہوتا ہے۔ جب حدیث مبارکہ کا یہ مطلب نہیں تو علامہ صاحب کا اعتراض بھی غلط ہے اور اس پر مزید تفصیل گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

گیارھویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال ان الاموات من المومنین والکفار کلھم مستوون فی العلم والشعور والادراک والسماع وجواب السلام لزائرین، ولیس تخصیص العلم والشعور والادراک والسماع والجواب بالانبیاء علیہم السلام'' اور کہتے ہیں تمام مردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر علم، شعور، ادراک، سننے اور زیارت کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں، علم، شعور، ادراک، سماع اور جواب میں انبیاء علیہم السلام کی کوئی تخصیص نہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فای فرق بینھم وبین الانبیاء فما ھو جوابک فھو جوابنا'' تو پھر انبیاء علیہم السلام اور ان کے مابین کیا فرق ہوا تو جو آپ کا جواب ہے وہ ہمارا جواب ہے۔

(حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

قارئین کرام! آپ تسکین الصدور اٹھا کر ص ۲۰۹ دیکھیں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارت نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کی کتاب دلیل الطالب کے حوالے سے لکھی ہے، جس کو علامہ صاحب نے کاٹ چھانٹ کر پیش کیا ہے۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حوالہ ''غیر مقلدین حضرات'' کے جلی عنوان کے تحت غیر مقلدین کے نظریہ میں ذکر کیا ہے آخر علامہ صاحب نے اس سے کیوں آنکھیں بند کر لیں ہیں اور پھر نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے بعد امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلدین کو خطاب کر کے لکھتے ہیں: ''اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ روح کے جسم سے انفصال (خروج) یا علیحدہ ہونے کے بعد جسم انسانی زندگی کی صلاحیتوں، یعنی حس و حرکت نطق و سماع اور بینائی وغیرہ سے یکسر محروم و بالکل قاصر یا محض ایک مجسمہ اور ڈھانچہ ہو کر رہ جاتا ہے۔'' (تسکین الصدور ص ۲۱۰)

مذکورہ عبارت واضح طور پر بتاتی ہے کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے غیر مقلدین کو الزام دیا ہے۔ باقی امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ انبیاء علیہم السلام اور عام اموات کی زندگی میں مساوات کے قائل نہیں ہیں کہ ان سب کی زندگی ایک طرح ہے تا کہ علامہ صاحب کو اعتراض کا موقع مل سکے۔ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''پہلے ٹھوس حوالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ قبر اور برزخ میں صحیح احادیث ائمہ دین متکلمین رحمۃ اللہ علیہ شراح حدیث اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق جسد عنصری کے ساتھ روح کے تعلق اور اتصال سے حیات ہوتی ہے۔ اس صفت میں عام مومنوں سے حضرات شہداء بڑھے ہوئے ہیں اور ان سے بڑھ کر یہ خوبی

اور صفت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔" (ایضاً ص ۲۱۶)

امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تمام مردے حیات میں مساوی نہیں۔ لہٰذا علامہ صاحب کا اعتراض بے جا ہے۔

بارہویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "قال و اما حیاۃ الانبیاء اعلی و اکمل و اتم من الجمیع، لان للروح و الجسد تعلقا علی الدوام علی ما کان فی الدنیا" کہتے ہیں۔ بہرحال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلی، اکمل اور اتم ہے۔ کیونکہ روح اور جسم کو تعلق دوامی طور پر حاصل ہے، جس طرح کہ دنیا میں تھا۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

علامہ صاحب مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ادعاء من غیر البرھان، وھو غیر مقبول" کہ یہ دعوی بلا دلیل ہے اور دعوی بلا دلیل غیر مقبول ہوتا ہے۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۳)

قارئین کرام! مذکورہ عبارت امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی نہیں بلکہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی شفاء السقام کے حوالے سے نقل کی ہے اور علامہ صاحب نے مفت میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ذمے لگا دی ہے۔ دوسری یہ کہ عبارت کا مفہوم ہی بدل دیا۔ اصل عبارت یوں ہے: "لانھا للروح و الجسد علی الدوام" (تسکین الصدور ص ۲۳۲)

جس کو علامہ صاحب نے تبدیل کر کے یوں بنا دیا: "لان للروح و الجسد تعلقا علی الدوام" پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ یہ حیات روح اور جسد دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے، جس طرح دنیا میں حیات روح اور جسم دونوں کو حاصل تھی اور علامہ صاحب کی ترمیم کے بعد مطلب یہ ہوگا۔ "اس لئے کہ روح اور جسد کا تعلق دائمی طور پر ثابت ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔" حالانکہ مذکورہ عبارت میں روح مع الجسم کا حیات ثابت کر رہے ہیں، یہاں پر تعلق وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں اور حیات جسمانی پر قرآن وحدیث اور اجماع سے دلائل موجود ہیں اور اشاعت التوحید والسنۃ سے پہلے تمام اہل السنۃ والجماعۃ میں کوئی بھی اس کا منکر نہیں۔ لہٰذا اس کو علامہ صاحب کا بلا دلیل کہنا غلط فہمی ہے۔

تیرہویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون، وفی الحدیث الصحیح مامن مسلم یسلم علی الارد اللہ علیّ روحی، حتی ارد علیہ السلام" (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

علامہ صاحب یہ روایات نقل کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والکلام یجیء علیہ فانتظر" کہ اس پر کلام آ رہا ہے انتظار کر۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

پھر علامہ صاحب نے مابعد میں ان دو روایات پر جو تبصرہ کیا ہے ہم نے اس کی اچھی طرح خبر لی ہے وہاں ملاحظہ کریں۔

چودہویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: "وقال القبر حقیقۃ فی ھذہ الحفرۃ التی دفن فیھا المیت" اور اس نے کہا کہ قبر اس گڑھے میں حقیقت ہے، جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان کان ہو علیہ السلام حیا فی ھذہ الحفرۃ و ھو یصلی ویوذن و یقیم فی ھذہ الحفرۃ فکیف لا یخرج الی المسجد حتی یقتدی الناس بہ علیہ السلام، و بعض افرادکم قائلون باخراج الید من القبر، فیلزم ما یلزم تفکر'' اگر نبی علیہ السلام اس قبر میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور اذان واقامت دیتے ہیں تو پھر باہر نکل کر مسجد کیوں نہیں آتے، تاکہ لوگ نبی علیہ السلام کی اقتداء کریں۔ جب کہ آپ کے بعض افراد تو قبر سے ہاتھ باہر نکالنے کے بھی قائل ہیں۔ پس لازم آتا ہے وہ جو لازم آتا ہے فکر کر۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

علامہ صاحب کا یہ اعتراض بالکل بے جا ہے۔ کیونکہ قبر اس گڑھے میں حقیقت ہے اور عالم برزخ میں جس طرح انبیاء علیہم السلام کی روح مع الجسم کو حیات حاصل ہے۔ اسی طرح عالم برزخ میں عبادات میں بھی انبیاء علیہم السلام کی روح اور جسم دونوں شریک ہیں تو اب اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ اپنے قبور مبارکہ سے باہر بھی آئیں جب یہ لازم نہیں تو علامہ صاحب یہ اعتراض کس خوش فہمی میں کرتے ہیں: ''فکیف لا یخرج ... الخ اگر لزوم ہوتا تو تب اعتراض بجا ہوتا اور جب لزوم نہیں تو علامہ صاحب کا اعتراض بھی غلط فہمی پر مبنی ہے اور باقی علامہ صاحب نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ: ''و بعض افرادکم قائلون ... الخ'' تو محترم اس پر بھی آپ اعتراض نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ خرق عادت سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ یہ قانون ہے۔ جب قانون نہیں تو پھر آپ کا فیلزم ما یلزم کا منتر پڑھنا بے سود ہے اور پھر یہ واقعہ تو اکیلے ''بعض افرادنا'' نہیں بلکہ ''بعض افرادکم'' بھی مانتے ہیں۔ چنانچہ سجاد بخاری صاحب نے یہی واقعہ اسنی المطالب کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

اگرچہ اپنی توجیہ کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دست مبارک کی مثال ظاہر ہوئی تاہم نفس واقعہ کا انکار نہیں کر سکے۔ (اقامۃ البرہان ص ۱۷۷، ۱۷۸)

لہٰذا علامہ صاحب کا صرف ہمیں ''بعض افرادکم'' سے تعریض کرنا غلط فہمی ہے۔ نیز علامہ صاحب کا مذکورہ اعتراض بالکل ایسا ہے کہ کوئی اشاعت التوحید والسنۃ والوں سے پوچھے کہ آپ کا نظریہ ہے۔ مولانا سجاد بخاری لکھتے ہیں: ''اب یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، نماز پڑھنا، کسی کو نظر آنا وغیرہ، قبروں میں مدفون عنصری بدنوں سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تمام کام روحوں کے ہیں جو مثالی جسدوں میں متمثل ہوکر بجالاتی ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۷۸)

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب آپ کا نظریہ یہ ہے اور بعد الوفات بھی یہ سب کچھ کرتے ہیں تو پھر دنیا میں کیوں نہیں آتے۔ ''فما ھو جوابکم فھو جوابنا''

پندرہویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال المقرر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی، یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ احجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات'' اور کہتے ہیں محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں، مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وقد نفی فیما سبق، واثبت ھنا ولا تضل الناس بالخرافات'' ماقبل میں اس کی نفی کی ہے اور یہاں پر ثابت کیا ہے اور لوگوں کو خرافات سے گمراہ نہ کرو۔

(حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

علامہ صاحب کی اس بات کا جواب گزر چکا ہے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں، قبر میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی حاجت نہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۲۳۲)

مطلب واضح ہے کہ دنیا کی طرح محتاج نہیں ہوتے۔

سولہویں عبارت پر تبصرہ کا جائزہ

علامہ صاحب لکھتے ہیں: ''وقال ان ابن حجر وان اثبت بالقیاس ان الانبیاء احیاء فی القبور، لکن مع عدم ملاحظة هذا انه علیہ السلام کان شهیدا فحیاته کان ثابتا من النص القرانی، کما هو ثابت منه للشهداء'' اس نے کہا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تو قیاس کے ذریعے سے ثابت کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام قبر و برزخ میں زندہ ہیں، لیکن قطع نظر اس قیاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں، لہٰذا جو حیات شہداء کی منصوص ہے وہ نص قرآنی سے بھی آپ کے لئے ثابت اور محقق ہے۔ (الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

علامہ صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فغایته انه یثبت منه حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانک بصدد حیاة جمیع الانبیاء علیہم السلام، فلا یطابق الدلیل مع المدعی وان کان الثانی بالقیاس فما ثبت مدعاکم، وان کان الثانی مثل الاول فعلیکم بالبرهان لشهادة جمیع الانبیاء علیہم السلام'' اس سے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت ہوتی ہے، جب کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے حیات ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ پس دلیل دعوی کے مطابق نہیں اور اگر تمام انبیاء کرام کی حیات قیاس سے مانتے ہو تو آپ کا مدعا ثابت نہیں اور اگر آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے شہادت کے قائل ہیں تو اس کے لئے آپ پر دلیل لازم ہے۔ (حاشیہ الصواعق المرسلہ ص ۱۵۴)

علامہ صاحب کا یہ اعتراض بھی غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ شہداء کرام کی حیات قرآن کریم کی آیت سے بعبارۃ النص ثابت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات بدلالۃ النص لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بنص حدیث شہید بھی ہیں۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات قرآن کریم کی آیت سے بعبارت النص ثابت ہوگی گویا کہ امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے لئے خصوصیت کے ساتھ ایک اور دلیل کا بھی ذکر کیا ہے، ورنہ تمام انبیاء کی حیات کے لئے امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تو عنوان قائم کر کے دلائل قائم کئے ہیں اور علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ دلیل دعوی کے مطابق نہیں بالکل غلط ہے دعوی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت کا اور دلیل بھی اسی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور مزے کی بات یہ کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو تمام انبیاء کرام کے لئے شہادت کا مرتبہ پانے کا دعویٰ کیا ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ومانبی الا وقد جمع مع النبوۃ وصف الشهادۃ فیدخلون فی عموم لفظ الایۃ'' اور نہیں ہے کوئی نبی مگر تحقیق جمع کی گئی ہے نبوت کی وصف کے ساتھ شہادت کی وصف پس وہ داخل ہوں گے آیت کے لفظ کے عموم میں۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۱)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے دعویٰ کے مطابق ہر نبی شہید بھی ہے۔ایسی صورت میں امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل دعویٰ کے ساتھ ''طابق النعل بالنعل'' کا مصداق بن جائے گی۔والحمد للہ علی ذلک!

یہاں تک علامہ صاحب کے اشکالات کا حصہ اوّل اختتام پذیر ہوا۔اللہ ہم سب کو مسلک اہل سنت والجماعت پر قائم رکھیں۔

آمین بجاہ النبی الکریم و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و الہ و صحبہ و اھل بیتہ اجمعین!

***

اشاعت التوحید والسنۃ اکابر دیوبند کی نظر میں

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اکابر دیوبند میں سے ''مفتی سید مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ'' (جو علامہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے) کا فتویٰ ''تسکین الصدور'' میں موجود ہے جس کو ہم ابتداء کتاب میں نقل کر چکے ہیں۔اسی طرح ''خیر الفتاویٰ ج ۱ ص ۹۴ تا ۱۲۶'' دار العلوم دیوبند کا ایک تفصیلی فتویٰ عقیدہ حیات الانبیاء اور عقیدہ عذاب قبر پر بہت تفصیلی اور مدلل انداز میں موجود ہے جو فتاوی دار العلوم دیوبند کے مرتب حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے اور مفتی کفیل الرحمن نشاط عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصدیقی دستخط ''الجواب صحیح'' کے الفاظ سے ثبت فرمائے ہیں۔مناسب سمجھتے ہیں کہ اشاعت التوحید والسنۃ (جو صرف خود کو دیوبندی سمجھتے ہیں اور قائلین حیات جسمانی وسماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوبندیت سے خارج سمجھتے ہیں) کے متعلق دار العلوم دیوبند کے موجودہ اکابر کا فتویٰ بھی ذکر کیا جائے۔چنانچہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اشاعت التوحید والسنۃ کے عقائد ونظریات پر مشتمل ایک تفصیلی استفتاء اکابر دیوبند سے کیا جس کا جواب دار العلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی مراد آباد کے اکابر نے دیا اور فتاویٰ قاسمیہ میں چھپ چکا ہے ہم صرف جواب نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

جواب منجانب دار الافتاء دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق! آپ نے سوال کے ساتھ ''اشاعت التوحید والسنۃ'' کے جو نظریات حوالے کے ساتھ ذکر کئے ہیں، یہ سب نظریات اکابر دیوبند اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے خلاف ہیں اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان، اکابر علماء دیوبند کے عقیدہ ومسلک سے منسوب مدارس عربیہ کا وفاق ہے۔پس ان مدارس کے عقائد، افکار، نصاب تعلیم اور نظام پر نظر رکھنا ضروری ہے اور جماعت ''اشاعت التوحید والسنۃ'' نے اپنے اکثر نظریات میں اعتزال کا راستہ اختیار کر رکھا ہے۔غیر مقلدیت سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں۔لہٰذا مناسب یہ ہے کہ جماعت ''اشاعت التوحید والسنۃ'' کو وفاق المدارس سے علیحدہ کر دیا جائے۔ان کو شامل رکھنے میں بہت سے مفاسد کا اندیشہ ہے۔باقی سوالات کے جوابات ضروری نہیں۔لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔فقط واللہ اعلم!

(فتاوی قاسمیہ ج ۲ ص ۲۸۹)

حبیب الرحمن عفا اللہ عنہ مفتی دار العلوم دیوبند ۱۹ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	''الجواب صحیح'' ابوالقاسم نعمانی غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند ۲۰ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	''الجواب صحیح والمجیب مصیب'' سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری صدر المدرسین دار العلوم دیوبند ۲۰ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
''الجواب صحیح'' محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ	''الجواب صحیح'' وقار علی غفرلہ	''الجواب صحیح'' فخر الاسلام
	''الجواب صحیح'' محمود حسین غفرلہ بلند شہری	

جواب منجانب دار الافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق! تفصیلی سوال نامہ میں پیش کردہ قطعی حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ: ''مجلس اشاعت التوحید والسنۃ'' کے عقائد ونظریات اہل سنت والجماعت اور علمائے حق (علمائے دیوبند) کے موقف کے بالکل برخلاف ہیں۔ بالخصوص اس فرقہ کے نامور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں اکابر علمائے دیوبند حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب وغیرہم کے بارے میں جس طرح دریدہ دہنی اور طعن وتشنیع کا اظہار کیا ہے، اس سے یہ بالکل واضح ہے کہ ان لوگوں کا تعلق علمائے دیوبند سے نہیں ہے بلکہ ان کا جوڑ متشدد اور گمراہ فرقہ غیر مقلدین سے نمایاں ہے۔ بریں بنا وفاق المدارس العربیہ پاکستان جو مسلک اہل حق علمائے دیوبند کا نمائندہ ادارہ ہے۔ اس ادارہ سے ''اشاعت التوحید والسنۃ'' اور اس سے متاثر اداروں کا الحاق برقرار رکھنا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

(فتاویٰ قاسمیہ ج ۲ ص ۲۹۰)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۲۱ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ (الف فتویٰ نمبر ۱۰۸۴۸/۴۰)	''الجواب صحیح'' احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
''الجواب صحیح'' اشہد رشیدی مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد الہند ۲۱ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ	

***

خاتمۃ الکتاب

قارئین کرام! ہم نے علامہ خان بادشاہ صاحب کے اشکالات، شکوک وشبہات کے ازالہ سے پہلے ایک طویل مقدمہ رکھا ہے جس میں ہم نے اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام اشاعت التوحید والسنۃ کی پہلی ہیئت ترکیبی، دستور ساز کمیٹی اور ۱۹۶۲ء کے تنظیمی ڈھانچہ کی تفصیل سامنے رکھا جس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ۱۹۵۷ء میں اشاعت التوحید والسنۃ کا قیام عمل میں لایا گیا اور امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ اس اجلاس اور دستور ساز کمیٹی کا حصہ تھے، لیکن جب بعد میں جماعت کے بعض افراد نے مسلک اہل سنت والجماعت سے الگ راہ متعین کر لی جو رقم شدہ دستور کی خلاف ورزی تھی تو امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے حالات کی نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے مسلک اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے نظریات کی دفاع کی خاطر جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی، لیکن مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر خلفاء اور تلامذہ جو اس وقت موجود تھے۔ مثلاً مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالرحمن بہبودی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی غلام مصطفیٰ مرجانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا قاضی شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالخالق مظفر گڑھی، مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر مقدمہ میں باحوالہ کیا گیا ہے۔ سبھی حضرات حیات جسمانی اور سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے ہمنواء تھے۔ مقدمہ کے آخر میں ہم نے ایک عنوان ''فریقین میں شدت کم کرنے کی ایک تجویز'' اس مقصد سے قائم کیا ہے کہ فریقین جو اصولی طور پر توحید وسنت کی دعوت اور رد شرک وبدعت پر متفق ہونے کے ساتھ اکابر دیوبند کے عقائد ونظریات کو قرآن وسنت کے مطابق اور برحق سمجھتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ فریقین چند عقائد ونظریات میں ایک دوسرے سے آئے روز دور ہوتے چلے جارہے ہیں اور قریب آنا تو دور کی بات قریب آنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ ہماری خواہش ہے کہ فریقین کے سنجیدہ حضرات ان مسائل پر سنجیدگی سے ایک اچھے ماحول وفضاء میں بیٹھ کر اتفاق کی کوئی ایسی صورت پیدا کریں جس سے اکابر دیوبند کے نظریات پر کوئی حرف نہ آئے۔ ہم نے مذکورہ عنوان کے تحت طالب علمانہ انداز میں کچھ گزارشات پیش کی ہیں جس سے فریقین میں شدت کم کرنا اور ایک دوسرے کو قریب لانا ہے۔

مقدمہ کے بعد کتاب کو تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں علامہ خان بادشاہ صاحب کے اعتراضات، شکوک اور شبہات کو غلط فہمی کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے اور تقریباً (۲۸) غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے جو تقریباً چار مسائل، عقیدہ حیات الانبیاء، مسئلہ توسل، سماع موتی اور عرض الاعمال پر مشتمل ہے۔

غلط فہمی نمبر ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۲، ۲۱، ۲۵، ۲۶، ۲۷ کے تحت عقیدہ حیات الانبیاء کے متعلق اشکالات وشبہات کے ازالہ کے ساتھ مہتمم دارالعلوم دیوبند قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدہ حیات الانبیاء پر تفصیلی عبارات نقل کئے ہیں تاکہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ اکابر دیوبند کی تحریرات کی روشنی میں دیکھا جاسکے۔

غلط فہمی نمبر: ۱۷، ۱۸، ۱۹ کے تحت مسئلہ عرض الاعمال اور حدیث عرض الاعمال پر علامہ صاحب کے اشکالات کے ازالہ کے ساتھ راوی ''عبدالمجید'' کی توثیق اور حدیث الحوض سے تعارض کے چار توجیہات پیش کئے ہیں اور ساتھ اکابر اہل سنت میں سے علامہ ابوالفرج ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ، ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ، مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یونس جونپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبداللہ بہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ عرض الاعمال پر تفصیلی بحث پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ عرض الاعمال اجمالی کا نظریہ اکابر اہل سنت کا نظریہ ہے نہ کہ شیعہ شنیعہ کا ورنہ مذکورہ تمام اکابر اہل سنت کو شیعہ قرار دینا پڑے گا۔

غلط فہمی نمبر: ۲۰، ۲۳ کے تحت مختصر انداز میں مسئلہ سماع موتی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس باب میں ان چار مسائل کے علاوہ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ پر دیگر متفرق اشکالات مثلاً کہ اس نے تسکین الصدور اور سماع موتی لکھ کر بریلویوں کو خوش کیا۔اس نے راوی کے توثیقی کلمات نقل کر کے جرحی کلمات کو چھوڑ دیا ہے۔اس نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کی ہے۔اس نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی توہین کی ہے۔وغیرہ! کا جواب دیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں احادیث حیات الانبیاء پر اشکالات کے جواب دئے ہیں۔حدیث: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' پر علامہ صاحب کے نو (۹) اشکالات حدیث: ''مامن احد یسلم... الحدیث'' پر ایک، حدیث: ''ان اللہ حرم علی الارض... الحدیث'' پر ایک، حدیث: ''فنبی اللہ حی یرزق... الحدیث'' پر ایک، حدیث: ''ان للہ ملائکۃ سیاحین... الحدیث'' پر ایک، حدیث: ''لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم... الحدیث'' پر چار اشکالات کے جوابات دیئے گئے ہیں جب کہ حدیث: ''من صلی علیٰ عند قبری... لحدیث'' اعتراضات کے جوابات پہلے باب کے غلط فہمی نمبر: ۶، ۷، ۸، ۹ کے تحت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

علامہ خان بادشاہ صاحب نے تسکین الصدور کے تقریباً (۱۶) عبارات پر گرفت کر کے حاشیہ میں مختصر تبصرہ کیا ہے۔تیسرے باب میں ان عبارات پر تبصرے کا مختصر انداز میں جائزہ پیش کیا گیا ہے۔آخر میں علماء دیوبند کا تازہ فتویٰ اس غرض سے نقل کیا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ اکابر دیوبند کس کے ساتھ ہیں۔اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جمہور اہل سنت والجماعت کے دامن سے وابستہ رکھے۔آمین ثم آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وجمیع متبعیہ الیٰ یوم الدین!

خادم اہل سنت والجماعت علماء دیوبند

رسال محمد ...... مدرس مدرسہ حدیقۃ العلوم باجا (صوابی)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
و
سماعِ موتٰی

ازافادات:

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا غلام رسول دین پوری مدظلہ

مسئلہ حیات النبی ﷺ

و

سماع موتیٰ

ازافادات:

جامع المعقول والمنقول

حضرت مولانا غلام رسول دینپوری

ناشر ادارہ تالیفات ختم نبوۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

مولانا غلام رسول دین پوری صاحب مدظلہم

حضرت مولانا غلام رسول صاحب دین پوری دامت برکاتہم العالیہ جامعہ عربیہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث ہیں۔ آپ پہلے خان پور ضلع رحیم یار خان میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، وہاں پر سبق کے دوران طلباء کرام کے مطالبہ پر عقیدہ سماع موتی پر جو کچھ بیان کیا، اس کو ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ جس کا نام ''مسئلہ حیات النبی ﷺ وسماع موتی'' ہے۔ اس کتابچہ کو بھی اس مجموعہ میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ ...... شاہین ختم نبوت مناظر اسلام حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

بسم تعالیٰ و تقدیس

قرآن مجید کے درس کے دوران مندرجہ ذیل آیت مبارکہ ''انک لا تسمع الموتی'' پر حضرت مولانا غلام رسول دین پوری زید مجدہ نے جو ارشاد فرمایا وہ اس کتابچہ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ علماء دیوبند کا سماع موتی پر کیا موقف ہے۔ اس کی تفصیل اس میں آپ کو ملے گی۔

مولانا موصوف نے اعتدال کے ساتھ مسئلہ سمجھانے کی جو سعی کی ہے وہ لائق تبریک ہے۔ حق تعالیٰ قارئین کو مولانا کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین، بحرمۃ النبی الکریم!

محتاج دعا ...... اللہ وسایا

عرض مرتب

''جلالین شریف جلد دوم'' کا سبق استاذ محترم حضرت مولانا غلام رسول صاحب دین پوری پڑھا رہے تھے۔ جب سبق کا سلسلہ آیت مبارکہ ''انک لا تسمع الموتی۔۔۔الخ'' پر پہنچا تو جلالین کے سبق میں شریک طلبہ نے خواہش کی کہ یہاں ''حیات وسماع'' پر کچھ توضیح ہو جائے، کیونکہ بہت سارے حضرات اپنے مقصد کے تحت توضیحات کرتے رہتے ہیں، اس میں ہمیں فائدہ ہوگا اور کافی اشکالات حل ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان ساتھیوں کی خواہش پر خلاف معمول تفصیلی درس ہو گیا جس کے اہم اجزاء کو قلم بند کیا گیا ہے۔ یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ فقط درس کے اہم اشارات کو افادہ علماء وطلباء کے لئے مجتمع کر دیا گیا ہے تاکہ کوئی خواہش مند استفادہ کرنا چاہے تو باآسانی کر سکے۔ اس لئے زیادہ تر عربی و فارسی عبارات بلا ترجمہ لکھنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ لہٰذا قارئین کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ کہیں کوئی غلطی یا عبارت میں گڑبڑ معلوم ہو تو اصل کتب کی طرف مراجعت فرمائیں کیونکہ جلدی میں یہ سطور لکھی گئی ہیں اور صحت پائیں تو بندہ کے لئے دعا فرما دیں۔ فقط

محمد قاسم سجوی ...... حال مدرس جامعہ عبداللہ بن عمرؓ ضلع راجن پور

۱۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ

مقدمہ

قارئین کرام! آنے والی مباحث سے قبل بطور مبادی و مقدمہ چند اصولی باتیں سمجھنی ضروری ہیں:

چند اصولی باتیں

مابعد کی مباحث و مضامین پڑھنے اور ان کے مطالب سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔ ان باتوں کے مستحضر کر لینے کے بعد ان مباحث کے مضامین کے متعلق وہ وساوس اور شبہات ان شاء اللہ پیدا نہ ہوں گے، جو حقیقت ناشناسی کی وجہ سے بہت سے دلوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوتے اور ہو رہے ہیں۔

۱...... انبیاء علیہم السلام کا خاص کام (جس کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں) ہمیں ان باتوں کا بتلانا ہے جن کے ہم ضرورت مند تو ہیں لیکن اپنے عقل وحواس سے بطور خود ہم ان کو نہیں جان سکتے، یعنی وہ ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

۲...... انبیاء علیہم السلام کے لئے یقینی علم کا ایک خاص ذریعہ جو دوسرے عام انسانوں کے پاس نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، ان کو اسی ذریعہ سے ان چیزوں کا علم ہوتا ہے، جن کو ہم اپنی آنکھوں، کانوں سے اور اپنی عقل وفہم سے دریافت نہیں کرسکتے۔ جس طرح دوربین رکھنے والا آدمی بہت دور کی وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔

۳...... کسی نبی کو نبی مان لینے اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ ہم نے اس بات کو تسلیم کرلیا اور پورے یقین کے ساتھ ان کو مان لیا اور قبول کرلیا کہ وہ ایسی جو بات بتلاتا ہے جس کو ہم خود نہیں جانتے اور نہیں دیکھتے وہ اللہ کی وحی سے اس کا علم حاصل کر کے ہمیں بتلاتا ہے اور وہ سب حرف بحرف صحیح ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۴...... انبیاء علیہم السلام کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ ہماری عقل اور ہمارے حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں، بلکہ ایسا ہونا ضروری ہے، اگر انبیاء علیہم السلام صرف وہی باتیں بتلائیں جن کو ہم خود ہی غور وفکر سے معلوم کرسکتے ہوں تو پھر ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۵...... انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالم برزخ (عالم قبر) اور عالم آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔ ہاں! ایسی چیزیں ضرور ہیں جن کو ہم اپنے غور وفکر سے از خود نہیں جان سکتے اور اس دنیا میں ان چیزوں کے نمونے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو اس طرح سمجھ بھی نہیں سکتے، جس طرح اس دنیا کی دیکھی بھالی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

۶...... علم کے جو عام فطری ذریعے اور وسیلے ہمیں دیئے گئے ہیں مثلاً آنکھ، ناک، کان، عقل وفہم ظاہر ہے کہ ان کی طاقت اور ان کا دائرہ عمل بہت محدود ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جدید آلات کی خارجی مدد سے ان کے ذریعے بہت سی وہ چیزیں ہمارے علم میں آجاتی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا، مثلاً پانی میں یا خون میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں، اب خوردبین کی مدد سے آنکھ ان کو دیکھ لیتی ہے، ریڈیو اور ٹی وی کی مدد سے کان ہزاروں میل دور تک کی آواز کو سن لیتے ہیں اسی طرح کتابی معلومات کی مدد سے پڑھے لکھے انسانوں کی عقل اس سے زیادہ سوچ لیتی ہے، جتنا کہ آنکھ، کان کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات کی مدد سے سوچ سکتی تھی۔ اس تجربے سے معلوم ہوا کہ کسی حقیقت کا صرف اس بنیاد پر انکار کردینا کہ آج ہم اس کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے، یا ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی، بڑی بے عقلی کی بات ہے: ''وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً''

۷...... انسان دو چیزوں سے مرکب ہے، ایک جسم جو ظاہر ہے اور نظر آتا ہے۔ دوسری روح جو اگرچہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی لیکن اس کے ہونے کا ہم سب کو یقین ہے۔ پھر انسان کے ان دونوں جزوں کا باہمی تعلق اس دنیا میں اس طرح ہے کہ تکلیف ومصیبت، یا راحت ولذت کی جو کیفیت یہاں آتی ہے وہ براہ راست جسم پر آتی ہے اور روح اس سے طبعاً متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً انسان کو چوٹ لگتی ہے وہ زخمی ہوتا ہے یا مثلاً وہ کہیں آگ سے جل جاتا ہے تو

ظاہر ہے کہ چوٹ اور آگ کا تعلق براہ راست اس کے جسم سے ہوتا ہے، لیکن اس کے اثر سے روح کو بھی دکھ ہوتا ہے، اسی طرح کھانے پینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی براہ راست جسم ہی کو حاصل ہوتی ہے، لیکن روح بھی اس سے لذت حاصل کرتی ہے۔

الغرض! اس دنیا میں انسان کے وجود اور اس کے حالات میں گویا جسم اصل ہے اور روح اس کے تابع ہے، لیکن قرآن وحدیث میں عالم برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ یعنی اس عالم میں جس پر جو اچھی بری واردات ہوگی وہ براہ راست اس کی روح پر ہوگی اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی لئے کہ اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہو جائے) اس دنیا میں بھی اس کا ایک نمونہ پیدا کر دیا ہے، اور وہ عالم رؤیا یعنی خواب ہے۔ عقل وہوش رکھنے والا ہر انسان اپنی زندگی میں بار بار ایسے خواب دیکھتا ہے جن میں اس کو بڑی لذت ملتی ہے یا بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن خواب میں یہ لذت یا تکلیف براہ راست دراصل روح کے لئے ہوتی ہے اور جسم تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے، یعنی خواب میں آدمی مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ کوئی لذیذ کھانا کھا رہا ہے تو صرف یہ ہی نہیں دیکھتا کہ میری روح ہی کھانا کھا رہی ہے بلکہ اس وقت وہ یہی دیکھتا ہے کہ بیداری کی طرح وہ اپنے اس جسم والے منہ سے کھا رہا ہے جس سے روزانہ کھایا کرتا ہے۔

اسی طرح خواب میں اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کو مارا تو وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کی روح کو مارا گیا، بلکہ وہ اس وقت یہی دیکھتا ہے کہ مار اس کے جسم پر پڑی اور اس کے جسم پر اس وقت ویسی ہی چوٹ لگی جیسی بیداری میں مار پڑنے سے لگتی ہے، حالانکہ واقعہ میں جو کچھ گزرتا ہے وہ خواب میں دراصل روح پر گزرتا ہے اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوتا ہے۔ البتہ کبھی کبھی جسم کا یہ تاثر اتنا محسوس ہو جاتا ہے کہ آدمی بیدار ہونے کے بعد جسم پر اس کے اثرات اور نشانات بھی پاتا ہے۔

الغرض نیند کی حالت میں اچھے یا برے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گزرتا ہے اس کی نوعیت یہی ہے کہ وہ براہ راست اور اصلی طور پر روح پر گزرتا ہے اور جسم پر اس کا اثر تبعاً پڑتا ہے، اسی لئے اب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اس کے جسم پر کوئی واردات گزرتے ہوئے نہیں دیکھتا، کیونکہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے ان ہی حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اس کے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں (یعنی مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور میں) اچھے برے انسانوں پر جو کچھ گزرنے والا ہے (جس کی بعض تفصیلات حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں) اس کی نوعیت بھی یہی ہے کہ وہ اصلی طور پر اور براہ راست روح پر گزرے گا اور جسم تبعاً اس میں شریک ہوگا۔ عالم رؤیا (خواب) کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

امید ہے کہ اس دنیا اور عالم برزخ کے اس فرق کو جان لینے کے بعد وہ عامیانہ اور جاہلانہ شبہات اور وساوس پیدا نہ ہوں گے، جو قبر کے سوال وجواب اور عذاب وثواب کی حدیثوں کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم عقل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں، ان اصولی باتوں کے سمجھنے کے بعد آیت ”انک لا تسمع الموتی... الخ“ کے تحت آنے والی مباحث کو سمجھیں۔

اس موقع پر دو بحثیں قابل بیان ہیں:

نمبر۱: پہلی بحث کا تعلق تو سید کائنات محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے، جس کا خاص عنوان مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ وسماع النبی ﷺ سے ہے۔

نمبر۲: دوسری بحث کا تعلق عام موتیٰ سے ہے جس کا خاص عنوان حیات الاموات وسماع الموتیٰ ہے۔

البحث الاوّل ...... فی حیاۃ الانبیاء وسماع الانبیاء

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ حضور اقدس ﷺ کی حیات وسماع کے بارے میں ۱۳۴۷ھ تک پونے چودہ صدیوں کے اس طویل عرصہ میں کسی نے انکار نہیں کیا مگر اس کے بعد کے کچھ لوگوں نے امت مرحومہ کے خلاف حیات النبی ﷺ وسماع النبی ﷺ کا انکار کر دیا اور اس بحث کو مقصود بالذات بنا دیا۔

مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ وسماع النبی ﷺ

دعویٰ: تمام اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں بالخصوص حضور اقدس ﷺ اپنے روضہ اطہر میں روح مع الجسد (بتعلق مع الجسد) زندہ ہیں اور اسی وجہ سے روضہ اقدس ﷺ پر حاضر ہونے والوں کا سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہ دعویٰ ہے ہم اس پر چند دلائل پیش کریں گے، لیکن ان دلائل سے قبل قبر و برزخ کا نہایت اختصار کے ساتھ مفہوم بیان کرتے ہیں تاکہ حیات وسماع النبوی ﷺ کے بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی اور شبہ واقع نہ ہو۔

عالم قبر و برزخ

بعض لوگ قبر و برزخ کا مفہوم ہی نہیں سمجھا، بلکہ اپنی طرف سے انہوں نے قبر و برزخ کو متعین کیا کہ وہ ایک خاص جگہ اور مکان کا نام ہے جس کو سجین اور علیین کا نام دے کر غلط فہمی میں مبتلاء ہو کر گمراہ ہو گئے اس لئے ہم قبر و برزخ کا حقیقی و مجازی معنی و مفہوم بیان کرتے ہیں تاکہ مسئلہ سمجھ میں آ جائے۔

قبر کا حقیقی معنیٰ

قبر کا لفظ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا ہے:

☆ ...... اس کی جمع قرآن پاک کے پارہ نمبر ۳۰ سورۃ انفطار میں ہے: ''واذا القبور بعثرت''
(جب قبریں اکھاڑی جائیں گی)

☆ ...... منافقین کے سلسلے میں پارہ نمبر ۱۰ سورۃ توبہ میں ہے: ''ولا تقم علی قبرہ''
(اور آپ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوں)

☆ ...... اسی طرح دوسرے مقام پر پارہ نمبر ۳۰ سورۃ عبس میں ہے: ''ثم اماتہ فاقبرہ''
(اللہ نے اس کو وفات دی پھر اس کو قبر میں داخل کرنے کا حکم دیا)

☆ ...... نیز اسی پارہ سورۃ عادیات میں ہے: ''اذا بعثر ما فی القبور''

(جس وقت قبروں سے مردے نکالے جائیں گے)

☆...... علاوہ ازیں پارہ نمبر ۲۸ میں سورۃ الممتحنہ میں ہے:"کما یئس الکفار من اصحاب القبور" (جیسا کہ کفار اہل قبور سے ناامید ہو چکے ہیں)

اس کے علاوہ بہت ساری جگہوں پر قبر کا لفظ آیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی بے شمار مقامات پر لفظ قبر آیا ہے مگر ہم طوالت کے خوف سے ترک کر رہے ہیں۔ بہرحال مذکورہ بالا آیات و بے شمار احادیث میں لفظ قبر سے اس کا اطلاق اس مٹی کے گڑھے پر کیا جاتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور اس میں جسد عنصری کو رکھا جاتا ہے۔ یہ ہے لفظ قبر کا حقیقی معنی۔

قبر کا مجازی معنی

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میت کا جسم محفوظ نہیں رہتا۔ مثلاً وہ آگ میں جلا دیا جاتا ہے یا وہ دریا برد ہوجاتا ہے یا اس کو چوپائے یا درندے کھا جاتے ہیں اور قبر میں اسے دفن کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تو ظاہر ہے قبر کا سوال قبر کی راحت و تکلیف اس کے متعلق بھی ہوتی ہے تو اسی وجہ سے فرق باطلہ اشکال کرتے ہیں کہ جب ان لوگوں کو قبر میں دفن ہی نہیں کیا گیا تو ان کے بارے میں قبر میں سوال یا قبر میں راحت وعذاب کا کیا معنی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر صرف اسی گڑھے کا نام نہیں جس میں جسد عنصری کو رکھا جاتا ہے بلکہ قبر برزخ کو بھی کہتے ہیں اور برزخ ایک وقت کا نام ہے اور وہ مرنے سے لے کر قیامت کے دن اٹھنے تک کا ہے۔ کما قال تعالیٰ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون" (پارہ نمبر ۱۸ سورۃ مومنون)

اس آیت مبارکہ کے تحت امام قرطبی لکھتے ہیں والبرزخ مابین الدنیا والاخرة من وقت الموت الی البعث ومن مات فقد دخل البرزخ (قرطبی ج ۱۲ ص ۱۵۰) تو اس لحاظ سے جو آدمی مرنے کے بعد جلا دیا گیا ہو اور اس کی راکھ کو بکھیر دیا گیا ہو وہ بھی برزخ میں ہے اور جو شیشے کی الماری میں بند ہو وہ بھی برزخ میں ہے اور جو کھلی فضا میں رکھ دیا گیا ہو وہ بھی برزخ میں ہے۔ جو قبر میں دفن کر دیا گیا ہو وہ بھی برزخ میں ہے اور جو غرق ہو گیا ہو وہ بھی برزخ میں ہے۔ غرض یہ کہ جو جہاں بھی ہے اور جس حالت میں ہے وہ برزخ میں ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے سورج غروب ہونے کے بعد تمام آدمی رات میں شامل ہو جاتے ہیں خواہ مسجد کے رہنے والے ہوں خواہ بازار کے رہنے والے ہوں، خواہ گھروں میں رہنے والے ہوں خواہ سننے والے ہوں، خواہ سونے والے ہوں خواہ جاگنے والے ہوں۔ اسی وجہ سے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"قد اجمع اهل الکشف علی ان المیت یحسن بضغطة کان فی بطون السباع والطیور او کان قد حرق وذریه فی الریح فتحس کل ذرة بالالم ولو کانت متفرقة"

(مختصر تذکرہ قرطبی ص ۳۶ مطبوعہ مصر)

نیز علامہ ابن القیم الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں:"ومما ینبغی ان یعلم ان عذاب القبر هو عذاب البرزخ فکل من مات فهو مستحق للعذاب ناله من نصیبه منه قبر او لم یقبر فلو اکلته السباع او احرق حتی صار رماداً او نسف فی الهواء او صلب او حرق فی البحر وصل الی روحه بدنه من العذاب ما یصل الی المقبور" (کتاب الروح ص ۷۱ مطبوعہ دارۃ المعارف حیدرآباد دکن)

علاوہ ازیں بخاری شریف میں ہے: ''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال کان رجل یسرف علی نفسه فلما حضره الموت قال لبنیه اذا انامت فاحرقونی ثم اطحنونی ثم ذرونی فی الریح فو اللہ لئن قدر اللہ علی لیعذبنی عذاباً ما عذبه احداً فلما مات فعل به ذٰلک فامر اللہ تعالیٰ الارض فقال اجمعی مافیک منه ففعلت فاذا ھو قائم قال ما حملت علی ما صنعت قال مخافتک یا رب فغفر له وقال غیر خشیتک''

(بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

تو مذکورہ بالا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جو قبر میں دفن نہیں کیا گیا، بلکہ اس کی میت کو جلا کر راکھ بنادیا گیا پھر ہوا میں اڑادیا گیا یا جس کو درندوں اور چوپاؤں نے کھالیا وغیرہ، سب کے سب برزخ میں ہیں اور انہیں عذاب دیا جاتا ہے اور وہ اس کو محسوس کرتے ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر اور برزخ کوئی علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہیں اور اب اگر کوئی شخص اس کھلی حقیقت کو نہیں مانتا بلکہ وہ اپنی من مانی سے اس کا انکار کرتا ہے تو ایسا شخص سراسر جھوٹا ہے اور اجماع سے منحرف ہے جیسے وہ آدمی جھوٹا ہے جو یہ کہے کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد مسجد میں رہنے والے تو رات میں داخل ہیں، مگر گھر میں رہنے والے اور بازار میں رہنے والے رات میں داخل نہیں ہیں۔

سوال: آنحضرت ﷺ تو انتقال فرماجانے کے بعد عالم برزخ میں تشریف لے گئے ہم عالم دنیا میں ہیں یہ دونوں عالم ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں تو دنیا میں رہنے والوں کا درود وسلام ان پر کیسے پہنچایا جاتا ہے؟

جواب: یہ بات بالکل درست ہے کہ ایک عالم کی چیز دوسرے عالم والے نہیں جان سکتے اور دوسرے عالم کی چیز پہلے عالم والے نہیں جان سکتے، لیکن حق سبحانہ وتعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ ایک عالم والوں کے احوال دوسرے عالم والوں کو جتوادیں، اور دوسرے عالم والوں کے احوال پہلے عالم والوں کو جتوادیں۔ دیکھئے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون، فرحین بما اتاھم اللہ من فضله ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یستبشرون بنعمة من اللہ وفضل وان اللہ لا یضیع اجر المؤمنین'' (آل عمران: ۱۶۹ تا ۱۷۱)

ملاحظہ فرمائیں اس آیت میں عالم برزخ میں رہنے والے شہداء کے احوال اللہ تعالیٰ نے بتلادیئے ہیں۔ نیز سورۃ یٰسین میں ایک مرد مومن کا قصہ ہے جو مرسلین کی مدد کرتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو اس کی بات کو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتلادیا۔ چنانچہ فرمایا:

''قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین'' (سورۃ یٰسین: ۲۶، ۲۷)

حیاۃ الانبیاء قرآن کی نظر میں

قرآن پاک میں بیشتر مقامات ایسے ہیں جن سے انبیاء علیہم السلام کی حیات دلالۃً، اشارۃً، اقتضاءً ثابت ہے ان سب کو بیان کرنا مشکل بھی ہے اور موجب طول بھی ہے مگر ہم ان میں سے چند آیات ذکر کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱: ''وسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا'' (سورۃ زخرف: ۴۵) اس آیت سے مفسرین حضرات نے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے انبیاء علیہم السلام کی حیات ثابت ہے۔ چنانچہ محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یستدل به علی حیاۃ الانبیاء'' (مشکلات القرآن ص ۲۳۴)

یہی الفاظ تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۱۶ میں مذکور ہیں۔ نیز شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۳ ص ۲۹۸ میں بھی ہیں۔
علاوہ ازیں جمل (شرح جلالین ج ۴ ص ۸۸) میں اس آیت کے تحت جو تفسیر کی گئی ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔

آیت نمبر ۲: ''ولقد اتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائہ'' (الم سجدہ: ۲۳)
اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کئی بار ہوئی ظاہر ہے کہ ملاقات بغیر حیات کے نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اقتضاء النص سے انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت ہے۔

آیت نمبر ۳: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' (بقرہ: ۱۵۴)
حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت اور سورۃ آل عمران کی آیت: ''ولا تحسبن الذین قتلوا ... الخ'' کے تحت رقم طراز ہیں: ''واذا ثبت انہم احیاء من حیث النقل فانہ یقوہ من حیث نظر کون الشہداء احیاء بنص القرآن والانبیاء افضل من الشہداء'' (فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۳۵۲)
دیکھئے! حافظ الدنیا کس طرح زور سے انبیاء علیہم السلام کی حیات کو ثابت کررہے ہیں۔ لہٰذا آیتین مذکورتین سے بذریعہ اقتضائے النص حیات انبیاء علیہم السلام کا ثبوت ہے۔

آیت نمبر ۴: ''فلما قضینا علیہ الموت ما دلہم علی موتہ الا دابة الارض تأکل منسناتہ'' (سبا: ۱۴)
اس آیت سے دلالۃ النص کے اعتبار سے حیات الانبیاء علیہم السلام کا ثبوت ہے کہ زمین کے کیڑوں نے عصا جیسی سخت چیز کو تو کھا لیا لیکن جسم جو انتہائی نرم ہوتا ہے محفوظ رہا۔

حیات الانبیاء حدیث کی روشنی میں

حدیث نمبر ۱: ''الانبیاء احیاء فی قبورہم'' (انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں) اس حدیث کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''وصححہ البیہقی'' (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)
علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید فرمائی ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹)
نیز حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس''
(فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۶۴)
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورہم''
قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''انہ رسول اللہ ﷺ حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورہم'' (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص ۲۸)
علاوہ ازیں علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رجال ابی یعلی ثقات'' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱)
علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وھو حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۳۴)
علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ھذا حدیث صحیح'' (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۸۴)
خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور جمہور محدثین حضرات اس کی تحسین وتصحیح کرتے ہیں تو کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔ اس کے تمام راویوں پر جمہور محدثین متفق ہیں۔

حدیث نمبر ۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ''قال ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام'' (مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷، ابوداؤد ص ۲۸۶ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اس حدیث کے متعلق امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''السراج المنیر'' (ج ۳ ص ۲۷۹) میں فرمایا: ''وھو اعتماد صحیح''

علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کتاب الاذکار'' (ص ۱۰۶) میں فرمایا ہے: ''اسنادہ حسن''

تفسیر ابن کثیر (ج ۳ ص ۵۱۴) میں ہے: ''رواتہ ثقات''

نیز حضرت علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں محدثین کی ایک بڑی جماعت اس کی تحسین وتصحیح کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۳: ''عن ابی درداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' (ابن ماجہ ص ۱۱۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۷ متن حاشیہ نمبر ۵، مسند دارمی، نسائی ج ۱ ص ۱۶۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶، مستدرک ج ۴ ص ۵۶۰)

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وصححہ ابن خزیمہ'' (فتح الباری ص ۲۷۹ پ ۱۴)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ومن تعلم فی ھذا الاسناد لم یشک فی صحتہ لثقۃ رواتہ وقبول الائمۃ'' (جلاء الافہام ص ۴۰)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''وانہ صح عنہ ﷺ قال ان عزوجل حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' (خزائن الاسرار ص ۱۹)

حدیث نمبر ۴: ''عن ابی درداء... فنبی اللہ حی یرزق'' (ابن ماجہ ص ۱۱۸، ترجمان السنہ ج ۳ ص ۲۹۷)

حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اسنادہ جید اور علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رجالہ ثقاۃ''

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رواہ ابن ماجہ رجال ثقات''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''باسناد جید ولہ طرق کثیرۃ'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۱۲ مصر)

حدیث نمبر ۵: ''عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکتہ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (نسائی، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۸۶، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴)

اس حدیث کے متعلق علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ورجالہ رجال الصحیح'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ھذہ روایۃ صحیحۃ''

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۶۹)

حدیث نمبر ۶: ''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علیَّ من بعیدی اعلمتہ'' (جلاء الافہام ص ۱۹)

مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۸۷ میں الفاظ یوں ہیں: "ومن صلى علي نائيا ابلغته"

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "بسند جید" (فتح الباری ج ۲ ص ۳۵۲)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "وسنده جيد" (القول البدیع ص ۱۱۶)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "بسند جيد" (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "بسند جيد" (فتح الملہم ج ۲ ص ۳۲۰)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حياة النبي ﷺ في قبره هو كسائر الانبياء معلومة علماً قطيعياً لما قام عندنا ادلة في ذلك وتواترت به الاخبار" (فتاویٰ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۱۴۷، انباء الاذکیاء ص ۲)

اس کے علاوہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر حضرات نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔

حدیث نمبر ۷: "عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ ليأتيني علىٰ قبري حتى يسلم علي ولاردن عليه" (جامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰، وقال صحیح مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، مستدرک الحاکم ج ۲ ص ۵۹۵)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: "ثم لان قام علىٰ قبري فقال يا محمد ﷺ لاجيبنه" (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱ وقال رجاله رجال الصحيح)

الحاصل: چونکہ حیاۃ النبی ﷺ فی القبر وسماع النبی ﷺ ان دونوں چیزوں پر احادیث بالا دال اور واضح ہیں اور انہی احادیث کی روشنی میں جمیع امت کے مجددین اور مجتہدین وائمہ عظام رحمہم اللہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں کبھی کسی زمانے میں بھی یہ مسئلہ اختلافی ونزاعی نہیں بنا، تاہم مذکورہ احادیث کے نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ ورنہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام بالخصوص سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ وسماع پر بے شمار احادیث موجود ہیں۔ (واللہ العاصم من جمیع الشرور والفتن)

مسئلہ حیات الانبیاء اور محدثین عظام

علامہ بدرالدین العینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "غير الانبياء عليهم السلام فانه لا يموتون في قبورهم بل هم احياء" (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۰۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ان حياته ﷺ في القبر لايعقبها موت بل يتصور حياة يستمر حيا بل الانبياء احياء في قبورهم" (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ان الله جل ثناء ه رد اعلى الانبياء ارواحهم فهم احياء عند ربهم كشهداء" (حیاۃ الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۲)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "المعتقد المعتمد انه ﷺ حي في قبره كسائر الانبياء في قبورهم" (شرح الشفاء ج ۲ ص ۱۴۲)

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "لا شك في حياته ﷺ بعد وفاته كسائر الانبياء عليهم السلام احياء في قبورهم حياتاً اكمل من حياة الشهداء التي اخبر الله بها في كتاب العزيز" (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''اما ادلۃ حیاۃ الانبیاء ومقتضاء حیاۃ الابدان کحیاۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۷)

امام علی عبدالکافی السبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''واما حیاۃ الانبیاء اعلیٰ و اکمل واتم من الجمیع لانہا بالروح والجسد علی الدوام علی ماکان فی الدنیا'' (شفاء السقام ص ۱۵۴)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان النبی ﷺ حی کما تقرر وانہ یصلی فی قبر باذان واقامۃ'' (فتح الملہم ج ۳ ص ۴۱۹)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والمحصل ان الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۹)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قول مختار و مقرر جمہور ھم ایں است کہ انبیاء بعداز وقت زندہ اند بحیاۃ الدنیوی'' (تیسیر القاری ج ۳ ص ۲۶۲)

اس کے علاوہ محدثین حضرات کی دیگر عبارات بھی ایسی موجود ہیں جن میں صراحتاً انبیاء علیہم السلام کا ثبوت ہے، لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو ترک کر رہے ہیں۔

مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ اور فقہاء کرام

فقیہ وقت علامہ حضرت حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ومما ھو مقرر عند المحققین انہ ﷺ حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ حجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات'' (نور الایضاح ص ۱۷۹)

علامہ ابن العابدین الشامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث''

(رسائل ابن عابدین شامی ج ۲ ص ۲۰۳)

علامہ الامام الاستاذ ابو منصور طاہر الشافعی رحمۃ اللہ علیہ البغدادی لکھتے ہیں: ''قال المتکلمون المتحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ یسر بطاعۃ امتہ'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶، اعلاء السنن ج ۱ ص ۴۹۴)

مسئلہ حیاۃ النبی ﷺ اور اجماع امت

قرآن اور حدیث میں مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام بالخصوص سید کائنات حضور خاتم النبیین ﷺ کی حیات کے ثبوت کے بعد کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہیں مگر چونکہ اہل السنت والجماعت کے ہاں اجماع کا حجت قطعیہ ہونا مسلم ہے اس لئے اب ہم بحوالہ اجماع ثابت کرتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا قبور میں زندہ ہونا اور انہیں رزق کا ملنا اور ان کے اجساد کا محفوظ ہونا اجماع سے ثابت ہے، چنانچہ الامام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتاکل الارض والاجماع علی ھذا'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

علامہ محمد بن عابد سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''انہم فحیاتھم لاشک فیہا ولا خلاف لاحد من العلماء فی ذلک الی ان قال فھو ﷺ حی علی الدوام'' (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''حیاۃ متفق علیہ است ہیچ کس را درونے خلاف نیست'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۴۵)

اور علامہ محمد بن عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''انھم فحیاتھم لا شک فیھا و لا خلاف لاحد من العلماء فی ذالک الی ان قال فھو صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام'' (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست'' (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

مولانا نواب قطب الدین خان لکھتے ہیں: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حیات ان کو وہاں حقیقی وجسمانی اور دنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

مولانا ابوالعتیق عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''انھم اتفقوا علی حیاتہ ﷺ بل حیاۃ الانبیاء علیہم السلام متفق علیہ لا خلاف لاحد فیہ'' (انوار المحمود شرح ابوداود ج ۱ ص ۶۱۰)

علامہ داؤد بن سلیمان بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع''

(المنحۃ الوھبیہ ص ۶)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''بدانکہ حیات انبیاء صلوۃ اللہ وسلامۃ اجمعین متفق علیہ است میان علماء ملت و ہیچ کس را خلاف نیست در انکہ آنکامل تر و قوی تر از وجود حیاۃ شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آن معنوی اخروی است عنہ اللہ و حیات انبیاء حیات حسی دنیوی است و احادیث و آثار دراں واقع شدہ بنا کہ مذکور نر ددیکے ازاں حدیث کہ ابو یعلی و نقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آوردہ قال قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون و دیئر ایں حدیث صحیح است مامن احدیسلم علی الارد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷)

علامہ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''قول مختار و مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم السلام بعد از اذاقت موت زندہ اند بحیاۃ دنیوی الخ'' (تیسیر القاری شرح بخاری ج ۳ ص ۲۶۲)

اس کے علاوہ دیگر عبارات بھی موجود ہیں لیکن ہم بوجہ خوف طوالت ترک کر رہے ہیں۔

مسئلہ حیات اور اکابرین علماء دیوبند

اس دور میں مذہب اور قوم کی جو خدمت حضرات علماء دیوبند نے کی ہے وہ کسی دانشمند اور منصف مزاج سے مخفی نہیں علمی تحقیقی، تقریری تحریری، تدریسی، تبلیغی، اور سیاسی غرض ہر رنگ میں ان کی خدمات رہتی دنیا تک نہ یہ کہ صرف یادگار ہی رہیں گی بلکہ ان شاء اللہ مشعل راہ بھی بنیں گی اور ان کے درس وتدریس سے اور وعظ ونصیحت سے تشنگان علوم ہدای ذوق وشوق سے اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ بہر صورت اب ہم چند وہ عبارات اکابرین علماء دیوبند کی نقل کرتے ہیں جن سے حیات انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ثبوت ہے۔ چنانچہ فقیہ وقت ثانی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''و نبی اللہ حی یرزق'' (ہدایۃ الشیعہ در تالیف رشیدیہ ص ۵۶۱)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں رہنا ثابت ہوا اور یہ رزق اس عالم کے مناسب ہوتا ہے وہ شہداء کے لئے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے، مگر انبیاء علیہم السلام میں ان سے اکمل واقوی ہے۔'' (نشر الطیب ص ۱۴۵)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اور انبیاء علیہم السلام کی حیات خصوصاً آپ ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل واعلیٰ ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۷۱)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

السوال: ''ما قولکم فی حیاۃ النبی ﷺ في قبره الشريف هل ذلك امر مخصوص به ام مثل سائر المومنين رحمة الله عليهم حياته برزخيه''

الجواب: ''عندنا وعند مشائخنا حضرت رسالت مآب ﷺ حي في قبره الشريف وحياته ﷺ دنيويه من غير تكليف وهي مختصة به ﷺ وبجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المومنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي فی رساله انباء الاذكياء بحيات الانبياء حيث قال قال الشيخ تقي الدين السبكي حيات الانبياء والشهداء في القبر كحياتهم في الدنيا و يشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره فأن صلوة تستدعي جسداً حياً إلى آخر ما قال فثبت بهذا ان حياته دنيوية برزخية لكونها فی عالم البرزخ والشيخنا شمس الاسلام والدين محمد قاسم العلوم على المستفيدين قدس الله سره العزيز في هذه المبحث رسالة مستقلة دقيقة المناخذ بديعة المسلك لم ير مثلها قد طبعت و شاعت في الناس و اسمعها آب حيات ای ماء الحيات'' (المہند علی المفند ص ۳۱، ۳۲)

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر صلوۃ وسلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۸۰، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ ساہیوال)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: ''ان كثيرا من الاعمال قد ثبتت في القبور كالاذان والاقامة عند الدارمی و قرات قرآن عند ترمذی رحمه الله الجمع عند البخاری'' (فیض الباری شرح بخاری ج ۱ ص ۱۸۳)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''و دلت النصوص الصحيحة على حياة الانبياء علیہم السلام''
(فتح الملہم شرح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ان النبي ﷺ حي كما نقرر وانه يصلي في قبره باذانٍ واقامةٍ''
(فتح الملہم شرح مسلم ج ۳ ص ۴۱۹)

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والاحسن ان يقال ان حياته ﷺ لا يتعقبها موت بل يستمر حياً والانبياء احياء في قبورهم'' (حاشیہ بخاری شریف ج ۱ ص ۵۱۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''رسول اللہ ﷺ ہنوز قبر مبارک میں زندہ ہیں؛ در مثل گوشہ نشینوں اور چلہ کشوں کے عزلت گزین ہیں'' (آب حیات ص ۲)

اور ایک دوسری جگہ پر لکھتے ہیں کہ: ”حضرات انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں ان کی موت ان کی حیات کے لئے ساتر ہے، رافع حیات دافع حیات نہیں ہے۔“ (آب حیات ص ۴۲، ۴۳)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: آپ ﷺ کی حیات نہ صرف روحانیہ ہے بلکہ جسمانیہ بھی ہے اور قبیل حیات دنیاوی ہے بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۳۰)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرمایا کرتے تھے: آنحضرت ﷺ حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام کرنا چاہئے مسجد نبوی کی حد میں اتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۶)

اس کے علاوہ دیگر عبارات حضرات اکابرین کی موجود ہیں ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں لیکن بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلاء ہو کر یا دانستہ طور پر اپنی کجروی کی وجہ سے حیات الانبیاء علیہم السلام بالخصوص حیات النبی وسماع النبی ﷺ کو اختلافی مسئلہ بنا کر منکر حیات ومنکر سماع ہو گئے ہیں، لیکن یہ ان حضرات کی ہٹ دھرمی ہے کہ اس مسئلہ خواص کو مسئلہ عام میں داخل کرتے ہیں اور نبی وغیر نبی میں فرق نہیں کرتے۔ حالانکہ نبی وغیر نبی میں اعتبارات، خصوصیات، امتیازات ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس مسئلہ میں بھی انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور وہ خصوصیت بایں معنیٰ ہے کہ وہ اختلاف سے خالی ہے جن لوگوں نے نبی وغیرہ نبی میں فرق نہیں کیا تو انہوں نے طرح طرح کے شبہات تراشے اور نکالے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

<u>شبہ نمبر ا</u>: قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر انسان پر موت آئے گی، تو یہ آیات مسئلہ حیات وسماع کے خلاف ہیں، اور مسئلہ حیات تو سماع پر موقوف ہے۔ جب یہ آیات حیات کے منافی ہیں تو یقیناً یہ آیات سماع کے منافی ہیں۔

<u>جواب</u>: یہ آیات عقیدہ حیات النبی ﷺ کے معارض نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ آیات محض موت پر دلالت کرتی ہیں، اور یہی خاصہ مخلوق ہے نا کہ دائمی موت پر دلالت کرتی ہیں اور نفس موت کی بھی پوری امت قائل ہے، بحث تو یہ ہے کہ قبر میں جسد خاکی کے ساتھ روح کا تعلق ہے یا نہیں؟ لہٰذا اب عقیدہ حیات سے قرآنی آیات پر کوئی شبہ نہیں۔

<u>شبہ نمبر ۲</u>: قصہ حضرت عزیر علیہ السلام قرآن مجید کی نص قطعی میں یہ بات ثابت ہے کہ وہ سو سال کو یوما او بعض یوم فرما رہے ہیں یقیناً اس سے سماع کی نفی ہو رہی ہے۔

<u>جواب</u>: حضرت عزیر علیہ السلام کا سو سال تک ایک جگہ رہنا اور اس کا حضرت عزیر علیہ السلام کو علم نہ ہونا اس سے علم غیب کی نفی تو ہوتی ہے سماع کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ جس جگہ حضرت علیہ السلام نے سو سال گزارے ہیں۔ اس جگہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا محفوظ رکھا کہ وہاں نہ تو کسی انسان کی نظر پڑی اور نہ کسی درسے کی اور نہ کسی جانور کی اور نہ دھوپ نے اثر ڈالا، اور نہ ہی وہاں موسم نے اثرات ڈالے، واضح دلیل اس پر یہ ہے کہ ان کے طعام وشراب میں کوئی تغیر وتبدل نہ آیا تو یقیناً حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد ان تمام حوادثات سے محفوظ رہا۔ لہٰذا وہاں نہ کسی رہنے والے نے کچھ کہا اور نہ ہی عدم سماع ثابت ہوا۔

شبہ نمبر ۳: قرآن مجید کی ایک آیت میں ہے ''اموات غیر احیاء'' اس سے صاف ظاہر ہے کہ معبودان باطلہ کو اللہ تعالیٰ نے اموات غیر احیاء کہا ہے اس سے یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو ان میں سماع ہے اور نہ ہی حیات۔

جواب نمبر ۱، الزامی: اس آیت میں معبودان باطلہ کو غیر احیا کہا گیا ہے اور معبودان میں ملائکہ علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں تو ماننا پڑے گا کہ ملائکہ علیہ السلام بھی مر چکے ہیں اور العیاذ باللہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مر چکے ہی یا یہ بات عقیدہ اجماع کے خلاف ہے۔

جواب نمبر ۲ تحقیقی مگر مختصر: ماقبل میں مردوں کا بیان نہیں یا ذکر نہیں بلکہ معبودان کا ذکر ہے قرآن مجید اور تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ مشرکین عرب وغیر عرب اہل قبور کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ اصنام کی عبادت کرتے تھے تو ان کے عقیدہ باطل کی تردید کے بارے میں یہ آیت ہے نا کہ عدم حیات وسماع کی دلیل ہے۔

جواب نمبر ۳: اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اوصاف معبود کی طرف اشارہ کیا ہے اور اجمالا معبود حق کی دو صفتیں بیان کی ہیں۔

نمبر ۱: وہ خالق ہے مخلوق نہیں ہے، جب کہ معبودان باطلہ مخلوق ہیں خالق نہیں۔

نمبر ۲: (وہ خالق) معبود حق حی و قیوم کے ساتھ ہے کہ ذات حق ہمیشہ زندہ ہے اس پر موت نہیں آئے گی اور یہ معبودان باطلہ ہمیشہ نہیں رہیں گے، بلکہ فنا ہو جائیں گے لہٰذا اس سے عدم حیات فی القبور پر استدلال غلط ہے۔

شبہ نمبر ۴: منکرین حیات قرآن مجید کی ان آیات میں سے جن میں قیامت کے دن معبودان باطلہ اپنے عابدین سے براءت کا اعلان کرتے ہوئے دعا اور پکار کی نفی کریں گے اور اس طرح کی متعدد آیات میں ان تمام آیات میں سے عدم حیات اور عدم سماع پر استدلال کرتے ہیں بقول ان لوگوں کے ان میں انبیاء بھی داخل ہیں۔

جواب: ان آیات کا عدم حیات وعدم سماع سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آیات سے نفی علم غیب ہے۔

البحث الثانی ...... فی حیات الاموات وسماع الاموات

یہ مسئلہ سماع کی دوسری بحث ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ عام اموات کو حیات وسماع حاصل ہے یا نہیں اس مسئلہ میں راہ اعتدال تو یہ ہے کہ اگر چند باتیں تسلیم کر لی جائیں تو نزاع اور جدال کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔

نمبر ۱: یہ مسئلہ اختلافی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف تھا تو اب تک وہ اختلاف چلا آرہا ہے تو ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو اختلافی تسلیم کر لیا جائے۔

نمبر ۲: عقیدہ سماع ایک ایسا عقیدہ ہے جس کی نفی سے نہ تو توحید کی خدمت ہے اور نہ ہی اس کے اثبات سے مشرک کی تائید ہے۔ یعنی عقیدہ سماع پر کوئی مضر اثرات مرتب نہیں ہوتے جو عام طور پر کہا جاتا ہے کہ عقیدہ سماع شرک کی بنیاد وجڑ ہے یہ بالکل غلط ہے، بلکہ شرک کی بنیاد تو غیر اللہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھنا ہے۔ اگر سماع شرک کی بنیاد ہے تو یہی سماع یقیناً احیاء میں بھی تو موجود ہے تو یہاں پر بھی انکار کر دیا جائے۔ غرض یہ کہ اس مسئلہ کا شرک سے ذرا برابر بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

نمبر ۳: انبیاء علیہم السلام کا سماع اتفاقی تسلیم کر لیا جائے! ان امور ثلاثہ مذکورہ بالا کے بعد دلائل دینے کی کوئی

ضرورت نہیں لیکن چونکہ اس مسئلہ میں افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے تو قبل اس کے کہ اس بحث کو تفصیل سے چھیڑا جائے ایک فائدہ ذہن نشین فرمالیں۔

فائدہ: چونکہ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے اختلافی چلا آرہا ہے اگر اس کو اختلافی مانا جائے تو جو کچھ سنت سے ثابت ہے مثلاً سمع خفق نعال وقرع نعال وغیرہ اور دوسری چیز کو مشیت خداوندی پر چھوڑا جائے تو کسی قسم کا نزاع واقع نہیں ہوسکتا نہ تو یہ کہا جائے کہ ہر مردہ ہر شخص کی ہر بات کو ہر وقت سنتا ہے اور نہ یہ کہا جائے کہ کوئی مردہ کسی شخص کی کسی کلام کو کسی وقت بھی نہیں سنتا۔ غرضیکہ مذکورہ بالا بات راہ اعتدال پر دال ہے، اور یہی قاطع نزاع ہے، اور عین صراط المستقیم ہے۔

الحاصل: امور بالا کے پیش نظر راہ اعتدال متعین ہے جو نزاع وجدال کے لیے قاطع ہے ان امور تک اختلاف کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، لیکن چونکہ ہر زمانہ میں مفرطین اور مفرطین بالخصوص ہمارے زمانے میں یہ مسئلہ افراط وتفریط کے لیے نظر ہوا ہوا ہے کہ انہوں نے مسئلہ سماع وعدم سماع کو اختلافی نہیں مانا بلکہ عدم سماع کو اتفاقی تسلیم کیا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوا ہے کہ چند عنوانات قائم کر کے بقدر ضرورت بحث کی جائے۔

بحث اوّل...... بیان مذاہب

چنانچہ اس میں تین مذاہب ہیں:

مذہب اوّل: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ائمہ میں سے حضرت علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ شارح ہدایہ کہتے ہیں کہ اصل نفس سماع ہے۔ ہاں البتہ جن مواقع میں میت کا سماع نصوص سے ثابت ہے ان کو بلا تاویل تسلیم کیا جائے۔

مذہب ثانی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور جمہور آئمہ دین (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ) اور اکثر اکابر علماء دیوبند اور اکثر غیر مقلدین حضرات سماع موتیٰ کے قائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ان احدا من ائمتنا لم یذھب الی انکارھا" (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

مذہب ثالث: علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحب روح المعانی اور علامہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کا نظریہ ہے کہ سماع موتیٰ فی الجملہ ثابت ہے لیکن سماع کلی ثابت نہیں کہ ہر مردہ شخص کی ہر بات کو سنتا ہے، بلکہ مشیت خداوندی کے تابع ہے۔ اور علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "والحق ان الاموات یسمعون فی الجملۃ" (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بل احادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر فاالانکار فی غیر محلہ" (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "والذی تحصل لنا من مجموع الاحادیث والنصوص ان سماع الموتیٰ ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ" (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

بحث ثانی: دلائل قائلین سماع موتی: اس مسئلہ میں قائلین سماع موتی ومثبتین سماع موتی کے عقلی ونقلی ٹھوس قسم کے دلائل موجود ہیں، جن میں ہم چند ذکر کر کے یہ ثابت کریں گے کہ قائلین سماع موتی بھی قوی دلائل رکھتے ہیں پھر کسی مسلک کو ترجیح دینے کے لیے منکرین سماع موتی کے دلائل کا جواب بھی پیش کریں گے۔

دلائل

دلیل اوّل: ''عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی وذھب اصحابہ حتی انہ یسمع قرع نعالھم'' (بخاری شریف ج۱ ص۱۷۸، ابوداؤد ج۲ ص۱۴۰، مسلم ج۲ ص۸۶، مشکوۃ ج۱ ص۲۴)

اس سے ثابت ہوا کہ مردہ دفن کے بعد قبر سے واپس آنے والوں کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے تو پھر انسانوں کی آواز بطریق اولیٰ سنتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب بخاری شریف میں مستقل باب قائم کیا ہے ''باب المیت یسمع خفق نعال'' (بخاری ج۱ ص۱۷۸) جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کا یہی مسلک ہے۔

فائدہ: یہی روایت مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''والذی نفسی بیدہ انہ یسمع قرع نعالھم وحین یولون''

اعتراض: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے فرشتوں کی آمد مراد ہے جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

جواب: حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے حضرات یہ بات بخوبی جانتے کہ حدیث پڑھاتے وقت اساتذہ کرام اختلافی مسائل میں ہر مسئلہ اور ہر گروہ کی دلیل عقلی ونقلی کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلم شریف اور ترمذی شریف کے درس کے موقع پر حضرات منکرین سماع موتی کی طرف سے یہ معنی بیان کیا ہوگا یہ ان کا اپنا عقیدہ نہیں ہے کہ وہ سماع موتی کے کلیۃ منکر ہوں۔

دلیل ثانی: ''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ خرج الی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون''

(ابوداؤد ج۲ ص۱۰۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، مشکوۃ شریف ج۱ ص۱۵۴، مسند احمد ج۲ ص۳۰۰، مسلم شریف ج۱ ص۳۱۴)

اس مضمون کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی احادیث کی مختلف کتب میں مروی ہے۔ بہر حال ان جیسے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے خطاب کے اہل ہیں اور سلام کہنے والوں کا سلام سنتے ہیں، اسی لیے آپ ﷺ بھی سلام کیا کرتے تھے تو یہ سنت رسول ﷺ بھی ہے کیونکہ دوسری روایات میں ہے کہ: ''کان رسول اللہ ﷺ یعلمھم اذا خرجوا الی المقابر'' (مسلم شریف ج۱ ص۳۱۴)

اسی طرح بہت سارے مفسرین اور محدثین کرام بھی سماع موتی کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وثبت عنہ ﷺ لامتہ اذا سلموا علی اھل القبور ان یسلموا علیھم وسلام من یخاطبونہ فیقول المسلم السلام علیکم دار قوم مؤمنین، وھذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولو لا ھذا الخطاب لکانوا بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الاثار عنھم بان المیت یعرف بزیارۃ

الهی له ویستبشروا'' اور پھر آخر میں لکھتے ہیں: ''فهذا السلام والخطاب والنداء لموجود یسمع ویخطب ویعقل ویردوا ان لم یسمع المسلم الرد'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸، ۴۳۹)

اور علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: ''وهذا خطاب لمن یسمع ویعقل'' (کتاب الروح ص ۴)

اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''سماع المیت للاصوات من السلام والقراۃ حق''

(اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۱)

اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''فان سائرات الاموات ایضاً یسمعون السلام والکلام''

(مرقاۃ ج ۳ ص ۲۳۸)

اور علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی ''السلام علیکم یا اهل القبور'' کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''وفیه انه یعلمون بالمار بهم سلامه علیهم والا کان اضاعة'' (سبل السلام ج ۲ ص ۱۵۷)

اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ السلام علیکم کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''اشارة الیٰ انهم یعرفون الزائره ویدرکون کلامه وسلامه'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳)

اور علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملة''

(تفسیر الروح المعانی ج ۲۱ ص ۵۷)

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں'' واعادة الروح الیٰ العبد فی قبره حق''

(فقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری ص ۱۲۰)

دلیل ثالث: ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ ما من مسلم یمر علی قبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الا رد الله علیه روحه علیه السلام'' (کتاب الروح ص ۱۱، الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۵۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مردہ قبر میں سلام سنتا ہے باقاعدہ اس کا جواب بھی دیتا ہے، یہ روایت سماع موتیٰ کی واضح اور روشن دلیل ہے جس میں ذرا بھر بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ (اس کو علامہ قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح ص ۱۱ اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۵۷ پر اور علی بن عبدالکافی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء السقام ص ۶۵ پر اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ القرطبی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۸ پر اور امام عماد الدین ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں ج ۳ ص ۴۳۸ پر اور علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں ج ۶ ص ۴۵۵ پر صحیح قرار دیا ہے۔

دلیل رابع: حدیث قلیب بدر جس کے آخر میں یہ لفظ ہیں: ''والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم'' (بخاری شریف ج ۲ ص ۵۶۶، مسلم شریف ج ۲ ص ۳۸۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴)

فائدہ: اس حدیث کی توضیح وتشریح میں شارح حدیث کے دو قول ہیں۔

قول اوّل: اس حدیث سے جو سماع موتیٰ کا ثبوت ہے وہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے اگر اس کا یہی مطلب مراد ہے جیسا کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے تو اس کا عام موتیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کی تشریح میں کہا ہے: ''احیاءهم الله حتیٰ اسمعهم... الخ'' مگر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول حجت نہیں کیونکہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۵)

اور تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۳۵۴) میں لکھا ہے کہ وہ منکر عقیدہ تقدیر تھا اور یہ عقیدہ ایک بدعتی فرقہ معتزلہ کی ایک شاخ ہے۔

قول ثانی: دوسرے شارح کہتے ہیں یہ خصوصیت پر محمول نہیں بلکہ عام ہے جس طرح دوسرے مردے سنتے ہیں اسی طرح مقتولین بدر نے سنا۔ چنانچہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''وتقبل ویحمل سماعھم علیٰ ما یحمل علیه سماعھم الموتی'' (شرح نووی للمسلم ج ۲ ص ۳۸۷، حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۵۶۶، حاشیہ مشکوۃ ج ۲ ص ۳۴۵)

دلیل خامس: امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: ''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال ابو رزین یا رسول ﷺ ان طریقی علی الموتی فھل من کلام اتکلم به اذا مررت علیھم قال قل السلام علیکم یا اھل القبور قال ابو رزین یا رسول اللہ ﷺ یسمعون قال یسمعون ولکن لا یستطیعون ان یجیبوا''

(شرح الصدور ص ۸۴)

اعتراض: آخر الذکر جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جواب نہیں دیتے جب کہ قائلین سماع کا دعویٰ ہے کہ وہ جواب دیتے ہیں۔

جواب: اس سے موتیٰ کا سننا تو صراحتاً معلوم ہو گیا جس کے تم قائل نہیں ہو باقی جواب نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جواب نہیں دیتے کہ جس کو جن وانس بھی سن لیں۔

چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ آگے لکھتے ہیں: ''لا یستطیعون ان یجیبوا ای جوابا یسمعه الجن والانس فھم ردونا حیث لا یسمع'' (شرح الصدور ص ۸۴)

اور علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ھذا محمول علی نفی رد علی الوجه المعھود الذی یسمعه الاحیاء'' (روح المعانی ج ۲۱ ص ۵۸)

دلیل سادس: حضرت سعد بن ابن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''انه کان یرجع من ضیعته فیمر بقبور شھداء فیقول السلام علیکم وانا بکم لاحقون ثم یقول لاصحابه الا تسلمون علی الشھداء فیردون علیھم'' (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸، شرح الصدور ص ۹۴)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم جو عشرہ مبشرہ سے ہیں وہ بھی سماع کے قائل ہیں۔

دلیل سابع: حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر نے بوقت انتقال یہ وصیت فرمائی۔ ''فاذا دفنتمونی فسنوا علی التراب ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جذور ویقسم لحمھا حتی استانس بکم وانظر وا ماذا اراجع به رسل ربی'' (ابوعوانہ ج ۱ ص ۷۱، المسلم شریف ج ۱ ص ۷۴)

اس روایت میں چند باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) عذاب قبر۔ (۲) فرشتوں کا سوال۔ (۳) دفن کے بعد اتنی دیر قبر کے پاس ٹھہرنا مستحب ہے جتنی مقدار کا اس روایت میں ذکر ہے۔ (۴) میت قبر کے اردگرد سے سنتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام دلائل سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی کہ موتیٰ کا سماع ثابت ہوا اس کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں لیکن ہم طوالت کے خوف سے انہیں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

دلائل منکرین سماع موتی

پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر اب تک اختلافی چلا آ رہا ہے مگر بایں ہمہ سماع موتی کو جمہور صحابہ، تابعین، مفسرین ومحدثین، فقہاء کرام و دیگر اکابرین علماء دیوبند نے ترجیح دی ہے تو اب یہاں پر یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منکرین سماع موتی کے دلائل بھی ذکر کئے جائیں اصولی طور پر ان کے پاس تین قسم کے دلائل ہیں۔

قسم اوّل: قیاس اور عقلی دلیل

یہ دلیل موجودہ زمانے کے محققین کی ہے کہ جب روح بدن سے نکل گئی اور بدن بلا روح مٹی کے ڈھیر کے نیچے چلا گیا اب وہاں نہ کوئی دروازہ ہے نہ کھڑکی اور نہ روشن دان۔ تو عقل کیسے باور کر سکتی ہے کہ بیرونی آواز اندر جائے، جب کہ ایک زندہ شخص اگر ایک بند کمرے میں بیٹھا ہوا ہو تو وہ شخص باہر والوں کی آواز کو نہیں سن سکتا تو صاحب قبور باہر کی آواز کو کیسے سن سکتے ہیں۔

جواب نمبر ا: یہ عقلی دلیل تھی اور من گھڑت ہے۔ جب سماع موتی کی صحیح احادیث باحوالہ پیش کی جا چکی ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ قبر میں جسم کے ساتھ روح کا تعلق قائم کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے ادراک اور شعور حاصل ہوتا ہے اور اسی تعلق اور ادراک اور شعور کی وجہ سے میت سلام وکلام وغیرہ سنتی ہے تو ان کے مقابلے میں عقلی اور من گھڑت دلائل کی کیا وقعت ہے؟ جب کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ نص کے مقابلے میں قیاس مردود ہوتا ہے، لہٰذا ان صحیح احادیث کے مقابلے میں غیر معصوم اور غیر مجتہد کے عقلی ڈھکوسلے معتبر نہیں۔

جواب نمبر ۲: قبر میں جسم کا دھڑ کی شکل میں موجود ہونا دعوی بلا دلیل ہے کیونکہ روح کا اس جسم سے تعلق قائم ہوتا ہے جس کی وجہ سے اسے ادراک وشعور حاصل ہو جاتا ہے۔ باقی مٹی کے ڈھیر کو مانع سمجھنا قدرت خداوندی پر اعتراض ہے، حالانکہ جو ذات الٰہی اجسام کو زندہ کر کے جنت یا جہنم میں لے جا سکتی ہے تو وہ ذات ان تک زندوں کا سلام وکلام پہنچا سکتی ہے۔

القسم الثانی: آیات قرآنی

منکرین سماع موتی قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ اصولی طور پر وہ آیات دو قسم کی ہیں:

قسم اوّل: ان کا استدلال ان تمام آیات سے ہے جن میں غیر اللہ کو سفارشی بنانا اور ان کی عبادت کرنا، ان کو پکارنا، اور غیر اللہ کا ان کی عبادت و پکار سے بے خبر و غافل ہونا اس قسم کی چند آیات ہیں:

آیت نمبر ا: ”و یعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھٰؤلاء شفعٰؤنا عند اللہ (الیونس:۱۸)“

آیت نمبر ۲: ”ویوم نحشرھم جمیعاً ثم نقول للذین اشرکوا مکانکم انتم و شرکائکم (الیونس:۲۸)“

آیت نمبر ۳: ''و من اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ و ھم عن دعائھم غافلون (الاحقاف: ۵)''

ان آیات کے عموم سے منکرین سماع موتی استدلال کرتے ہیں کہ استشفاع عند القبور بالخصوص آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوکر مغفرت کی سفارش کرنا ممنوع ثابت ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۱: اصولی جواب تو ان تمام آیات کا وہی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس شخص کو دیا جو بعض آیات سے انکار تقدیری ثابت کرتا تھا، جو ابوداؤد میں موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''لقد قرؤا منہ ما قرأتم و علموا من تأویلہ ما جھلتم، الخ'' (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۶)

یعنی یہ آیات سلف صالحین کے سامنے بھی تھیں لیکن انہوں نے تقدیر کا انکار نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ ان کا تعلق انکار تقدیر سے نہیں، اسی طرح مذکورہ بالا آیات اکابرین کے سامنے بھی تھیں مگر انہوں نے تو ان آیات سے عدم سماع موتی پر استدلال نہیں کیا، لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کا تعلق عدم سماع موتی سے نہیں تو ان آیات کو بطور استدلال کے پیش کرنا سینہ زوری کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

جواب نمبر ۲: اگر ان آیات سے نفس سماع موتی عند القبور ہوتی تو آنحضرت ﷺ کبھی بھی امت کو عند القبور سلام کہنے کی تلقین نہ فرماتے۔ جب کہ آنحضرت ﷺ نے سلام کہنے تلقین فرمائی ہے اور طریقہ بھی ارشاد فرمایا کہ یوں سلام کیا کرو، اور جمہور امت نے اس کو قبول کیا تو معاذ اللہ آپ ﷺ قرآنی آیات کے خلاف کرنے کے لئے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ ان آیات کی مراد کو لوگوں پر واضح کرنے کے لئے تشریف لائے تھے، تو واضح ہوا کہ آیات کا تعلق عند القبور سماع موتی سے نہیں ہے۔

جواب نمبر ۳: اگر واقعتاً ان آیات کا تعلق قطعی اور شرعی طور پر عند القبور عدم سماع موتی سے ہے تو وہ حضرات جو سماع موتی کے قائل ہیں تو ان کو برملا کافر کہنا چاہئے کیونکہ ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے، حالانکہ جمہور امت سماع موتی کی قائل ہیں، حالانکہ بعض کے علاوہ اور کسی نے کافر نہیں کہا۔

جواب نمبر ۴: بعض مفسرین حضرات نے ان آیات کی تفسیر و تفصیل میں جو تفصیل درج کی ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان آیات کا تعلق عدم سماع موتی سے نہیں ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں من دون اللہ سے مراد (تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۸۰، معالم التنزیل برحاشیہ خازن ج ۳ ص ۱۸۰، تفسیر مظہری عربی ج ۷ ص ۱۶، روح المعانی ج ۱۱ ص ۸۸) وغیرہ تفسیروں میں اصنام و اوثان ہیں۔ جب کہ دوسری آیات کا تعلق بھی بتوں کے ساتھ ہے اور تیسری آیت: ''وھم عن دعائھم غفلون'' کی تفسیر میں علامہ بیضاوی لکھتے ہیں: ''لانھا اما جمادات و اما عباد مسخرون مشغلون باحوالھم'' (تفسیر بیضاوی ص ۴۴۳) اس سے معلوم ہوا کہ ان کی غفلت اور عدم سماع اس لئے نہیں کہ وہ سنتے نہیں بلکہ اللہ کے مقبول بندے ان کی پکار سے اس لئے غافل ہیں کہ وہ اپنے احوال میں مصروف ہیں روح المعانی ج ۲۶ ص ۷، تفسیر مظہری ج ۸ ص ۳۹۴) میں بھی یہی توجیح ہے۔

الحاصل: علامہ محمود آلوسی نے بڑی تفصیل کے ساتھ عبارت کو ذکر کیا ہے اور بات کو واضح کیا ہے۔ اول: تو اس کا معنی لا یسمعون نہیں اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے تو پھر بطور تغلیب ہے کیونکہ اکثر معبودان باطلہ عبادت سے یقیناً بے خبر ہوتے ہیں بہرصورت ان تمام باتوں کا تعلق عدم سماع موتی سے نہیں۔

قسم ثانی: قرآن پاک کی بعض آیات میں عدم سماع وعدم اسماع کے الفاظ ہیں جن میں چند آیات بطور دلائل منکرین سماع موتی ذکر کی جاتی ہیں۔

دلیل ثالث: ''ان تدعوهم لا يسمعوا دعائكم ولو سمعوا ما استجابوا لكم (الفاطر:۱۴)''

منکرین سماع موتی کا کہنا ہے کہ اس سے معلوم ہو کہ مردے نہیں سنتے۔

جواب: اس سے سماع کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس میں تو مردوں کا ذکر ہے ہی نہیں، بلکہ معبودان باطلہ سے عدم سماع کا ذکر ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے معبودان اکثر جمادات تھے، اگرچہ بعض ذوالعقول بھی تھے تو وہ دور سے ان کے سماع کے قائل تھے تو ظاہر ہے کہ دور سے سماع ثابت نہیں۔ ورنہ علامہ محمود آلوسی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی مشغولیات کی وجہ سے نہیں سنتے ورنہ سماع کی اہلیت تو ہے جیسا کہ ولوسمعوا سے ظاہر ہے۔

دلیل رابع: ''و ما يستوي الاحياء و لا الاموات ان الله يسمع من يشاء و ما انت بمسمع من في القبور (الفاطر:۲۲)''

منکرین سماع موتی کا کہنا ہے کہ اس آیت میں پہلے امور کے سماع کی نفی ہوگی تو استماع اور سماع کی بھی نفی ہوگی۔

جواب نمبر ۱: اموات سے مراد یہاں کفار ہیں نہ کہ حقیقی اموات۔ یعنی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتی سے تشبیہ دی ہے تو کفار مشبہ ہیں اور موتی مشبہ بہ۔ تو ضروری ہے وجہ تشبیہ عدم سماع نہیں بن سکتی، ایسی شے ہو گی جو دونوں میں موجود ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ وجہ تشبیہ عدم سماع نہیں بن سکتی، وجہ تشبیہ سماع قبول وسماع نافع کی نفی ہے نا کہ مطلق سماع کی نفی اور یہی مفسرین حضرات کی تفصیل کا نچوڑ ہے۔

جواب نمبر ۲: علامہ ابن القیم اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ولم يرد سبحانه ان اصحاب القبور لا يسمعون شيئاً البتة وقد اخبر ﷺ انهم يسمعون'' (کتاب الروح ص ۵۵)

قرطبی لکھتے ہیں: ''لا ينتفعون بما يسمعونه'' (قرطبی ج ۱۴ ص ۳۴۰)

دلیل خامس: ''منکرین سماع موتی انك لا تسمع الموتى ولا تسمع الصم الدعاء.الخ (النمل:۸۰)''

منکرین سماع موتی اس آیت کو عدم سماع کے لئے حجت قطعیہ سمجھتے ہیں۔

جواب نمبر ۱: اس آیت میں سماع نافع کی نفی ہے، چنانچہ امام ابن کثیر کان کثیر لکھتے ہیں: ''ای لا تسمع شيئاً ينفعهم'' (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''معناها لا تسمعهم سماعاً ينفعهم'' (فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۴)

علامہ عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''لا يسمعون سماعاً ينفعهم'' (عمدۃ الرعایہ ج ۲ ص ۲۵۴)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''وليس في القرآن وما يسمع الموتى فأن قوله تعالى انك لا تسمع الموتى الخ انما اراد بها السماع المعتاد الذي ينفع صاحبه'' (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۹۸)

حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''ان آیات میں عدم سماع کا اشارہ تک بھی نہیں ہے۔ (تفسیر حقانی ص ۲۱ جلد ۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فائدے میں لکھتے ہیں اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردے نہیں سنا کرتے۔ ہر چند کہ مردوں سے مراد یہاں کفار ہیں مگر تشبیہ تب ہی درست ہو سکے گی جب مردے نہ سنتے ہوں۔ لیکن چونکہ بعض احادیث میں مردوں کا سننا قریب جگہ سے نا کہ بعید جگہ سے وارد ہے اس لئے بعض علماء نے آیت میں کہا ہے مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے اور قرینہ اس کا دفع تعارض حدیث کے علاوہ یہ بھی ہے کہ کفار سے مطلق سماع کی منفی ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے البتہ سماع نافع ضرور منفی تھا۔ پس مردوں سے یہی منفی ہے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ انك لا تسمع الموتی کے تحت لکھتے ہیں: یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سناؤ کیونکہ یہ چیز ظاہر اور عادی کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری بات مردہ سن لے، اس کا انکار کوئی مومن نہیں کرتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اسی حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہئے محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے۔

بہر حال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی (تفسیر عثمانی ص ۵۴۵ اور تفسیر جلالین کے حاشیہ نمبر ۱۰) میں اس آیت کے تحت لکھا ہے: ''ولا دلالة في هذه الآية على عدم سماع الموتى كلام الاحياء كما استدل بها بعض الجهالة والاحاديث الصحيحة واردة في باب السماع الموتى اولا نذكرها خوفاً للاطناب'' (تفسیر جلالین ص ۳۲۴)

جواب نمبر ۲: ان آیات میں یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کے اختیار اور قدرت میں یہ بات نہیں ہے کہ آپ مردوں کو سنوا سکیں یہ کام تو صرف اللہ کا ہے لیکن نفی اسماع کی ہے سماع کی نہیں ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الحئی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ''اما قوله تعالى انك لا تسمع الموتى (الخ) ففيه نفي الاسماع لا السماع'' یعنی اس آیت میں اسماع کی نفی تو ہے لیکن سماع کی نفی نہیں۔

(عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۲۳)

یہی جواب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری ص ۳۶ جلد ۸) میں دیا ہے تو یہ آیت اس طرح ہے جس طرح انك لا تهدي من احببت ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ سے کسی فرد نے ہدایت نہیں پائی بلکہ یہ مطلب ہے کہ سمجھانا آپ کا کام ہے اور ہدایت دینا میرا کام ہے۔ بعینہ اسی طرح آیت مبحوث عنہا کا یہی مطلب ہے کہ سنوانا آپ کا کام نہیں بلکہ سنوانا میرا کام ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں متعدد آیات ہیں جن میں تقریباً اس بات کی صراحت ہے کہ کفار نہیں سنتے لیکن منکرین سماع موتی یہاں بھی عدم سماع کے قائل بنے جب کہ اموات کے بارے میں عدم سماع کی کوئی صراحت موجود نہیں لیکن وہاں عدم سماع موتی پر بہت زور لگاتے ہیں وہ آیات درج ذیل ہیں:

آیت نمبر ۱: ''صم بكم عمي فهم لا يرجعون (البقرة: ۱۸)''

آیت نمبر ۲: ''ونطبع على قلوبهم فهم لا يسمعون (الاعراف: ۱۰۰)''

آیت نمبر۳: ”ولقد ذر أنا لجهنم كثيراً من الجن والانس لهم قلوب لايفقهون بها (الاعراف:۱۷۹)“

آیت نمبر۴: ”ولاتكونوا كالذين قالوا سمعنا وهم لايسمعون (الانفال:۲۱)“

آیت نمبر۵: ”وكانوا لايستطيعون سمعاً (الكهف:۱۰۱)“

آیت نمبر۶: ”ام تحسب ان اكثرهم يسمعون او يعقلون ان هم الا كا الانعام بل هم اضل (الفرقان:۴۴)“

آیت نمبر۷: ”انك لاتسمع الموتى ولاتسمع الصم الدعاء (النمل:۸۰)“

آیت نمبر۸: ”فما أغنى عنهم سمعهم ولا ابصارهم (الاحقاف:۲۶)“

آیت نمبر۹: ”فاعرض اكثرهم فهم لايسمعون (السجدة:۴)“

آیت نمبر۱۰: ”واذا تتلى عليه ايتنا ولى مستكبرا كان لم يسمعها (لقمان:۷)“

تلك عشرة كاملة

یہ وہ دس آیات مبارکہ ہیں کہ ان میں سماع کی نفی نہیں بلکہ استطاعت کی نفی بھی، ہے مگر اس کے باوجود کوئی منکر سماع بھی نہیں تعجب کی بات ہے موجودہ زمانے کے محققین پر کہ جن آیات پر عدم سماع کا ذکر تک نہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی دلالت عدم سماع موتی پر واضح قطعی اور یقینی ہے۔

دلیل سادس عدم سماع موتی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ مردے نہیں سنتے۔

جواب نمبر۱: حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ”امار د عائشة رضی اللہ عنہا بعض تلك الاحاديث فلم يعتد به جمهور الصحابة“ (عمدۃ الرعایہ شرح وقایہ ص ۲۲۳ جلد ۲)

کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا سماع موتی کا انکار کرنا اور ان احادیث کو جنسے سماع موتی کا ثبوت ہے رد کرنا جمہور صحابہ کے نزدیک معتبر نہیں۔

جواب نمبر۲: حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں عدم سماع موتی سے رجوع کرکے جمہور صحابہ کے ہمنوا ہوگئی تھیں اور اس کے رجوع کے لئے یہ روایت صحیحہ تائید کرتی ہیں: ”عن ابي ملكية قال توفى يعنى عبد الرحمن بن بكر في الحبش فلما حجت عائشه اتت قبره فقالت ..... اما و الله شهدتكما زرتك ولا دفنتك حيث مت“ (رواۃ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال صحیح مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۰)

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قبر پر آکر اپنے بھائی سے خطاب کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ وہ سماع موتی کی قائل ہوگئی تھیں ورنہ ان کی قبر پر بصورت خطاب کے اس قسم کی باتیں نہ فرماتیں۔

دلیل سابع عدم سماع موتی: حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سوسال تک مردہ رکھا پھر ان کو زندہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کتنا عرصہ مردہ رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا ”یوما او بعض یوم“ مؤلف جواہر القرآن لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے کیونکہ عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے اور نہ ہی ان کو بیرونی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

جواب نمبر ا: اس واقعہ سے سلف صالحین میں سے کسی ایک مفسر ومحدث نے عدم سماع پر استدلال نہیں کیا تو سلف وصالحین کا استدلال نہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس واقعہ کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

جواب نمبر ۲: اس سے عدم سماع تب ثابت ہوگا جب کسی نص سے یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے پاس جا کر کسی نے سلام کیا ہوا اور انہوں نے نہ سنا ہو جبکہ کسی نص سے یہ ثابت نہیں تو محض عقلی طور پر یہ کہہ دینا کہ اس سے حضرت عزیر علیہ السلام کا عدم سماع ثابت ہے قرآن وحدیث کے خلاف بے باکانہ جرات ہے نیز اس کے تحت تفصیل ماقبل میں مسئلہ حیات الانبیاء وسماع الانبیاء کے تحت گزر چکی ہے۔

دلیل ثامن عدم سماع موتی: منکرین سماع موتی نے اصحاب کہف کے واقعے سے استدلال کیا ہے بلکہ وہ بزعم خویش بھاری دلیل سمجھتے ہیں کہ وہ تین سو نو سال کے بعد بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ: ''البثنا یوما او بعض یوم'' جب نیند میں روح بالاتفاق بدن میں ہوتی ہے بایں ہمہ ان کو وقت کا اندازہ نہ ہو سکا اور کسی کی بات نہ سن سکے تو مردے کس طرح سن سکتے ہیں؟

جواب نمبر ا: مردے کو سونے والے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ نیند کی حالت میں ادراک وشعور معطل ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے اس کا اطلاق، اس کا اعتاق، اس کا اسلام، اس کا ارتداد کوئی معتبر شے نہیں۔ جبکہ قبر میں اعادہ روح کے بعد میت میں ادراک وشعور آ جاتا ہے، تب ہی تو منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں اور وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اس کا وہ جواب معتبر ہوتا ہے کہ اس کے جواب پر جزا یا سزا ملتی ہے جیسا کہ احادیث میں تفصیل موجود ہے۔

جواب نمبر ۲: اس واقعہ میں کسی کے سلام وکلام کرنے کا اور اصحاب کہف کے نہ سننے کا ذکر نہیں بلکہ سونے کی مدت کا معلوم نہ ہونا منقول ہے۔ یہ زندہ کو بوقت نوم اس کا پتہ نہیں ہوتا۔

جواب نمبر ۳: یہی آیت سلف صالحین کے سامنے بھی تھی مگر ان میں سے کسی نے بھی عدم سماع موتی کا استدلال نہیں کیا، لہذا ہم ان حضرات کو وہی جواب دیتے ہیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منکر تقدیر کو دیا تھا: ''لقد قرؤا منه ما قرأتم وعلموا من تأويله ما جهلتم'' جس کا ذکر بالتفصیل ابوداؤد شریف میں موجود ہے جس کا حوالہ ماقبل میں لکھوایا جا چکا ہے۔

قسم ثالث: منکرین سماع موتی کے تین قسم کے دلائل تھے، ان میں سے تیسری قسم فقہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہ اور فتاوی کی کتابوں میں موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا پھر وہ شخص فوت ہو گیا تو قسم اٹھانے والا اس کی قبر پر جا کر کلام کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ مردے نہیں سنتے۔

جواب: قسم کا مدار عرف پر ہے اور عرف میں کلام کرنے کا تعلق زندوں سے ہے جس سے مخاطب کی ہاں یا نہ معلوم ہو سکے تو مردہ کی بات چونکہ باہر کھڑا ہونیوالے کو سنائی نہیں دیتی اس لئے اس کلام سے وہ حانث نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''لكون الايمان مبنية على العرف فالكلام بالميت وانكان كلاماً حقيقةً ويوجد فيه الاسماع والافهام لكن العرف يحكم بأن المراد في قوله لا كلامك هو الكلام محالة حياته''

(عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ ج ۲ ص ۲۲۳)

اور یہی جواب (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹) میں ہے۔

داؤد بن سلیمان بغدادی الحنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''هذا مبنی علی ان المبنی الایمان علی العرف فلا یلزمه منه نفی حقیقة السماع'' (المنحة الوہبیہ ص ۱۰)

بعینہ یہی جواب (شامی ج ۲ ص ۵۸۸) میں ہے کہ قسم کا مدار عرف پر ہونا بالاتفاق ہے۔ چنانچہ فقہ میں ہے جس نے آٹا نہ کھانے کی قسم کھائی ہو تو وہ روٹی کھانے سے حانث ہو جائے گا آٹا پھانکنے سے حانث نہ ہو گا اس قسم کے اور بھی کئی مسائل ہیں۔

<u>دلیل تاسع عدم سماع موتی</u>: منکرین سماع موتی کہتے ہیں کہ فتح القدیر میں ایک عبارت ہے: ''فان المقصود من الکلام افهام ذلك لا یحصل بعد الموت'' جس سے عدم سماع موتی ثابت ہے۔ جواب اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میت بالکلیہ ادراک اور شعور سے محروم رہتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو منکرین سماع موتی میں سینہ زوری سے شمار کی جاتی ہیں وہ بھی مردوں کے علم اور فہم کی قائل تھیں جیسا کہ بخاری شریف میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اگر واقعہ ان میں فہم وشعور نہیں ہوتا تو وہ منکر نکیر کے سوالات کو کیسے سمجھتے ہیں اور بلا فہم وادراک کیسے جواب دیتے ہیں وغیرہ۔ لہٰذا کتب فقہ میں اس عبارت اور جزئیہ کا اصل مطلب یہ ہے کہ تکلیفی زندگی کی طرح جس پر عادتاً کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے مردوں میں اس قسم کا افہام وتفہیم نہیں اور ''صاحب فتح القدیر'' علامہ ابن ہمام کی دوسری عبارت سے سماع موتی فی الجملہ ثابت ہے تو پھر ان کی عبارت کی ان کی مرضی کے خلاف توجیہ کرنا ''توجیه الکلام بما لا یرضی به قائله'' کے مترادف ہے جبکہ حافظ ابن ہمام نے علم کلام کی کتاب (المسایرہ) میں میت کے فہم وادراک کو ثابت کیا ہے۔ (المسایرہ ص ۱۱۶ جلد ۲)

<u>دلیل عاشر عدم سماع موتی</u>: منکرین سماع موتی کہتے ہیں اصحاب فتاوی مثلاً البحر الرائق، الظہیر یہ طحطاوی، جامع الرموز، سراج الوہاج، فتاوی قاضی خان اس پر متفق ہیں کہ امام سلام پھیرتے وقت نماز جنازہ سے میت کو سلام دینے کا ارادہ نہ کرے اس لئے کہ وہ اس کا اہل نہیں یعنی سنتا نہیں۔

<u>جواب نمبر ۱</u>: اس جزئیہ سے عدم سماع موتی پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تو خود فقہاء کرام میں اختلافی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے: ''وینوی بتسلیمتین المیت مع القوم'' (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۶)

اسی طرح (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۸۳) بھی میں ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ''قوله اذا المیت لیس اهلا له غیر مسلم فسیأتي ما ورد فی اهل المقبرة السلام علیکم دار قوم مؤمنین وتعلیمه علیهم السلام علی الموتی'' (منحة الخالق ج ۲ ص ۱۸۳)

اس سے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ میت سلام کی اہل ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ علامہ شامی فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ لہٰذا علامہ شامی کو منکرین سماع موتی میں شامل کرنا (جیسا کہ منکرین سماع موتی نے شامل کیا ہے) قطعاً غلط ہے۔ اور قاضی خان کی عبارت یہ ہے: ''ولا ینوی الامام المیت في تسلیمتي الجنازة بل ینوی من یمینه بالتسلیمة الأولی. ومن عن یساره بتسلیمة الثاني'' (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۹۲)

اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ پہلے سلام کو بائیں طرف والے اور دوسرے سلام کو دائیں طرف والے

نہیں سنتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلے سلام کے دائیں طرف والے اہل ہیں اور دوسرے سلام کے بائیں طرف والے اہل اور مستحق ہیں۔اسی طرح (جامع الرموز ج ا ص ۷۲) میں ہے۔

جواب نمبر ۲: بالاتفاق تمام فقہاء کرام کے ہاں چند لوگ ایسے ہیں کہ سنتے ہیں لیکن انہیں سلام کہنا مکروہ ہے اور وہ درمختار ص ۴۵۷ جلد ا مطبوعہ کوئٹہ کے حوالے سے تقریباً بیس ہیں جن میں سے (۱) نمازی، (۲) محدث، (۳) مفسر، (۴) خطیب، (۵) اقامت، (۶) اجنبی عورتیں، (۷) شطرنج کھیلنے والا، (۸) قضائے حاجت میں مصروف ہونے والا وغیرہ حضرات ہیں۔تو کیا اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ نہیں سنتے۔لہٰذا کسی کی سلام میں نیت نہ کرنے سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ وہ سنتا نہیں۔

دلیل حادی عشر عدم سماع موتی: منکرین سماع موتی علامہ تفتازانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے لکھا ہے: ''ولا نزاع فی ان الموتی لا یسمع'' (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مردے نہیں سنتے اور یہ مسئلہ اتفاقی ہے اختلافی اور نزاعی نہیں۔

جواب نمبر ا: اس سے کلی طور پر عدم سماع موتی پر استدلال کرنا درست نہیں کیونکہ صحیح اور صریح روایات سے مسئلہ سماع موتی ثابت ہے تو اس مجمل عبارت سے نفی سماع موتی کا کیا مطلب؟

نیز صحیح روایت کے مقابلے میں کسی کا قول معتبر نہیں۔

جواب نمبر ۲: خود علامہ تفتازانی دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''واتفق اهل الحق علی إن الله یعید الی المیت في القبر نوع حیاة قدر مایتألم ویتلذذ ویشهد بتلك الکتاب والاخبار والآثار'' (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۲۲)

تو علامہ تفتازانی اس عبارت کے حصے میں تصریح فرماتے ہیں کہ میت کی طرف قبر میں اس انداز سے حیات لوٹا دی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف وراحت کو محسوس کرتی ہے، جب اس کو فی الجملہ ادراک وشعور ہوتا ہے پھر سماع کیوں نہیں ہوتا؟

دلیل ثانی عشر سماع موتی: بعض حضرات نے لکھا ہے کہ الغرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے ایک شخص کو دیکھا جو نیک لوگوں اور بزرگوں کی قبروں پر جاتا ہے اور سلام کہتا ہے اور ان سے مخاطب ہو کر ان سے باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اہل قبور کیا تمہیں کوئی خبر ہے یا کوئی علامت ہے؟ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آ رہا ہوں اور تمہیں پکار پکار کر کہہ رہا ہوں اور یہ سوال کرتا ہوں کہ تم میرے لئے دعا کرو تمہیں کچھ پتا چلا یا تم بے خبر ہو؟

تو امام اعظم ابوحنیفہ نے اس سے فرمایا کیا انہوں نے کوئی جواب دیا، اس شخص نے کہا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا تیرے لئے دوری ہو اور تو ذلیل وخوار ہو تو ایسے اجسام سے بات کرتا ہے جو نہ جواب دینے کی قدرت رکھتے ہیں نہ ان کو کسی چیز کا اختیار ہے اور نہ کوئی آواز ہی سن سکتے ہیں تو پھر آپ نے بطور استدلال یہ آیت پڑھی: انک لا تسمع الموتی تو معلوم ہوا کہ امام صاحب عدم سماع کے قائل تھے۔

جواب نمبر ا: یہ کتاب غیر مقلدین کی تصنیف ہے جو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اچھا نہیں سمجھتے تو ان کے مخالفین کی بات ان کے بارے میں حجت نہیں ہو سکتی۔

جواب نمبر ۲: انتہائی حیرت کی بات ہے کہ احناف میں سے مسئلہ سماع موتی کے مثبت اور منفی پہلو میں نہ تو متقدمین حضرات کو یہ حوالہ دستیاب ہوا اور نہ متاخرین کو اور ہماری دانست میں کسی معتبر حنفی فقیہ نے ان سے پہلے اس کا تذکرہ نہیں کیا اور فقہ کی کسی معتبر کتاب میں ہے۔ لہٰذا یہ ہمارے لئے حجت نہیں۔

جواب نمبر ۳: الغرائب کس کی تصنیف ہے؟ اس کے مصنف کون تھے؟ کس مسلک سے تعلق رکھتے تھے؟ کسی زمانہ کی تالیف ہے؟ فقہاء احناف اور دیگر فقہاء کے نزدیک اس کے مصنف اور کتاب کا کیا مرتبہ ہے کوئی پتہ نہیں تو ایسی غیر متعارف، مجہول کتاب کی فقہ حنفی کی متداول کتب اور احادیث صحیحہ وصریحہ جمہور امت کے اقوال واضحہ کے ہوتے ہوئے کیا وقعت ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''ومن القواعد الکلیۃ ان نقل الاحادیث النبویہ والمسائل الفقھیۃ والتفاسیر القرآنیۃ لایجوز الامن الکتب المتداولۃ'' (بوادر النوادر ص ۵۰۹، موضوعات کبیری ۱۰۴، ۱۰۵)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ مسائل فقہیہ کا غیر متداول اور مجہول کتابوں سے نقل کرنا سرے سے جائز ہی نہیں اور حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''صرح في فتح القدیر من باب القضاء انہ لایحل النقل من الکتب الغریبۃ'' (الفوائد البہیہ ص ۱۰۹)

(مقدمہ عمدۃ الرعایہ ص ۱۱) پر لکھتے ہیں: ''لاتجوز الفتاوی من التصانیف الغیر المشھورۃ''

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں کوئی منصوص نہیں ہے اور وہ روایات جو امام صاحب کی طرف منسوب ہیں وہ روایات شاذ ہیں۔'' (فتاوی رشیدیہ ص ۹)

اور مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''مگر امام صاحب سے کوئی تصریح اس بارے میں نقل نہیں کرتے۔'' (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۴۶۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

لہٰذا امام صاحب کی طرف عدم سماع موتی کے قائل ہونے کی نسبت کرنا غلط ہے۔

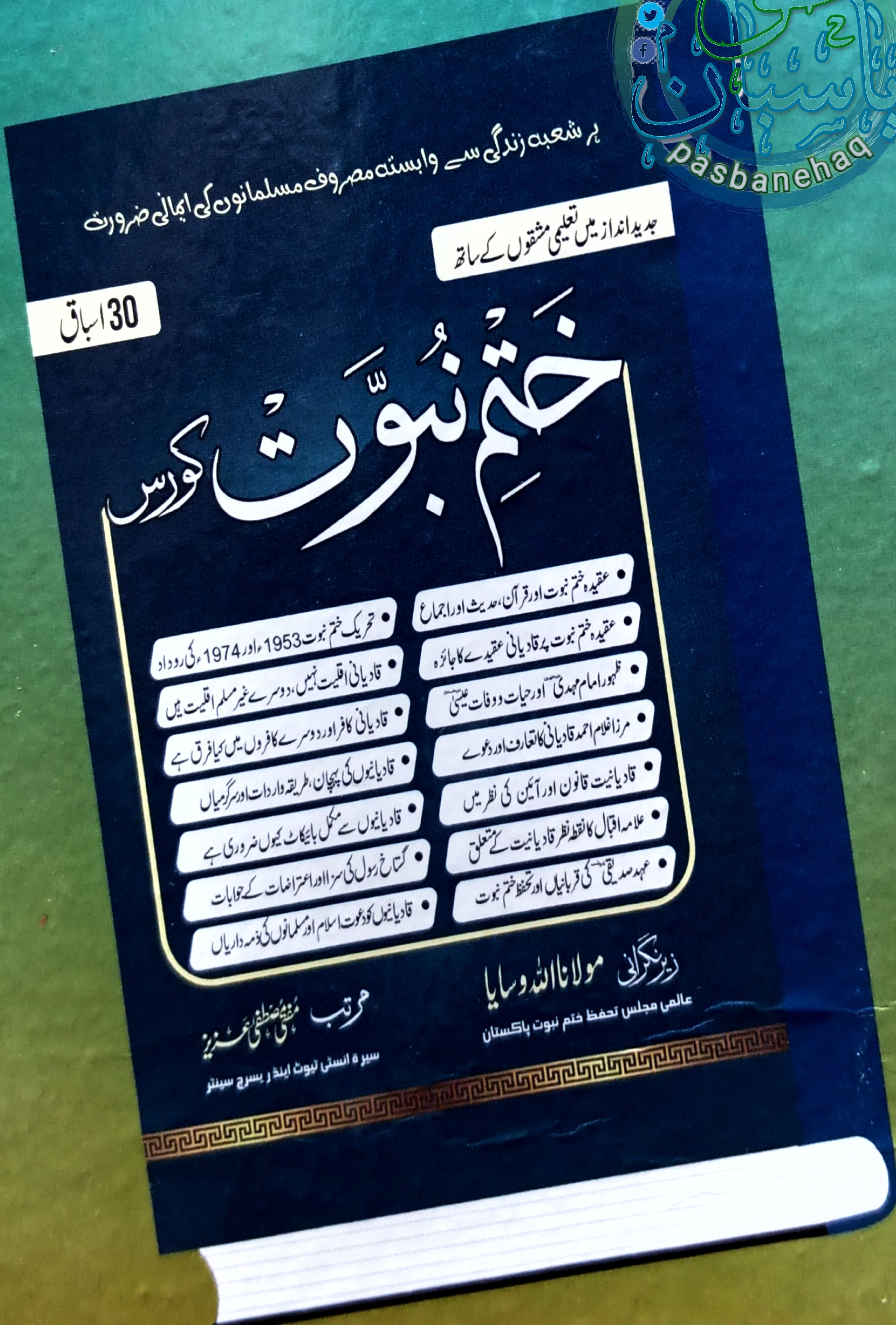
منکرین سماع موتی کا آخری سہارا

دلیل ثالث عشر عدم سماع موتی: منکرین سماع موتی کہتے ہیں عقیدہ سماع موتی چونکہ سبب شرک بنتا ہے اس لئے اس کا انکار کر دیا جائے۔

جواب: درحقیقت یہ سبب شرک نہیں جیسا کہ ماقبل میں لکھوایا جا چکا ہے اگر کسی کو اس کا وہم بھی ہو تو اس کا طریقہ انکار کرنا نہیں، بلکہ تسلیم کر کے اس کا اخفاء کیا جائے۔

نوٹ: موجودہ دور میں ایک زبردست میدان نزاع بنا ہوا ہے تو اس بناء پر نہایت اختصار کے ساتھ راہ مستقیم کے متلاشی کے لئے بحث کی گئی ہے تاکہ راہ اعتدال پر رہتے ہوئے افراط وتفریط سے محفوظ رہ سکے۔ باقی یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ منکرین سماع موتی کے پاس اس مسئلہ پر نہ تو کوئی آیت ہے اور نہ کوئی صحیح حدیث ان کی موافقت میں ہے خوامخواہ شور وغل ہے حق جل مجدہ کی بارگاہ عالیہ میں استدعاء ہے کہ راہ مستقیم پر گامزن رکھتے ہوئے بے راہروی وافراط وتفریط وشر ور وفتن سے محفوظ فرمائے۔

والحمد للہ رب العالمین!



ہر شعبہ زندگی سے وابستہ مصروف مسلمانوں کی ایمانی ضرورت
جدید انداز میں تعلیمی مشقوں کے ساتھ
30 اسباق
ختمِ نبوّت کورس
عقیدہ ختم نبوت اور قرآن، حدیث اور اجماع
عقیدہ ختم نبوت پر قادیانی عقیدے کا جائزہ
ظہور امام مہدیؓ اور حیات و وفات عیسیٰ
مرزا غلام احمد قادیانی کا تعارف اور دعوے
قادیانیت قانون اور آئین کی نظر میں
علامہ اقبال کا نقطہ نظر قادیانیت کے متعلق
عہد صدیقی کی قربانیاں اور تحفظ ختم نبوت
تحریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء کی روداد
قادیانی اقلیت نہیں، دوسرے غیر مسلم اقلیت ہیں
قادیانی کافر اور دوسرے کافروں میں کیا فرق ہے
قادیانیوں کی پہچان، طریقہ واردات اور سرگرمیاں
قادیانیوں سے مکمل بائیکاٹ کیوں ضروری ہے
گستاخ رسول کی سزا اور اعتراضات کے جوابات
قادیانیوں کو دعوت اسلام اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں
زیر نگرانی مولانا اللہ وسایا
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
مرتب مفتی مصطفیٰ عزیز
سیرۃ انسٹی ٹیوٹ اینڈ ریسرچ سینٹر